نیا ایڈیشن مع اضافہ تخریج و تعلیق

صلح وبیعت امام حسن رضی اللہ عنہ تحقیق کے تناظر میں

القول الاحسن

فی

جواب کتاب صلح الامام الحسن

تالیف

علامہ ابو اسامہ ظفر القادری بکھروی

مکتبہ اہل سنت
حیدرآباد سندھ

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

اِبْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

ترجمہ: حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے، سیادت کا علمبردار ہے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل اس کے باعث دو بڑے گروہ اسلام میں صلح کرا دے۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث 7109)

اَلْقَوْلُ الْاَحْسَنُ
فِیْ جَوَابِ کِتَابِ
صُلْحِ الْاِمَامِ الْحَسَنْ

تالیف

ابو اسامہ ظفر القادری بکھروی حفظہ اللہ

For More Books Click On Ghulam Safdar Muhammadi Saifi

©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

- نام کتاب: اَلْقَوْلُ الْاَحْسَنُ فِیْ جَوَابِ کِتَابِ صُلْحِ الْاِمَامِ الْحَسَنْ
- تالیف: علامہ ظفر القادری بکھروی صاحب
- مقدمہ: فیصل خان رضوی
- تتمہ: علامہ مفتی سجاد احمد فیضی صاحب
- اہتمام: حضرت جناب جی مدظلہ العالی، جناب عبد الغفار دوانہ صاحب
- طبع دوم جدید: ۲۰۲۳ء/۱۴۴۵ھ
- صفحات: 576
- ناشر: دار التحقیق پبلشرز فاونڈیشن
- قانونی مشیر: خواجہ حسن ریاض، ایڈوکیٹ سپریم کورٹ

ملنے کے پتے

☆ احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی	051-5551167
☆ مکتبہ غوثیہ، اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی	0321-5122632
☆ ورلڈ ویو پبلشرز، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، لاہور	0333-3585426
☆ اہل سنہ پبلی کیشنز، دینہ، ضلع جہلم	0321-7641096
☆ مکتبہ نعیمیہ، دار العلوم نعیمیہ، کراچی	0300-2080345
☆ مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، کراچی	021-34926110

تمام مسائل غور و فکر کے بعد نیک نیتی سے لکھے گئے ہیں، اگر کوئی غلطی نظر آئے تو براہِ کرم ادارہ کو مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

For More Books Click On Ghulam Safdar Muhammadi Saifi

فہرست

عنوانات	صفحہ
عرض ناشر	39
مقدمہ	39
﴿تاریخی روایات کے قبول کرنے کے اصول﴾	42
اعلی حضرت علیہ الرحمہ اور تاریخی مرویات کی استنادی حیثیت	44
تاریخ طبری کے آثار کا منہج	49
تاریخ طبری میں کذاب راویوں کی روایات	50
1-محمد بن السائب بن بشر ابو النصر الکلبی الکوفی پر جرح	50
2-ہشام بن محمد الکلبی پر جرح	52
3-واقدی کی روایات کی حیثیت جرح وتعدیل کی روشنی میں	53
علامہ ذہبی کے نزدیک واقدی قابل احتجاج نہیں	54
حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک واقدی کا متروک ہونا	55
واقدی کا اخبار صحیحہ کی مخالفت	56
4-سیف بن عمر الکوفی الاسیدی پر جرح	57
5-ابو مخنف لوط بن یحییٰ متروک رافضی	59
ظہور فیضی کی ابو مخنف سے اظہار ہمدردی	60
جواب	61
ابن کثیر کا ابو مخنف کو شیعہ کہنا	61
ابو مخنف کے بارے میں ابن عدی کی رائے	62
6-ہیثم بن عدی پر محدثین کرام کی جرح	63
7-محمد بن اسحاق کے بارے میں اصولی موقف	65

شیعہ راوی کی روایت سے استدلال کی علمی حیثیت	67
کیا صرف حُبِ اہلِ بیت ہی تشیع ہے؟	67
تشیع کی اقسام	67
علامہ ذہبی کی تحقیق	67
حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق	68
تشیع کی اقسام۔ باعتبار بدعت	70
تشیع صغری۔ تشیع خفیف کے طبقات	70
علت اول : حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنے والے صحابہ کی تنقیص کرنا	71
علت دوم : حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرات شیخین کریمین پر تفضیل	72
علت سوم:	74
شیعہ داعی الی بدعۃ کی روایت کا حکم	75
علامہ ذہبی کا قول	76
حافظ ابن حجر عسقلانی کا مختار مذہب بیان کرنا	78
شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق	78
عرب محقق دکتور محمود الطحان کی تحقیق	78
شیعہ کی روایت داعی یا غیر داعی کی شرط؟	79
عرب عالم احمد غماری کے بدعتی راوی پر اشکال کے جواب	80
1۔ حریز بن عثمان کے بارے میں تحقیق	80
جواب: حریز بن عثمان کا ناصبیت سے رجوع	80
2۔ عمران بن حطان کے بارے میں تحقیق	81
جواب: عمران بن حطان السدوسی کا خارجیت سے توبہ	81
3۔ شبابہ بن سوار کے بارے میں تحقیق	81
جواب: شبابہ بن سوار کا ارجاء سے رجوع	82

4_عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمانی کے بارے میں تحقیق	82
جواب: عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمانی کا رجوع	82
شیعہ راوی سے استدلال کیوں؟	83
جواب	84
شیعہ راوی کی فضائل اہل بیت میں روایات کی تحقیق	84
جواب:	85
سند کے ساتھ متن کا بھی فرق ملحوظ خاطر رہے	85
تعدد طرق یا کثرت شواہد کی بحث	86
متعدد اسانید کے مجموعے پر تحقیق	87
کثرت طرق اور محدث زیلعی حنفی کا قول	88
کثرت طرق کے بارے میں علامہ سیوطی کا موقف	88
محدث کوثری اور کثرت طرق کی حیثیت	89
محدث ابن صلاح کا کثرت طرق پر موقف	89
حافظ ابن کثیر کا کثرت طرق پر رائے	89
محدث طیبی کی تحقیق	90
اہم نکتہ	90
ضعف خفیف کا تعدد طرق میں قبول ہونا	90
ضعف شدید تعدد طرق میں بھی مقبول نہیں	91
ضعیف حدیث میں متابعت کی شروط	93
متابع یا شاہد ہونے کے باوجود بھی عدم قبولیت	94
نتیجہ	95
کثرت طرق وشواہد پر غماری کا تضاد	95
شاذ اقوال سے استدلال کی حیثیت	96

فقہاء کے نزدیک پہلی تعریف	96
فقہاء کے نزدیک دوسری تعریف	96
فقہاء کے نزدیک تیسری تعریف	97
اصولیوں کی نزدیک شاذ کی پہلی تعریف	97
اصولیوں کی نزدیک شاذ کی دوسری تعریف	97
اصولیوں کی نزدیک شاذ کی تیسری تعریف	98
اصولیوں کی نزدیک شاذ کی چوتھی تعریف	98
شاذ اقوال کا اطلاق کن صورتوں میں ہوتا ہے؟	98
شاذ اقوال سے استدلال کرنا باطل و مردود	99
حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے نزدیک شاذ اقوال کی حیثیت	99
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے نزدیک شاذ اقوال کی حیثیت	99
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان بابت شاذ اقوال	101
حضرت سلیمان التیمی کا شاذ قول کے بارے میں رائے	101
ابن عبدالبر کی تحقیق	102
حضرت ابراھیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کا شاذ اقوال سے استدلال شر ہے	102
امام الاوزاعی کا علماء کے شاذ اقوال سے استدلال کرنے پر فتوی	103
امام طحاوی کا شاذ اقوال سے استدلال کرنے سے منع کرنا	103
علامہ شاطبی کے نزدیک علماء کی غلطیوں پر ان کی تشنیع نہیں کرنی چاہیے	103
علامہ ذہبی کا مجتہدین کی خطاء سے استدلال کرنے پر تنبیہ	104
محدث ابن صلاح کا شاذ اقوال سے استدلال کرنے پر زندیق کا اطلاق	104
علامہ ابن رجب حنبلی کا علماء کی غلطیوں سے استدلال کرنے پر گرفت	104
شاذ اقوال پیش کرنے پر علماء کی طرف سے گرفت	105
محدث دارمی کی نزدیک شاذ قول سے استدلال بدعتی کی پہچان	106

اہل سنت مصادر میں صحابی کی تعریف	107
اہل سنت کے نزدیک مسلمان اور مومن کا اطلاق	109
مسلمان کی تعریف	109
اسلام اور ایمان میں فرق؟	111
سورۃ حجرات کی آیت 14: کے بارے میں علامہ تفتازانی کا جواب	112
مسلمان کا لغوی یا شرعی معنی کا اطلاق؟	112
علامہ تفتازانی کا قول	112
ابن الھمام کے نزدیک ایمان کی تعریف	114
علامہ کمال ابن ابی شریف کا ایمان کی تعریف کرنا	114
علامہ میر سید شریف جرجانی کے نزدیک مسلمان کی تعریف	114
اعمال صالحہ اور خاتمہ بالخیر کی شرائط؟	115
برے اعمال سے کفر مستلزم نہیں	116
خاتمہ بالخیر کے لیے ایمان کے بعد کوئی دلیل نہیں سوائے انکار کے	116
اصول وقواعد کا اطلاق	117
محدثین و مورخین کا نقل یا سکوت حجت نہیں	118
﴿القول الاحسن فی جواب کتاب صلح الامام الحسن﴾	121
صلح امام حسن وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہما فتاوی رضویہ کی روشنی میں	121
مقام نمبر: 1	121
مقام نمبر: 2	122
مقام نمبر: 3	123
مقام نمبر: 4	125
مقام نمبر: 5	128
مقام نمبر: 6	130

مقام نمبر:7	131
مقام نمبر:8	133
مقام نمبر:9	134
تنبیہ ضروری:	136
فوائد رضویہ:	136
صحابہ کرام قبل و بعد فتح مکہ کے لیے بشارت	140
اعتراض:	141
جواب:	141
سورۃ الحدید کا نزول فتح مکہ سے قبل یا بعد	142
معترض کا اشکال:	143
تحریف قرآنی کی جرأت	152
ابن جریر طبری کے قول کی حقیقت	154
ابن کثیر رحمہ اللہ کا تبصرہ	154
حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت کی فنی حیثیت	157
جواب:	157
سورۃ الفتح کی تفسیر میں امام شعبی کے قول سے استدلال	159
ابن حیان کے قول سے دھوکا	160
سورۃ الحدید کا نزول فتح مکہ سے قبل یا بعد؟	161
حدیبیہ کی بجائے فتح مکہ کا مشہور ہونا کیوں؟	163
جواب:	164
آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کو فتح قرار دینا	165
حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے اثر سے دھوکا دینے کی کوشش	166
صحابہ کرام یا منافقین میں کس نے دیدار مصطفی ﷺ کا فائدہ نہیں اٹھایا؟	166

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	169
اسلام ظاہر نہ کرنے کی وجہ	170
چند ضروری مباحث:	171
وعدہ یا وعید:	172
صلح امام حسن رضی اللہ عنہ دو عظیم گروہوں کی شان	175
صلح امام حسن رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پس منظر	175
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ؟	177
کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مطالبہ جائز تھا؟	178
حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تحکیم	178
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت خلافت کب لی گئی؟	179
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت بطور امیر یا خلیفہ؟	179
امام حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کے بعد بیعت کرنا	180
امام حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت	182
قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو سزا؟	183
خلفاء راشدین کی سیرت پر چلنے کی شرط؟	185
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیرت عمر رضی اللہ عنہ پر عمل پیرا ہونا	186
سیرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر عمل کرنا	187
مباحات میں وسعت کیوں؟	188
علامہ پرہاروی رحمہ اللہ پر اعتراض کیوں؟	188
جواب:	189
مطالبہ دم عثمان رضی اللہ عنہ یا چاہت حکمرانی؟	192
ابن خلدون کا قول	193
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخراجات کیسے ہوتے؟	193

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں کوئی صحابی شریک نہ تھا	194
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہلیت مدنظر ہونا	195
خلافت کی اقسام:	195
جواب:	195
خلفاء راشدین کے بعد سب سے بہتر حکمران	197
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق کے مطابق فیصلہ کرنے والے	197
جنگوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ام المومنین کی دعا	197
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عدل میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے اعلیٰ	198
اعمال معاویہ رضی اللہ عنہ مثل مہدی	198
معاویہ رضی اللہ عنہ ہی مہدی ہیں	199
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مثال نہیں	199
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیرت عمر رضی اللہ عنہ پر عمل پیرا ہونا	199
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلیم اور سخی ہونا	200
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اہل مدینہ پر خرچ کرنا	202
امام ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے محبت	203
حضرت معاویہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عظمت کا اقرار	203
اقتدار چھوڑنے کی وجہ خود امام پاک کی زبانی	204
کیا حضرت معاویہ h الطلقاء اور مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں؟	207
کیا طلقاء منصب کے اہل تھے؟	208
اکابرین صحابہ پر طعن کی کوشش	209
عہد نبوی ﷺ میں طلقاء کے اہم عہدے	209
عمال جنہیں عہد نبوی ﷺ میں سابقین اولین پر ترجیح دی گئی	210
کیا حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے مجبوری میں اسلام قبول کیا؟	211

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے حسن اسلام کے بارے میں روایت	212
حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حسن اسلام کے بارے میں روایت	212
حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو اہم عہدہ ملنا	213
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح مکہ پر مسلمان ہونے والے عمال	214
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں عمال	214
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں شہروں کے والی اور ان کی شرائط	215
حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دور کے عمال	216
کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حکمرانی کے اہل نہ تھے؟	216
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور طلقاء کی حکمرانی کی تحقیق	217
جواب:	217
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا طلقاء کے بارے میں قول کی تحقیق	218
جواب:	219
عبدالرحمن بن غنم الاشعری رضی اللہ عنہ اور طلقاء کی حکمرانی کی تحقیق	220
جواب:	220
حضرت صعصعہ بن صوحان رضی اللہ عنہ اور طلقاء کی حکمرانی کی تحقیق	221
جواب:	221
مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور طلقاء کی حکمرانی کی تحقیق	222
جواب:	222
کیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکمران بنانے کے فیصلہ پر نادم ہوئے؟	223
جواب:	224
اقتدار کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش اور تیاریاں	224
جواب:	225

نوٹ: 228
جواب: 229
کیا امام حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خوارج سے بہتر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ؟ 230
جواب: 230
کیا امام حسن رضی اللہ عنہ کی تقریر پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا؟ 231
جواب: 231
کیا امام حسن رضی اللہ عنہ کنے صلح پر طعن کرنے والوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناپسندیدگی کا کہا؟ 235
جواب: 236
ناگوار بیعت یا عام الجماعۃ؟ 238
جواب: 238
کیا بیعت ضلالت کہنا صحابی سے ثابت ہے؟ 240
جواب: 240
کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گمراہ کن معاون کہا؟ 242
جواب: 242
کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو دنیادار کہا؟ 243
جواب: 243
سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گورنری کے بارے میں رائے 245
جواب: 245
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وحضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جسارت 246
جواب: 246
کیا امام حسن وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی بیعت کراہت پر مبنی تھی؟ 247
جواب: 247
بیعت رضوان کے شرکاء کے جنتی ہونے پر اعتراض 249

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کی حقیقت	250
جواب :	250
سورۃ التوبہ سے صحابہ کرام کا جنتی ثابت ہونا	254
کیا صحابہ میں سے کوئی منافق بھی تھا؟	256
جواب:	256
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں کوئی صحابی شریک نہ تھا	257
جواب:	257
کیا قوموں کے دلوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں کینہ تھا؟	258
جواب:	259
کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغض علی کی وجہ سے سنت کو ترک کیا؟	260
جواب:	261
عرفہ کے دن تکبیر افضل یا تلبیہ؟	261
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فتوٰی	261
کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تلبیہ کہنے سے روکا؟	262
تلبیہ پڑھنے سے منع کرنے کا الزام کس کی طرف سے؟	263
کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کسی مصلحت کی خاطر خاموش رہتے ؟	265
جواب:	266
کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے حج تمتع سے منع کیا؟	267
جواب:	267
کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حج تمتع کے بارے خاموشی اختیار کی؟	268
حج تمتع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختلاف	268
حج تمتع اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	269
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حج تمتع	270

حج تمتع اور حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ	271
کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے سنت ترک کی؟ حج میں عصر کی چار رکعت پڑھیں	273
جواب:	273
حج میں چار رکعت نماز اور صحابہ کرام کا موقف	274
حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل	274
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل	274
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل پر بھی کیا فتویٰ لگے گا؟	276
کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نعرہ قصاص بہانہ تھا؟	278
جواب:	278
ابو مخنف لوط بن یحییٰ پر تحقیق	279
ابو مخنف کے بارے میں حافظ ابن کثیر کی رائے سے استدلال	280
جواب:	281
ابو مخنف کے بارے میں ابن عدی کی رائے	282
کیا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ ام المومنین کو شہید کر دیا جائے؟	283
جواب:	283
امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے بعض سینوں کے لیے کینے؟	284
جواب:	284
معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو مصیبت نہیں کہا؟	284
نتیجہ:	285
جواب:	285
روایت سیر اعلام النبلاء کی اسنادی حیثیت	286
بقیہ بن ولید ناقدین حدیث کی نظر میں	286

حاصل کلام:	288
بقیہ کی روایت پر ایک شبہ کا جواب	289
سیر اعلام النبلاء کی روایت متناً مضطرب ہے	290
اعتراض:	290
جواب:	291
امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اطمینان کا الزام؟	293
جواب:	293
چند غیر اہل سنت شخصیات کے حوالوں سے استدلال	295
جواب:	295
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ کے علم حدیث پر طعن کی کوشش	295
جواب:	296
صلح اور پسند میں کیا فرق؟	297
صلح کی وجوہات کیا تھیں؟	298
امام حسین رضی اللہ عنہ اور مقام معاویہ رضی اللہ عنہ	300
جواب:	300
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی تکریم کرنا	301
کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی حدیبیہ والی صورت پیش آئی؟	302
جواب:	302
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر "اس وقت تم مجبور ہو گے" سے استدلال کا تحقیقی جائزہ	304
جواب:	304
شرائط صلح	306
جواب:	306

جواب:	308
جواب:	309
جواب:	309
جواب:	310
جواب:	311
جواب:	312
جواب:	314
جواب:	314
پہلی شرط کی دھجیاں کیسے اڑائی گئیں؟	315
جواب:	315
دوسری شرط کا حشر ونشر	315
جواب:	315
تیسری شرط کا ستیاناس	316
جواب:	316
شوری کی شرط کا کیا حشر ہوا؟	316
جواب:	316
مشورہ کی بجائے دھمکی اور کذب بیانی	317
لکھاری کی موشگافیاں	317
جواب:	318
دربار معاویہ میں سخاوت کا پول	319
جواب:	320
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تحائف دینا	319
انصار سے ترجیحی سلوک کا الزام	321

جواب:	321
حب دنیا میں مبتلا تھی؟	324
جواب:	324
کیا صحابی بھی حب دنیا میں مبتلا ہو سکتا ہے؟	325
جواب:	326
اعتراض:	327
جواب:	327
حضرت معاویہ ؓ پر مسلمانوں کے مال میں سے زیادہ حصہ رکھنے پر اعتراض	329
جواب:	329
کیا حضرت معاویہ ؓ کافر، فاسق، ظالم، جائر، غاصب اور جابر تھے؟	331
جواب:	331
حضرت معاویہ ؓ کو امام البغاۃ اور فاسق کہنا	331
جواب:	332
علامہ جرجانی کی عبارت کا جواب	332
جواب:	333
شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی عبارات کا جائزہ	333
جواب:	333
امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ سے امام البغاۃ اور ظلم کا انتساب	334
جواب:	334
عبد القاہر بغدادی کے حوالہ سے باغی اور ظالم کا انتساب؟	335
جواب:	335
کیا امام حسن ؓ نے کہا خوارج سے جنگ سے بہتر معاویہ سے لڑنا؟	336
جواب:	337

کیا بعض علماء ہند کی معلومات محدود تھیں؟	339
جواب:	339
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر زبردستی خلافت پر قابض ہونے کا الزام	340
متکلمین اہل سنت اور لفظ باغی کا اطلاق	341
نوٹ:	341
باغی کا اطلاق کس معنی میں؟	341
امام ابن الہمام رحمہ اللہ کی تصریح	341
علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ کی تصریح	342
امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی تصریح	342
علامہ عبداللطیف سندھی رحمہ اللہ کی تصریح	343
لفظ باغی کا اطلاق اس دور میں جائز نہیں	343
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بہتر	343
عبداللہ بن مبارک کے قول پر اعتراض	343
جواب:	344
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک افضل کون؟	346
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو غیر عادل کہنے کی جسارت	347
جواب:	347
امام احمد کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی بھی غیر صحابی کی فضیلت پر ناراضگی	348
کیا خلفاء راشدین کے علاوہ حکمران برائی کی طرف جلدی کرنے والے تھے؟ سفیان ثوری کے قول کی تحقیق	348
جواب:	349
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ؟	349
جواب:	350

امام اعمش کے نزدیک تقابل مابین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ	350
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا نظریہ	351
سادات کی تنقیص کرنے کی جرأت	352
اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ پر ضعیف حدیث سے استدلال کا اعتراض	352
جواب:	352
امام حسن بصری رحمہ اللہ اور حجر بن عدی کے قاتل	353
جواب:	353
امام حسن بصری کے ایک قول ”چار باتیں معاویہ میں“ کی تحقیق	355
جواب:	355
امام عالی مقام کی بے خبری	356
جواب:	356
ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حجر بن عدی کے قاتل	356
جواب:	357
سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حجر بن عدی کے قاتل	357
جواب:	358
کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں جھوٹی تعریف ہوتی تھی؟	358
جواب :	359
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں قول سے استدلال کا جائزہ	360
جواب:	361
تتمہ و اضافہ	363
پیشگی معذرت	363
﴿سورۃ الحدید ۱۰ پر فیضی کے اشکالات کے جوابات﴾	365
”الحسنیٰ“ سے مراد جنت ہے:	365

آیت ہذا کے ضمن میں پیش کردہ قاری ظہور کے دلائل اور اشکالات کا رد:	366
تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قطعی جنتی ہونے پہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:	366
الجواب:	367
امیر معاویہ اس آیت میں شامل نہیں (قاری ظہور):	368
جواب نمبر: ۱حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے کلمہ پڑھ چکے تھے اس لئے اس آیت میں شامل ہیں:	369
جواب نمبر: ۲حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے دوسرے گروہ کے تحت اس آیت میں شامل ہیں:	370
جواب نمبر: ۳۔آپ رضی اللہ عنہ صحابی ہونے کے ناطے اس آیت میں شامل ہیں:	371
تنبیہ:	372
جواب نمبر: ۵موصوف سے ایک اہم مطالبہ:	373
جواب نمبر: ۶۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاری ظہور کے مسلّمہ تفسیری قواعد کی روشنی میں بھی آیت ہذا میں شامل ہونا:	373
تنبیہ:	375
اس فتح سے فتح مکہ نہیں بلکہ صلح حدیبیہ مراد ہے (قاری ظہور):	376
جواب نمبر: ۱۔امت کے کثیر اور اجلہ مفسرین نے اس فتح سے فتح مکہ مراد لی ہے:	378
جواب نمبر: ۲۔تفسیر طبری اور تفسیر در منثور کے حوالاجات موصوف کے مؤید نہیں ہیں:	379
اصل فتح صلح حدیبیہ ہے، قول محقق (ظہور فیضی):	380
جواب نمبر: ۱۔موصوف کی دھوکہ دہی اور ان کے نقل کردہ تفسیری شواہد کی حقیقت:	382
ایک شبہ کا ازالہ:	382
جواب نمبر: ۲۔اس سے مراد "فتح مکہ" کے ارجح و اصح ہونے پہ دس (۱۰) دلائل:	385
دلیل نمبر: ۱	385
دلیل نمبر: ۲	385

دلیل نمبر: ۳	386
دلیل نمبر: ۴	386
دلیل نمبر: ۵	386
دلیل نمبر: ۶	388
دلیل نمبر: ۷	389
دلیل نمبر: ۸	389
دلیل نمبر: ۹	389
دلیل نمبر: ۱۰	389
نوٹ:	390
مصنف کی طرف سے تلبیس الحق بالباطل کا بدترین مظاہرہ:	390
سلیمانیہ:	391
بتریہ (یا صالحیہ)	391
موصوف کے زیدی غالی شیعہ ہونے کا ثبوت:	391
جواب نمبر: ۳۔ تفسیر البحر المحیط'' کی شہادت ''قال الجمہور'' اور موصوف کی دھوکہ دہی:	392
موصوف کا اجلہ اور کثیر مفسرین کی تردید و تغلیط کرتے ہوئے انہیں مفاد پرست قرار دینا:	393
الفتح سے فتح مکہ مراد لینے والے کثیر و عظیم مفسرین:	393
نوٹ:	395
قدیم الاسلام صحابہ کرام ز کے نزدیک ''صلح حدیبیہ'' ہی اصل فتح ہے۔ (قاری ظہور)	396
جواب نمبر ۱۔ موصوف کی نقل کردہ تمام احادیث آیات سورۂ فتح کے متعلقہ ہیں نہ کہ آیت سورۂ حدید	397
جواب نمبر: ۲۔ قرآن مجید کی ہر فتح سے مراد صلح حدیبیہ نہیں ہے:	398
جواب نمبر: ۳۔ علامہ ابن عاشور کا حوالہ اور موصوف کی خیانت:	399
اس سے فتح مکہ مراد لینے والے عدم تدبر کا شکار ہیں: (قاری ظہور):	400

جواب نمبر: ۱۔ اس سے فتح مکہ مراد لینے والے عدم تدبر کا شکار نہیں بلکہ آپ ہی گمراہی کے بخار میں مبتلا ہو چکے ہیں: 400
جواب نمبر: ۲۔ آیت حدید میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے شامل ہونے پہ زبردست و ناقابل تردید تفسیری شواہد: 400
جواب نمبر: ۳۔ اگر اس سے صلح حدیبیہ ہو تو بھی تمام صحابہ کرام [اس “وعدۂ حسنیٰ” کے مصداق قرار پاتے ہیں: 402
نوٹ: 403
جواب نمبر: ۴۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کا ازل میں ہی وعدۂ ربانی ہو چکا 403
اعلیٰ حضرت کی تفسیر بے دھیانی کا نتیجہ مردود اور کتاب وسنت کے منافی ہے۔ (قاری ظہور): 404
جواب: موصوف کے یہ اعتراضات اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پر نہیں بلکہ امت کے اجلہ وکثیر مفسرین کی تفاسیر پر ہیں: 406
جواب نمبر: ۲۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کتاب وسنت کے منافی نہیں ہے بلکہ “تفسیر القرآن بالقرآن” کے قبیل سے ہے: 408
جواب نمبر: ۳۔ تفسیر صاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہا میں قیامت تک کے تمام مخلص مومنین کو “وعدۂ حسنیٰ” میں شامل قرار دیا گیا ہے: 408
اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ رضویہ والے اور کنزالایمان والے ترجمہ میں یکسانیت نہیں ہے (قاری ظہور): 409
جواب نمبر: ۱۔ یہ اعتراض نہیں بلکہ عدم تدبر کا نتیجہ ہے: 410
جواب نمبر: ۲۔ فتاویٰ رضویہ کے ترجمہ میں مستقبل کی قید حدیث نبوی کے پیش نظر لگائی گئی ہے: 410
جواب نمبر: ۳ 411
ترجمے میں فرق کرنا اگر غلطی ہے تو یہ غلطی موصوف سے بھی سرزد ہو چکی ہے: 411
فائدہ مہمہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا اصولی جواب: 411
آٹھ ہجری سے لے کر ساٹھ (۶۰) ہجری تک کے تمام صحابہ جنتی نہیں ہیں: (قاری ظہور) 414

جواب: ان تمام صحابہ کے جنتی ہونے میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے:	414
صحابہ رسول عبد الرحمان بن عدیس اور ابو الغایہ جہنی جنتی نہیں ہیں (قاری ظہور):	415
جواب نمبر: ۱۔یہ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما بھی بلاشک وشبہ جنتی ہیں:	415
جواب نمبر: ۲	417
یہ دونوں صحابی موصوف کی تحقیق وضوابط کی روشنی میں بھی جنتی قرار پاتے ہیں:	417
جواب نمبر: ۳۔ان دونوں صحابہ کے جنتی ہونے پہ نصوص قرآن وحدیث:	417
جواب نمبر: ۴۔صحبت نبوی کی برکت سے ان کی لغزشیں معاف ہو چکی ہیں:	419
نوٹ:	420
جواب نمبر: ۵۔حدیث قَاتِلُ عَمَّارٍ وَسَالِبُوْہ فِی النَّار" کا صحیح معنی ومفہوم:	420
جواب نمبر: ۶۔یہ حدیث ضعیف اور نا قابل استدلال ہے:	422
تمام صحابہ کلیۃ مغفور نہیں ہیں، جیسا کہ کرکرۃ اور مدعم صحابہ رسول کی بابت احادیث اس پر دلالت بھی کرتی ہیں (قاری موصوف):	423
جواب نمبر: ۱۔مدعم اور کرکرہ کے بارے تحقیقی جواب:	424
جواب نمبر: ۲۔مدعم اور کرکرہ کے بارے الزامی جواب:	428
فائدہ:	429
نوٹ:	430
جواب نمبر: ۳۔موصوف کا خوارج ودیابنہ کی روش پہ چلنا:	430
اگر تمام صحابہ حساب وکتاب سے مستثنیٰ ہیں تو پھر امہات المومنین کو یضاعف لہا العذاب ضعفین کیوں فرمایا گیا۔ (قاری ظہور):	431
جواب: یہ قرآنی جملہ بر سبیل فرض کے ہے اس لئے اس سے استدلال کرنا موصوف کو مفید نہیں ہے:	432
اعلیٰ حضرت نے جو واللہ بما تعملون خبیر" کی تفسیر کی ہے وہ غلط، سراسر باطل اور قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ (قاری ظہور):	434

جواب نمبر: ۱۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر غلط و باطل نہیں ہے بلکہ موصوف ہی بغض صحابہ و سلف صالحین میں حد سے گزر چکے ہیں:	436
جواب نمبر: ۲۔ موصوف کی پیش کی گئی تفسیری شہادتیں بھی ان کے مؤقف کی تائید نہیں کرتیں:	436
جواب نمبر: ۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف وعدے کے مستحق ہیں اور وعدہ و وعید ان کے بعد والے لوگوں کے لئے ہے:	437
جواب نمبر: ۴۔ موصوف کی جانب سے جہالت کا بدترین مظاہرہ:	437
وحشی ہمیشہ نشے میں دھت رہتا اور حالت نشہ میں ہی اس کی موت ہوئی (قاری ظہور):	439
جواب نمبر: ۱	440
حضرت وحشی h کو نشے کا عادی قرار دینا قطعاً درست اور حقیقت نہیں ہے:	440
جواب نمبر: ۲۔ موصوف کی پیش کردہ روایات سنداً مجروح اور ناقابل استدلال ہیں:	440
نبی کریم ﷺ اسے (وحشی کو) منہ نہیں لگاتے تھے۔ (قاری ظہور)	441
جواب نمبر ۱۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو منہ نہیں لگاتے تھے:	442
جواب نمبر ۲۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو برا کہنے سے خود منع فرمایا:	443
جواب نمبر: ۳۔ حضرت وحشی h کی تسلی و دلجوئی کے لئے قرآنی آیات نازل ہوئی	444
جواب نمبر: ٦۔ "فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي" فرمانِ نبوی کی حکمت:	446
جواب نمبر: ۵۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا صحابی اور جنتی ہونا جب موصوف کو خود بھی تسلیم ہے تو پھر طعن کس بنیاد پر؟	446
جواب نمبر: ٦۔ لو آپ اپنے جال میں صیاد آگیا:	447
جواب نمبر: ۷۔ اہلسنت کے نزدیک دیگر صحابہ کی طرح حضرت وحشی رضی اللہ عنہ پر بھی طعن و تشنیع کرنے والا رافضی ہوتا ہے:	447
صحابیت کوئی ایسا لائسنس نہیں ہے کہ آدمی جو چاہے کرتا پھرے اور اس کا مواخذہ حساب نہ ہو (قاری ظہور):	448

جواب: جس خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں مؤاخذہ وحساب ہے وہ خود ہی سب صحابہ کو جنتی قرار دے چکا	448
فتح مکہ کے بعد والے صحابہ کی شان میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی۔ (قاری ظہور)	449
جواب: بالفرض تسلیم اگر ان کی شان میں کوئی صحیح حدیث نہ بھی ہوتی تو ان کی عظمت کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ مقام صحابیت پہ فائز ہیں:	449
احادیث میں لفظ اصحابی جہاں بھی آیا ہے اس سے فقط "سابقون اولون صحابہ" مراد ہیں نہ کہ ان کے بعد والے بھی (قاری ظہور):	449
جواب نمبر: ا۔ موصوف کا "اَصْحَابِی" سے غیر سابقین صحابہ کو مستثنیٰ قرار دینا قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ یہ لفظ تمام صحابہ کو شامل ہے:	451
جواب نمبر: ۲۔ "لاتسبوا اصحابی" کا مورد خاص ہونے کے باوجود یہ جمیع صحابہ کو شامل ہے:	453
جواب نمبر: ۳۔ فتح الباری سے پیدا ہونے والے ایک اشکال کا حل:	455
جواب نمبر: ۴۔ موصوف کا یہ انداز استدلال فقہاء احناف کے نزدیک وجوہِ فاسدہ میں شمار ہوتا ہے:	456
جواب نمبر: ۵۔ وجہ فاسد کے حقیقی قائلین بھی اس فساد کے مرتکب و قائل نہیں ہیں کہ جس کے موصوف ہیں:	457
جواب نمبر: ۶۔ غیر سابقین صحابہ کا "اصحابی" میں شامل ہونا از قاعدۂ مسلمہ ظہور فیضی:	458
حدیث "ستکون لاصحابی بعدی زلة یغفرھا الله لسابقتھم" انتہائی ضعیف اور ناقابل استدلال ہے (موصوف قاری):	458
جواب: اس حدیث کو انتہائی ضعیف و ناقابل استدلال قرار دینا درست نہیں ہے:	459
اس حدیث میں مذکور الفاظ "ثم یاتی من بعدھم قوم یکبھم الله علی مناخر ھم فی النار" سے مراد معاویہ اور ان کے ساتھی ہیں (موصوف قاری):	459
جواب نمبر: ا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی تو نہیں البتہ موصوف نے خود ضرور ان الفاظ کا مصداق بنتے ہوئے اپنے بد بخت ہونے کا اعلان کیا ہے:	460
جواب نمبر: ۲۔ موصوف کے نقل کردہ قاعدے سے بھی وہ صحابہ جنتی قرار پاتے ہیں:	463

فاضل بریلوی کا اس حدیث سے استدلال کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ (موصوف قاری)	464
اعلیٰ حضرت کا یہ استدلال قرآن کے مخالف نہیں بلکہ قرآن کے عین مطابق ہے:	464
﴿آیاتِ سورۂ انبیاء اور تمام صحابہ کا جنتی ہونا﴾	466
سَبَقَت "بمعنی وَجَبَتْ کے ہے:	466
"الحسنیٰ" سے مراد جنت ہے:	467
"مبعدون" کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ دوزخ میں نہیں جائیں گے:	467
یہ وعدہ ازل میں ہی ہو چکا ہے:	468
یہ وعدہ تمام صحابہ کرام ز کے ساتھ کیا گیا ہے:	468
بقول مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی یہ وعدہ تمام صحابہ کرام ز کے لئے ہے:	469
ضرب ذوالفقار بر گردنِ منکر اصحاب اخیار:	470
نوٹ: اگر زیرِ بحث آیات سے پہلی والی آیات:	471
وعدۂ حسنیٰ اور تمام صحابہ کے انعامات:	471
فائدہ:	472
﴿سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ پر اشکال کے جوابات﴾	473
کلمہ "من" کا پہلا احتمال، اس کا تبعیضیہ ہونا:	474
تنبیہ:	476
خلاصہ کلام:	476
کلمہ "مِن" کا دوسرا احتمال، اس کا بیانیہ ہونا:	477
"من" کے بیانیہ ہونے کی تائید ایک روایت سے:	480
جس کو قرآن پڑھ کے بھی تمام صحابہ کا جنتی ہونا سمجھ نہ آئے گویا اس نے قرآن پڑھا ہی نہیں:	481
"من" کے بیانیہ ہونے والی تفسیر ہی راجح ہے:	481
نتیجہ کلام:	482

زیر بحث آیت کی فیصلہ کن تفسیر:	482
سابقین صحابہ کا سچا پیروکار وہی مسلمان ہے جو کسی بھی صحابی پر طعن و تشنیع نہ کرے:	483
آیت ہذا کے ضمن میں قاری ظہور کے پیش کردہ اشکالات کا رد بلیغ:	484
اس آیت میں تین طبقات کا ذکر ہے اور فتح مکہ کے بعد والے صحابہ "اتبعوھم" میں شامل نہیں ہیں (قاری موصوف):	484
جواب نمبر: ۱۔ آیت ہذا میں تین طبقات نہیں، دو طبقات یعنی صحابہ وغیرہ صحابہ کا ذکر	484
جواب نمبر: ۲۔ فتح مکہ کے بعد والے صحابہ بھی آیت میں شامل ہیں:	485
تمام مہاجرین و انصار صحابہ بھی رضائے الٰہی اور جنت کے مستحق نہیں ہیں، کیونکہ "مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَار" میں "مِن" تبعیضیہ ہے:	485
جواب نمبر: ۱۔ "من" کے تبعیضیہ ہونے کے باوجود بھی صرف مہاجرین و انصار ہی نہیں بلکہ اول تا آخر تمام صحابہ رضائے الٰہی و جنت کے مستحق قرار پاتے ہیں:	486
جواب نمبر: ۲۔ موصوف اپنے ہی بیان کردہ ضابطے کی روشنی میں غلطی کے مرتکب قرار پاتے ہیں:	486
جواب نمبر: ۳۔ "من" کے بیانیہ ہونے کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور موصوف نے اس تفسیر کو ٹھکرا کر حضرت ابن عباس کی تغلیط اور فیضان نبوی کی تکذیب کا ارتکاب کیا	487
رضائے الٰہی اور جنت کے مستحق فقط وہ مہاجرین و انصار صحابہ ہیں جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا (قاری ظہور فیضی):	488
جواب: سب صحابہ کا خاتمہ ایمان پر ہی ہوا ہے، کیونکہ رب نے انہیں ازل سے ہی اپنی رضا اور جنت کے وعدے سے نواز رکھا ہے:	488
بعض اولین مہاجرین صحابہ خاتمہ بالایمان سے محروم رہے ہیں، جیسے عبید اللہ بن جحش (قاری ظہور فیضی):	489
جواب: موصوف کی طرف سے عبید اللہ بن جحش کی مثال پیش کرنا درست نہیں:	489
تمام صحابہ کو جنتی قرار دینا عدم تدبر پر مبنی اور معاویہ کا ناجائز دفاع کرنا ہے (قاری ظہور احمد فیضی):	490

جواب: موصوف نے صحابہ سمیت ساری امت بلکہ نبی ﷺ کو بھی عدم تدبر کا شکار اور ناجائز کام کے مرتکب قرار دے دیا۔ نعوذ باللہ:	490
صحابہ میں کچھ منافق صحابہ بھی تھے۔ (قاری ظہور احمد فیضی):	490
جواب نمبر: ۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی بھی منافق نہ تھا، حوض کوثر سے مرتدین کو دھتکارا جائے گا، نہ کہ صحابہ کو:	491
جواب نمبر: ۲۔ ''فِیْ اَصْحَابِیْ اِثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا'' سے مراد بھی پکے منافق ہیں نہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	492
دلیل نمبر: ۱	492
دلیل نمبر: ۲	492
دلیل نمبر: ۳	493
دلیل نمبر: ۴	493
تنبیہ:	495
دلیل نمبر: ۵	495
کیا عبد الرحمٰن بن عدیس، ابو الغادیہ اور بسر بن ابی ارطاۃ صحابی بھی جنتی ہیں؟ (قاری ظہور):	495
جواب: بالکل یہ بھی جنتی ہیں اور شرف صحابیت کے جملہ عمومی فضائل کے حامل ہیں۔	496
نوٹ:	496
معاویہ کا پورا گروہ ہی قتل عمار کا ذمہ دار اور داعی الی النار ہے (قاری ظہور):	496
جواب: موصوف کی یہ بات برخلافِ حقائق اور غلط ہے:	497
بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا ذمہ دار فرعون کو قرار دیا جاسکتا ہے تو پھر قتل عمار کا ذمہ دار معاویہ کو کیوں نہیں قرار دیا جاسکتا؟ (قاری ظہور):	497
جواب: موصوف کا یہ خیال باطل اور قیاس، قیاس مع الفارق ہے:	498
کسی کو جنتی قرار دینے کے لئے قرآن وسنت سے دلیل کا ہونا ضروری ہے (قاری ظہور):	498
جواب: بالکل ٹھیک، مگر یاد رہے قرآن وسنت نے تمام صحابہ کے جنتی ہونے پر کئی دلائل پیشگی ہی بیان فرما دیئے ہیں:	499

لقد رضی اللہ عن المومنین (الفتح ۱۸:) آیت سے استدلال کرتے ہوئے بیعت رضوان میں شامل تمام صحابہ کو جنتی قرار دینا درست نہیں ہے :(قاری ظہور):	499
جواب: اس آیت سے صرف بیعت رضوان والوں کا ہی نہیں بلکہ دیگر بھی تمام صحابہ کرامؓ کا جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے:	499
رضاء الٰہی کا یہ مژدہ فقط ان لوگوں کے لئے تھا جنہوں نے عہد کو نبھایا اور اس بیعت پر قائم رہے :(قاری موصوف):	500
جواب: ۱۔ موصوف کی بات بالکل درست ہے۔ مگر یاد رہے کہ تمام صحابہ نے اپنا بھی نبھایا ہے اور بیعت بھی قائم رہے ہیں:	501
جواب نمبر: ۲۔ بیعت رضوان والے تمام صحابہ "وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللّٰهُ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا" کے مصداق ہیں:	502
جواب نمبر: ۳۔ رب تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہمیشہ راضی رہنے اور کبھی بھی ناراض نہ ہونے کو واجب کر رکھا ہے:	502
جواب نمبر: ۴۔ رضی اللہ عن المومنین پڑھ کے بھی صحابہ کا مقام نہ پہچاننے والے منشاء قرآن کے خلاف اعتقاد رکھتے ہیں:	503
جواب نمبر: ۵۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ سے ازل تا ابد راضی ہو چکا ہے اور ان کی لغزشوں کی وجہ سے یہ رضائے الٰہی زائل نہیں ہوئی:	503
معاویہ کے گروہ کے تمام لوگ ناقثین (عہد شکن) ہیں: قاری ظہور:	504
جواب: ۔ صحابی تو کوئی بھی عہد شکن نہیں تھا، ہاں مگر تم خود ضرور بد اعتقاد ہو:	504
کسی ایک صحابی کی گستاخی سے تمام صحابہ کی گستاخی متصور نہیں ہوتی۔ (قاری ظہور):	505
جواب نمبر: ۱۔ موصوف کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی عام عالم دین پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے:	505
جواب نمبر: ۲۔ اسلاف کے نزدیک کسی ایک صحابی کی گستاخی کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی سمجھا جاتا تھا	505
ہر صحابی کے لئے محب اہلبیت ہونا ضروری نہیں ہے۔ (قاری ظہور):	506

جواب: حسب عادت موصوف کی یہ بات بھی حماقت و غوایت اور سفاہت پر مبنی اور برخلاف حقیقت	506
صحابیت ایک کسبی چیز ہے اور بہت سے صحابہ مرتد بھی تو ہو گئے تھے: (قاری ظہور):	507
جواب نمبر: ۱۔ صحابیت کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے:	508
جواب نمبر: ۲۔ اگر یہ ایسی ہی کسبی چیز ہے تو پھر تم کیوں صحابی نہیں بن سکے؟	508
جواب نمبر: ۳۔ کوئی صحابی مرتد نہیں ہوا، یہ صرف تمہاری بداعتقادی کا نتیجہ ہے:	508
جو لوگ صحبت نبوی کے شرف کو قائم نہ رکھ سکے علماء نے ان کی تعظیم سے دست برداری کی ہے بلکہ انہیں برا بھی کہا ہے۔ جیسے بسر بن ابی ارطاۃ (قاری ظہور):	508
جواب نمبر: ۱۔ حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ بھی صحابی رسول اور قابل تعظیم ہیں:	510
جواب نمبر: ۲۔ موصوف نے حضرت ابن عباس اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی روایات پیش کرنے میں بھی حقیقت پوشی اور خیانت سے کام لیا ہے:	512
معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور سمرہ بن جندب متنازعہ صحابہ کے لئے "رضی اللہ عنہ" جیسے تعظیمی الفاظ استعمال کرنے کے باعث گنہگار ہونے کا خدشہ ہے۔ (قاری ظہور)	514
جواب نمبر: ۱۔ بلا استثناء تمام صحابہ کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" وغیرہ کلمات تعظیمیہ استعمال کرنا باعث گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے اور عناداً ترک کرنا گناہ ہے:	515
فاطمی شہزادے کی ضرب قاہر:	517
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل آنے والے تمام لوگ (اصحاب و جمل و صفین) خطا، بغاوت اور باطل پر تھے: (قاری ظہور):	517
جواب نمبر: ۱۔ جنگ جمل و صفین وغیرہ مشاجرات میں حق اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، مگر ان کے مدمقابل لوگ باطل وغیرہ پر نہیں تھے بلکہ خطاء اجتہادی پر تھے:	518
جواب نمبر: ۲۔ بلکہ صحابہ کا مجتہد ماجور ہونا موصوف کو بھی تسلیم ہے:	518
اصحاب صفین مجتہد نہیں بلکہ باغی تھے (قاری ظہور):	519
جواب: ان کا مجتہد ہونا تمہارے اقوال سے بھی ثابت ہے:	519

معاویہ کے لئے اجتہادی خطا کے قائلین چاپلوس حواری اور علماء سوء ہیں۔ (قاری ظہور):	520
صلح امام حسن کو معاویہ کی اہلیت کی دلیل سمجھنا عدم تدبر کا نتیجہ اور کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ (قاری ظہور):	521
جواب: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضور غوث اعظم اور حضرت شیخ محقق ا سمیت بڑے بڑے محدثین و فقہاء عدم تدبر کا شکار ہو گئے اور ان کی تحقیقات قرآن وسنت کے مخالف ہیں اور غیر معتبر ہیں؟	521
جواب نمبر: ۲۔ موصوف کا یہود ونصاریٰ کی روش پر چلنا:	525
تمام صحابہ کرام [کے جنتی ہونے پر فیصلہ کن تصریحات:	525
﴿ حضرت عبیداللہ بن جحش پر نصرانی ہونے کا الزام ﴾	536
جواب:	536
حوالہ نمبر 1 کی تحقیق	537
جواب:	537
حوالہ نمبر 2 کی تحقیق	537
جواب:	537
حوالہ نمبر 3 کی تحقیق	537
جواب:	538
واقدی کے مدنی شیوخ سے مناکیر روایات	538
حوالہ نمبر 4 کی تحقیق	539
جواب:	539
حوالہ نمبر 5 کی تحقیق	539
جواب:	540
حوالہ نمبر 6 کی تحقیق	540
جواب:	541
حوالہ نمبر 7 کی تحقیق	541

جواب: 541
حوالہ نمبر 8 کی تحقیق 542
جواب: 542
عروہ بن زبیر کی مرسل 542
معاملہ کا دوسرا رخ: 542
اعتراض: 543
جواب: 544
محدثین و مورخین کا نقل یا سکوت حجت نہیں 544
عبداللہ بن سعد بن ابی السرح پر نصرانی ہونے کا الزام: 546
جواب: 546
برعکس حقائق 549
﴿حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں صحابہ کرام پر الزامات کا جائزہ﴾ 550
ا۔فروہ بن عمرو الانصاری پر اعتراض 550
جواب: 550
2۔محمد بن عمرو بن حزم انصاریؓ پر اعتراض: 550
جواب: 551
۳۔جبلہ بن عمرو ساعدی پر الزام 552
جواب: 552
شرحبیل بن سعد کا ضعف 553
حضرت عثمان غنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مطعون کرنے کا الزام: 553
پہلی سند: 554
جواب: 554
واقدی کے بارے میں ابن حجر عسقلانی کا موقف: 554

محمد بن صالح کا تعین نہیں	556
دوسری سند:	556
جواب:	556
الزامی جواب :	557
4۔ عبداللہ بن بُدیل بن ورقاء خزاع رضی اللہ عنہ ی پر اعتراض	557
جواب :	557
حصین بن عبدالرحمن کا حافظہ خراب	558
الزامی جواب :	559
حضرت عبداللہ بن بدیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنگ صفین میں شرکت	559
5۔ محمد بن ابو بکرؓ پر اعتراض	560
جواب:	560
عبدالرحمن بن عبدالعزیز کا ضعف	561
محمد بن ابی بکر کا شہادت عثمان سے برات	561
حضرت عثمان کی شہادت میں مہاجرین اور انصار شامل نہ تھے۔	562
الزامی جواب : جنگ جمل اور جنگ صفین میں شرکت	562
:6 حضرت عمرو بن حمقؓ پر اعتراض	563
اعتراض اول : فتنہ کے سردار	563
جواب:	563
اعتراض دوم: حضرت عثمان غنی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وار کرنے والے	564
جواب:	565
طبقات ابن سعد کی سند ضعیف و متروک	565
تاریخ ابن شبہ کی روایت متروک وضعیف	565
الزامی جواب: جنگ صفین میں شرکت	566

اہم نکتہ:	566
7۔ عبدالرحمن بن عدیس علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزامات	567
اعتراض، باغیوں کے سرغنہ	567
جواب:	568
پہلی روایت کی تحقیق:	568
جواب:	569
ابوجعفر یزید بن القعقاع کا ارسال	569
دوسری روایت کی تحقیق	569
جواب:	569
واقدی متروک راوی	570
تیسری روایت کی تحقیق	570
جواب:	570
چوتھی روایت کی تحقیق	571
جواب:	571
پانچویں روایت کی تحقیق	571
جواب:	571
چھٹی روایت کی تحقیق	571
جواب:	572
ساتویں روایت کی تحقیق	572
جواب:	572
آٹھویں روایت کی تحقیق	573
جواب:	573
حضرت عثمان غنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے کا صحابہ پر الزام •	575

بلَغ العُلیٰ بکمالہ
کشَف الدُّجیٰ بجمالہ
حسُنت جمیعُ خصالہ
صَلُّوا علیہ وآلہ

بلغ العلیٰ بکمالہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کشف الدجیٰ بجمالہ

دُرُودِ ابراہیمی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ
مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ
وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰٓی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ
مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی
اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

حسنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ وآلہ

انتساب

بندہ ناچیز اپنی اس حقیر کوشش کو امام الائمہ محدث فقیہ الامت امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نام انتساب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے جن کے باطنی فیضان سے بندۂ ناچیز کو دقیق نکات پر اطلاع ہوتی ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خادم العلم والعلماء

ابو اسامہ ظفر القادری بکھروی

ہدیہ تبریک

بندہ ناچیز اپنی اس حقیر کوشش کو

اپنی امی جان کے نام

انتساب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

جن کی تربیتِ صالحہ کے نتیجہ میں راقم کو مسلکِ اہلِ سنت کی خدمت کی توفیق ملی۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

خادم اہلِ سنت و جماعت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

سَلَف صالحین نے دین کی خاطر اپنی اپنی طاقتیں صرف کیں، اور مختلف علوم وفنون میں لوگوں کو علم سے سیراب کیا۔ مگر ہر زمانہ میں جہاں اہل حق نے حق سچ بات اپنے علم واخبار کی روشنی میں کہنے کی کوشش کی، وہیں لوگوں کو اکابرین سے متنفر کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس لیے ضروری تھا کہ ایک ایسی تالیف منظر عام پر لائی جائے، جس میں موضوع سے متعلق تمام حقائق واضح ہوسکیں۔ کتاب ہذا کسی مسلک یا شخصیت کے خلاف ہر گز نہیں اور نہ کسی کی دل آزاری مقصود ہے، اگر کوئی علمی غلطی ہو تو اصلاح کی خاطر ضرور آگاہ کریں۔

علامہ ظفر القاری بکھروی صاحب نے اپنی مصروفیات کے باوجود انتہائی محنت وحوصلہ سے کتاب کی تالیف اور پھر اس پر نظر ثانی کی، اس کے لیے ان کے مشکور ہیں۔ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں انہوں نے موضوع کے مناسبت و مطابقت سے علامہ مفتی سجاد احمد فیضی صاحب کی تحریر کے اقتباسات بھی نقل کیے اور کتاب میں بطور تتمہ شامل کیے۔ ہوسکتا ہے کہ مفتی سجاد احمد فیضی کی تحریر میں متعدد مقامات پر کچھ الفاظ میں قارئین کو سختی محسوس ہو، مگر یہ الفاظ مفتی صاحب نے بطور نصیحت لکھے ہیں۔ کسی بھی مصنف کی تحریر سے اصول کے تحت اختلاف کرنا ہر شخص کا بنیادی حق ہے۔ اگر تحریر میں کسی بھی لفظ سے کسی شخص کو سختی یا دل آزاری محسوس ہوئی ہو تو ادارہ اس پر تہہ دل سے معذرت خواہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص علمی طور پر ایسے الفاظ کی نشاندہی کرے تو ادارہ ہذا کی کوشش ہوگی کہ کتاب کے اگلے ایڈیشن سے ایسے الفاظ حذف کر دیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے اور مخلص اہلِ سنت حفظہ اللہ تعالیٰ نے کُتب کی نشر و اشاعت کے لیے خطیر رقم مختص کی، راقم اُن کا تہہ دل سے شکرگذار ہے۔ راقم کی دلی خواہش تھی کہ اس عظیم شخصیت کا اسم گرامی کے ساتھ ذکر خیر کروں مگر انہوں نے اِس سے منع کرتے ہوئے سختی سے روک دیا، اللہ تعالیٰ اس کتاب اور دیگر کُتب کی اشاعت پر حضرت مخلص اہلِ سنت اور اُن کے آباء واجداد کو جزائے خیر اور ڈھیروں ڈھیر ثواب عطا فرمائے آمین۔ اس کے ساتھ ساتھ محترم جناب عبد الغفار دوانہ صاحب (کراچی) کا بھی تہہ

دل سے شکرگزار ہے جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں ہمارا ساتھ دیا اور مالی تعاون بھی کیا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو لوگوں کے لیے راہِ ہدایت بنائے اور ہماری اس چھوٹی سی کاوش کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں قبول فرمائے۔ (آمین)

نوٹ :اِس ادارے کا اولین مقصد اہلِ سنت و جماعت کے عقائدِ صحیحہ کی ترجمانی ہے، اگر کسی بھی کتاب یا تحریر میں کسی بدمذہب یا گمراہ شخص کے ساتھ تعظیمی و تعریفی کلمات غلطی سے موجود ہوں تو ادارہ اس سے بری الذمہ ہوگا، مزید یہ کہ ہمارا یقینِ کامل اور اعتماد ہے کہ عقیدہ کی نمائندگی، تشریح و توضیح جو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت انے کی وہی حرفِ آخر ہے، اس کے برخلاف کسی طرح کی تحریر یا توضیح سے ادارہ کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہوگا۔

For More Books Click On Ghulam Safdar Muhammadi Saifi

مقدمہ

اہل علم و محققین متقدمین و متاخرین کا یہ منہج رہا ہے کہ وہ احادیث اور آثار کو اصول کے تحت پرکھتے ہوئے تاریخی روایات کے قبول اور عدم قبول کے اصول و ضوابط بھی واضح کرتے ہیں کیونکہ ہر باطل اور گمراہ شخص عوام الناس کو دھوکا دینے کے لیے باطل و مردود قسم کی تاریخی روایات پیش کرتا ہے۔ ان گمراہ لوگوں کا یہ وطیرہ ہے کہ اپنی کتب میں مرویات کے متن کو تو پیش کرتے ہیں مگر سند کو قصداً چھوڑ دیتے ہیں تاکہ کسی کے سامنے روایت کے متروک، ضعیف یا موضوع ہونا واضح نہ ہو سکے۔ اس کے بعد ان گمراہ لوگوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ اہل سنت کے تاریخی مصادر میں سے اپنی پسند کا کوئی بھی حوالہ پیش کر کے یہ چیختے چلاتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ اگر یہ روایت ضعیف یا قابل استدلال نہ ہوتی تو سنی علماء اس کو اپنی کتب میں نقل ہی کیوں کرتے؟ یا اپنی کتب میں عوام الناس کو دھوکا دیتے ہوئے یہ ڈھول بجاتے ہیں کہ اہل سنت علماء نے اپنی کتب میں فلان فلان بات یا واقعہ کو بغیر کسی رد و قدح کے لکھا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس فلاں بات سے کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ اگر اختلاف ہوتا تو وہ اپنی تحریر میں اس پر اعتراض ضرور قائم کرتے۔

اب ان تمام خرافات کا مقصد صرف اپنی بدعت و گمراہی کو عوام الناس کے ساتھ خواص پر تھوپنا ہے۔ اس لیے ادھر ادھر، مارے مارے، پھرتے پھراتے، لوگوں کے ذہن خراب کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ مگر ان تمام خرافات کے مقابلہ میں چند نکات بیان کرنا اہم ہے۔

اول : جب احادیث و مرویات و آثار کو بغیر سند یا سند کے ساتھ ضعیف، واہی اور متروک روایات قبول نہیں تو پھر تاریخی روایات اور وہ بھی مثالب صحابہ کو کیسے سند کے بغیر یا ضعیف، واہی اور متروک سند کے ساتھ قبول کیا جا سکتا ہے؟

دوم : تاریخی روایات کے قبول کرنے کے علماء نے جو اصول بنائے ہیں، اس کے تحت ہی ان کو قبول یا رد کیا جائے گا۔

سوم: کسی مورخ یا محدث یا محقق کا کسی بھی روایت یا تاریخی واقعہ کو نقل کر کے اس پر رد و قدح یا اعتراض نہ کرنا، اس سے متفق یا مقبول ہونے کا کوئی قاعدہ و اصول نہیں جب تک مصنف اس کی وضاحت نہ کرے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مصنف کی وضاحت کے بعد بھی فوقیت و ترجیح وانحصار سند کے قابل قبول ہونے پر

ہوتی ہے۔ گمراہ لوگ فضائل میں ضعیف روایات کی قبولیت کا بہانہ کر کے ایسی مرویات پیش کرتے ہیں جو کہ صحابہ کرام کے مثالب یا اعتراضات پر مبنی ہوتی ہے یا صحابہ کرام کی شان کو گھٹانے پر مبنی ہوتی ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ اہل سنت کا یہ متفقہ اصول ہے کہ شان صحابہ میں ضعیف تو کجا صحیح روایات کی تاویل کا اصول قران و نصوص کے روشنی میں کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان گمراہ لوگوں کے اس دھوکہ بازی سے بھی ہوشیار ہونا چاہیے۔ اس لیے قبول و استدلال احادیث و تاریخی آثار کے چند اصول پیش نظر رہنا ضروری ہیں۔

تاریخی روایات کے قبول کرنے کے اصول

احادیث جن پر احکام اور عقائد کے ساتھ فقہی معاملات کا دار و مدار ہوتا ہے، اس کے قبول کرنے کے شرائط و ضوابط ایک طالبعلم پر بھی مخفی نہیں۔ مگر چند لوگ تاریخی روایات کو ان احکام اور عقائد کے مسلمہ قوانین کو سبوتاژ کرنے کے لیے ایسی ایسی واہیات اور متروک و گھڑی ہوئی اسانید تاریخی کتب سے پیش کرتے ہیں جس سے فقہی معاملات تو ایک طرف مسلمہ عقائد پر بھی حرف آتا ہے۔ انہی تاریخی روایات میں انبیاء کرام، نبی کریم ﷺ، اہل بیت اطہار، صحابہ عظام کے بارے میں ایسی ایسی مردود و گھٹیا روایات نقل کی گئیں ہیں کہ جس کو شاید پڑھنا بھی ایک مسلمان مناسب نہ سمجھے۔ اس لیے علماء نے تاریخی روایات کو قبول اور رد کرنے کے لیے بھی کچھ اصول متعین کیے ہیں۔

علامہ تاج الدین بکی رحمۃ اللہ علیہ "قاعدۃ فی المؤرخین نافعۃ جدا" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

> فان اهل التاريخ ربما وضعوا من اناس ورعوا اناسا اما لتعصب او لجهل او لمجرد اعتماد على نقل من لا يوثق به او لغير ذلك من الاسباب والجهل فى المؤرخين اكثر منه فى اهل الجرح والتعديل و كذلك التعصب قل ان رايت تاريخا خاليا من ذلك واما تاريخ شيخنا الذهبى غفر الله له فانه على حسنه وجمعه مشحون بالتعصب المفرط لا واخذه الله فلقد اكثر الوقيعة فى اهل الدين اعنى الفقراء الذين هم صفوة الخلق واستطال بلسانه ... فالرأى عندنا ان لا يقبل مدح ولا ذم من المؤرخين الا بما اشترطه اما الأئمة وحبر الامة وهو الشيخ الامام الوالد رحمه الله حيث قال ونقلته من خطة فى مجامعه يشترط فى المؤرخ۔
>
> 1۔ الصدق

2۔واذا نقل یعتمد اللفظ دون المعنی

3۔وان لا یکون ذلك الذی نقله اخذہ فی المذ کرۃ و کتبه بعد ذلك

4۔وان یسمی المنقول عنه

فهذہ شروط أربعة فیما ینقله: ویشترط فیه ایضا لما یترجمه من عند نفسه ولما عساہ یطول فی الترجم من النقول ویقصر

1۔ ان یکون عارفا بحال صاحب الترجمة علما ودینا وغیرهما من الصفات وهذا عزیز جدا

2۔وان یکون حسن العبارۃ عارفا بمدلولات الالفاظ

3۔ وان یکون حسن التصویر حتی یتصور حال ترجمته جمیع حال ذلك الشخص ویعبر عنه بعبارۃ لا تزید علیه ولا تنقص عنه

4۔ وان لا یغلبه الهوی فیخیل الیه هواہ الاطناب فی مدح من یحبه والتقصیر فی غیرہ بل اما ان یکون مجردا عن الهوی وهو عزیز واما ان یکون عندہ من العدل ما یقهر به هواہ ویسلك طریق الانصاف فهذہ اربع شروط اخری ولك ان تجعلها خمسة لان حسن تصویرہ وعلمه قد لا یحصل معهما الاستحضار حین التصنیف فیجعل

5۔ حضور التصور زائدا علی حسن التصور والعلم فهی تسعة شروط فی المؤرخ واصعبها الاطلاع علی حال الشخص فی العلم فانه یحتاج الی المشارکة فی علمه والقرب منه حتی یعرف مرتبته انتهی وذکر ان کتابته لهذہ الشروط کانت بعد ان وقف علی کلام ابن معین فی الشافعی وقول احمد بن حنبل انه لا یعر الشافعی ولا یعرف ما یقول

مفہوم : اہل تاریخ بعض دفعہ کچھ لوگوں کو ان کے مقام و مرتبہ سے گرا کر اور کچھ کو اونچا کر کے پیش کرتے ہیں، یہ یا تو تعصب، یا، جہل، یا غیر موثوق راوی کے نقل پر اعتمادِ محض وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ شاید ہی کسی تاریخ کو آپ اس سے خالی پائیں گے۔۔۔۔۔۔ اس بارے میں صحیح و صائب رائے ہمارے نزدیک یہ ہے کہ چند شرائط کے بغیر مورخین کی نہ تو کسی مدح کو قبول کیا

جائے اور نہ ہی جرح کو، وہ شرائط یہ ہیں:

1) مؤرخ صادق ہو۔
2) روایت باللفظ پر اعتماد کیا ہو، نہ کہ روایت بالمعنیٰ پر۔
3) اس کی نقل کردہ روایت مجلسِ مذاکرہ میں سن کر بعد میں نہ لکھی گئی ہو۔
4) جس سے نقل کر رہا ہو، اس کے نام کی صراحت کرے۔
5) اپنی طرف سے کسی کے حالات بیان نہ کرے۔
6) تراجم میں کثرتِ نقل کو اختیار نہ کرے۔
7) مترجم لہٗ کے علمی اور دینی حالات سے پوری طرح واقف ہو۔
8) حسنِ عبارت کا مالک ہو اور الفاظ کے مدلولات سے واقف ہو۔
9) حسنِ تصور والا ہو، یہاں تک کہ مترجم لہٗ کے تمام حالات اس کے سامنے ہوں، اس کے بارے میں ایسی عبارت لائے جو نہ اُسے اس کے حقیقی مقام سے اونچا کرے اور نہ گرا دے۔
10) ہویٰ پرستی کا شکار نہ ہو کہ وہ اس کو اپنی محبوب شخصیت کی مدح میں اطناب اور دیگر کے بارے میں تقصیر پر مجبور کرے، یا تو ہویٰ سے بالکل پاک ہو یا اس میں ایسا عدل ہو جو اس کے ہویٰ کو مغلوب کر کے انصاف پر مجبور کرے۔ (قاعدۃ فی المؤرخین ص 66)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اور تاریخی مرویات کی استنادی حیثیت

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ہیں:

فائدہ ۲ : مہمہ عظیمہ (مشاجرات صحابہ میں تواریخ و سیر کی موحش حکایتیں قطعاً مردود ہیں) افادہ ۲۳ پر نظر تازہ کیجئے وہاں واضح ہو چکا ہے کہ کتبِ سیر میں کیسے کیسے مجروحوں میں مطعونوں شدید الضعفوں کی روایات بھری ہیں وہیں کلبی رافضی متہم بالکذب کی نسبت سیرت عیون الاثر کا قول گزرا کہ اُس کی غالب روایات سیر و تواریخ ہیں جنہیں علما ایسوں سے روایت کر لیتے ہیں وہیں سیرت انسان العیون کا ارشاد گزرا کہ سیر موضوع کے سوا ہر قسم ضعیف و سقیم و بے سند حکایات کو جمع کرتی ہے پھر انصافاً یہ بھی انہوں نے سیر کا منصب بتایا جو اُسے لائق ہے کہ موضوعات تو اصلاً کسی کام کے نہیں انہیں وہ بھی نہیں لے سکتے ورنہ بنظر واقع سیر میں بہت اکاذیب و اباطیل بھرے

ہیں کمالا یخفی بہر حال فرق مراتب نہ کرنا اگر جنوں نہیں تو بدمذہبی ہے بدمذہبی نہیں تو جنون ہے، سیر جن بالائی باتوں کے لئے ہے اُس میں حد سے تجاوز نہیں کرسکتے اُس کی روایات مذکورہ کسی حیض ونفاس کے مسئلہ میں بھی سننے کی نہیں نہ کہ معاذ اللہ اُن واہیات ومعضلات وبے سروپا حکایات سے صحابہ کرام حضور سید الانام علیہ وعلی آلہٖ وعلیہم افضل الصلاۃ والسلام پر طعن پیدا کرنا اعتراض نکالنا اُن کی شانِ رفیع میں رخنے ڈالنا کہ اس کا ارتکاب نہ کرے گا مگر گمراہ بددین مخالف ومضاد حق تبیین آج کل کے بدمذہب مریض القلب منافق شعار ان جزافات سیر وخرافات تواریخ وامثالہا سے حضرات عالیہ خلفائے راشدین وام المومنین وطلحہ وزبیر ومعاویہ وعمرو بن العاص ومغیرہ بن شعبہ وغیرہم اہلبیت وصحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُمکے مطاعن مردودہ اوران کے باہمی مشاجرات میں موحش ومہمل حکایات بیہودہ جن میں اکثر تو سرے سے کذب وواحض اور بہت الحاقات ملعونہ روافض چھانٹ لاتے اوراُن سے قرآن عظیم وارشاداتِ مصطفٰی صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم واجماعِ اُمت واساطین ملت کا مقابلہ چاہتے ہیں بے علم لوگ انہیں سُن کر پریشان ہوتے یا فکر جواب میں پڑتے ہیں اُن کا پہلا جواب یہی ہے کہ ایسے مہملات کسی ادنٰی مسلمان کو گنہگار ٹھہرانے کیلئے مسموع نہیں ہوسکتے نہ کہ اُن محبوبانِ خدا پر طعن جن کے مدائح تفصیلی خواہ اجمالی سے کلام اللہ وکلام رسول اللہ مالامال ہیں جل جلالہ، وصَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ،...

(فتاوی رضویہ 5/565)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ مزید لکھتے ہیں۔

حاش للہ اگر مورخین وامثالہم کی ایسے حکایات ادنٰی قابل التفات ہوں تو اہل بیت وصحابہ درکنار خود حضرات عالیہ انبیاء ومرسلین وملئکہ مقربین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم اجمعین سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے کہ ان مہملات مخذولہ نے حضرات سادتنا ومولٰنا آدم صفی اللہ وداوٗد خلیفۃ اللہ وسلیمان نبی اللہ ویوسف رسول اللہ سے سید المرسلین محمد حبیب اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم تک سب کے بارہ میں وہ وہ ناپاک بیہودہ حکایات موحشہ نقل کی ہیں کہ اگر اپنے ظاہر پر تسلیم کی جائیں تو معاذ اللہ اصل ایمان کو رد بیٹھنا ہے ان ہولناک اباطیل کے بعض تفصیل مع رد جلیل کتاب مستطاب شفا شریف امام قاضی عیاض اور اس کی شروح وغیرہا سے ظاہر لاجرم ائمہ ملت وناصحانِ اُمت نے تصریحیں فرمادیں کہ ان جہال وضلال کے مہملات اور سیر وتواریخ کی

حکایت پر ہرگز کان نہ رکھا جائے شفا وشروح شفا ومواہب وشرح مواہب ومدارج شیخ محقق وغیرہا میں بالاتفاق فرمایا، جسے میں صرف مدارج النبوۃ سے نقل کروں کہ عبارت فارسی ترجمہ سے غنی اور کلمات ائمہ مذکورین کا خود ترجمہ ہے فرماتے ہیں رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ:

از جملہ توقیر وبر آنحضرت صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم توقیر اصحاب وبر ایشاں است وحسن ثنا ورعایت ادب بایشاں ودُعا واستغفار مر ایشاں را وحق است مر کسے را کہ ثنا کردہ حق تعالی بروے وراضی ست ازوے کہ ثنا کردہ شود بروے وسب وطعن ایشاں اگر مخالف اولہ قطعیہ است، کفر والا بدعت وفسق . وھمچنیں امساک وکف نفس از ذکر اختلاف ومنازعات ووقائع کہ میان ایشاں شدہ وگزشتہ است واعراض واضراب از اخبار مورخین وجہلہ رواۃ وضلال شیعہ وغلاۃ ایشاں ومبتدعین کہ ذکر قوادح وزلالت ایشاں کنند کہ اکثر آں کذب وافترا است وطلب کردن در آنچہ نقل کردہ شدہ است از ایشاں از مشاجرات ومحاربات باحسن تاویلات واصوب خارج وعدم ذکر ھیچ یکے از یشاں بہ بدی وعیب بلکہ ذکر حسنات وفضائل وعمائد صفات ایشاں از جہت آنکہ صحبت ایشاں بآنحضرت صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یقینی ست وماورائے آں ظنی است وکافیست دریں باب کہ حق تعالی برگزید ایشاں را برائے صحبت حبیبہ خود صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم طریقہ اھل سنّت وجماعت دریں باب این است در عقائد نوشتہ اند لاتذکر احدا منہم الابخیر فا وآیات واحادیث کہ در فضائل صحابہ عمومًا وخصوصًا واقع شدہ است دریں باب کافی است اھ مختصرا۔

نبی اکرم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تعظیم واحترام درحقیقت آپ کے صحابہ کا احترام اور ان کے ساتھ نیکی ہے ان کی اچھی تعریف اور رعایت کرنی چاہے اور ان کے لئے دعا وطلبِ مغفرت کرنی چاہئے بالخصوص جس جس کی اللہ تعالی نے تعریف فرمائی ہے اور اس سے راضی ہوا ہے اس سے وہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے پس اگر ان پر طعن وسب کرنے والا دلائل قطعہ کا منکر ہے تو کافر ورنہ مبتدع وفاسق، اسی طرح ان کے درمیان جو اختلافات یا جھگڑے یا

واقعات ہُوئے ہیں ان پر خاموشی اختیار کرنا ضروری ہے اور ان اخبار واقعات سے اعراض کیا جائے جو مؤرخین، جاہل راویوں اور گمراہ وغلو کرنے والے شیعوں نے بیان کیے ہیں اور بدعتی لوگوں کے ان عیوب اور برائیوں سے جو خود ایجاد کرکے ان کی طرف منسوب کردئے اور ان کے ڈگمگا جانے سے کیونکہ وہ کذب بیانی اور افترا ہے اور ان کے درمیان جو محاربات ومشاجرات منقول ہیں ان کی بہتر توجیہ وتاویل کی جائے، اور ان میں سے کسی پر عیب یا برائی کا طعن نہ کیا جائے بلکہ ان کے فضائل، کمالات اور عمدہ صفات کا ذکر کیا جائے کیونکہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ان کی محبت یقینی ہے اور اس کے علاوہ باقی معاملات ظنی ہیں اور ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالٰی نے انہیں اپنے حبیب علیہ السلام کی محبت کے لئے منتخب کرلیا ہے اہل سنت وجماعت کا صحابہ کے بارے میں یہی عقیدہ ہے اس لئے عقائد میں تحریر ہے کہ صحابہ میں سے ہر کسی کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کیا جائے اور صحابہ کے فضائل میں جو آیات واحادیث عمومًا یا خصوصًا وارد ہیں وہ اس سلسلہ میں کافی ہیں اھ مختصرا (ت)

امام محقق سنوسی وعلامہ تلمسانی پھر علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: مانقله المؤرخون قلة حياء وادب (مؤرخین کی نقلیں قلت حیا وادب سے ہیں) امام اجل ثقہ مثبت حافظ متقن قدوہ یحیٰی بن سعید قطان نے کہ اجلہ ائمہ تابعین سے ہیں عبداللہ قواریری سے پُوچھا کہاں جاتے ہو؟ کہا وہب بن جریر کے پاس سیر لکھنے کو، فرمایا: تکتب كذبا كثيرا (بہت سا جھوٹ لکھوگے) ذکرہ فی المیزان عہ (اس کا ذکر میزان میں ہے۔ ت) تفصیل اس مبحث کی اُن رسائل فقیر سے لی جائے کہ مسئلہ حضرت امیر معٰویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ میں تصنیف کیے یہاں شاہ عبدالعزیز صاحب کی ایک عبارت تحفہ اثنا عشریہ سے یاد رکھنے کی ہے مطاعن افضل الصدیقین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے طعن سوم تخلف جیش اسامہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے رَد میں فرماتے ہیں:

(فی ترجمة محمد بن اسحٰق حیث قال: اس کا ذکر محمد بن اسحاق کے ترجمہ میں ہے جہاں۔) ماله عندى ذنب الاماقد حشانى فى السيرة من الاشياء المنكرة المنقطعة والاشعار المكذوبة . قال الفلاس سمعت يحيى القطان يقول لعبيدالله القواريرى الى اين تذهب. قال الى وهب بن جرير ا كتب السيرة قال تكتب كذبا كثيرا. ١٢ منه (م)

انہوں نے کہا میرے نزدیک اس کا کوئی گناہ نہیں ماسوائے اس کے کہ انہوں نے سیرت میں منکر و منقطع روایات اور جھوٹے اشعار شامل کردئے ہیں، فلاں نے کہا میں نے یحیٰی قطان کو عبید اللہ قواریری سے یہ کہتے ہُوئے سُنا کہ کہاں جارہے ہو، انہوں نے کہا وہب بن جریر کی طرف سیرت لکھنے کیلئے، اس نے کہا تُو وہاں بہت زیادہ جھُوٹ لکھے گا ۱۲منہ (ت)

ف ۱: مدارج النبوہ مطبوعہ سکھر میں" و آیات کا لفظ نہیں ہے۔

جملہ لعن اللہ من تخلف عنہا ہر گز در کتب اہل سنت موجود نیست قال الشہرستانی فی الملل والنحل ان ہذہ الجملۃ موضوعۃ ومفتراۃ وبعضے فارسی نویسان کہ خود را محدثین اہل سنت شمردہ اند ودر سیر خود ایں جملہ را آوردہ برائے الزام اہل سنت کفایت نمی کند زیرا کہ اعتبار حدیث نزد اہل سنت بیافتن حدیث در کتب مسندہ محدثین نزد اہل سنت بیافتن حدیث در کتب مسندہ محدثین است مع الحکم بالصحۃ وحدیث بے سند نزد ایشاں شتر بے مہار است کہ اصلاعہ گوش بآں نمی نہند.

جملہ "لعن اللہ من تخلف عنہا" کتب اہلِ سنت میں ہرگز موجود نہیں، شہرستانی نے الملل والنحل میں کہا کہ یہ جملہ موضوع اور جھوٹا ہے، اور بعض فارسی لکھنے والوں نے خود کو محدثین اہلسنت ظاہر کیا ہے اور اہل اسنت کو الزام دینے کے لئے اپنی کتب میں اس جملہ کو شامل کردیا لیکن یہ قابل اعتبار نہیں، اہلسنت کے ہاں حدیث وہی معتبر ہے جو محدثین کی کتب احادیث میں صحت کے ساتھ ثابت ہو، ان کے ہاں بے سند حدیث ایسے ہی ہے جیسے بے مہار اونٹ، جو کہ ہر گز نا قابل سماعت نہیں۔ (ت)۔ الخ۔ (فتاوی رضویہ 5/568)

اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی تحریر سے یہ واضح ہوا کہ صحابہ کرام و اہل بیت اطہار کی شان و عظمت قطعی اور یقینی ہے، اس لیے اس کے برخلاف کسی بھی تاریخی روایت کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ نصوص و قطعیات کے مقابلہ میں ظن قابل حجت نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ اگر تاریخی روایات جو ثقہ راوی سے بھی منقول کیوں نہ ہو وہ واجب التاویل اور موول ہوتی ہے۔ واقدی کی توثیق اعلی حضرت علیہ الرحمہ سے پیش کر کے عوام الناس کو دھوکا دینے کی کوشش کرنا باطل و مردود ہے کیونکہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ تو کسی ثقہ راوی کی روایت کو شان صحابہ کے خلاف کو قبول نہیں کرتے۔

تاریخ طبری کے آثار کا منہج

مورخ طبری اپنی کتاب تاریخ طبری میں روایات کو نقل کرنے کے بارے میں اپنا منہج واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

فما یکن فی کتابی هذا من خبر ذکرناه عن بعض الماضین مما یستنکره قارئه. أو یستشنعه سامعه. من أجل أنه لم یعرف له وجها فی الصحة. ولا معنی فی الحقیقة. فلیعلم انه لم یؤت فی ذلك من قبلنا. وإنما أتی من قبل بعض ناقلیه إلینا. وإنا إنما أدینا ذلك علی نحو ما أدی إلینا.

ترجمہ : اس کتاب میں جو بعض ایسی روایات ہیں جنہیں ہم نے پہلے لوگوں سے نقل کیا ہے، جن میں ہماری کتاب پڑھنے والے یا سننے والے اس بنا پر نکارت و عجب سا محسوس کریں گے، کہ اس میں انہیں صحت کی کوئی وجہ اور مطلب و مفہوم میں کوئی حقیقت نظر نہ آئے، تو انہیں جاننا چاہیے کہ ان کو بیان کرنا ہم نے خود اپنی طرف سے نہیں کیا۔ بلکہ اس کا منبع وہ ناقل ہیں جنہوں نے وہ روایات ہمیں بیان کیں، اور ہم نے وہ روایات اسی نقل کر دی جس طرق سے وہ ہمیں پہنچیں۔

(تاریخ الطبری 1/8)

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ نقل عبارت ہی کافی نہیں بلکہ اس کے مندرجات کا اصول کے تحت ثابت ہونا اور خلاف نصوص اور عقائد اہل سنت سے متصادم نہ ہونا ہے۔

یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ عقائد اور شرع کے ثبوت میں صحیح احادیث ہی قابل حجت ہوتی ہیں۔ اسی طرح تاریخ روایات میں اگر کوئی شرعی حکم یا عقیدہ ہوتو اس کا شمار بھی سنت ہوتا مگر تاریخی کتب میں اس عنوان کے تحت مرویات کو قبول اور رد کرنے کے معیار وہی ہوگا جو کہ محدثین یا علماء نے بیان کیے ہیں۔ عقیدہ اور احکام میں صحیح سند ہی قابل قبول ہوگی۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عظمت صحابہ باب عقائد میں سے ہے۔ سیر اور تاریخ کا دوسرا حصہ جس میں غزوہ، سرایا کی تاریخ، ان غزوات میں شامل ہونے والوں کی تعداد، ان غزوہ اور مہمات کے وقت اور مقام جیسے امور کو بطور استشہاد نقل کیا جا سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ کسی صحیح روایت یا دیگر ثقہ مغازی و سیر کے امام کے مخالفت نہ ہو۔ جیسا کہ واقدی کے ترجمہ میں علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔ سیر و مغازی میں کسی سے بطور استشہاد لکھنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ ان کی روایات باب عقائد جیسے

اہل بیت اطہار و صحابہ کرام کی شان کے خلاف کو بھی قبول کیا جائے۔ یہ ہی نکتہ ہے جس سے بدمذہب اور گمراہ و بدعتی اپنے باطل موقف کو ثابت کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

تاریخ طبری میں کذاب راویوں کی روایات

تاریخ طبری پر تحقیق اور دراسہ کرنے والے عرب محققین کے مطابق اپنی تحقیق کرتے ہوئے تاریخ طبری میں کذاب راویوں سے روایات کے اعداد و شمار کے بارے میں لکھتے ہیں۔

1) محمد بن سائب کلبی کی بارہ (۱۲) روایات،
2) ہشام بن محمد کلبی کی پچپن (۵۵) روایات،
3) محمد بن عمر الواقدی کی چار سو چالیس (۴۴۰) روایات،
4) سیف بن عمر تمیمی کی سات سو (۷۰۰) روایات،
5) ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی چھ سو بارہ (۶۱۲) روایات،
6) ہیثم بن عدی کی سولہ (۱۶) روایات،
7) محمد بن اسحاق بن یسار کی ایک سو چونسٹھ (۱۶۴) روایات

ان سب کی کل روایات وہ انیس سو ننانوے (۱۹۹۹) ہے۔ بدعتی و گمراہ کی طرف سے پیش کرنے والی صحابہ کرام کے خلاف اور ان کی شان و مقام کو گھٹانے والی روایات کی اکثریت انہی متروک راویوں سے مروی ہوتی ہیں۔ ان کذاب اور جھوٹے راویوں کے متعلق محدثین کے تحقیق ملاحظہ کیجئے۔

1- محمد بن السائب بن بشر ابو النصر الکلبی الکوفی پر جرح

محمد بن السائب الکلبی پر متروک، رافضی اور کذاب جیسے سخت ترین جرح محدثین کرام نے کی ہیں۔

1) امام بخاری فرماتے ہیں۔

تَرَكَه يحيى بن سعيد وابن مَهْدِى. وقال لنا عليّ: حدثنا يحيى بن سعيد، عن سُفيان. قال: قال لي الكلبي: قال لي أبو صالح: كل شيء حدثتك فهو كذب.
(التاريخ الكبير 1/ 283، التاريخ الصغير "2/ 51، الضعفاء الصغير 322)

2) امام مسلم فرماتے ہیں: متروكُ الحديثِ. (الکنی ص 111)

3) امام ابوزرعہ الرازی نے أسامی الضعفاء 289 میں ذکر کیا۔

4) امام ابوداود کہتے ہیں۔ والکلبی مُتَّهَم («سوالاتہ» 204/3)

5) امام ترمذی فرماتے ہیں۔ قد ترکه أهل الحديث، وهو صاحب التفسير.

(جامع الترمذی 3059)

6) امام نسائی فرماتے ہیں۔ متروكُ الحديث، كوفيٌّ. (الضعفاء والمتروکون 539)

7) محدث دارقطنی نے ”الضعفاء والمتروکین“ 468 : ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔

اسی طرح اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

المتروك، هو القائل كل ما حدثت عن أبي صالح كذبٌ. (السنن دارقطنی 130/4)

محدث دارقطنی نے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

متروكٌ. (السنن 4/ 220 و 262. العلل 2/ 57)

8) امام بیہقی لکھتے ہیں۔ متروك (السنن الکبری 8 : /123، 304).

9) علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔ ترکوہ کذبہ۔ (المغنی فی الضعفاء 2/584 رقم 5542)

10) حافظ ابن قیسرانی لکھتے ہیں۔ متروك الحديث۔ (ذخیرۃ الحفاظ 2/611)

11) امام ابن عراق لکھتے ہیں۔ کذبہ زائدہ و ابن معین۔ (تنزیۃ الشریعہ 1/105)

12) محدث ابونعیم فرماتے ہیں: احادیث الموضوعہ۔ (الضعفاء :210)

13) محدث ابوحاتم فرماتے ہیں۔

الناس مجتمعون على ترك حديثه لا يشتغل به هو ذاهب الحديث.

(الجرح والتعدیل 7/271 رقم 1478)

14) حافظ ابن حجر عسقلانی محمد بن سائب کلبی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

متهم بالكذب، ورمي بالرفض. (تقريب التهذيب 5901:)

حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی متعدد تصانیف میں محمد بن سائب کلبی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

- "ضعيف". (الإصابة 1/ 408). (الفتح 11/ 439)
- "ضعيف إذا انفرد فكيف لو خالف؟!". (العجاب 1/ 446)

"مشهور بالضعف". (الخصال 68)

- "ضعيف جدًا". "(الفتح 11/ 309)
- "واهی الحديث". (الفتح 10/ 549)
- "واه". (الإصابة 8/ 251).
- "متروك". (الفتح 13/ 220، 523)، (الإصابة 4/ 563). (الكشاف 1/ 78).
(المطالب 2/ 355)، (اللسان 3/ 669 ترجمة: عباد الهنائی)
- "متروك بمرة". (المطالب 2/ 88).
- "متروك لا يعتمد عليه". (الفتح" 8/ 439).
- "أحد المتروكين المتهمين بالكذب". (النتائج" 2/ 439)
- " كذبوه وتركوه وكان أبو أسامة يدلسه". (المهرة 7/ 10)
- "اتهموه بالكذب، وقد مرض فقال لأصحابه: كل شيء حدثتكم عن أبي صالح كذب". (العجاب 1/ 209)
- "اعترف بالكذب". (الإصابة 8/ 30)
- "متروك الحديث بل كذاب". (التلخيص 1/ 224)

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ محمد بن السائب الکلبی متروک اور متہم بالکذب اور رافضی راوی ہے۔

2- ہشام بن محمد الکلبی پر جرح

ہشام بن الکلبی ہے جو کہ متروک اور رافضی ہے۔

1۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: متروك۔ (میزان الاعتدال رقم 9237)

2۔ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

رافضي، ليس بثقة: یعنی رافضی ہے اور ثقہ نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال رقم 9237)

3۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تركوه كأبيه، وكانا رافضيين۔
یعنی ہشام بن الکلبی اپنے باپ کی طرح متروک تھا اور دونوں رافضی تھے۔

(دیوان الضعفاء والمتروکین رقم 4473)

4۔ حافظ ابن عراق لکھتے ہیں۔

الأخباری النسابة اتهم بالكذب.
یعنی انساب کا اخباری ہے اور کذب سے متہم ہے۔ (تنزیہ الشریعہ 123/1)

5۔ محدث ابن حبان لکھتے ہیں۔

كان غالیًا فی التشیع، أخباره فی الأغلوطات أشهر من أن یحتاج إلی الإغراق فی وصفها. (المجروحین 439/18)

اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں۔

"کلبی سے اکثر طور پر لوگوں کے انساب واحوال، عربوں کے شب وروز اور ان کی سیرت یا اسی طرح کے دیگر معاملات مروی ہیں جو کثرت کے ساتھ ایسے لوگوں سے لے لیے جاتے ہیں جن سے احکام نہیں لیے جاتے۔" (فتاوی رضویہ 538/5)

اعلی حضرت فاضل بریلوی نے واضح کیا ہے کہ کلبی سے انساب واحوال، عربوں کے حالات وسیرت سے لے لیے جاتے ہیں مگر ایسے راویوں سے احکام نہیں لیے جاتے۔ صحابہ کرام اور اہل بیت کی شان کے خلاف ہشام بن محمد بن الکلبی کے روایات ہرگز مسموع نہیں۔ صحابہ کرام کے بارے میں حسن ظن دیگر نصوص کی روشنی میں رکھا جائے گا اور مخالفت میں روایات وتاریخ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ کلبی اس حیثیت کا راوی نہیں جن سے احکام لیے جائیں۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ انساب واحوال اور عربوں کے حالات ہرگز صحابہ کرام کے آپس کے معاملات اور مثالب کے قبیل سے نہیں۔ کیونکہ قران وحدیث کی نصوص شان صحابہ کو واضح کرتی ہیں جبکہ اس کے برعکس متروک ورافضی اور علم انساب کے ماہر کی روایت سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا ہے۔

3-واقدی کی روایات کی حیثیت جرح وتعدیل کی روشنی میں

محدث علی بن المدینی فرماتے ہیں۔

حدثنا عمرو بن موسی السیرافی حدثنا المغیرة بن محمد المهلبی قال سمعت علی بن المدینی یقول الهیثم بن عدی أوثق عندی من الواقدی ولا أرضاه فی الحدیث ولا فی الانساب ولا فی شیء.

یعنی : ھیثم بن عدی میرے نزدیک واقدی سے بہتر ہے [واقدی] اور نہ ہی اس کی
حدیث، اور نہ ہی انساب اور نہ ہی کسی دوسری چیز پسند ہے۔ (الضعفاء للعقیلی 4/109)

تاریخی واقعات کی اکثر اسانید میں واقدی کا نام ہوتا ہے۔ کوئی شاطر بدعتی وگمراہ واقدی کی توثیق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے پیش کرکے عوام الناس کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تو کسی ثقہ راوی کی روایت کو شان صحابہ کی روایت کو مرجوح اور موول قرار دیتے ہیں اور مثالب صحابہ میں کسی ثقہ راوی کی روایت کو بھی علی الاطلاق تسلیم نہیں کرتے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

چنانچہ : امام واقدی کو جمہور اہلِ اثر نے چنیں وچناں کہا جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتب فن میں مسطور، لاجرم تقریب میں کہا : متروک مع سعۃ علمہ (علمی وسعت کے باوجود متروک ہے۔ ت) اگرچہ ہمارے علماء کے نزدیک اُن کی توثیق ہی راجح ہے۔ **کماافادہ الامام المحقق فی فتح القدیر** عہ (جیسا کہ امام محقق نے فتح القدیر میں اس کو بیان کیا ہے۔ ت) بالجملہ یہ جرح شدید ماننے والے۔ (فتاوی رضویہ 5/538)

اس مقام پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ ایسے راوی جس سے سیر یا مغازی یا تاریخ میں استفادہ کیا گیا ہے تو اس سے قصص انبیاء، اہل بیت اطہار کی شان، مشاجرات، اور عظمت صحابہ کی استثناء محدثین نے برقرار رکھی ہے۔ خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے صحابہ کرام کی شان کے خلاف روایت کو قبول نہیں کیا۔

علامہ ذہبی کے نزدیک واقدی قابل احتجاج نہیں

علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَقَدْ تَقَرَّرَ أَنَّ الْوَاقِدِيَّ ضَعِيْفٌ يُحْتَاجُ إِلَيْهِ فِي الْغَزَوَاتِ، وَالتَّارِيْخِ وَنُوْرِدُ آثَارَهُ مِنْ غَيْرِ احْتِجَاجٍ أَمَّا فِي الْفَرَائِضِ فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُذْكَرَ.

ترجمہ : یہ بات ثابت ہے کہ واقدی ضعیف ہے مگر تاریخ اور غزوات کے باب میں ان کی ضرورت پڑتی ہے، ہم ان کے آثار کو بیان کرتے ہیں لیکن اس سے استدلال نہیں کرتے، البتہ فرائض واحکام کے باب میں ان کا نام لینا بھی مناسب نہیں۔ (سیر أعلام النبلاء، 8 : /165)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے قول سے واضح ہوگیا کہ واقدی سے تاریخ اور غزوات میں بھی روایات صرف بیان کی جا سکتی ہیں بطور استشہاد نہ کہ بطور احتجاج۔ جبکہ اس کے برعکس بدعتی اور گمراہ قسم کے لوگ واقدی کی بیان کردہ

ہر مردود روایت کو فخر سے پیش کر کے اکابرین صحابہ پر طعن کا بہانہ بناتے ہیں۔ جب علامہ ذہبی واقدی کو تاریخ وغزوات [جس کا تعلق صحابہ کرام کے باب سے ہرگز نہیں] میں بھی بطور استشہاد کے قائل ہیں۔ اس کے بدعتی و گمراہ لوگ صحابہ کرام پر طعن کو تاریخ، مغازی یا غزوات کے قبیل سے شمار کر کے دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک واقدی کا متروک ہونا

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مختلف تصانیف میں واقدی پر اپنی جرح کو واضح بیان کیا ہے۔

1- محمد بن عمر بن واقد الأسلمی الواقدی۔ متروک مع سعة علمہ۔ (تقریب التہذیب رقم 6175)

2- "لیس بمعتمد". (الهدی 417).

3- "لا یحتج به". (فتح الباری 4/73)

4- "لا یحتج به إذا انفرد فکیف إذا خالف؟!". (فتح الباری 8/48)

5- "ضعیف". (المطالب 2/61)

6- "ضعیف" (النکت 2/666)

7- "ضعیف" (فتح الباری 5/166)

8 - "ضعیف" (التلخیص 4/191)

9- "غیر حجة". "" (التهذیب 3/617)

10- "معروف بالضعف". (التلخیص 3/278)

11- "حسبك به فی الضعف". (المهرة 6/134)

12- "ضعیف جدًا". (المطالب 1/122)

13- "شدید الضعف إذا انفرد فکیف إذا خالف". (فتح الباری 8/157)

14- "علی طریقة أهل المدینة فی الإنحراف علی أهل العراق". (الهدی 443)

15- "واہ". (الدرایة 2/121)

16- "واہ". (الإصابة 5/565)

17- "لیس بحجة وقد تعصب مغلطای للواقدی فنقل کلام من قواہ ووثقه وسکت عن ذکر من وهاہ واتهمه وهم أکثر عددًا وأشد إتقانًا وأقوی معرفة به

من الأولين، ومن جملة ما قواه به أن الشافعي روى عنه، وقد أسند البيهقي عن الشافعي: "أنه كذبه". ولا يقال فكيف روى عنه؟! لأنا نقول: رواية العدل ليست بمجردها توثيقًا. فقد روى أبو حنيفة عن جابر الجعفي، وثبت عنه أنه قال: ما رأيت أكذب منه". (فتح الباري 9/ 113)

18۔ لو قبلنا قوله في المغازي مع ضعفه فلا يرد به الأحاديث الصحيحة والله الموفق. (تهذيب التهذيب 3/ 126)

19۔ "متروك". (فتح الباري 8/ 139)

20۔ "متروك". (التلخيص 1/ 339)

21۔ "متروك". (المهرة 17/ 260)

22۔ "متروك". (التغليق 2/ 286)

23۔ "متروك الحديث". (النكت 2/ 722)

24۔ "من الكذابين". (اللسان 5/ 707). ترجمة: ابن النديم

25۔ "كذاب". (الإصابة 2/ 266)

26۔ "ما كان يستحي من الكذب فسبحان من خذله حتى روى هذه الأشياء المتناقضة". (المهرة 4/ 186)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مختلف کتب میں تقریباً 26 مقامات پر اس کے متروک وضعیف ہونے کی تصریح ہے، اور ہمارے مہربان اس سے فضائل سے درکنار مثالب صحابہ پر استدلال کر رہے ہیں۔

واقدی کا اخبار صحیحہ کی مخالفت

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالْوَاقِدِيُّ إِذَا لَمْ يُخَالِفِ الْأَخْبَارَ الصَّحِيحَةَ وَلَا غَيْرَهُ مِنْ أَهْلِ الْمَغَازِي، مَقْبُولٌ فِي الْمَغَازِي عِنْدَ أَصْحَابِنَا. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اگر واقدی اخبار صحیحہ کی مخالفت نہ کرے اور اہل مغازی میں سے بھی کسی کی مخالفت نہ کرے تو ہمارے اصحاب کے نزدیک مقبول ہیں۔ (التلخیص الحبیر 2: / 554)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے قول سے واضح ہوا کہ واقدی پر تاریخ میں بھی اس وقت تک اعتماد نہیں ہو سکتا

جب وہ اخبار صحیحہ کی مخالفت نہیں کرتا یا پھر کسی خاص بیان کردہ روایت دیگر ثقہ راویوں اور دوسری صحیح سندوں سے ثابت نہ ہو۔

محدثین کے اقوال سے یہ واضح ہوا کہ واقدی کو جنہوں نے قابل احتجاج سمجھا ہے وہ محدثین بھی اخبار صحیحہ کی مخالفت کرنے پر یا اہل مغازی کے مخالفت پر اس کی روایات کو قابل حجت نہیں سمجھتا۔ یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ محدثین کرام نے ایسے متعدد راویوں کی ذکر کیا ہے جو کہ فی نفسہ صدوق وثقہ ہونے کے باوجود حجت نہیں یا پھر احکام میں حجت نہیں۔ اس لیے ایسے بعض رایوں کے ثقہ یا صدوق ہونے کے باوجود ان پر مختلف باب میں احتجاج کے فرق کو جاننا بہت اہم ہے۔ بعض راوی ثقہ ہوتے ہیں مگر ان کا حافظہ وضبط یا دیگر شرائط نہ ہونے کی وجہ سے ان سے عقائد یا احکام میں بھی احادیث نہیں لی جاتیں۔ مقام صحابہ قران کی نصوص اور احادیث وآثار سے ثابت ہے، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قران وحدیث کے خلاف واقدی کی کسی بھی صحابہ کے خلاف مروی روایت کو قبول کرلیا جائے؟

4-سیف بن عمر الکوفی الاسیدی پر جرح

محدثین کرام نے سیف بن عمر الضبی پر سخت جروہات کی ہیں۔

1) محدث ابن معین فرماتے ہیں۔ وھو ضعیف۔ (تاریخ ابن معین للدوری 3/459)
2) امام ابوزرعہ الرازی فرماتے ہیں۔ ضعیفُ الحدیث. (الضعفاء 2/ 320)
3) امام نسائی فرماتے ہیں: ضعیفٌ. (الضعفاء والمتروکون 256)
4) امام دارقطنی فرماتے ہیں۔ کوفیٌّ متروكٌ. (برقانی 200)
5) محدث ابونعیم الاصبہانی لکھتے ہیں۔

سیف بن عمر الضبی الکوفی متھم فی دینه مرمی بالزندقة ساقط الحدیث لا شیء۔
یعنی سیف بن عمر الضبی الکوفی، دین میں متہم تھا زنادقہ سے متصف تھا، ساقط الحدیث اور کچھ نہیں تھا۔ (الضعفاء للاصبہانی 1/ 91 رقم 95)

6) علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔ ترکوہ واتھم بالزندقة. (دیوان الضعفاء 1/183 رقم 1845)

- علامہ ذہبی اپنے دوسرے تالیف میں لکھتے ہیں۔

له توالیف متروك بالاتفاق (المغنی فی الضعفاء 1/292 رقم 1716)

7) محدث ابوحاتم فرماتے ہیں۔ متروک الحدیث۔ (الجرح والتعدیل 4/278 رقم 1198)

8) محدث حاکم لکھتے ہیں۔ اتهم بالزندقة وهو ساقط فی روایة الحدیث
یعنی یہ زندیق ہونے سے متہم ہے اور یہ روایت حدیث میں ساقط ہے۔
(المدخل الی الصحیح 1/145 رقم 76)

9) محدث ابوالعرب نے اسے ضعیف راویوں میں ذکر کیا ہے۔
(اکمال تہذیب الکمال 6/194 رقم 2329)

10) محدث ساجی نے اسے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔
(اکمال تہذیب الکمال 6/194 رقم 2329)

11) محدث عقیلی نے اسے ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔
(اکمال تہذیب الکمال 6/194 رقم 2329)

12) محدث البلخی نے اس ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔
(اکمال تہذیب الکمال 6/194 رقم 2329)

13) محدث ابن حبان اپنی کتاب المجروحین میں نقل کرتے ہیں۔

حدثنا محمد بن عبد الله مکحول، قال سمعت جعفر بن أبان، یقول سمعت ابن نمیر، یقول سیف الضبی تمیمی، وکان جمیع یقول حدثنی رجل من بنی تمیم، وکان سیف یضع الحدیث، وکان قد اتهم بالزندقة.
محدث ابن نمیر کہتے ہیں کہ سیف بن نمبر حدیث گھڑتا تھا اور وہ متہم بالزندقہ تھا۔
(المجروحین 9/439 رقم 437)

14) محدث ابن حبان فرماتے ہیں۔

اتهم بالزندقة.... یروی الموضوعات عن الأثبات.
یعنی مہتم بالزندیق تھا اور ثقہ راویوں سے موضوع روایات کرتا تھا۔ (المجروحین 9/439 رقم 437)

15) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

ضعیف الحدیث عمدة فی التاریخ افحش بن حبان القول فیه.
یعنی یہ حدیث میں ضعیف اور تاریخ میں عمدہ ہے، ابن حبان نے اس کے بارے میں جو کہا وہ

فحش ہے ۔ (تقریب التہذیب 2724:)

16) عرب محقق دکتور بشار العواد، حافظ ابن حجر کے کلام پر تعلیقاً لکھتے ہیں ۔

بل: متروكٌ، فحديثه ضعيفٌ جدًّا، وإذا كان ابن حبان قد أفحش القول فيه، فابن حجر لم يصِفه بما يستحق، فهو متروك كما قلنا، وحتى أخبارُه في التاريخ ليست بشيء، فقد قال أبو حاتم الرازي: متروك يُشبِه حديثه حديثَ الواقدي، وقال البرقاني عن الدارقطني: متروك، وقال أبو داود ويعقوب بن سفيان: ليس بشيء.

بلکہ یہ متروک ہے اور اس کی حدیث سخت ضعیف ہے ۔ اور جو ابن حبان نے کہا وہ فحش غلطی ہے تو ابن حجر اس راوی سیف بن عمر پر وہ اطلاق نہیں کر رہے جس کا وہ مستحق ہے، اور وہ متروک ہے جیسا کہ ہم نے کہا اور یہ یہاں تک کہ تاریخ اخبار میں بھی اس کوئی حیثیت نہیں ہے، امام ابو حاتم الرازی نے کہا کہ وہ متروک ہے اور اس کی حدیث واقدی کے مشابہ ہے، امام دارقطنی نے کہا متروک ہے، امام ابو داود اور یعقوب بن سفیان فسوی نے کہا کہ یہ کوئی چیز نہیں یعنی ضعیف ہے ۔ (تحریر تقریب التہذیب 2/100)

واضح ہوا کہ محدثین کے نزدیک یہ ضعیف اور جمہور کے نزدیک بھی تاریخ میں بھی قابل احتجاج نہیں ہے ۔

5-ابو مخنف لوط بن یحییٰ متروک رافضی

کتب تاریخ کی اکثر روایات ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی گھڑی ہوئی ہیں، لوط بن یحییٰ ابو مخنف کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال پیش خدمت ہیں ۔

(1) علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اخباري، تالف، لا يوثق به.
(میزان الاعتدال 3 :/ 419)

علامہ ذہبی اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں ۔ ساقِط تركه أبو حاتِم. (المغنی فی الضعفاء 2/535)

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ۔ هالك. (المغنی فی الضعفاء 2/807 رقم 771)

علامہ ذہبی اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں ۔ متروک ۔ (دیوان الضعفاء 1/333 رقم 3500)

(2) ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اخباري، تالف، لا يوثق به ۔ (لسان المیزان 5:/ 567)

(3) ابو حاتم وغیرہ نے اِسے متروک الحدیث کہا ہے۔ (الجرح والتعدیل 7:/ 182)

(4) یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا۔ ـلیس بثقة ـلیس بشیء: یہ ثقہ نہیں اور نہ کوئی چیز ہے۔ (تاریخ الدوری 3/366 والضعفاء الکبیر 4 :/568)

(5) ابو عبید آجری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو داؤد سے ابو مخنف کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اپنے ہاتھ جھاڑے اور فرمایا کہ کیا کوئی اس کے بارے میں بھی پوچھتا ہے؟ یعنی یہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کے بارے میں پوچھا جائے۔ (لسان المیزان 5 :/568)

(6) ابن عراقی کنانی فرماتے ہیں: ـ کذاب تالف ـ (تنزیہ الشریعہ 1 :/98)

(7) امام دارقطنی نے فرمایا: اخباری ضعیف۔ (الضعفاء والمتروکین 449:)

(8) ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ـشیعي محترق صاحب اخبارھم ـ (الکامل فی لضعفاء الرجال 6:/ 93، لسان المیزان 5 :/568)

(9) ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی کذاب کہا ہے۔ (الموضوعات ص 406)

ابو مخنف وہ شیعی مؤرخ ہے جس نے خیر القرون میں رونما ہونے والے تمام اہم واقعات پر جھوٹ سے بھری مستقل کتابیں لکھی ہیں: سقیفہ بنو ساعدہ میں بیعت ابو بکر، شوریٰ، خلافت سے متعلق حضرت عمر کی قائم کردہ شوری، مقتل عثمان، مقتل علی، جنگ جمل و صفین، مقتل حسین، وفاتِ معاویہ اور ولایت یزید، مقتل عبداللہ بن الزبیر، سلیمان بن صرد اور عین وردہ وغیرہ۔ تفصیل کے لیے مطالعہ کیجئے۔

(الاعلام للزرکلی 5/245، الفہرست لابن الندیم، ص 106,105، معجم الادباء 670/ 6)

ظہور فیضی کی ابو مخنف سے اظہارِ ہمدردی

موصوف ظہور احمد اپنی کتاب صلح امام حسن ص 136 پر لکھتا ہے۔

وَهٰذِهِ صِفَةُ مَقْتَلِهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَأْخُوذَةٌ مِنْ كَلَامِ أَئِمَّةِ هٰذَا الشَّأْنِ لَا كَمَا يَزْعُمُهُ أَهْلُ التَّشَيُّعِ مِنَ الْكَذِبِ الصَّرِيحِ وَالْبُهْتَانِ. [قَالَ أَبُو مِخْنَفٍ عَنْ أَبِي جَنَابٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَرْمَلَةَ عَنْ عَبْدِ الله بْنِ حَرْمَلَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُلَيْمٍ وَالْمَنْذِرِيِّ بْنِ الْمُشْمَعِلِّ الْأَسَدِيَّيْنِ قَالَا: أَقْبَلَ الْحُسَيْنُ فلما نزل شرف قَالَ لِغِلْمَانِهِ وَقْتَ السَّحَرِ:] (البدایہ والنہایہ 8 :/172 ط دار الفکر)

اور یہ ان کے واقعہ شہادت کا بیان ہے جو اس شان کے ائمہ کے کلام سے ماخوذ ہے نہ کہ صریح بہتان بازوں اور جھوٹے اہل تشیع سے۔۔ اور اس کے معاً بعد لکھا ہے۔ قَالَ أَبُو مِخْنَف ابومخنف بیان کرتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ پہلے کہا کہ صریح جھوٹے اور بہتان باز شیعوں سے روایت نہیں کریں گے پھر فوری کہا: قَالَ أَبُو مِخْنَف تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حافظ ابن کثیر کے نزدیک ابو مخنف شیعہ اور جھوٹا نہیں ہے لیکن دوسرے مقامات پر حافظ ابن کثیر انہیں شیعی لکھا بھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک وہ شیعہ اولیٰ میں سے ہوں گے۔

(صلح امام حسن ص136)

جواب

فیضی کے موقف کا رد اس نکتہ سے بھی ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر نے خود لکھا ہے کہ

"اور یہ ان کے واقعہ شہادت کا بیان ہے جو اس شان کے ائمہ کے کلام سے ماخوذ ہے نہ کہ صریح بہتان بازوں اور جھوٹے اہل تشیع سے۔۔۔۔ لیکن دوسرے مقامات پر حافظ ابن کثیر انہیں شیعی لکھا بھی ہے۔"

قاری ظہور کا کبھی ابومخنف کے شیعہ ہونے کا انکار اور کبھی ابن کثیر سے ہی شیعہ ہونے کا بیان ان کی اضطراب کو واضح کرتا ہے۔

ابن کثیر کا ابومخنف کو شیعہ کہنا

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، طبری وغیرہ سے ابومخنف کی روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَلِلشِّيعَةِ وَالرَّافِضَةِ فِي صِفَةِ مَصْرَعِ الْحُسَيْنِ كذب كثير وأخبار باطلة. وفيما ذكرنا كِفَايَةٌ. وَفِي بَعْضِ مَا أَوْرَدْنَاهُ نَظَرٌ، وَلَوْلَا أن ابن جرير وغيره من الحفاظ والأئمة ذَكَرُوهُ مَا سُقْتُهُ. وَأَكْثَرُهُ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي مِخْنَفٍ لُوطِ بْنِ يَحْيَى، وَقَدْ كَانَ شِيعِيًّا. وَهُوَ ضَعِيفُ الْحَدِيثِ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ، وَلَكِنَّهُ أَخْبَارِيٌّ حَافِظٌ. عِنْدَهُ مِنْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ مَا لَيْسَ عِنْدَ غَيْرِهِ. وَلِهٰذَا يَتَرَامَى عَلَيْهِ كَثِيرٌ مِنَ المصنفين فی هٰذا الشأن مِمَّنْ بَعْدَهُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: شیعوں اور رافضیوں کی شہادت حسین سے متعلق بہت ساری دروغ گوئیاں اور بے بنیاد

خبریں ہیں، ہم نے جو ذکر کیا اس میں کفایت ہے اور ہماری ذکر کردہ بعض چیزیں قابل اشکال ہیں، اگر ابن جریر طبری وغیرہ جیسے ائمہ اور حفاظ اسے ذکر نہ کرتے تو ہم بھی ان روایات کو نہ لاتے اور یہ اکثر ابو مخنف کی روایتیں ہیں، جو یقیناً شیعہ ہے اور ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔ لیکن اخباری (صحافی) اور حافظ ہے اور اس کے پاس اس حوالے سے ایسی چیزیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں لہٰذا بعد کے اکثر مصنفین نے ان روایات کے بارے میں ابو مخنف سے نقل پر اکتفا کیا ہے۔ (البدایۃ والنھایۃ 8: /202)

ابن کثیر کے قول سے یہ واضح ثابت ہوا کہ ابن کثیر نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے باب میں ابو مخنف کی روایات سے استشہاد کیا ہے نہ کہ استدلال اور پھر ابن کثیر نے یہ بھی لکھا کہ ان نقل کردہ خبروں میں بھی متعدد قابل اعتراض باتیں ہیں اور تاریخ طبری میں یہ روایات نقل نہ ہوتیں تو ابن کثیر بھی اس کا تذکرہ نہ کرتے۔ پھر ابن کثیر نے بالجزم ابو مخنف کو شیعہ اور ضعیف کہا ہے۔ پھر شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے باب میں ابو مخنف کے پاس ایسی روایات ہیں جو کہ دوسرے کسی کے پاس نہیں اور بعد کے مصنفین نے اس کی سند سے اس کو نقل کیا ہے اس لیے اس کو بطور نقل لکھا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے یہ واضح طور پر لکھا ہے کہ ابو مخنف کی روایات کو خاص حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے باب میں بطور استشہاد لکھی ہیں تو پھر ابو مخنف کو علی الاطلاق ثقہ اور قابل حجت کہنا باطل و مردود ہے۔ فیضی صاحب نے خاص شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے باب میں ابو مخنف کے مرویات کو صرف لکھنے کے حوالہ سے ابو مخنف کو علی الاطلاق قابل اعتبار و صدوق ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اور پھر موصوف ابو مخنف کی متروک روایات کو صحابہ کرام کے خلاف قابل حجت بنانے کے لیے دوڑ پڑے ہیں۔ مگر ان کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ دجل و فریب کے سوا کچھ نہیں۔

مزید یہ کہ آج کل ہر بدعتی و گمراہ شخص کا یہ وطیرہ بن گیا ہے جس راوی پر شیعہ ہونے کی جرح موجود ہو تو اسے فوراً شیعہ اولیٰ یا محب اہل بیت ثابت کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ جبکہ یہ بات غلط ہے کہ ہر ثقہ یا صدوق شیعہ سے مراد شیعہ اولیٰ ہوتا ہے۔ کیونکہ بہت سارے ایسے شیعہ راوی ہیں جنہوں نے صحابہ کرام پر طعن کیا اور عقائد اہل سنت کے خلاف مرویات بھی نقل کیں تو انہیں شیعہ اولیٰ کہنا باطل و مردود ہے۔

ابو مخنف کے بارے میں ابن عدی کی رائے

ابن عدی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ اس کی کوئی روایت قابل اعتبار نہیں، سب بے ہودہ روایتیں

ہیں اور کوئی بعید نہیں کہ یہ بد بخت سلف صالحین کی ہتک عزت کرتا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

حدث بأخبار من تقدم من السلف الصالحين، ولاَ يبعد مِنْهُ أن يتناولهم. وَهو شيعي محترق صاحب أخبارهم وإنما وصفته لا يستغني عن ذكر حديثه فإني لا أعلم له من الأحاديث المسندة ما أذكره وإنما له من الأخبار المكروه الذي لا أستحب ذكره.

ترجمہ: ابو مخنف متقدمین سلف صالحین کے بارے میں خبریں نقل کرتا ہے اور اس سے بعید نہیں کہ وہ ان کی ہتک عزت کرے، یہ شیعہ اور ان کا مورخ ہے، میں نے اس لیے اس کا ذکر کیا ہے کہ اس کی احادیث کے ذکر سے استغناء نہیں، میرے علم میں اس کی کوئی ایسی صحیح روایت نہیں جسے میں ذکر کروں، البتہ اس کی صرف وہ ناپسندیدہ، بدبودار روایتیں ہیں جنہیں میں ذکر کرنا پسند نہیں کرتا ہوں۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال 7 : / 241)

6۔ ھیثم بن عدی پر محدثین کرام کی جرح

الھیثم بن عدی الطائی پر محدثین کرام کی سخت جروحات کتب جرح وتعدیل میں موجود ہیں۔

1) امام بخاری فرماتے ہیں۔ سكتوا عنه.
(الضعفاء صغیر 1/ 138 رقم 410، تاریخ الکبیر 8/ 218 رقم 2775)

2) امام عجلی لکھتے ہیں۔ كذاب. (معرفۃ الثقات 3/ 337 رقم 1924)

3) ابن عبد البر لکھتے ہیں۔ حديثه متروك. (الاستغناء 3/ 1387)

4) محدث ابن معین لکھتے ہیں۔ ليس بثقه كان يكذب۔ (تاریخ ابن معین للدوری 3/ 363)

5) محدث ابو حاتم فرماتے ہیں۔ متروك الحديث محله محل الواقدی.
(الجرح والتعدیل 9/ 85 رقم 350)

6) محدث ابو نعیم الاصبہانی لکھتے ہیں۔

فی حديثه المناكير عن الثقات وقال البخاری سكتوا عنه۔ (الضعفاء 267:)

7) امام نسائی فرماتے ہیں۔ متروک الحدیث۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال 8/ 401 رقم 2020)

8) محدث ابن عدی فرماتے ہیں۔

ما أقل ماله من المسندات. وإنما هو صاحب أخبار وأسمار ونسب وأشعار۔
(الکامل فی ضعفاء الرجال 8/ 401 رقم 2020)

9) امام بخاری کا قول ہے۔ لیس بثقة کان یکذب. (لسان المیزان 8/ 361 رقم 8312)

10) امام ابوداود کا قول ہے۔ کذاب. (لسان المیزان 8/ 361 رقم 8312)

11) امام یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں۔

کانت له معرفة بأمور الناس وأخبارهم ولم یکن فی الحدیث بالقوی. ولا کانت له به معرفة وبعض الناس یحمل علیه فی صدقه۔

اسے لوگوں کے معاملات واخبار کی معرفت تھی مگر حدیث میں قوی نہ تھا اور نہ ہی اسے حدیث سے آگاہی تھی وہ جھوٹ کا عادی تھا۔ (لسان المیزان 8/ 361 رقم 8312)

2) امام ساجی کا قول ہے۔ وکان یکذب. (لسان المیزان 8/ 361 رقم 8312)

13) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

کان صاحب أخبار وتدلیس. (لسان المیزان 8/ 361 رقم 8312)

14) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

وذکره ابن السکن، وابن شاهین، وابن الجارود والدارقطنی فی الضعفاء۔
یعنی: محدث ابن السکن، محدث ابن شاہین، محدث ابن الجارود، محدث دارقطنی نے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔ (لسان المیزان 8/ 361 رقم 8312)

15) محدث ابن یونس کا قول ہے۔ الہیثم غیر موثق. (لسان المیزان 8/ 361 رقم 8312)

16) محدث محمود بن غیلان فرماتے ہیں۔

وقال محمود بن غیلان : أسقطه أحمد، وابن معین وأبو خیثمة. (لسان المیزان 8/ 361 رقم 8312)

17) حافظ ابن حجر عسقلانی طبقہ خامسہ کے مدلسین میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔
(طبقات المدلسین ص 182۔ 183 رقم 151)

پیش کردہ حوالہ جات سے واضح ہے کہ الہیثم بن عدی الطائی متروک، کذاب اور مدلس راوی ہے۔

7-محمد بن اسحاق کے بارے میں اصولی موقف

تاریخی روایت میں ایک راوی محمد بن اسحاق الیسار کے بارے میں محدثین کرام کی مختلف آراء موجود ہیں مگر اس کے متکلم فیہ صدوق ہونے کے ساتھ اس میں چند علتیں ہیں جس کی وجہ سے اس کی روایات کو چھان پھٹک کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

کان صدوقا من بحور العلم وله غرائب في سعة ما روى تستنكر.

(الکاشف 2/156 رقم 4718)

- حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

إمام المغازي صدوق يدلس ورمي بالتشيع والقدر.

امام المغازی صدوق، مدلس اور تشیع وقدری سے منسوب ہے۔ (تقریب التہذیب 5725:)

- حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی دیگر کتب میں محمد بن اسحاق کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

1) **"إمام في المغازي، وأما في غيرها فمختلف فيه، وحديثه مع ذلك لا ينزل عن درجة الحسن بشرط السلامة من التدليس".**

یعنی مغازی کا امام ہے اور اس کے علاوہ غیر مغازی میں مختلف فیہ ہے اور اس کی حدیث ان تمام وصف کے ساتھ درجہ حسن سے نہیں گرتی مگر شرط یہ ہے کہ وہ تدلیس سے سلامت ہو۔

(الخبر 2/ 115-116)

2) **"ما ينفرد به وإن لم يبلغ درجة الصحيح فهو في درجة الحسن إذا صرح بالتحديث".**

جس روایت میں محمد بن اسحاق منفرد ہو تو وہ درجہ صحیح تک نہیں پہنچتی مگر حسن درجہ تک رہتی ہے اگر روایت میں سماع کی تصریح ہو۔ (فتح الباری 11/163)

3) **"حسن الحديث إلا أنه لا يحتج به إذا خُولف".**

حسن الحدیث ہے مگر جب اس کی مخالفت کی جائے تو اس سے احتجاج نہیں ہوگا۔

(فتح الباری 4/32)

4) **"مختلف فيه".** (فتح الباری 9/362) یعنی محمد بن اسحاق مختلف فیہ راوی ہے۔

5) "لا یحتج بما ینفرد به من الأحکام فضلاً عمن إذا خالفه من هو أثبت منه".
اس سے احکام میں احتجاج نہیں کیا جائے گا جب یہ منفرد ہو، خاص طور پر جب اس سے ثقہ نے مخالفت کی ہو۔ (الدرایۃ 19/2)

حافظ ابن حجر عسقلانی اسے طبقہ رابعہ کے مدلس میں درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"صدوق لکنه مشهور بالتدلیس عن الضعفاء والمجهولین وعن شر منهم وصفه بذلك أحمد والدارقطني وغیرهما".
محمد بن اسحاق فی نفسہ صدوق ہے مگر ضعفاء و مجہولین سے تدلیس کرنے میں مشہور ہے اور یہ اس کی طرف سے شر و برائی ہے اور اس تدلیس سے امام احمد، امام دارقطنی وغیرھم نے متصف کیا ہے۔ (طبقات المدلسین 169)

6) "وهذا التفصیل إنما أسنده عن بعض أهل العلم ولم یسمه وأخلق به أن یکون عن الکلبي أو بعض أهل الکتاب فإن من جملة ما عابوه علی ابن إسحاق أنه کان یعتمد علی أخبار بعض أهل الکتاب".
اور یہ تفصیل ہے کہ اس نے بعض ایسے اہل علم سے سند بیان کی جس سے سنا نہیں اور یہ روایات کلبی سے ہوتی تھیں یا بعض اہل کتاب سے۔ اور محمد بن اسحاق پر تمام عیب میں سے یہ ایک عیب ہے کہ محمد بن اسحاق ان روایات پر اعتماد کرتا جو کہ بعض اہل کتاب سے ہوتی تھیں۔
(العجاب 263/1)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

محمد بن اسحاق پر اس عیب کی نشاندہی محدث ابن مدینی نے کی۔ (التہذیب 507/3)
محدث ابن عدی اور علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کا اہل کتاب اور ہر کسی ضعیف و مجہول سے روایت کرنے کی تصریح محدث یحیی بن سعید القطان نے بھی کی۔
(الکامل لابن عدی 1358/4، الضعفاء عقیلی 25/4، سیر أعلام النبلاء 53/7)

7) "قد اتفق العلماء علی عدم الحکم لعنعنته بالإتصال".
تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اس کی عنعنہ والی روایت پر حکم ضعف لگایا جائے گا۔ (النتائج 195/2)
پیش کردہ تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ محمد بن اسحاق الیسار کی حیثیت صدوق راوی کی ہے مگر اس کی منفرد، تدلیس

اور مخالفت ثقہ روایت قبول نہیں کی جائے گی اور اس کے ساتھ یہ شیعہ اور قدری بھی ہے۔ اس لیے صحابہ کی شان کے خلاف مرویات کو اسی تناظر میں پرکھ کر چھان پھٹک کی جاتی ہے۔

قارئین کرام کے سامنے تاریخ طبری میں اکثریت روایات کے 7 راویوں کے حالات بہت ہی معتدل اور بغیر کسی تعصب اور علمی خیانت کے پیش کیے گئے ہیں۔ ارباب اہل علم اور ذہین لوگ ان تمام نکات کو سمجھتے بھی ہیں اور اس کو دل سے تسلیم بھی کرتے ہیں۔ راقم سے اگر کوئی غلطی یا خطا سرزد ہو تو رجوع کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔

شیعہ راوی کی روایت سے استدلال کی علمی حیثیت

آج کل تفضیلیہ، شیعہ راوی سے استدلال کرتے ہوئے اصول اسماء الرجال کو پس پشت رکھ کر اپنی مان چاہی تشریح کو لاگو کرنے کی جستجو میں رہتے ہیں۔ اس لیے ایسے رایوں سے استدلال کے بارے میں چند اصول کو مدنظر رکھنا اہم ہے۔

کیا صرف حُبِ اہلِ بیت ہی تشیع ہے؟

کچھ لوگ اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے عوام الناس کے سامنے ایسی روایات پیش کرتے ہیں جس میں شیعہ راوی موجود ہوتے ہیں۔ جب ان کو ایسے راویوں کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے تو انہیں ایک رٹا رٹایا اصول پیش کرنے کی عادت ہے کہ متقدمین تشیع سے مراد حب اہل بیت لیتے تھے۔ مگر ان لوگوں کی یہ بات علی الاطلاق غلط اور خلاف اصول ہے۔ اس لیے اس بارے میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

تشیع کی اقسام

علامہ ذہبی نے تشیع کے اقسام کی ہیں۔

1-تشیع غیر غالی 2-تشیع غالی

علامہ ذہبی کی تحقیق

علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

فالشيعي الغالي في زمان السلف وعرفهم هو من تكلم في عثمان والزبير وطلحة ومعاوية وطائفة ممن حارب عليا رضي الله عنه. وتعرض لسبهم. والغالي في زماننا وعرفنا هو الذي يكفر هؤلاء السادة. ويتبرأ من الشيخين أيضاً. فهذا ضال معثر.

سلف کے نزدیک غالی شیعہ وہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا جنہوں نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لڑائی لڑی ان کو برا بھلا کہنا یا ناراضگی کا اظہار کرنا۔ [خلف] ہمارے زمانے میں غالی شیعہ وہ ہے جو ان بزرگ ہستیوں کی تکفیر یا شیخین کریمین پر تبراء کرے، اور یہ کھلی گمراہی ہے۔ (میزان الاعتدال 1/6)

علامہ ذہبی کے قول سے معلوم ہوا کہ

1) سلف کے نزدیک غالی شیعہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لڑنے والوں کو برا بھلا کہنا یا ناراضگی ہے۔ اس میں تکفیر یا تبراء نہیں تھی۔

2) خلف [یعنی بعد کے علماء] کے نزدیک غالی شیعہ حضرات شیخین کریمین یا بزرگ صحابہ کی تکفیر یا تبراء کرنا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

والتشيع محبة علي وتقديمه على الصحابة فمن قدمه على أبي بكر وعمر فهو غال في تشيعه ويطلق عليه رافضي وإلا فشيعي إن فإن انضاف إلى ذلك السب أو التصريح بالبغض فغال إلا في الرفض.

تشیع حضرت علی سے محبت اور صحابہ پر ان کی تقدیم ہے اور جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر تقدیم دی وہ تشیع میں غالی ہے اور اس پر رافضی کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ (ہدی الساری ص 490)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے قول سے واضح ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین پر مقدم کرنا غالی تشیع ہے جس کو رفض [غیر غالی] بھی کہتے ہیں۔

پیش کردہ حوالہ سے معلوم ہوا کہ شیعہ [غالی اور غیر غالی] اور رفض [غالی اور غیر غالی] کی دو دو اقسام ہیں۔

1۔ غیر غالی شیعہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ لڑائی کرنے والے، صحابہ کرام اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والا۔ جیسا کہ علامہ ذہبی نے فرمایا۔ (میزان الاعتدال 1 / 69)

2۔ غالی شیعہ

حضرات شیخین کریمین پر حضرت علی کو تقدیم دینے والا، غالی شیعہ ہوتا ہے۔ [رفض کا اطلاق بھی ہوا] جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا۔) ہدی الساری ص 4909

ان حوالہ جات سے رفض کے بارے میں جو نکات واضح ہوئے، وہ پیش خدمت ہیں۔

3۔ غیر غالی رافضی۔ [غالی تشیع کا اطلاق]

حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ) ہدی الساری ص 490 (سے واضح ہوا کہ وہ شیعہ راوی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرات شیخین کریمین سے افضل سمجھے مگر حضرات شیخین کی تعظیم کرے اور ان کی امامت کو تسلیم کرے۔ جیسے کہ ابن بن ابی تغلب۔ وہ غالی شیعہ ہے۔ جس پر رافضی کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ رفض بغیر غلو کے ہوتا ہے۔

4۔ غالی رافضی

وہ شیعہ راوی جو حضرات شیخین کی تنقیص کرے غالی رافضی ہوتا ہے۔ جس پر بدعت کبری کا اطلاق ہوتا ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ غالی تشیع اور غیر غالی رافضی ایک ہی حکم میں ہیں۔ متعدد بار ایک راوی پر غالی تشیع کا اطلاق بھی ہوتا ہے اور غیر غالی رافضی پر بھی۔ ہر شیعہ راوی رفضی نہیں ہوتا مگر ہر رافضی میں شیعیت پائی جاتی ہے۔ اس لیے کسی راوی پر بعض محدثین کا شیعہ کا اطلاق اور بعض کا رافضی کا اطلاق کرنا درست ہوتا ہے۔

اس طرح کل چار اقسام واضح ہوتی ہیں۔

1۔ غیر غالی شیعہ
2۔ غالی شیعہ
3۔ غیر غالی رافضی
4۔ غالی رافضی

ان چاروں اقسام میں نمبر 2 غالی شیعہ اور نمبر 3 غیر غالی رافضی کو محدثین نے مترادف بھی بیان کیا ہے۔

تشیع کی اقسام۔ باعتبار بدعت

محدثین کرام نے تشیع کی اقسام ان کی بدعت کے اعتبار سے بھی کی ہے۔

1- تشیع کبری جسے تشیع شدید بھی کہا جاتا ہے۔ [غالی وغیر غالی]

2- تشیع صغری جسے تشیع خفیف بھی کہا جاتا ہے۔ [غالی وغیر غالی]

مذکورہ ہر دو قسم میں غالی اور غیر غالی پایا جاتا ہے۔

علامہ ذہبی کے نزدیک "غلو فی التشیع" کی ایک قسم تشیع صغری یا تشیع خفیف ہے۔ اس لیے شیخین کریمین سے محبت کرنے والے تفضیلی یا مخالفین صحابہ پر تشیع خفیف یا تشیع صغری کا اطلاق ہوتا ہے۔

تشیع صغری۔ تشیع خفیف کے طبقات

محدثین کرام نے تشیع صغری یا تشیع خفیف [غالی وغیر غالی] کی دو اقسام یا طبقات ہیں:

1- حب اہل بیت اور کسی صحابی کی تنقیص نہ کرنا۔ جیسے طاوس بن کیسان، منصور بن معتمر، اس کو بھی تشیع خفیف کہا گیا ہے۔

2- شیخین کریمین کی تعظیم کرنا۔ متعدد ایسے شیعہ راوی ہیں جو کہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہ کی تعظیم کرتے تھے۔

اب اس تشیع خفیف کے اطلاق سے بدمذہب، گمراہ یا پھر تفضیلیہ لوگوں کو علمی دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ تفضیلیہ اپنی پیش کردہ روایت میں کسی شیعہ راوی کے ساتھ تشیع خفیف یا تشیع صغری یا بدعت صغری کا لفظ دکھا یا صرف لفظ شیعہ دکھا کر اس راوی کو محب اہل بیت ہی ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھیے متعدد اہل سنت راویوں کو محب اہل بیت کی وجہ سے شیعہ یا تشیع خفیف یا چھوٹا بدعتی کہا گیا ہے۔ اس لیے ایسے راوی کی روایت قبول ہوگی۔ مقصد ان تفضیلیہ کا ہوتا ہے کہ پیش کردہ روایت میں جو شیعہ بدعتی راوی ہے اس کو یا تو شیعہ بااین معنی سنی باور کروا کر، یا خفیف تشیع کا طلاق کر کے اپنی پیش کردہ باطل و مردود روایت سے اپنا باطل مدعا ثابت کروانا ہوتا ہے۔

مگر تفضیلیہ کے اس دھوکے سے اکثر لوگ نابلد ہوتے ہیں یا پھر ان کے مطالعہ کی وسعت زیادہ نہیں ہوتی یا پھر فن اسماء الرجال کی باریکیاں واضح نہیں ہوتیں۔ اس لیے کسی بھی شیعہ راوی پر اطلاق شیعہ کے ساتھ ساتھ دیگر علتوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھ کر ہی ایسے راویوں پر غیر غالی یا غالی کا اطلاق ہوتا ہے۔

علت اول : حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنے والے صحابہ کی تنقیص کرنا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ جنہوں نے لڑائی لڑی ان کے بارے میں غلط خیال رکھنے والا یعنی تنقیص کرنے والا۔

محمد بن زیاد (خ، عو) الالهانی الحمصی. صاحب أبي أمامة. وثقه أحمد، والناس، وما علمت فيه مقالة سوى قول الحاكم الشيعي: أخرج البخاري في الصحيح لمحمد بن زياد وحريز بن عثمان - وهما ممن قد اشتهر عنهم النصب.

قلت: ما علمت هذا من محمد، بلى غالب الشاميين فيهم توقف عن أمير المؤمنين علي رضي الله عنه من يوم صفين، ويرون أنهم وسلفهم أولى الطائفتين بالحق. كما أن الكوفيين - إلا من شاء ربك - فيهم انحراف عن عثمان وموالاة لعلي، وسلفهم شيعته وأنصاره. ونحن - معشر أهل السنة - أولو محبة وموالاة للخلفاء الاربعة. ثم خلق من شيعة العراق يحبون عثمان وعليا، لكن يفضلون عليا على عثمان، ولا يحبون من حارب عليا من الاستغفار لهم. فهذا التشيع خفيف.

محمد بن زیاد الحمصی ، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا شاگرد ہے۔ امام احمد اور دیگر محدثین کرام نے اسے ثقہ کہا ہے، مجھے اس کے بارے میں کسی بات کا علم نہیں سوائے امام حاکم کے اس قول کے یہ شیعہ راوی ہے۔ امام بخاری نے محمد بن زیاد اور حریز بن عثمان سے روایات نقل کی ہیں، حالانکہ یہ دونوں راوی ناصبی ہونے کے حوالے سے مشہور ہیں۔ [ابن حجر نے کہا کہ اس نے ناصبیت سے رجوع کر لیا تھا]۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے محمد نامی اس راوی کے بارے میں اس چیز کا علم نہیں ہے، تاہم اہل شام پر غالب یہ ہی ہے کہ وہ امیر المومنین حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے بارے میں توقف سے کام لیتے ہیں کیونکہ انہیں نے جنگ صفین کی تھی اور وہ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ لوگ اور ان کے بڑے ان دونوں گروہوں میں سے حق کے زیادہ قریب تھے۔ جس طرح اہل کوفہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے انحراف اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے محبت پائی جاتی ہے ماسوائے اس شخص کے جسے تمہارا پروردگار چاہے اور اہل کوفہ کے اسلاف حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے شیعہ اور ان کے مددگار ہیں جبکہ اہل سنت کا گروہ ہم چاروں خلفاء سے محبت

کرنے والے اور ان سے موالات رکھنے والے لوگ ہیں۔ پھر عراق کے شیعہ حضرات میں ایک گروہ پیدا ہوا جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے اور یہ لوگ ان لوگوں کے لیے دعا مغفرت کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے جنہوں نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی۔ تو یہ خفیف قسم کا تشیع ہے۔

(میزان الاعتدال 3/ 552)

اس قول سے واضح ہوا کہ ایک شیعہ کا گروہ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ دنوں سے محبت کرتے تھے مگر ان دونوں سے محبت کرنے کے باوجود حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تقدیم دیتے تھے، اور حضرت علی المرتضی علیہ السلام کے خلاف جنگ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا تھا، جس کو علامہ ذہبی نے تشیع کی خفیف قسم لکھا ہے اور اس تشیع خفیف یا اسی بیان کردہ تشیع صغری کو اپنی کتاب کے ابتداء میں میزان الاعتدال 1/ 6[جنہوں نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لڑائی لڑی ان کو برا بھلا کہنا یا ناراضگی کا اظہار کیا] پر غالی تشیع کا اطلاق کیا ہے۔

واضح ہوا کہ علامہ ذہبی نے بھی تشیع صغری پر تشیع خفیف کا اطلاق کیا ہے۔ جس کو غلو فی تشیع یعنی غالی شیعہ کا بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ پہلے واضح کر دیا ہے کہ تشیع صغری یا تشیع خفیف میں بھی غالی یا غیر غالی کے دو اقسام موجود ہوتی ہیں۔ تشیع صغری یا تشیع خفیف کے اطلاق سے اکثر لوگوں کے ذہن سے غالی اور غیر غالی کی تقسیم محو ہو جاتی ہے کیونکہ ان کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ شاید تشیع صغری یا تشیع خفیف میں غلو یا غالی نہیں ہوتا جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ تشیع خفیف میں بھی غالی تشیع کی قسم موجود ہے۔ تشیع کی اس قسم میں خلفاء اربعہ کو گالیاں دینے والا شامل نہیں ہے۔

علت دوم: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرات شیخین کریمین پر تفضیل

❁ علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ اختلف قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ بَغْدَادَ. فَقَالَ قَوْمٌ عُثْمَانُ أَفضلُ، وَقَالَ قَوْمٌ: عليٌّ أَفضلُ. فَتَحَاكَمُوا إِلَيَّ. فَأَمسكتُ، وَقُلْتُ: الإِمْسَاكُ خَيْرٌ. ثُمَّ لَمْ أَرَ لِدِينِي السُّكُوتَ، وَقُلْتُ لِلَّذِي اسْتَفْتَانِي ارْجِعْ إِلَيْهِم، وَقُلْ لَهُم أَبُو الحَسَنِ يَقُوْلُ عُثْمَانُ

أَفضَلُ مِنْ عَلِيٍّ بِاتِّفَاقِ جَمَاعَةِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -. هَذَا قَوْلُ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَهُوَ أَوَّلُ عَقْدٍ يُحَلُّ فِي الرَّفْضِ.

قُلْتُ: لَيْسَ تَفْضِيْلُ عَلِيٍّ بِرَفْضٍ، وَلاَ هُوَ ببدعَةٌ، بَلْ قَدْ ذَهَبَ إِلَيْهِ خَلْقٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ، فَكُلٌّ مِنْ عُثْمَانَ وَعلِيٍّ ذُو فضلٍ وَسَابِقَةٍ وَجِهَادٍ، وَهُمَا تَقَارِبَانِ فِي العِلْمِ وَالجَلاَلَة، وَلعلَّهُمَا فِي الآخِرَةِ مُتَسَاوِيَانِ فِي الدَّرَجَةِ، وَهُمَا مِنْ سَادَةِ الشُّهَدَاءِ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا -. وَلَكِنَّ جُمْهورَ الأُمَّةِ عَلَى تَرجِيْحِ عُثْمَانَ عَلَى الإِمَامِ عَلِيٍّ، وَإِلَيْهِ نَذْهَبُ.

وَالخَطْبُ فِي ذَلِكَ يسيرٌ، وَالأَفضَلُ مِنْهُمَا - بِلاَ شكٍّ - أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، مَنْ خَالفَ فِي ذَا فَهُوَ شِيعِيٌّ جَلْدٌ، وَمَنْ أَبغضَ الشَّيْخَيْنِ وَاعتقدَ صِحَّةَ إِمَامَتِهِمَا فَهُوَ رَافضِيٌّ مَقِيتٌ، وَمَنْ سَبَّهُمَا وَاعتقدَ أَنَّهُمَا لَيْسَا بِإِمَامَيْ هُدَىً فَهُوَ مِنْ غُلاَةِ الرَّافِضَةِ - أَبعدَهُم اللهُ -.

امام دارقطنی نے کہا کہ اہل بغداد میں سے ایک قوم نے حضرت عثمان کو افضلیت دی اور ایک قوم نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی سے افضل کہا۔۔۔۔امام ابوالحسن دارقطنی نے کہا کہ اصحاب رسول ﷺ کے اتفاق ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، اور یہ اہل سنت کا قول ہے اور یہ پہلا معاملہ ہے جو رفض کی طرف ہے۔

میں [ذہبی] کہتا ہوں کہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ [برحضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ] رفض نہیں اور نہ ہی یہ بدعت ہے۔ بلکہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر افضلیت کے قائل تھے اور یہ دونوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ صاحب فضل، سابقہ الاسلام و جہاد ہیں اور یہ دونوں علم اور جلالت میں ایک جیسے ہیں، اور علماء نے ان کو ایک درجہ میں متساوی لکھا اور یہ دنوں بزرگ شہدا میں سے ہیں۔ مگر جمہور امت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں اور اسی طرح ہمارا بھی موقف ہے۔

مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بغیر کسی شک کے ان دونوں حضرات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ اور جو اس عقیدہ کے خلاف ہے وہ جلا بھنا ہوا شیعہ ہے یعنی غالی شیعہ ہے۔ اور جو لوگ حضرات شیخین کریمین سے بغض رکھتے

ہیں مگر ان کی امامت کو صحیح سمجھتے ہیں وہ رافضی ہے۔ مگر جو حضرات شیخین کریمین کو سب کرے اور ان کی امامت کو بھی درست نہ سمجھے وہ غالی رافضی ہے۔ (سیر أعلام النبلا ، 16/458)

علامہ ذہبی کے اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ کو تمام صحابہ سے افضل نہ ماننے والا شیعی جلد یعنی غالی شیعہ ہے۔ اور اس قسم کو علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں" ابان بن تغلب " کے ترجمہ میں" شیعی جلد "بھی کہا۔

أبان بن تغلب م.عو الکوفی شیعی جلد. (میزان الاعتدال 6/1)

واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ پر حضرت علی المرتضی ؓ کو افضلیت دینے والا غالی شیعہ ہے جس پر بدعت خفیفہ یا بدعت صغری کا اطلاق کیا گیا ہے۔

- حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

والتشیع محبة علی وتقدیمه علی الصحابة فمن قدمه علی أبی بکر وعمر فهو غال فی تشیعه ویطلق علیه رافضی وإلا فشیعی إن فإن انضاف إلی ذلك السب أو التصریح بالبغض فغال إلا فی الرفض.

تشیع حضرت علی سے محبت اور صحابہ پر ان کی تقدیم ہے اور جس نے حضرت علی المرتضی ؓ کو حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ پر تقدیم دی وہ تشیع میں غالی ہے اور اور اس پر رافضی کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ (ہدی الساری ص 490)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے مذکورہ بالا حوالہ سے معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضی ؓ کو شیخین کریمین ؓ پر تقدیم دینا تشیع ہے۔ اور یہ تشیع عام نہیں بلکہ غالی تشیع ہے اور اس غالی تشیع پر رفض الاطلاق بھی ہوتا ہے۔

علت سوم:

- علامہ ذہبی اپنی کتاب سیر اعلام النبلا میں لکھتے ہیں:

ان ترك الترحم سکوت، والساکت لاینسب الیه قول، ولکن من سکت عن ترحم مثل الشهید امیر المومنین عثمان، فان فیه شیئا من تشیع

"رحمت کی دعا کا ترک کرنا سکوت ہے اور سکت پر کوئی حکم نہیں لگے گا، لیکن جو امیر المومنین سیدنا عثمان غنی شہید ؓ کی مثل کسی پر ترحم سے سکوت کرتا ہے اس کا ایسا کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس

میں شیعت موجود ہوتی ہے۔" (سیر اعلام النبلاء، ج ۷، ص ۳۷۰)

علامہ ذہبی کے قول سے واضح ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر رحمت کی دعا نہ کرنے والا بھی شیعہ راوی ہے۔

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ اول: حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو افضل کہنا یا دوم: حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگیں کرنے والوں کی تنقیص کرنا اور سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر رحمت کی دعا نہ کرنا، شیعیت کی ہی پہچان ہے۔

موقف اول: [حضرت علی المرتضی کو شیخین سے افضل سمجھنا] و موقف دوم: [حضرت علی المرتضی b کے خلاف لڑنے والے صحابہ کی تنقیص کرنا] پر بدعت خفیفہ یا بدعت صغری کے غلو کے قبیل سے ہوتا ہے۔ اور ایسے موقف کو بدعت خفیفہ یعنی بدعت صغری سے متصف کیا جاتا ہے اور یہ بدعت خفیف یعنی بدعت صغری میں غلو تشیع ہے۔

اس لیے کتب اسماء الرجال سے بدعت خفیفہ کے اطلاق کے ساتھ اس کے اقسام غالی یا غیر غالی کی تصریح اہم ہے۔ ہر بدعت خفیفہ یا تشیع خفیف سے مراد ایسا شیعہ مراد نہیں لیا جا سکتا جو محب اہل بیت ہو۔ محدثین کرام نے ابان بن تغلب الکوفی کو بدعت خفیفہ سے متصف کیا اور ساتھ ہی شیعی جلد اور غالی شیعہ کہا۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ بدعت خفیفہ کے بھی دو طبقات ہیں۔ غالی تشیع اور غیر غالی تشیع۔ جب بدعت خفیفہ کے طبقہ کا کوئی راوی تفضیل علی کا عقیدہ یا پھر جنگ جمل وصفین کے شرکاء صحابہ کو برا بھلا کہے تو وہ غالی شیعہ ہوگا اور غالی تشیع پر محدثین کرام کے اقوال کے مطابق رافضی کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ اس تحقیق سے ان لوگوں کا موقف غلط ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی کسی راوی پر شیعہ یا تشیع کا اطلاق ہو تو فوراً جواب دیتے ہیں کہ شیعہ کا مطلب حُب اہل بیت ہی ہے۔ مگر ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ حُب اہل بیت تو اہل سنت کا طرہ امتیاز ہے۔ لغوی تعریف اور اصطلاحی تعریف میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے تشیع خفیفہ کا غلط مطلب بیان کر کے عوام الناس کے سامنے پیش کرنا علمی بددیانتی ہے۔

شیعہ داعی الی بدعۃ کی روایت کا حکم

تفضیلیہ کی پیش کردہ اکثر روایات میں شیعہ راوی موجود ہیں۔ اس لیے محدثین کی تحقیق و اصول پیش کرنا

اہم ہے۔

1۔ محدثین کے ایک گروہ نے بدعتی راوی کی روایت کو مطلقاً قبول نہیں کیا۔

محدثین کے گروہ نے جس بدعتی راوی کی روایت کو قبول نہیں کیا وہ راوی بدعت کبری کا مرتکب راوی

ہے، جس میں رفض بدعت کبری ہے۔ اور رافضی راوی سے روایت لینے کو جائز نہیں سمجھتے۔

2۔ محدثین کے ایک دوسرے گروہ نے بدعتی راوی کی روایت کو قبول بھی کرنا لکھا ہے۔

اور محدثین کرام نے جن بدعتی راویوں کی روایت کو قبول کیا ہے وہ راوی بدعت صغری سے متصف راوی ہیں، جس میں تشیع شامل ہے۔

محدثین کے اس دوسرے گروہ میں سے بعض محدثین کرام بدعت صغری سے متصف راویوں کی روایت کو قبول کرتے تھے، ان میں داعی البدعۃ یعنی ایسا راوی جو اپنی بدعت کی طرف دعوت دے، ایسے راوی کے متعلق تین طرح کی اقوال ہیں۔

اول: داعی البدعۃ کی روایت مطلقا رد ہے۔

دوم: داعی الی البدعۃ راوی کی روایت مطلقا قبول ہے۔

سوم: داعی الی البدعۃ راوی کی روایت نہ مطلقا قبول اور نہ مطلقا رد ہوتی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایسا راوی اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو یا پھر اس بدعتی کی روایت اس کے مذہب کو تقویت نہ دیتی ہو اور جو راوی اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا یا اس کے مذہب کو تقویت دینے والی روایت ہو تو وہ راجح مسلک میں رد ہوگی۔

علامہ ذہبی کا قول

علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

إبراهيم بن الحكم بن ظهير الكوفي. شيعي جلد.

له عن شريك. قال أبو حاتم كذاب. روى في مثالب معاوية فمزقنا ما كتبنا عنه. وقال الدارقطني ضعيف. قلت قد اختلف الناس في الاحتجاج برواية الرافضة على ثلاثة أقوال: أحدها - المنع مطلقاً.

الثاني - الترخص مطلقاً إلا فيمن يكذب ويضع.

الثالث - التفصيل، فتقبل رواية الرافضي الصدوق العارف بما يحدث، وترد رواية الرافضي الداعية ولو كان صدوقاً.

قال أشهب سئل مالك عن الرافضة. فقال لا تكلمهم ولا تروعنهم. فإنهم

يكذبون. وقال حرملة: سمعت الشافعي يقول: لم أر أشهد بالزور من الرافضة.

وقال مؤمل بن إهاب: سمعت يزيد بن هارون يقول: يكتب عن كل صاحب بدعة إذا لم يكن داعية إلا الرافضة فإنهم يكذبون.

وقال محمد بن سعيد بن الأصبهاني: سمعت شريكا يقول: احمل العلم عن كل من لقيت إلا الرافضة يضعون الحديث ويتخذونه ديناً.

"یہ [ابراھیم بن الحکم بن ظہیر] جلا بھنا یعنی غالی شیعہ تھا۔ اس نے شریک سے روایت لی ہیں۔

امام ابوحاتم نے فرمایا: یہ راوی کذاب ہے۔ اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جھوٹی روایات نقل کیں تو ہم نے اس کے حوالے سے نوٹ کی ہوئی روایات مٹا دیں۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ رافضیوں سے روایت نقل کرنے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔ اس بارے میں تین اقوال ہیں:

ان میں ایک قول یہ ہے کہ ایسا کرنا مطلق طور پر منع ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا کرنے میں مطلق طور پر اجازت ہے ماسوائے اس راوی کے جو جھوٹ بولتا ہو اور جھوٹی احادیث گھڑتا ہو۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں تفصیل پائی جاتی ہے۔ ایسے رافضی کی روایت کو قبول کیا جائے گا جو سچا ہو اور اس بات کو جانتا ہو جو حدیث بیان کر رہا ہے۔ اور ایسے راوی کی روایت کو مسترد کیا جائے گا جو اپنے مسلک کی طرف دعوت دیتا ہو، اگرچہ وہ سچا ہی کیوں نہ ہو۔ [یعنی داعی الی البدعۃ]

اشعب کہتے ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے رافضیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: تم ان کے ساتھ کلام نہ کرو، اور ان کے حوالے سے روایت نقل نہ کرو، کیونکہ وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ حرملہ کہتے ہیں: میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، میں نے رافضیوں سے زیادہ جھوٹی گواہی دینے والا، اور کوئی نہیں دیکھا۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں: ہر بدعتی راوی کے حوالے سے روایت نوٹ یا لکھی جائے گی جب کہ وہ اپنے مسلک کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو۔ البتہ رافضیوں کا حکم مختلف ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ شریک کہتے ہیں: جس شخص سے بھی تمہاری ملاقات ہو اس سے علم حاصل کرو ماسوائے، رافضیوں کے، کیوں کہ

وہ جھوٹی احادیث گھڑتے ہیں اور اسے اپنا دین بنالیتے ہیں۔" الخ

(میزان الاعتدال 1/ 27رقم 73)

واضح ہوا کہ بدعتی راوی کی روایت کو بطور کتابت لکھا جاسکتا ہے مگر داعی الی البدعۃ والی روایت قابل استدلال نہیں بن سکتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا مختار مذہب بیان کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

نعم، الأکثرون علی قبول غیر الداعیة، إلا أن یروی ما یقوی بدعته فیرد ـ علی المذهب المختار۔

ہاں، جمہور محدثین غیر داعی بدعتی کی روایت قبول کرتے ہیں سوائے ان روایات کے جو غیر داعی بدعتی اپنی بدعت کی تقویت کے لیے بیان کرے، تو انہیں رد کی جائے گا اور یہ مختار مذہب کے مطابق ہے۔

(نزہۃ النظر ص 119)

شاہ عبد الحق محدث دہلوی کی تحقیق

شاہ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

" مذہب مختار یہ ہے کہ اگر وہ اپنی بدعت کی طرف دعوت عام لوگوں کو دیتا ہے نیز اس کی ترویج و اشاعت کرتا ہے تو غیر مقبول ہوگی اور یہ صورت نہ ہو تو مقبول ہوگی لیکن اگر کسی ایسی چیز کی روایت کرتا ہے جس سے اپنی بدعت کی تقویت پہنچانا ہے تو یقیناً مردود ہے۔"

(مقدمہ شرح مشکوۃ ص 19)

عرب محقق دکتور محمود الطحان کی تحقیق

عرب محقق دکتور محمود الطحان لکھتے ہیں۔

بدعتی کی روایت کا حکم: بدعتی کی روایت کا حکم اس کی بدعت کے حَسب حال ہوگا۔

الف:..... اگر تو وہ بدعتِ مکفرہ کا مرتکب ہے تو (بلا تأمل) اس کی روایت مردود ہوگی۔

ب :......اور اگر وہ بدعتِ مفسقہ کا عامل یا معتقد ہے تو اس بابت صحیح قول جس پر جمہور ہیں، یہ ہے کہ اس کی روایت دو شرطوں کے ساتھ مقبول ہوگی:

ا۔ وہ اپنی بدعت کی دوسروں کو دعوت نہ دیتا ہو۔ یعنی داعی الی البدعۃ نہ ہو۔

۲۔ وہ ایسی بات روایت نہ کرے جو اس کی بدعت کی ترویج کرے (اور اس روایت سے اس کی بدعت کو تائید اور جواز ملتا ہو)۔ (شرح تیسر مصطلح الحدیث ص 173)

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ بدعتی راوی اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا ہو یا پھر بدعتی راوی ایسی روایت نقل کرے جس سے اس کی بدعت کو تقویت ملتی ہو، ایسی مرویات قابل قبول نہیں ہوگی۔

شیعہ کی روایت داعی یا غیر داعی کی شرط؟

جب تفضیلیہ کو کسی روایت میں شیعہ راوی کی نشاندہی کی جائے تو ان کے پاس جواب نہیں ہوتا، اور وہ آئیں بائیں شائیں کرتے ہوئے وہی استدلال پیش کرتے ہیں جو کہ ان کے معتمد و ممدوح عرب تفضیلی عالم سید احمد غماری صاحب فتح الملک العلی مترجم ص ۲۵۹ پر لکھتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں۔

> ” اسی طرح بدعتی کی روایت کے قابل قبول ہونے کے لیے محدثین نے جو یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو فی نفسہ باطل ہے اور ان کے لیے اپنے تصرف کے خلاف ہے۔” الخ

پھر اپنی کتاب فتح الملک العلی مترجم ص ۲۶۰ پر لکھتے ہیں:

> ” حالانکہ امام بخاری، امام مسلم اور جمہور، جن کے بارے میں ابن حبان اور امام حاکم نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے، نے ان بدعتیوں کی روایت کردہ احادیث سے حجت پکڑی ہے جو اپنی بدعت کے داعی ہیں جیسے حریز بن عثمان، عمران بن حطان، شبانہ بن سوار، عبد الحمید الحمانی اور ان جیسے بہت سارے راوی ہیں۔” الخ

مزید فتح الملک العلی مترجم ص ۲۶۱ پر اس اصول کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ” وہ بدعتی جو اپنی بدعت کا داعی ہے وہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ دیندار اور متقی ہوگا یا فاسق وفاجر۔ اگر وہ دیندار اور متقی ہو تو اس کی دینداری اور اسکا تقوی اسے جھوٹ بولنے سے منع کرے گا اور اگر وہ فاسق و فاجر ہو تو اس کی خبر اس کے فسق و فجور کی وجہ سے مردود ہوگی نہ کہ اس کے

بدعت کا داعی ہونے کی وجہ سے لہذا یہ شرط اپنے اصل کے اعتبار سے باطل ہے۔" الخ

عرب عالم احمد غماری کے بدعتی راوی پر اشکال کے جواب

غرض یہ ہے کہ سید احمد غماری صاحب نے جو لکھا وہ اصول کے خلاف ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم کا داعی اہل بدعت راویوں سے احتجاج کرنا تو اس بارے میں امام سخاویؒ لکھتے ہیں:

> " امام بخاریؒ نے عمران بن حطان السدوسی سے جو روایت کی ہے تو وہ اس کے بدعت سے قبل کی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے آخر عمر میں اپنی بدعت سے توبہ کر لی ہو اور یہ روایت اس کے رجوع کے بعد کی ہو۔ پھر امام بخاریؒ نے اس سے صرف ایک ہی حدیث (کتاب التوحید میں) تخریج کی ہے اور وہ بھی متابعات میں سے ہے۔ پس یہ تخریج متابعات میں مضر نہیں ہے۔" الخ۔ (فتح المغیث للسخاوی ج ۲ ص ۶۸، فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۹۰)

جناب احمد غماری صاحب نے جن راویان کے نام لیے ہیں انکے بارے میں تحقیق پیش خدمت ہے۔

۱۔ حریز بن عثمان کے بارے میں تحقیق

حریز بن عثمان پر جرح یہ ہے کہ وہ ناصبی تھا۔ احمد غماری صاحب یا محشی ص ۲۶۰ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

> " یہ وہ ملعون شخص ہے جو سفر و حضر اور ہر نماز کے بعد مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰؓ پر لعن طعن کرتا تھا بعض علماء نے اس کے کفر پر فتویٰ دیا ہے۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۶۵ | اور ناصبیت کا داعی بھی تھا پھر بھی امام بخاری نے اس سے استدلال کیا۔"

جواب: حریز بن عثمان کا ناصبیت سے رجوع

غرض یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے استاد ابو الیمان حکم بن نافع الحمصی [یہ حریز بن عثمان کے شاگرد بھی تھے۔] سے نقل کیا ہے کہ حریز بن عثمان نے ناصبیت سے رجوع کر لیا تھا۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۸)

بلکہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا:

انہ رجع عن النصب یعنی حریز بن عثمان نے ناصبیت سے توبہ کر لی تھی۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴۰)

2۔ عمران بن حطان کے بارے میں تحقیق

۲۔ عمران بن حطان کے بارے میں احمد غماری صاحب یا محشی کتاب فتح الملک العلی ص ۲۶۰ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

> "یہ وہ بد بخت انسان ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے قاتل عبدالرحمن ابن ملجم کے قصیدے پڑھتا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۹۷) اس کے باوجود بھی امام بخاری نے اس سے احتجاج کیا۔"

جواب: عمران بن حطان السدوسی کا خارجیت سے توبہ

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ عمران بن حطان السدوسی نے خارجیت سے آخری عمر میں توبہ کر لی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ تقریب میں لکھتے ہیں:

> رجع عن ذلك : یعنی اس نے خارجیت سے رجوع کر لیا تھا۔ (تقریب التہذیب ص ۴۲۹)
>
> حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۱۴ لکھتے ہیں:
>
> خلاصہ یہ کہ ابوزکریا الموصلی نے اپنی تاریخ موصل میں بروایت محمد بن بشر العبدی بیان کیا ہے کہ عمران بن حطان نے اپنی آخر عمر میں موت سے قبل خارجیت سے رجوع کر لیا تھا۔
>
> حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:
>
> امام بخاری نے عمران بن حطان کے خارجی ہونے سے قبل روایت کیا ہو۔

(ھدی الساری ص ۴۳۳)

3۔ شبابہ بن سوار کے بارے میں تحقیق

۳۔ شبابہ بن سوار پر یہ اعتراض ہے کہ وہ ارجاء کی طرف داعی تھا یعنی بدعت کی طرف داعی تھا پھر بھی امام بخاری نے اپنے اصول کے برعکس اس سے احتجاج کیا۔

جواب: شبابہ بن سوار کا ارجاء سے رجوع

غرض یہ ہے کہ احمد بن صدیق الغماری کو یا تو حقیقت حال معلوم نہیں ہے یا پھر اس مسئلہ کو الجھا کر عوام الناس کے ذہن میں احتمالات ڈالنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کی یہ کوشش فضول ہے۔ کیونکہ شبابہ بن سوار پر ارجاء کے داعی ہونے کا اعتراض صحیح نہیں کیونکہ شبابہ بن سوار نے ارجاء والے عقیدے سے رجوع کر لیا تھا۔

امام ابوزرعہ الرازیؒ لکھتے ہیں:

رجع شبابۃ عن الارجاء : یعنی شبابہ نے ارجاء سے رجوع کیا اور تائب ہو گئے تھے۔

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۶۱، الضعفاء لابی زرعہ ج ۲ ص ۴۰۷، ہدی الساری ص ۴۰۹)

4۔ عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمانی کے بارے میں تحقیق

۴۔ عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمانی پر اعتراض ہے کہ یہ ارجاء کی طرف دعوت دیتا تھا اور پھر بھی امام بخاری نے احتجاج کیا۔

جواب: عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمانی کا رجوع

غرض یہ ہے کہ اس راوی کے بارے میں علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

لعلھم تابوا : پس ممکن ہے کہ عبدالحمید نے توبہ کر لی ہوں۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۱۵)

مزید یہ کہ اس کی صرف ایک روایت صحیح بخاری ۵۰۴۸: پر موجود ہے اور یہ روایت دوسری سند کے ساتھ صحیح مسلم ۷۹۳: پر بھی موجود ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ احمد بن محمد الصدیق الغماری نے العتب الجمیل نامی کتاب سے جو اعتراضات پیش کرنے کی کوشش کی ہے وہ تمام کے تمام اعتراضات مردود اور خلاف تحقیق ہیں۔ العتب الجمیل کتاب جو کہ محدثین پر افتراء اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ مزید یہ کہ بدعتی کی روایت کو ترک اس کے فسق کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا وہ جذبہ ترویج بدعت ہے جس کی وجہ سے وہ بدعت کو حسین الفاظ میں بتانے کی کوشش میں مصروف ہوتا ہے۔ کیونکہ بدعتی اپنی بدعت کو خوشنما بنانے کا خیال اسے روایت میں تحریف کرنے اور انہیں اپنے مسلک کے مطابق بنانے کی تحریک پیدا کر سکتا ہے۔ لہٰذا غماری صاحب کا یہ کہنا کہ بدعتی کے فسق

کی وجہ سے روایت رد کردی جاتی ہیں، ایسا حقیقت میں نہیں ہوتا بلکہ بدعتی کے اندر وہ چھپا ہوا خیال ہوتا ہے جو روایت میں تحریف کرنے کا خیال پیدا کرسکتا ہے۔ لہذا ہم اس کی روایت کو احتیاط کے پیش نظر چند شرائط کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ غماری صاحب کی خواہش پر ہم محدثین کے اصولوں سے انحراف کریں اور تمام ضوابط کو رد کردیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہزار نعمتیں اور انعامات ان جلیل القدر ہستیوں پر جنھوں نے اپنی ساری زندگی آقاد وجہاں ﷺ کی احادیث کو محفوظ کرنے کی لیے خرچ کردی۔

شیعہ راوی سے استدلال کیوں؟

عرب تفضیلی محقق احمد غماری صاحب فتح الملک العلی مترجم ص ۲۷۱ پر لکھتے ہیں:

> ”محدثین نے اس شرط [داعی الی بدعت] کا اعتبار نہیں کیا اور نہ ہی اپنے تصرفات میں اسے زینہ بنایا ہے بلکہ ثقہ شیعہ راویوں نے اپنے مذہب کی تائید میں جو بیان کی ہیں ان سے حجت پکڑی ہے۔ حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے شیعہ راویوں سے حضرت علیؓ کے فضائل میں روایت نقل کیں ہیں۔ جیسے انت منی وانا منک تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی باب عمرۃ القضاۃ، رقم الحدیث ۴۰۰۵:) اس حدیث کو امام بخاری نے عبید اللہ بن موسیٰ العبسی سے نقل کیا ہے۔ جس کے بارے میں خود امام بخاری نے کہا ہے: انہ کان شدیدا التشیع کہ وہ تشیع میں سخت تھا۔ (التہذیب: ترجمہ عبید اللہ بن موسیٰ العبسی : ج ۲ ص ۳۵) اسی طرح حدیث: لایحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق (صحیح مسلم، کتاب الایمان باب الدلیل علی ان حب الانصار علی من الایمان الخ رقم الحدیث ۱۱۳:) ترجمہ : تجھ سے مومن ہی محبت کرے گا اور تجھ سے منافق ہی بغض کرے گا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے عدی بن ثابت کی روایت سے نقل کیا ہے حالانکہ وہ ایک غالی اور اپنے مذہب کا داعی شیعہ ہے۔ (التہذیب ترجمہ عدی بن ثابت ج ۴ ص ۱۰۷)۔ الخ

غماری صاحب یہ مثالیں دینے کے بعد آگے ص ۲۷۲ پر لکھتے ہیں:

> ”یہ اس بات کی دلیل ہے کے کہ یہ شرط (لگانا کہ وہ روایت بدعتی کے مذہب کی تائید نہ کررہی ہو) باطل ہے اور روایت کی صحت اور قبول میں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اعتبار صرف راوی کے ضبط اور اتقان کا ہے“۔ الخ

جواب

عرض یہ ہے کہ محدثین نے جو شیعہ راوی سے استدلال کے قواعد بنائے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں۔ بلکہ اس کو تشیع کے ساتھ مخصوص کرنا ہی جہالت ہے کیونکہ ان کے یہ اصول بدعتی کی روایت کے بارے میں ہے نہ کہ نہ صرف ایک فرقہ سے مختص ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے شیعہ راویوں سے فضائل حضرت علیؓ میں روایات لیں ہیں۔ جو ان کے مذہب کو تقویت دیتی ہیں۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ یہ اعتراض اصول سے بے خبری اور جہالت کا نتیجہ ہے۔ سطحی قسم کا مطالعہ ایسے سوالات اٹھانے میں کافی معاون ثابت ہوتا ہے۔ لہذا انسان اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے محدثین کرام پر اعتراضات اٹھانا شروع کر دیتا ہے۔ اس بارے میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

بدعتی (شیعہ وغیرہ) اگر سچا اور صدوق ہو مگر مذہب کا داعی ہو یا اس کے مذہب کو تقویت پہنچا رہی ہو۔ تو پھر اس شیعہ کا مذہب وعقیدہ دو اقسام پر مشتمل ہوگا۔

۱۔ شیعہ کا وہ عقیدہ جو مذہب اہل سنت کے خلاف نہیں۔ [کیونکہ اہل سنت و جماعت فضائل حضرت علیؓ واہل بیت کرام کے قائل اور ماننے والے ہیں۔]

۲۔ شیعہ کا وہ عقیدہ جو مذہب اہل سنت کے خلاف ہے۔ [یعنی اہل سنت و جماعت، فضیلت حضرت علیؓ تو مانتے ہیں مگر ساتھ عظمت صحابہ کے بھی قائل ہیں۔]

اگر شیعہ ایسی باتیں نقل کرے جو کہ شیعہ مذہب کے تائید میں ہو مگر اہل سنت کے اصولوں کے خلاف نہ ہو تو وہ قابل قبول ہوتی ہے۔ اور اگر شیعہ ایس باتیں نقل کرے جس کے مخالف اہل سنت میں موجود ہو تو ایسی روایت شاذ اور نکارت والی ہوگی۔ جس کو رد کر دیا جائے گا اور احتجاج نہیں کیا جائے گا۔

شیعہ راوی کی فضائل اہل بیت میں روایات کی تحقیق

اکثر یہ ہوتا ہے کہ بدعتی کی روایت بظاہر اس کے مذہب کے موافق معلوم ہوتی ہے اور یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اس روایت میں فلاں راوی شیعہ ہے اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی فضیلت میں روایت کرتا ہے۔ جیسے انت منی و انا منك تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی باب عمرۃ القضاۃ۔ رقم الحدیث ۴۰۰۵:) اسی طرح حدیث: لا یحبك الا مومن و لا یبغضك الا منافق (صحیح مسلم، کتاب الایمان باب الدلیل علی ان حب الانصار علی من الایمان الخ رقم الحدیث ۱۱۳:)

ترجمہ: تجھ سے مومن ہی محبت کرے گا اور تجھ سے منافق یہ بغض کرے گا۔ جیسا کہ احمد غماری نے اعتراض کیا ہے۔

جواب:

مگر غرض یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں ایک واضح فرق موجود ہوتا ہے۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ اہل سنت کی روایات کی پہچان ہے کہ ان میں جو حضرت علی المرتضیٰؓ کے فضائل وارد ہوئے ہیں ان میں حضرات شیخین کریمینؓ یا صحابہؓ کی شان میں تنقیص نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اس میں غلو ہوتا ہے اور نہ ہی الفاظ رکیک ہوتے ہیں اور معانی میں ضعف نہیں ہوتا۔ جیسا کہ صحیح مسلم و دیگر روایات ہیں۔ اس لیے اس کو قبول کیا جاتا ہے۔

سند کے ساتھ متن کا بھی فرق ملحوظ خاطر رہے

جب کسی شیعہ بدعتی راوی کی روایت میں فضائل اہل بیت یا فضائل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متن میں کوئی اعتدال سے ہٹ کر شان میں غلو یا رکیک الفاظ یا کسی عبارت کا اضافہ یا کسی دوسرے صحابی کی تنقیص ہو تو پھر محدثین کرام سند کے ساتھ متن کا بھی تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

اس لیے محدثین کرام سند کے ساتھ متن کا بھی جائزہ لیتے ہیں اور جب کسی بدعتی کی روایت میں متن میں بھی کوئی رکاکت یا الفاظ کا فرق دیکھتے ہیں تو اس کو بہت تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ چند تفضیلی ذہن کے لوگ بدعتی راوی کے ساتھ صدوق کا لفظ دکھا کر اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ متصلب سنی راویوں کی روایات کے متن میں بھی اگر کوئی رکاکت یا اضافہ یا اندارج ہو، اس کو عیاں کرتے ہیں۔ جب سنی ثقہ راوی کی متعدد روایات کو بھی محدثین معلول اور دیگر علتوں کی وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہیں تو پھر کیسے کسی بدعتی صدوق راوی کے متن کے الفاظ کی رکاکت بیان نہیں ہوگی؟ اور بعض متون کے الفاظ ایسے ہیں جو کہ بدعتی راوی کے اپنے ہوتے ہیں جنہیں اندارج کہتے ہیں۔ اس لیے سند کے ساتھ متن کی درستگی کے بھی محدثین کرام نے اصول وضع کیے ہیں۔

جبکہ شیعہ راویوں کی مذہب کی تقویت والی روایت میں یہ دیکھا گیا ہے کہ اس میں اکثر حضرت علی المرتضیٰؓ کے شان میں غلو اور صحابہ کرامؓ کی شان میں تنقیص ہوتی ہے۔ ان کے معانی بڑے ہی ضعیف ہوتے ہیں اور الفاظ رکیک ہوتے ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور رہے کہ جب کوئی شیعہ راوی حضرت علی المرتضیٰ کی شان میں کوئی روایت بیان کرے تو اہل سنت محدثین کرام ان کی صرف وہ روایت تسلیم کرتے ہیں جو قواعد اہل سنت

کے موافق ہوں۔ جیسے کہ ان قواعد میں ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی شان و مرتبت کا مقام اعلیٰ درجہ پر ہے مگر دیگر صحابہ کرام ؓ کی تنقیص یا ان کے مسلمہ و ثابت شدہ مقام کو نیچا کرنا، اس سے ثابت نہ ہو۔

جو روایت قواعد و ضوابط کے دائرہ کار میں ہوں تو ہم اس شیعہ (مفسق بدعتی) کی روایت قبول کرتے ہیں اور اس کی بدعت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کیونکہ فضائل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اعتقاد بدعت ہر گز نہیں ہے اور جو شیعہ یا رافضی اس قواعد کے خلاف روایت کرے تو ہم اس کو رد کرتے ہیں اور اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔

(اسکی مزید تفصیل عرب محقق کی کتاب اتحاف النبیل ابی الحسن السلیمانی ص ۲۴۷ میں ملاحظہ فرمائیں)

لہذا غماری نے جو مثالیں پیش کیں اور فضائل علی المرتضی میں بیان کردہ روایات میں کوئی شیعہ راوی بھی ہے تو اس بدعتی راوی کی روایت کو اس لیے تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ مذہب اہل سنت کے اصولوں پر تھی۔ یہ بھی یاد رہے کہ محدثین کرام صرف سند پر ہی نہیں بلکہ متن پر بھی کڑی شرائط عائد کر کے اس کو قبول کرتے ہیں۔

اس کے برعکس روایات مذکورہ بالا جو غماری نے اہل سنت کے اصولوں کو رد کرنے کی غرض سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے وہ غماری کے موقف کو غلط ثابت کرتی ہے۔ اور سید احمد غماری کا محدثین کرام پر یہ الزام کہ وہ بدعتی اور غیر بدعتی کے تقسیم اس لیے کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل کا انکار کر سکیں، بھی غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ محدثین کرام صرف شیعہ کی روایات ہی نہیں بلکہ ناصبی، خارجی، مرجئی، قدری، جہمی راویوں کی روایات کو بھی اسی اصولوں کے تحت قبول و رد کرتے ہیں۔ محدثین کرام تو متعدد اوقات سنی ثقہ راوی سے مروی روایات میں رکیک الفاظ، اضافہ، اندراج، غلطی، ان کے حافظہ پر جرح کرتے ہیں بلکہ فن حدیث میں علل کے عنوان پر کتب میں تو ایسے ثقہ یا صدوق سنی راویوں کی روایات تقابلی جائزہ کے بعد عدم قبول کے بے شمار اقوال موجود ہیں۔ اس لیے اہل سنت کے محدثین کرام کے ان مساعی جمیلہ پر اعتراض کرنا غلط اور باطل ہے۔ اور محدثین کرام نے جس شاندار طریقے سے اہل بیت اور حضرت علی کرم اللہ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان بیان کی وہ تو قابل تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ محدثین کرام کو جزاء خیر عطا فرمائے۔

تعدد طرق یا کثرت شواہد کی بحث

تفضیلیہ یا دیگر گمراہ بدمذہب اپنا باطل موقف کو ثابت کرنے کے لیے اکثر اوقات ایک متروک و موضوع روایت کے تعدد طرق پیش کر کے اس کے قبول ہونے کی بات بھی کرتے ہیں۔ اس موقف کی بھی وضاحت اور تحقیق بہت اہم اور ضروری ہے۔ اس نکتہ پر ایک عرب تفضیلی غماری اپنی کتاب فتح الملک العلی

مترجم ص ۱۴۰ تا ۱۴۹ تک باب سوم [المسلک ثامن کا جواب]، اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ضعیف حدیث تعدد طرق اور کثرت شواہد کی وجہ سے صحیح ہو جاتی ہے۔

احمد غماری صاحب ص ۱۴۰ پر لکھتے ہیں۔

> ”اگر ہم ان تمام طرق اور شواہد پر ضعیف ہونے کا حکم لگا دیں اور کسی پر بھی صحیح اور حسن ہونے کا حکم نہ لگائیں تب بھی اس طرح کی ضعیف روایت، صحیح کے درجے تک پہنچ جاتی ہے اس لیے اس کے راوی پر صحیح ہونے کا حکم۔ اس کی صداقت کا ظن غالب ہونے کی وجہ سے لگایا جاتا ہے اور حدیث ضعیف کے جب طرق متعدد ہوں اور اس کے شواہد کثیر ہوں اور ان کے مخارج الگ الگ ہوں تو اس کے بھی مجموع طور پر صدق کا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ انفرادی طور پر ہر ایک کے صدق کا ظن غالب حاصل نہیں ہوتا۔ لہذا ان تمام راویوں کی حدیث اس بات کی مستحق ہے کہ اس پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے جیسا کہ اگر ایک ثقہ راوی کسی حدیث کو بیان کرے تو اس میں صدق کا غالب گمان پائے جانے کی وجہ سے وہ حدیث اس بات کی حق دار ہوتی ہے کہ اس پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے۔ محدثین کرام نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ متابعات اور شواہد کے راویوں میں ان کا قابل حجت ہونا شرط نہیں۔“ الخ

(اس کے بعد غماری صاحب نے حافظ ابن صلاح، امام نووی، علامہ سیوطی کے حوالہ جات نقل کیے ہیں۔)

متعدد اسانید کے مجموعے پر تحقیق

عرض یہ ہے کہ متعدد روایات مل کر کیا حسن درجے تک پہنچ جاتی ہیں، یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ یہ اصول مطلقاً نہ ہی قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی رد کیا جا سکتا ہے۔ اگر کتب حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ایک مقام پر واضح ہوتی ہے کہ متعدد طرق والی روایت حسن درجہ تک پہنچتی ہے [ان کی مثالیں اور حوالہ جات غماری صاحب نے دی ہیں] اور متعدد مقامات پر محدثین نے متعدد طرق والی روایت کی تضعیف بھی کی ہے۔ [محدثین کی آراء غماری صاحب نے دینا پسند نہیں کی اور یک طرفہ ٹریفک چلانے کی کوشش کی ہے۔] لہذا اس موقف پر بھی چند حوالہ قارئین کرام کے لئے پیش خدمت ہیں۔

کثرت طرق اور محدث زیلعی حنفی کا قول

۱۔ محدث علامہ جمال الدین زیلعی (م ۷۷۲ھ) فرماتے ہیں۔

مَعَ أَنَّ جَمَاعَةً مِنَ الْحَنَفِيَّةِ لَا يَرَوْنَ التَّرْجِيحَ بِكَثْرَةِ الرُّوَاةِ. وَهُوَ قَوْلٌ ضَعِيفٌ. لِبُعْدِ احْتِمَالِ الْغَلَطِ عَلَى الْعَدَدِ الْأَكْثَرِ. وَلِهَذَا جُعِلَتْ الشَّهَادَةُ عَلَى الزِّنَا أَرْبَعَةً. لِأَنَّهُ أَكْبَرُ الْحُدُودِ وَأَحَادِيثُ الْجَهْرِ. وَإِنْ كَثُرَتْ رُوَاتُهَا لَكِنَّهَا كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ. وَكَمْ مِنْ حَدِيثٍ كَثُرَتْ رُوَاتُهُ وَتَعَدَّدَتْ طُرُقُهُ. وَهُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ؛ كَحَدِيثِ الطَّيْرِ. وَحَدِيثِ الْحَاجِمِ وَالْمَحْجُومِ. وَحَدِيثِ مَنْ كُنْت مَوْلَاهُ. فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ. بَلْ قَدْ لَا يَزِيدُ الْحَدِيثَ كَثْرَةُ الطُّرُقِ إلَّا ضَعْفًا.

”اور احادیث جہر (نماز میں بآواز بلند بسم اللہ پڑھنے) کی روایات اگرچہ بہت ہیں لیکن وہ سب کی سب ضعیف ہیں اور کتنی روایات ہیں جن کے راوی بہت ہیں اور ان کے طرق متعدد ہیں مگر حدیثیں ضعیف ہیں۔۔۔ بلکہ بعض اوقات کثرت طرق بجائے اس کے لیے نقصان ضعف کو پورا کرے اس ضعف کو اور واضح کر دیتا ہے۔“ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۵۹)

کثرت طرق کے بارے میں علامہ سیوطی کا موقف

۲۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں۔

إذا روى الحديث من وجوه ضعيفة لا يلزم أن يحصل من مجموعها حسن بل ما كان ضعفه لضعف حفظ راويه الصدوق الأمين زال بمجيئه من وجه آخر وصار حسنا رسول الله صلى الله عليه و سلم قال لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة فمحمد بن عمرو بن علقمة من المشهورين بالصدق والصيانة لكن لم يكن من أهل الإتقان حتى ضعفه بعضهم من جهة سوء حفظه ووثقه بعضهم لصدقه وجلالته فحديثه من هذه الجهة حسن.

اگر کوئی حدیث متعدد اسناد ضعیفہ سے مروی ہو تو لازمی نہیں ہے کہ ان کا مجموعہ کا حاصل ”حسن“ ہی ہو۔ بلکہ صرف ان احادیث کو مجموعہ کا حاصل حسن ہوتا ہے جو صدوق الامین راوی کے ضعف حفظ کی جہت سے ضعیف ہوں نیز وہ ضعف دوسرے طریق میں زائل ہو جاتا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا

ہے کہ اس نے حدیث کو یاد رکھا ہے اور اس میں اس کا ضبط مختل نہیں ہے لہٰذا اس طرح وہ حدیث حسن ہو جاتی ہے۔ (تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۷۶)

محدث کوثری اور کثرت طرق کی حیثیت

۳۔ محدث کوثریؒ فرماتے ہیں۔

”تعدد طرق حدیث ضعیف کو مرتبہ حسن تک پہنچا دیتا ہے بشرطیکہ رواۃ میں ضعف حفظ اور ضبط کی جہت سے ہو تہمت کذب کے باعث نہ ہو کیونکہ کثرت طرق اس کے علاوہ ہم کو کوئی اور فائدہ نہیں پہنچاتا۔“ (مقالات الکوثری ص ۳۹)

محدث ابن صلاح کا کثرت طرق پر موقف

۴۔ حافظ ابن صلاحؒ فرماتے ہیں۔

"ومن ذلك ضعف لا يزول بمجيئه من وجه آخر لقوة الضعف وتقاعد الجابر عن جبره ومقاومته. كالضعف الذى ينشأ من كون الراوى متهما بالكذب أو كون الحديث شاذا. وهذه جملة يدرك تفاصيلها بالمباشرة"

حدیث کا ہر ضعف متعدد اسانید سے آنے کے سبب زائل نہیں ہوتا بلکہ تفاوت ہوتا ہے۔

(مقدمہ علوم الحدیث ص ۳۷)

حافظ ابن کثیر کا کثرت طرق پر رائے

۵۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

قال الشيخ أبو عمر : لا يلزم من ورود الحديث من طرق متعددة كحديث " الأذنان من الرأس " : أن يكون حسناً. لأن الضعف يتفاوت. فمنه ما لا يزول بالمتابعات. يعنى لا يؤثر كونه تابعاً أو متبوعاً. كرواية الكذابين والمتروكين. ومنه ضعف يزول بالمتابعة. كما إذا كان راويه سيء الحفظ. أو روى الحديث عن حضيض الضعف إلى أوج الحسن أو الصحة. والله أعلم.

”شیخ ابوعمرو بن الصلاح کا قول ہے کہ اسانید متعددہ سے کسی حدیث کے ورود کا حسن ہونا لازم

نہیں آتا کیونکہ ضعف میں بھی فرق ہوتا ہے بعض ضعف متابعت سے زائل ہو جاتے ہیں اور بعض متابعت سے زائل نہیں ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر راوی سیَ الحفظ ہو یا حدیث مرسل مروی ہو تو متابعت نفع بخش ہوتی ہے اور حدیث کو حیضیَ الضعف سے اوج الحسن یا صحت تک رفع کر دیتی ہے۔" (اختصار علوم الحدیث لا بن کثیر ص ۴۳)

محدث طیبی کی تحقیق

6۔ محدث طیبی لکھتے ہیں۔

" وأما الضعيف فلكذب راويه أو فسقه. لا ينجبر بتعدد طرقه"

راوی کا جھوٹ. اور اس کا فسق. ضعیف کو تعدد طرق کے باوجود تقویت نہیں پہنچاتے۔

(الخلاصۃ فی اُصول الحدیث ص 44 :)

اہم نکتہ

ایک نکتہ پر عوام الناس تو کیا علماء کرام بھی تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر تدقیق اور تحقیق کی جائے تو معاملہ واضح ہو جاتا ہے کہ بعض مقامات پر متعدد طرق والی روایت کو قبول کیوں کیا؟ اور بعض مقامات پر متعدد طرق والی روایت کو رد کیوں کیا؟ اصل معاملہ یہ ہے کہ یہ دونوں امر ضعف کی نوعیت پر منحصر ہیں۔ جس قسم کا ضعف ہوگا. اسی قسم کا حکم بھی ہوگا۔ لہذا اس معاملہ پر تحقیق پیش خدمت ہے۔

ضعف خفیف کا تعدد طرق میں قبول ہونا

جس حدیث میں ہلکا ضعف ہو تو وہ حدیث تقویت حاصل کرنے کی لیاقت رکھتی ہے اور خفیف ضعف کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

> لا يعده كثير من أهل الحديث من قبيل الحسن وليس هو فى التحقيق عند الترمذى مقصورا على رواية المستور. بل يشترك معه الضعيف بسبب سوء الحفظ والموصوف بالغلط والخطأ وحديث المختلط بعد اختلاطه والمدلس إذا عنعن وما فى إسناده انقطاع خفيف. فكل ذلك عنده من قبيل الحسن بالشروط

الثلاثة وهی:

1۔ أن لا يكون فيهم من يتهم بالكذب.

2۔ ولا يكون الإسناد شاذا.

3۔ وأن يروى مثل ذلك الحدي أو نحوه من وجه آخر فصاعدا وليس كلها فی المرتبة على حد السواء بل بعضها أقوى من بعض.

ومما يقويهذا ويعضده أنه لم يتعرض لمشروطية اتصال الإسناد أصلا. بل أطلق ذلك فلهذا وصف كثيرا من الأحاديث المنقطعة بكونها حسانا.

1) راوی کا حافظہ کمزور ہونا (سوء حفظ ہونا)
2) راوی روایت سے بے خبر اور بہت غلطیاں نہ کرے۔
3) راوی کا مختلط ہونا یعنی اصطلاحی اختلاط ہو۔
4) مستور یا مجہول الحال راوی ہو۔
5) مرسل حدیث ہو۔
6) جس راوی کو غلطی اور خطا سے موصوف کیا جائے۔
7) مدلس راوی کا روایت میں عنعنہ ہو۔
8) انقطاع خفیف ہو یعنی وہ روایت معضل نہ ہو۔

(النکت علی ابن صلاح 1/387۔ 388 النوع الثانی: الحسن)

یہ تمام امور ایسے ہیں جو کسی راوی میں پائے جائیں تو روایت متابع یا شاہد بننے کے قابل ہوتی ہے اور شروط حسن روایت میں سے ہیں مگر تین شرائط کے ساتھ۔۔۔۔[ان شرائط کا بیان آگے آرہا ہے۔]

محدثین نے شدید ضعف کا جو بیان کیا ہے۔ ان تمام امور کی تفصیل انواع علم الحدیث لا بن صلاح ص ۳۰۔ النکت ابن حجر ج ا ص ۳۸۸۔ ۳۹۸، نزھۃ النظر ص ۹۱ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

ضعف شدید تعدد طرق میں بھی مقبول نہیں

یہ کوئی اصول نہیں ہے کہ جس قسم کا بھی ضعف ہوگا وہ تعددِ اسانید کی بنا پر رفع ہو جائے گا اور حدیث حسن لغیرہ ہوگی۔ بلکہ جو ضعف شدید ہوگا وہ قابل قبول نہ ہوگا۔ اور ضعیف کی ضعیف رہے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ان تین شروط کے بارے میں لکھتے ہیں۔

الحسن بالشروط الثلاثة وهی:

1۔ أن لا يكون فيهم من يتهم بالكذب.

2۔ ولا يكون الإسناد شاذا.

3۔ وأن يروى مثل ذلك الحدی أو نحوه من وجه آخر فصاعدا وليس كلها فی المرتبة علی حد السواء بل بعضها أقوى من بعض.

ا۔ راوی پر جھوٹ کا الزام ہو یا اس پر انتہائی سخت جرح ہو جس سے اس کی روایت متابع یا شاہد میں پیش نہ کی جاسکے۔ مثلاً کذاب، دجال وغیرہ۔ ان اوصاف سے متصف راوی کی کمزوری متابعت سے رفع نہ ہوگی۔ متابعت کا انفرادی حکم ہوگا۔ ایسے کذاب وغیرہ کی روایت بھی اس متابع کے لیے سودمند نہیں ہوسکتی، البتہ اس کے ضعف میں اضافہ ضرور کرسکتی ہے۔

۲۔ متہم بالکذب ہو۔ (جھوٹ کا الزام ہو)

راوی تین وجوہات پر متہم بالکذب ہوتا ہے۔

ا۔ دنیاوی امور ومعاملات میں جھوٹا ہوا گرچہ حدیث نبوی ﷺ میں جھوٹ بولنا ثابت نہ ہو۔

ب۔ ایسی روایت کرنے میں منفرد ہو جو دین کے بنیادی اصول اور عام قاعدوں کے منافی ہو۔

ج۔ ایسی روایت بیان کرے جس سے اسکی غلط بیانی واضح ہوجائے۔

۳۔ حدیث شاذ ہو۔ (النکت علی ابن صلاح 1/ 387۔ 388 النوع الثانی: الحسن)

محدث ابن ملقن لکھتے ہیں۔

وإن كان ضعفه لتهمة الراوی بالكذب أو كون الحديث شاذا فلا ينجبر ذلك بمجيئه..

اور اگر ضعف راوی تہمت کذب، یا حدیث شاذ ہے تو یہ قابل تقویت نہیں ہے۔

(المقنع فی علوم الحدیث 1/ 102)

۳۔ راوی متروک ہو۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔

والحسن ابن دينار امتروك الحديث لا يصلح للمتابعات.

مفہوم: اور حسن بن دینار متروک الحدیث ہے جو متابعت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

(تدریب الراوی 1/243)

۴۔ راوی فحش الغلط (بکثرت غلطی کرنا) ہو۔

۞ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ والسلامة من كثرة الخطأ والغفلة.

(النکت علی ابن صلاح 1/ 493 النوع الثالث: الضعیف)

۞ محدث ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں۔

المسألة الثانية الرواية عن الضعفاء من أهل التهمة بالكذب والغفلة و كثرة الغلط أنه يترك الرواية عن المتهمين والذين غلب عليهم الخطأ للغفلة وسوء الحفظ.

جھوٹ بولنے سے بدنام، غافل، اور کثیر الخطاء راوی کے بارے میں علمائے حدیث کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اس سے روایت کرنا ہی چھوڑ دیا جائے۔

(شرح علل الترمذی ص ۱۳۱ او طبع 134)

حدیث کا منکر ہونا کیونکہ اس کی روایت میں منکر احادیث بہ کثرت پائی جاتی ہیں یا اس کی اغلاط اتنی زیادہ ہیں کہ اس کی صحت پر غالب ہیں۔ ایسے راوی کی روایت متابعات میں بھی قابل اعتبار نہیں۔

اس تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ پیش کردہ علتوں کے راویوں کی روایات تقویت کے قابل نہیں ہوتیں۔

ضعیف حدیث میں متابعت کی شروط

ضعیف حدیث کی تقویت کی مندرجہ ذیل شروط ہیں۔

۱۔ اس میں ایسا راوی نہ ہو جس پر جھوٹ کا الزام ہو یا جس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ ایسی حدیث کی دو یا اس سے زائد سندیں ہوں۔

۞ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

فإذا جاءت من المعتبرين رواية موافقة لأحدهم رجح أحد الجانبين من الاحتمالين المذكورين

اس کی دوسری سندیں قابل اعتبار ہو، جتنی اس کی معتبر سندیں بڑھتی جائیں گی، اتنا ہی حدیث کا ثبوت کا ظن غالب ہوگا۔ (نزہۃ النظر ص 130)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

ومتی توبع السیء الحفظ بمعتبر: کأن یکون فوقه، أو مثله، لا دونه.
ضعیف حدیث کا متابع بھی ضعف میں اسی درجہ کا ہو، اس سے زیادہ کمزور نہ ہو۔
(نزھۃ النظر ص 129 وطبع ص ۹۱)

۳۔ اپنے سے مضبوط کی مخالف نہ ہو۔
۴۔ متن کا معنیٰ مختلف نہ ہو۔ شاہد کے متن میں شرط ہے کہ اس کے معنیٰ اصل حدیث کے موافق ہو۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: شرط الشاھد ان یکون موافقا فی المعنی۔
(الامالی المطلقہ ص ۲۴۴)

۵۔ اختلاف مخارج ہو۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ روایان حدیث کے شہر اور شیوخ مختلف ہوں۔ شہر کے مختلف ہونے کا مطلب ہے کہ ایک سند میں کوفی ہو، دوسری میں شامی، تیسری میں بصری وغیرہ۔

متابع یا شاہد ہونے کے باوجود بھی عدمِ قبولیت

بعض اوقات کسی ضعیف حدیث کی متعدد سندیں ہوتی ہیں یا اس کے دیگر ضعیف شواہد ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود محدثین اس حسن لغیرہ کے درجے میں نہیں لاتے۔ جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

۱۔ محدث یہ سمجھتا ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں شاہد حدیث کے راوی نے غلطی کی ہے، لہذا غلط متابع یا غلط شاہد ضعف کے احتمال کو رفع نہیں کر سکتے۔

۲۔ جن مسائل کا تعلق عقائد سے ہو اس میں محدثین وہی احادیث قبول کرتے ہیں جو صحیح ہوں۔ حسن لغیرہ یا متعدد طرق والی روایت سے استدلال نہیں کرتے۔

۳۔ جس ضعیف حدیث کو بیان کرنے میں راوی اپنے شیخ سے منفرد ہو تو محدثین ایسے تفرد کو قابل تقویت نہیں سمجھتے۔

۴۔ جب حدیث کی کسی سند میں ایک سے زائد ضعف ہوں۔ مثلاً روایت میں انقطاع بھی ہے اور راوی ضعیف بھی ہے یا اس میں دو راویان ضعف ہیں تو بسا اوقات محدثین ایسی سند قبول نہیں کرتے کیونکہ اس میں شاہد بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

نتیجہ

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ہر وہ روایت جس کی متعدد یا چند[دیگر | اسانید ہو تو وہ حسن لغیرہ نہیں ہوتی۔ اس اصول کو چند شرائط ہیں لہٰذا سید احمد غماری کے اس اصول کے مطلقاً بتانا علمی میدان میں غلط ہے۔ آپ آگے کتاب میں سید احمد غماری کی پیش کردہ روایات کا مفصل بیان ملاحظہ کریں گے۔ ان کی پیش کردہ روایات میں کوئی ایسی روایت نہیں جو کذاب، متہم بالکذب، متروک یا فحش الغلط، رافضی راوی سے مروی نہ ہو یا معلول نہ ہو۔ اور مندرجہ بالا سطور میں یہ بات واضح ہے کہ اس قسم کے راویوں کی روایات متابعت اور شواہد میں بھی قابل قبول نہیں ہوتیں۔ اور جو اسانید سید احمد غماری نے اپنی کتاب میں نقل کیں ہیں ان سب میں سخت قسم کے ضعیف راوی یا دیگر علتیں موجود ہیں۔

کثرت طرق وشواہد پر غماری کا تضاد

دوران تحقیق راقم کو احمد صدیق الغماری کی کتاب" المسهم فی بیان حال حدیث طلب العلم فريضة على كل مسلم " پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ حدیث تقریباً نو صحابہ کرام سے کئی روایات سے مروی ہے۔ اور بہت سارے روایات میں کثیر متابعات اور شواہد موجود تھے جس کا تذکرہ خود احمد الغماری نے بھی کیا اور محدثین کرام نے اس حدیث کو متواتر کے درجے میں بھی رکھا۔ مگر احمد غماری نے ان تمام روایات، متابعات اور شواہد کو بالا طاق رکھتے ہوئے اس کو رد کیا اور اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ تفضیلیہ کو جب اپنا موقف ثابت کرنا ہو تو پھر موضوع اور شدید ضعف والی روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے محدثین کے اقوال رد کر دیے جاتے ہیں اور اصول جرح وتعدیل پس پشت رکھ دیا جاتا ہے۔ اور جب اپنے موقف کے خلاف کوئی روایت ہو تو پھر متابعات، شواہد، نکارت، منکر الحدیث والے اصول بھول جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم والی روایت کے ساتھ کیا۔

کیا یہی دیانت اور صدق ہے کہ اپنے موقف کے لیے اصولوں کو توڑا جائے اور محدثین کی تذلیل کی جائے اور انھیں ناصبی کہہ کر پکارا جائے؟ شرم کا مقام ہے ان لوگوں کے لیے جو ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے اور مسلک اہل سنت کے برعکس اپنے نظریہ کو زبردستی تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شاذ اقوال سے استدلال کی حیثیت

تفضیلیہ جب ہر طرح کی علمی بد یانتی اور دھوکا دہی سے کامیاب نہیں ہوتے تو مختلف علماء کے اپنی منفرد آرا۔ یا شاذ اقوال کو پیش کر کے اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ علماء نے جمہور یا اجماع کے خلاف شاذ اقوال سے استدلال کرنے پر بہت سخت گرفت کی ہے اور ایسے شخص پر فاسق وگمراہ تک کا فتوی دیا۔ اس لیے اس عنوان کے تحت چند مباحث پیش خدمت ہیں۔ شاذ اقوال کتب میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اہل سنت میں فتنہ فساد پھیلانے کو علماء نے انتہائی قبیح فعل قرار دیا ہے۔

فقہاء کے نزدیک پہلی تعریف

حنفیہ اور مالکیہ فقہاء کے نزدیک شاذ کو بالمقابل مشہور، راجح، اور صحیح کہا جاتا ہے۔ اور شاذ قول کو مرجوح یا ضعیف کہتے ہیں۔

◈ علامہ علیش مالکی لکھتے ہیں۔

أَیْ الْحُکْمِ الَّذِی تَجِبُ . . وَهُوَ الْمَشْهُورُ الَّذِی کَثُرَ قَائِلُوهُ وَالرَّاجِحُ الَّذِی قَوِیَ دَلِیلُه فَتَحْرُمُ الْفَتْوَی. وَالْقَضَاءُ. وَالْعَمَلُ بِالشَّاذِّ وَالضَّعِیفِ.

یعنی وہ حکم جو واجب ہو اور وہ مشہور ہے جس کے قائلین کثیر ہوں اور راجح وہ ہے جس کی دلیل قوی ہو پس شاذ و ضعیف روایت پر فتوی دینا. فیصلہ، اور عمل کرنا حرام ہے۔ (منح الجلیل 1 / 20)

فقہاء کے نزدیک دوسری تعریف

شافعی فقہاء کے نزدیک شاذ کا اطلاق مقابل قول مشہور، مذہب کے مقابلہ. اور ان کے نزدیک شاذ قول ضعیف و عجیب ہوتا ہے۔

◈ علامہ ابن حجر ہیثمی لکھتے ہیں۔

الْحُکْمُ بِالشَّاذِ الْبَعِیدِ فِی مَذْهَبِهِ جِدًّا جِدًّا وَإِنْ تَرَجَّحَ عِنْدَهُ لِأَنَّهُ کَالْخَارِجِ عن الْمَذْهَبِ

ترجمہ: شاذ کا حکم یہ ہے کہ وہ مذہب سے بہت زیادہ دور ہے، اور ہمارے نزدیک اس کا حکم خارج از مذہب ہے۔ (الفتاوی الفقہیہ الکبری 4 / 317)

فقہاء کے نزدیک تیسری تعریف

حنابلہ فقہاء کے نزدیک جمہور اہل علم اور حجۃ معتبرہ کی مخالفت کو شاذ کہتے ہیں اور شاذ قول ضعیف ہوتا ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اور شاذ سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

ابن قدامہ حنبلی عورتوں کی دیت کے مسئلہ پر الاصم اور ابن علیہ کے موقف کے رد پر لکھتے ہیں۔

وَهَذَا قَوْلٌ شَاذٌّ يُخَالِفُ إِجْمَاعَ الصَّحَابَةِ. وَسُنَّةَ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

اور ان کا یہ قول شاذ ہے۔ اجماع صحابہ اور سنت نبی کریم ﷺ کے مخالف ہے۔

فقہاء کرام کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ قول مشہور، قول راجح، قول صحیح، مدون مذہب میں کسی کا اپنے مذہب کے خلاف قول، اور جمہور کے خلاف قول کو شاذ کہتے ہیں اور شاذ قول پر عمل کرنا باطل و مردود ہے۔

اصولیوں کی نزدیک شاذ کی پہلی تعریف

شاذ کی پہلی تعریف یہ ہے کہ جو حق کے مخالف ہو وہ شاذ ہے ہر وہ جو حق کے خلاف ہو وہ شاذ ہے۔ شاذ کی اس تعریف کو ابن حزم ظاہری نے لکھا ہے۔

فلما لم يجز أن يكون الحق شذوذاً. وليس الا حق أو باطل صح أن الشذوذ هو الباطل.

ترجمہ: حق کا شاذ ہونا جائز نہیں اور یہاں حق یا باطل کے سواء صورت نہیں لہذا صحیح یہ ہے کہ شذوذ باطل ہے۔ (الاحکام فی اصول الاحکام 5/87)

اصولیوں کی نزدیک شاذ کی دوسری تعریف

اصولیوں کے نزدیک دوسری تعریف یہ ہے کہ

الشاذ عبارة عن الخارج عن الجماعة بعد الدخول فيه

یعنی: جماعت میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکل جانا شذوذ ہے۔

- امام زرکشی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

وقال أبو الْحُسَيْنِ بن الْقَطَّانِ هو أَنْ يَرْجِعَ الْوَاحِدُ عن قَوْلِهِ فَمَتَى رَجَعَ عنه سُمِّيَ شَاذًّا كما يُقَالُ شَذَّ الْبَعِيرُ عن الْإِبِلِ بَعْدَ أَنْ كان فيها يُسَمَّى شَاذًّا

ترجمہ: شاذ کا معنی ہے کہ ایک شخص کا اپنے قول سے رجوع کرنا۔ جب اس سے رجوع کرے گا تو شاذ کہلائے گا۔ (البحر المحیط 6/489 وطبع 3/560)

یہ قول کثیر اصولین کا ہے۔ جس میں امام غزالی، آمدی، امام بزدوی، امام ابن الھام اور زرکشی شامل ہیں۔

اصولیوں کی نزدیک شاذ کی تیسری تعریف

شاذ کی تیسری تعریف یہ ہے کہ کسی ایک شخص کا جماعت کی مخالفت کرنا۔

◆ امام زرکشی لکھتے ہیں۔

فَقِيلَ: هُوَ قَوْلُ الْوَاحِدِ وَتَرْكُ قَوْلِ الْأَكْثَرِ.

شاذ کسی ایک شخص کا قول اور اکثریت کے قول کو ترک کر دیا جائے۔

(البحر المحیط 6/489 وطبع 3/560)

اصولیوں کی نزدیک شاذ کی چوتھی تعریف

◆ علامہ قرافی لکھتے ہیں۔

الْخِلَافِ الشَّاذِ الْمَبْنِيِّ عَلَى الْمُدْرَكِ الضَّعِيفِ. (انوار البروق 4/51)

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ اصولیوں کے نزدیک حق کے خلاف قول، جماعت کے خلاف، اکثریت کے خلاف قول کو شاذ کہتے ہیں۔ اور شاذ قول پر اعتماد کرنا ضعیف اور مردود ہے۔

شاذ اقوال کا اطلاق کن صورتوں میں ہوتا ہے؟

علماء، فقہاء اور محققین مختلف صورتوں اور حالتوں میں کس قول پر شاذ کا اطلاق کرتے ہیں؟

1- إذا كان على خلاف النصوص الصحيحة الصريحة.

2- إذا كان قد سبق بالأجماع.

3- إذا انفرد به نفر قليل من أهل العلم. وخالفوا مذهب عامة أهل العلم مع ضعف مأخذهم.

4- إذا لم يجر عليه عمل العلماء وهجروه.

5۔ إذا كان مخالفاً لأصول الشريعة وقواعدها العامة۔

یعنی: جب صریح صحیح نصوص کے برخلاف ہو۔

جب اجماع سے اگے نکل جائے۔

جب کم لوگ، اہل علم سے جدا ہوں اور عامہ اہل علم کے مذہب کی مخالفت کریں۔

جب اس پر علماء کا عمل نہ ہو۔

جب اصول شریعت اور قواعد عامہ کے خلاف ہو۔

شاذ اقوال سے استدلال کرنا باطل و مردود

علماء و محققین نے شاذ اقوال اور فقہاء کی تسامح یا غلطی پر اپنا موقف قائم کرنے والے لوگوں پر سخت فتوی دیا ہے۔ قارئین کے سامنے چند علماء کے اقوال پیش خدمت ہیں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے نزدیک شاذ اقوال کی حیثیت

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ نَصْرٍ. ثنا قَاسِمُ بْنُ أَصْبَغَ. ثنا ابْنُ وَضَّاحٍ ثنا مُوسَى بْنُ مُعَاوِيَةَ..... اوَبِهِ عَنِ ابْنِ مَهْدِيٍّ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ حَيَّانَ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: إِنَّ مِمَّا أَخْشَى عَلَيْكُمْ زَلَّةَ الْعَالِمِ، وَجِدَالَ الْمُنَافِقِ بِالْقُرْآنِ، وَالْقُرْآنُ حَقٌّ، وَعَلَى الْقُرْآنِ مَنَارٌ كَأَعْلَامِ الطَّرِيقِ

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک مجھے تم پر عالم ک لغزش اور منافق کے قرآن سے جدال کا اندیشہ ہے اور قرآن حق ہے۔ اور قرآن پر روشن نشانات و مینار ہیں جیسے راستے کے نشان ہوتے ہیں۔ (جامع بیان العلم وفضلہ 2/980 رقم 1868)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے نزدیک شاذ اقوال کی حیثیت

محدث ابو داود ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ أَبَا إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيَّ عَائِذَ اللَّهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ يَزِيدَ بْنَ عُمَيْرَةَ وَكَانَ مِنْ

أَصْحَابِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَخْبَرَهُ قَالَ كَانَ لَا يَجْلِسُ مَجْلِسًا لِلذِّكْرِ حِينَ يَجْلِسُ إِلَّا قَالَ اللَّهُ حَكَمٌ قِسْطٌ هَلَكَ الْمُرْتَابُونَ فَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يَوْمًا إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ فِتَنًا يَكْثُرُ فِيهَا الْمَالُ وَيُفْتَحُ فِيهَا الْقُرْآنُ حَتَّى يَأْخُذَهُ الْمُؤْمِنُ وَالْمُنَافِقُ وَالرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ فَيُوشِكُ قَائِلٌ أَنْ يَقُولَ مَا لِلنَّاسِ لَا يَتَّبِعُونِي وَقَدْ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ مَا هُمْ بِمُتَّبِعِيَّ حَتَّى أَبْتَدِعَ لَهُمْ غَيْرَهُ فَإِيَّاكُمْ وَمَا ابْتُدِعَ فَإِنَّ مَا ابْتُدِعَ ضَلَالَةٌ وَأُحَذِّرُكُمْ زَيْغَةَ الْحَكِيمِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ عَلَى لِسَانِ الْحَكِيمِ وَقَدْ يَقُولُ الْمُنَافِقُ كَلِمَةَ الْحَقِّ. قَالَ قُلْتُ لِمُعَاذٍ مَا يُدْرِينِي رَحِمَكَ اللَّهُ أَنَّ الْحَكِيمَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ وَأَنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الْحَقِّ قَالَ بَلَى اجْتَنِبْ مِنْ كَلَامِ الْحَكِيمِ الْمُشْتَهِرَاتِ الَّتِي يُقَالُ لَهَا مَا هَذِهِ وَلَا يُثْنِيَنَّكَ ذَلِكَ عَنْهُ فَإِنَّهُ لَعَلَّهُ أَنْ يُرَاجِعَ وَتَلَقَّ الْحَقَّ إِذَا سَمِعْتَهُ فَإِنَّ عَلَى الْحَقِّ نُورًا۔

ابوادریس خولانی کہتے ہیں کہ یزید بن عمیرہ (جو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے تھے) نے انہیں خبر دی ہے کہ وہ جب بھی کسی مجلس میں وعظ کہنے کو بیٹھتے تو کہتے: اللہ بڑا حاکم اور عادل ہے. شک کرنے والے تباہ ہو گئے تو ایک روز معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہنے لگے: تمہارے بعد بڑے بڑے فتنے ہوں گے. ان (دنوں) میں مال کثرت سے ہوگا، قرآن آسان ہو جائے گا، یہاں تک کہ اسے مومن و منافق، مرد و عورت، چھوٹے بڑے، غلام اور آزاد سبھی حاصل کر لیں گے. تو قریب ہے کہ کہنے والا کہے: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ میری پیروی نہیں کرتے. حالانکہ میں نے قرآن پڑھا ہے. وہ میری پیروی اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک کہ میں ان کے لیے اس کے علاوہ کوئی نئی چیز نہ نکالوں، لہٰذا جو نئی چیز نکالی جائے تم اس سے بچو۔ اس لیے کہ ہر وہ نئی چیز جو نکالی جائے گمراہی ہے، اور میں تمہیں حکیم و دانا کی گمراہی سے ڈراتا ہوں، اس لیے کہ بسا اوقات شیطان، حکیم و دانا شخص کی زبانی گمراہی کی بات کہتا ہے اور کبھی کبھی منافق بھی حق بات کہتا ہے۔ میں نے معاذ سے کہا: (اللہ آپ پر رحم کرے) مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ حکیم و دانا گمراہی کی بات کہتا ہے، اور منافق حق بات؟ وہ بولے: کیوں نہیں، حکیم و عالم کی ان مشہور باتوں سے بچو، جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہو کہ وہ یوں نہیں ہے، لیکن یہ چیز تمہیں خود اس حکیم سے نہ پھیر دے، اس لیے کہ امکان ہے کہ وہ (اپنی پہلی بات سے) پھر جائے اور حق پر آجائے، اور

جب تم حق بات سنو تو اسے لے لو، اس لیے کہ حق میں ایک نور ہوتا ہے۔

(سنن ابی داود کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ، 4/203/ رقم 4611، جامع معمر 11/363- 364/ رقم 20750، سنن الدارمی 1/ 67، المعرفۃ والتاریخ الفسوی 2/222، 320-322، 719، الشریعۃ الآجری ص 47، 48، صفۃ النفاق الفریابی ص 18- 19، 19- 20، الإبانۃ ابن بطۃ 1/ 22/ 2، المدخل إلی السنن البیہقی رقم 834، جامع بیان العلم ابن عبد البر 2/ 981/ رقم 1781، شرح أصول اعتقاد أہل السنۃ اللالکائی 1/ 88- 89، 89، سیر اعلام النبلاء 1438)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان بابت شاذ اقوال

محدث ابن عبد البر اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں۔

أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدٍ. قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي ثنا مُحَمَّدُ بْنُ قَاسِمٍ. ثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ يُونُسَ الْبَغْدَادِيُّ. ثنا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَسَدِيُّ. ثنا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ الْمُثَنَّى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ الرِّيَاحِيِّ. قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ وَيْلٌ لِلْأَتْبَاعِ مِنْ عَثَرَاتِ الْعَالِمِ. قِيلَ : كَيْفَ ذَلِكَ؛ قَالَ : يَقُولُ الْعَالِمُ شَيْئًا بِرَأْيِهِ ثُمَّ يَجِدُ مَنْ هُوَ أَعْلَمُ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَيَتْرُكُ قَوْلَهُ ذَلِكَ ثُمَّ يَمْضِي الْأَتْبَاعُ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی بربادی ہے جو عالم کی لغزش کی پیروی کرتے ہیں، پوچھا گیا وہ کیسے؟ فرمایا: عالم اپنی رائے سے کچھ کہے گا پھر ایسے شخص کو پائے گا جو ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ واقف ہو تو وہ اپنا قول ترک کر دے گا مگر اس کے پیروکار اس کی رائے پر چلتے رہیں گے۔

(المدخل للبیہقی 835 :، 836، الفقیہ والمتفقہ للخطیب 2/ 14 جامع العلم لابن عبد البر 1877:)

حضرت سلیمان التیمی کا شاذ قول کے بارے میں رائے

محدث ابن عبد البر روایت لکھتے ہیں۔

أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ. ثنا قَاسِمُ بْنُ أَصْبَغَ. ثنا أَحْمَدُ بْنُ زُهَيْرٍ. ثنا الْغِلَابِيُّ ثنا خَالِدُ بْنُ

الْحَارِثِ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ لَوْ أَخَذْتَ بِرُخْصَةِ كُلِّ عَالِمٍ اجْتَمَعَ فِيكَ الشَّرُّ كُلُّهُ.
جو شخص ہر عالم کی کسی نہ کسی رخصت کو لیتا ہے یا عمل کرتا ہے اس میں تمام شر جمع ہو جاتے ہیں۔
(جامع بیان العلم 2/927/رقم 1766، 1767)

ابن عبد البر دوسری سند سے روایت لکھتے ہیں۔

وَذَكَرَهُ الطَّبَرِيُّ، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ. عَنْ غَسَّانَ بْنِ الْمُفَضَّلِ قَالَ أَخْبَرَنِي خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ لِي سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ إِنْ أَخَذْتَ بِرُخْصَةِ كُلِّ عَالِمٍ اجْتَمَعَ فِيكَ الشَّرُّ كُلُّهُ
یعنی: اگر تم ہر عالم کی رخصت پر عمل کرو گے تو تم میں سارا شر جمع ہو جائے گا۔
(جامع بیان العلم 2/927/رقم 1766، 1767)

ابن عبد البر کی تحقیق

محدث ابن عبد البر اپنی کتاب میں حضرت سلیمان بن تیمی کا قول نقل کرنے کے بعد اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

قَالَ أَبُو عُمَرَ» :هَذَا إِجْمَاعٌ لَا أَعْلَمُ فِيهِ خِلَافًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ«
یعنی ابن عبد البر نے کہا کہ [سلیمان بن تیمی] کے قول پر اجماع ہے اور اس پر کسی اختلاف کا علم نہیں والحمد اللہ۔ (جامع بیان العلم 2/927/رقم 1766، 1767)

حضرت ابراھیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کا شاذ اقوال سے استدلال شر ہے

محدث ابن خلال سند سے لکھتے ہیں۔

أَخْبَرَنِي حَرْبُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَدْهَمَ، قَالَ» :مَنْ حَمَلَ شَاذَّ الْعُلَمَاءِ حَمَلَ شَرًّا كَبِيرًا«.
ترجمہ: جس نے علماء کے شاذ اقوال کا بوجھ اٹھایا، تو اس نے بڑا شر اٹھایا۔
(الامر بالمعروف والنهی عن المنکر للخلال ص 66، الجامع لاخلاق الراوی 4/211)

امام الاوزاعی کا علماء کے شاذ اقوال سے استدلال کرنے پر فتوی

❁ محدث بیھقی اپنی سند سے قول نقل کرتے ہیں۔

أخبرَنا أبو عبدِ اللهِ الحافظُ قال سَمِعتُ أبا العباسِ محمدَ بنَ يَعقوبَ يقولُ سَمِعتُ العباسَ بنَ الوَليدِ يقولُ سَمِعتُ محمدَ بنَ شُعَيبِ بنِ شابورَ يقولُ :سَمِعتُ الأوزاعيَّ يقولُ :مَن أخَذَ بنَوادِرِ العُلَماءِ خَرَجَ مِنَ الإسلامِ

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ جو علماء کے نوادر اقوال یعنی شاذ سے اخذ کرتا ہے وہ اسلام سے ہی خارج ہوتا ہے۔

(سنن الکبری 21/ 99 رقم 2059 ت الترکی، شعب الایمان رقم 1923)

امام طحاوی کا شاذ اقوال سے استدلال کرنے سے منع کرنا

❁ امام طحاوی فرماتے ہیں۔

وَنَجْتَنِبُ الشُّذُوذَ وَالْخِلَافَ وَالْفُرْقَةَ

ہم شاذ اقوال، خلاف مذہب اور فرقہ سے اجتناب کرتے ہیں۔ (عقیدہ الطحاویہ ص 48)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

وَنَرَى الْجَمَاعَةَ حَقًّا وَصَوَابًا، وَالْفُرْقَةَ زَيْغًا وَعَذَابًا

ہم جماعت کو حق و صواب سمجھتے ہیں اور فرقت [علیحدگی] کو کجی اور عذاب گردانتے ہیں۔

(عقیدہ طحاویہ ص 60)

علامہ شاطبی کے نزدیک علماء کی غلطیوں پر ان کی تشنیع نہیں کرنی چاہیے

❁ علامہ شاطبی لکھتے ہیں۔

لَا يَنْبَغِي أَنْ يُنْسَبَ صَاحِبُهَا إِلَى التَّقْصِيرِ، وَلَا أَنْ يشنع عليه بها، ولا ينتقص مِنْ أَجْلِهَا، أَوْ يُعْتَقَدُ فِيهِ الْإِقْدَامُ عَلَى الْمُخَالَفَةِ بَحْتًا، فَإِنَّ هَذَا كُلَّهُ خِلَافُ مَا تَقْتَضِي رُتْبَتُهُ فِي الدِّينِ.

ترجمہ: صاحب شذوذ کی طرف تقصیر کی نسبت نہ کرنی چاہیے نہ اس پر تشنیع کی جائے نہ ان کی وجہ سے اس کی تنقیص کی جائے یا اس کے متعلق صاف مخالفت پر اقدام کا عقیدہ نہ رکھا جائے کیوں کہ یہ سب تقاضائے رتبہ دین کے خلاف ہے۔

(الموافقات 5/ 137 باب الطرف الاول : فی الاجتہاد)

علامہ شاطبی کے حوالہ سے تفضیلیہ، بدعتی و گمراہ لوگوں کے اس موقف کا بھی جواب ہوگیا کہ جو متعدد علماء کے شاذ اقوال لے کر پھرتے ہیں اور پوچھتے رہتے ہیں کہ اگر ان علماء کا یہ موقف ہے تو پھر یہ سنی رہے یا بدعتی؟ علامہ شاطبی و دیگر علماء کے قول سے واضح ہوا کہ علماء سے غلطی سرزد ہونا عین ممکن ہے مگر اس قول کی بنیاد پر ان علماء کو بدعتی یا طعن و تشنیع نہیں کرنا چاہیے بلکہ ایسے شاذ اقوال پر عمل کرنے والے پر بدعتی و گمراہی کا اطلاق ہوتا ہے۔

علامہ ذہبی کا مجتہدین کی خطاء سے استدلال کرنے پر تنبیہ

۞ علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

مَن يَتَتَبَّع رُخَص المذاهِب، وزلّات المجتهدين، فقد رقَّ دِينه

ترجمہ: جو شخص مذاہب کی رخصتوں اور مجتہدوں کی لغزش کے پیچھے پڑے تو اس نے اپنے دین کو کمزور کیا۔ (سیر اعلام النبلاء، 18/8)

محدث ابن صلاح کا شاذ اقوال سے استدلال کرنے پر زندیق کا اطلاق

۞ محدث ابن صلاح لکھتے ہیں۔

ومن تتبع ما اختلف فيه العلماء وأخذ بالرخص من أقاويلهم تزندق أو كاد۔

ترجمہ: اور جو ان مسائل کی تلاش میں رہے جن میں علماء کا اختلاف ہے یا ائمہ کے اقوال میں سے رخصتوں کو اختیار کرے تو وہ زندیق ہوگا یا ہونے والا ہے۔ (فتاوی ابن صلاح ص 500)

علامہ ابن رجب حنبلی کا علماء کی غلطیوں سے استدلال کرنے پر گرفت

۞ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں۔

ومِمّا يختص به العلماء ردّ الأهواء المضلة بالكتاب والسنة على مُورِدِها، وبيان

دلالتهما على ما يخالف الأهواء كلها . و كذلك رد الأقوال الضعيفة من زلاّت العلماء . وبيان دلالة الكتاب والسنة على ردّها

ترجمہ: اور جس چیز سے علماء کا اختصاص ہے وہ ان خواہشات نفسانی کا رد ہے جو کتاب وسنت کے ذریعہ ان کے موارد سے بہکا دینے والی ہیں، نیز علماء کے ساتھ یہ امر خاص ہے کہ وہ کتاب وسنت کی دلالت کی وضاحت خواہشات کی مخالفت کے مطابق کریں۔ اسی طرح علماء کی لغزشوں پر مشتمل ضعیف اقوال کا رد کریں اور ضعیف اقوال کے رد پر کتاب وسنت کی دلالت واضح کریں۔ (جامع العلوم والحکم ص: 98)

شاذ اقوال پیش کرنے پر علماء کی طرف سے گرفت

◆ علامہ ذہبی اپنی کتاب میں اسماعیل القاضی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ

رَوَى أَبُو العَبَّاسِ بن سُرَيْج، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ القَاضِي قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى المُعْتَضِدِ .. وَدَخَلْتُ مرَّةً. فَدَفَعَ إِلَيَّ كِتَاباً. فنظرتُ فِيْهِ. فَإِذَا قَدْ جَمَعَ لَهُ فِيْهِ الرُّخَص مِنْ زلل العُلَمَاء. فَقُلْتُ: مُصَنِّفُ هَذَا زِنْدِيْقٌ. فَقَالَ أَلَم تَصِحّ هَذِهِ الأَحَادِيْث، قُلْتُ: بَلَى، وَلَكِنْ مَنْ أَبَاحَ المُسْكر لَمْ يُبِح المُتْعَة. وَمَنْ أَبَاحَ المُتْعَةَ لَمْ يُبِحِ الغِنَاء. وَمَا مِنْ عَالِمٍ إِلاَّ وَلَهُ زَلَّة. وَمن أَخَذَ بِكُلِّ زَلَل العُلَمَاء ذهبَ دِينُه. فَأَمَرَ بِالكِتَابِ فَأُحْرِق.

قاضی اسماعیل فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ معتضد کے پاس حاضر ہوا جو بنو عباس کا حاکم رہا ہے، تو اس نے ایک کتاب میری طرف بڑہائی۔ میں نے اس کتاب کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کتاب میں علما کی لغزشوں اور تفردات وشذوذ کو ان کے دلائل کے ساتھ یکجا کیا گیا تہا۔ چنانچہ کتاب پڑھ کر میں نے کہا کہ اس کتاب کا مصنف کوئی زندیق ہوسکتا ہے۔ خلیفہ نے پوچھا: وہ کیسے؟ تو میں نے جواب دیا: یہ تمام باتیں صحیح نہیں ہیں۔ جس نے متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اسی نے نشہ اور غنا کو جائز قرار نہیں دیا۔ اور پہر کون عالم ہے جس سے کوئی لغزش سرزد نہ ہوئی ہو؟ اور جس نے علما کی لغزشوں وتفردات وشذوذ کو جمع کیا اور پہر اس پر عمل بھی کیا، اس کا دین چلا گیا۔ یہ سن کر خلیفہ معتضد نے اس کتاب کو جلانے کا حکم دے دیا۔

(سیر اعلام النبلاء 13 / 465، البدایہ والنہایہ 11 / 87، تاریخ الخلفاء ص 589)

محدث دارمی کی نزدیک شاذ قول سے استدلال بدعتی کی پہچان

محدث دارمی فرماتے ہیں۔

إن الذی یرید الشذوذ عن الحق یتبع الشاذ من قول العلماء ویتعلق بزلاتهم والذی یؤم الحق فی نفسه یتبع المشهور من قول جماعتهم وینقلب مع جمهورهم فهما آیتان بینتان یستدل بهما علی اتباع الرجل وعلی ابتداعه

ترجمہ : جو شخص حق سے روگردانی کرنا چاہتا ہے تو وہ علماء کے اقوال میں سے شاذ قول کو اختیار کرتا ہے اور ان کی غلطی کو حجت بنالیتا ہے، اس طرح جو شخص حق کو حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ مشہور قول کو اختیار کرلیتا ہے اور جمہور علماء کا ساتھ دیتا ہے۔ یہ دو واضح نشانیاں ہیں جن کی بنا پر مبتدع اور اتباع خیر کرنے والے شخص کو پہچانا جاسکتا ہے۔

(الرد علی الجهمیة 216: ص129)

اس مذکورہ بالا تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ سنت، اجماع، جمہور، جماعت اور حق کے خلاف بات کو شاذ کہتے ہیں اور شاذ قول ضعیف ہوتا ہے ایسے شاذ اقوال کو جمع کر کے عمل کرنا فسق اور گمراہی ہے۔

تفضیلیہ وگمراہ و بدعتی لوگ ایسے ہی شاذ اقوال کو پیش کر کے علماء اور عوام الناس کو دھوکا دیتے ہیں۔ کبھی ایک تفضیلی امام الاشعری کی کتاب مقالات اسلامین سے فرقہ بدعتی زیدیہ کا موقف بلا سند کہ امام زید بن علی رضی اللہ عنہ افضلیت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے قائل تھے، کو پیش کرتے ہیں۔ اور چالاکی سے یہ پوچھتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اگر تفضیلی اہل سنت سے خارج ہوتا ہے تو پھر امام زید بن علی رضی اللہ عنہ بھی اہل سنت سے خارج ہونگے؟ کبھی ابن عبدالبر کی کتاب الاستذکار و الاستیعاب کا حوالہ لے کر گھومتے ہیں حالانکہ یہ تو تفضیلیت کی جڑ کاٹتی ہے۔ اور اگر ابن عبدالبر کے پیش کردہ صحابہ کے قول سے افضلیت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ ثابت ہوتی ہے تو ان تفضیلیہ میں اتنی اخلاقی ہمت نہیں ہوتی کو وہ ابن عبدالبر کا اپنا عقیدہ بھی لکھ دیتے کہ وہ افضلیت شیخین کریمین کے قائل ہیں؟ اگر ان صحابہ کرام کے اقوال سے افضلیت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ثابت ہوتا تو پھر محدث ابن عبدالبر نے خود یہ عقیدہ کیوں نہیں اپنایا؟

، پھر ان تفضیلیہ کی ایک علمی خیانت اور دھوکا بازی یہ ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت خلفاء ثلاثہ والی روایت کو شاذ ہونا تو لکھتے ہیں مگر اس کی وجہ بتانے سے گریز کرتے ہیں۔ محدث ابن عبدالبر کا

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کو شاذ کہنے کی علت یہ تھی کہ وہ اس مقام پر لکھتے ہیں کہ اہل سنت کے علما کا اجماع ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ کیونکہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد کسی کو افضلیت دینے کا ذکر نہیں ہے اس لیے اس اجماع کے برخلاف [جو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ] اس روایت کو شاذ کہا۔ اب کمال بات یہ ہے کہ تفضیلیہ کو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کو شاذ کہنا تو نظر آگیا مگر ابن عبد البر کا افضلیت شیخین کریمین رضی اللہ عنہ پر علماء اہل سنت کی اجماع والی عبارت نظر نہیں آئی؟ یا یوں کہہ لیجئے کہ ابن عبد البر کی افضلیت شیخین کریمین اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر اجماع اہل سنت والی عبارت کو عوام الناس کے سامنے لانے سے ان کے موقف کی ہی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔

کبھی تفضیلیہ کسی کتاب سے ایک آدھ ادھورا قول نقل کر کے عوام الناس کو کہتے ہیں کہ فلاں بھی تفضیلی ہے تو کیا وہ بھی اہل سنت سے خارج ہے؟ یا فلاں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فلاں بات کی، تو کیا وہ بھی اہل سنت سے خارج ہو نگے؟ ایسے شاذ اقوال پیش کر کے تفضیلیہ لوگوں کے عقیدہ خراب کرتے ہوئے عمومی طور پر پھرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ علماء اور عوام الناس ان کی اس فریب کاری سے ہوشیار رہیں کیونکہ افضلیت شیخین کریمین کا عقیدہ، استدلال قرآن، صحیح روایات، اجماع صحابہ اور اجماع اہل سنت سے ثابت ہے۔ اس کے خلاف کسی ایک شخص کا قول یا چند لوگوں کا کوئی بھی موقف یا عقیدہ قابل حجت نہیں ہوتا بلکہ علماء سے ان غلطیوں کا صدور، تسامح، شذوذ ہوتا رہتا ہے اور تسامح، شذوذ اور علمی اغلاط سے نہ تو حجت لی جاتی ہے اور نہ ہی ان اقوال کی بنیاد پر ان پر کوئی فتوی لگتا ہے۔

تفضیلیہ کا یہ فراڈ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر مقلدین فقہاء کی کتابوں سے غیر مفتی بہ اور مرجوح اقوال کو پیش کر کے احناف پر لعن وطعن کرتے ہیں۔ جب ان کا جواب دیا جائے تو پھر ایسے غیر مفتی بہ، ضعیف، اور مرجوح اقوال کے قائل فقہاء پر فتوی بازی کرتے ہیں۔ اسی طرح کی بدیانتی وخباثت دکھاتے ہوئے، بدعتی و گمراہ لوگ عوام الناس کو دھوکا دیتے ہیں۔

اہل سنت مصادر میں صحابی کی تعریف

اسی سلسلہ میں تفضیلیہ کبھی صحابی کی تعریف پر جمہور محدثین، فقہاء، متکلمین اور مفسرین کے راجح موقف کے مدمقابل فقہاء و متکلمین کے مرجوع اقوال پیش کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شرعی صحابی ہیں ان کو نعوذ باللہ من ذلک، منافق ثابت کیا جائے اور جو منافق حقیقی ہیں ان کو صحابہ بنایا جاسکے تا کہ عوام الناس میں یہ مسئلہ گڈ

مذ ہو جائے۔ ایسے اشکال کے جواب میں مفتی اسد الرحمن چشتی صاحب کی کتاب "صحابی کون" اس موضوع پہ کمال تحقیق پر مبنی ہے۔ علامہ مفتی اسد الرحمن چشتی صاحب نے تحقیق کا حق ادا کر دیا اور فقہاء و متکلمین، مفسرین اور محدثین کے اقوال کے انبار لگا دیے اور مخالفین کے دانت کھٹے کیے۔ اس نکتہ پر چند مزید توضیحات، بہت اہم ہیں تاکہ مسئلہ واضح ہو سکے۔

- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحابی کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

وَمَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم أَوْ رَآهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَهُوَ مِنْ أَصْحَابِهِ
ترجمہ: مسلمانوں میں سے جس نے بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہو یا فقط نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہو، وہ شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے۔ (صحیح بخاری، باب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 1335 : 3)

- حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانی "شرح نخبہ" میں لکھتے ہیں:

هو من لقي النبي مؤمنا به ومات على الاسلام ولو تخللت ردة في الأصح. والمراد باللقاء: ما هو أعم من المجالسة والمماشاة ووصول أحدهما إلى الآخر. وإن لم يكالمه. ويدخل فيه رؤية أحدهما الآخر سواء كان ذلك بنفسه أو بغيره.
یعنی صحابی وہ ہے جس نے حالت ایمان میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر ہی اس کی آخرت ہوئی ہو اگرچہ درمیان میں مرتد ہو گیا تھا۔ اور ملاقات سے مراد باہم بیٹھنا چلنا پھرنا ایک دوسرے تک پہنچنا ہے گو کہ باہم گفتگو نہ ہوئی ہو، اور ملاقات میں ایک دوسرے کو بنفسہ یا بغیرہ دیکھنا بھی داخل ہے۔ (نزہۃ النظر: ص ۶۹۔ ۷۰، ط: دار الفکر بیروت)

- حافظ صاحب "الاصابہ" میں تحریر کرتے ہیں:

وأصح ما وقفت عليه من ذلك أن الصحابي من لقي النبي مؤمنا به ومات على الإسلام فيدخل فيمن لقيه من طالت مجالسته له أو قصرت ومن روى عنه أولم يرو ومن غزا معه أو لم يغز ومن رآه رؤية ولو لم يجالسه ومن لم يره لعارض كالعمى.
ترجمہ: صحابی وہ ہے جس نے حالتِ ایمان میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور وہ اسلام پر ہی آخرت ہو۔ (الاصابۃ، الفصل الاول فی تعریف الصحابی ۱/ ۴ طبع قدیم)

◆ علامہ سیوطی رحمۃ کی تدریب میں ہے:

اختلف فی حد الصحابي فالمعروف عند المحدثين أنه كل مسلم رآى رسول الله صلى الله عليه وسلم.

معروف محدثین کرام کے نزدیک صحابی کی تعریف ہے کہ ہر وہ مسلمان جس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا۔ (تدریب الراوی ۲: /۶۶۷ مکتبۃ الکوثر بیروت)

اہل سنت مصادر میں صحابی کی تعریف کسی مسلمان کا نبی کریم ﷺ کو ایک لمحہ یا آن دیکھنا اور اسی حالت اسلام میں اس دنیا سے پردہ کرنا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک مسلمان اور مومون کا اطلاق الگ ہے جبکہ دیگر کے نزدیک مسلمان اور مومن کا اطلاق الگ بلکہ ان کے نزدیک مسلمان اور مومن میں فرق بین ہے۔

اہل سنت کے نزدیک مسلمان اور مومن کا اطلاق

ایمان اور اسلام دراصل کی حقیقت دراصل دو جہتوں سے ہے. فرق صرف یہ ہے کہ جن حقائق کی تصدیق ایمان کے درجہ میں دل اور زبان سے کی جاتی ہے. اسلام کے درجہ میں ان کی تصدیق عملاً ہونی ضروری ہو جاتی ہے۔

مسلمان کی تعریف

وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي حَيَّانَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكِتَابِهِ، وَلِقَائِهِ، وَرُسُلِهِ، وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ، وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ.....

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہا: رسول اللہ ﷺ ایک دن لوگوں کے سامنے (تشریف فرما) تھے. ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: "تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتاب، اس سے ملاقات [روز قیامت] اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور آخری اٹھنے پر ایمان لے آؤ۔" اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، لکھی (فرض کی) گئی نمازوں کی پابندی کرو، فرض کی گئی زکاۃ ادا کرو۔ اور رمضان کے روزے رکھو۔۔۔۔۔

(صحیح مسلم 1/ 39 رقم 9 باب الایمان ماھو بیان خصالہ)

صحیح مسلم کی روایت سے یہ بات واضح ہے کہ ایمان کا تعلق دل سے اقرار ہے اور اس ایمان کے اقرار کی وجہ سے اس پر عمل کرنا ہے۔ کوئی بھی شخص اللہ کو ایک مانے گا تو اس کی عبادت کرے گا۔

◈ شارح صحیح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں۔

" شارع کے کلام میں ایمان کبھی اصل ایمان کے معنی میں ہوتا ہے اور اصل ایمان میں اعمال کا اعتبار نہیں۔" (شرح صحیح مسلم 1/250)

امام مسلم ایک دوسرے روایت نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ. قَالَ أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، قَالَ كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ يَدَيِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَبَيْنَ النَّاسِ، فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ تَسْأَلُهُ عَنْ نَبِيذِ الْجَرِّ، فَقَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ أَتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ؛ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُؤَدُّوا خُمُسًا مِنَ الْمَغْنَمِ

نبی کریم ﷺ نے وفد عبدالقیس سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے خمس ادا کرنا۔

(صحیح مسلم 1/ 47 رقم 17 باب الامر الایمان باللہ ورسولہ)

۞ صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت میں اعمال کو بھی ایمان قرار دیا گیا ہے۔ شارح صحیح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب فرماتے ہیں۔

> ”پہلی حدیث [صحیح مسلم رقم 9] میں ایمان، اصل ایمان یا نفس ایمان کے معنی میں ہے اور دوسری حدیث [صحیح مسلم رقم 17] میں ایمان، ایمان کامل کے معنی میں ہے۔ اور جن حدیث میں اعمال کے نفی سے ایمان کی نفی کی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد کامل ایمان ہے اور جن احادیث میں عمل کے نفی کے باوجود ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اور جنت کی بشارت دی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد نفس ایمان ہے۔“ (شرح صحیح مسلم للسعیدی 1 / 251)

معلوم ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک اسلام اور ایمان میں کوئی فرق نہیں، صرف ان کی جہتوں کی وجہ سے دل سے ماننے کو ایمان اور اس مانے ہوئے ایمان پر عمل کو اسلام کہتے ہیں۔ اور جن امور پر ایمان لائے انہی کی وجہ سے عمل کرنے والے کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس لیے صرف کسی کے عمل پر مسلمان ہونے کا اطلاق نہیں کرتے اور منافق حقیقی کو مسلمان قرار نہیں دیتے۔ بعض لوگ مسلمان اور مومن میں فرق کرتے ہیں، اس لیے ظاہری اعمال کے بنیاد پر ہی منافق پر بھی مسلمان کا اطلاق کرتے ہیں۔ مگر اہل سنت کا یہ موقف ہرگز نہیں ہے۔ اہل سنت منافق حقیقی پر مسلمان کا اطلاق نہیں کرتے اور نہ اس کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

اسلام اور ایمان میں فرق؟

اس مقام پر وجہ اختلاف وتفریق مسالک کو ملحوظ خاطر رکھنا اہم ہے۔ غیر اہل سنت حضرات مسلمان اور مومن کے فرق پر ایک آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے سورہ حجرات میں سے پڑھتے ہیں:

> قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (سورہ حجرات، آیت ۱۴)
>
> یہ بدو عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ اسلام لائے ہیں اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے“

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ استدلال ہے کہ اسلام اور ایمان یعنی مسلمان اور مومن میں فرق ہے۔ مسلمان وہ ہے جس نے زبان سے کلمہ پڑھ لیا اس پر ظاہراً مسلمان کا اطلاق ہوگا اور اسلام قانون اس پر نافذ ہونگے۔

سورۃ حجرات کی آیت 14: کے بارے میں علامہ تفتازانی کا جواب

علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں۔

"اس آیت میں ایمان کے بغیر اسلام کی تحقق کی تصریح ہے، ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ شریعت میں جو اسلام معتبر ہے وہ ایمان کے بغیر متحقق نہیں ہوتا، اور اس آیت میں اسلام کا شرعی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہے یعنی تم ظاہری اطاعت کر رہے ہو باطنی اطاعت نہیں کر رہے، جیسے کوئی شخص بغیر تصدیق کلمہ شہادت پڑھ لے۔"

(شرح عقائد نسفی ص 94۔ 96 بحوالہ شرح صحیح مسلم 1/ 267)

مسلمان کا لغوی یا شرعی معنی کا اطلاق؟

اس حوالہ سے کم از کم یہ تو تعین ہوا بعض اوقات کسی منافق پر لغوی طور پہ تو مسلمان کا اطلاق ہوا ہے مگر شرعی معنی میں منافق پر مسلمان کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ہی وہ نکتہ ہے کہ گمراہ و بدعتی لوگ لغوی معنی کو شرعی معنی اور اس کے برعکس شرعی معنی کو لغوی معنی پر اطلاق کر کے عوام الناس کو دھوکا اور فریب دیتے ہیں۔ تفضیلیہ کی یہ عادت ہے کہ وہ صحابی کی تعریف ہو یا مسلمان کی تعریف، اپنی مرضی سے کبھی لغوی اور کبھی شرعی معنی کا اطلاق کر کے عوام الناس کے ساتھ سادہ لوح علماء کو بھی دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ نکتہ یاد رہے کہ اگر کسی نے منافق پر مسلمان کا اطلاق کیا ہو گا وہ لغوی طور پر ہے نہ کہ شرعی اطلاق کے طور پر۔

علامہ تفتازانی کا قول

علامہ سعد الدین تفتازنی لکھتے ہیں۔

حشویہ اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے کہ ایمان اور اسلام میں تغایر [فرق] ہے کیونکہ ایمان کا معنی ہے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنا اور اسلام کا معنی ہے تسلیم کرنا اور اطاعت کرنا اور تصدیق کا متعلق ہے خبر دینا اور اسلام کا متعلق ہے اوامر و نواہی کو تسلیم کرنا ان کی ایک دلیل تو سورہ الحجرات کی آیت 14 ہے جس کا جواب ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور دوسری دلیل [حشویہ اور بعض معتزلہ کی] یہ ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ (سورۃ الحجرات 35۔)

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے اور ایمان والیاں۔

اس آیت میں ایمان کا اسلام پر عطف کیا گیا ہے اور عطف تغائر کو چاہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عطف کے لیے تغائر بالمفہوم کافی ہے اور ہم یہ ہی کہتے ہیں کہ ایمان اور اسلام مفہوماً متغائر اور مصداق متحد ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ اسلام اور ایمان دونوں کا مرجع اذعان اور قبول ہے اور تصدیق کا تعلق جس طرح خبر دینے سے ہے اسی طرح اس کا تعلق اوامر و نواہی سے بھی ہے بایں طور کہ تمام اوامر اور نواہی حق ہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں۔

"علامہ تفتازانی نے ایمان اور اسلام کے اتحاد پر اس سے استدلال کیا ہے قران مجید میں ایمان کی جگہ اسلام اور اسلام کی جگہ ایمان کا استعمال کیا ہے۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (سورۃ الحجرات 17:)

اے محبوب وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے تم فرماؤ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔

سیاق کلام میں اسلام کا ذکر تھا لیکن اللہ تعالی نے آخر میں اسلام کی جگہ ایمان کا ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان واحد ہیں۔

وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (سورۃ النمل 81:)

اور تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے (نکال کر) ہدایت دینے والے نہیں۔ تم تو اسی کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو وہ فرمانبردار ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ
(سورہ آل عمران 102:)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ضرور تمہیں موت صرف اسلام کی حالت میں آئے۔

ان آیات میں اسلام کی جگہ ایمان کا اور ایمان کی جگہ اسلام کا اطلاق کیا گیا ہے جس سے یہ واضح

ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام واحد ہیں ان آیات کے علاوہ اور بھی بہت آیات ہیں۔
(شرح صحیح مسلم 1/369 بحوالہ شرح مقاصد 2/261)

ابن الھمام کے نزدیک ایمان کی تعریف

علامہ ابن الھمام لکھتے ہیں۔

قد اتفق اهل الحق وهم فريقا الاشاعرة و الحنفية على ان لا ايمان بلا اسلام و عكسه

اہل حق یعنی اشاعرہ اور حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایمان اسلام کے بغیر اور اسلام ایمان کے بغیر معتبر نہیں ہے۔ (مسائرہ مع المسامرۃ 2/310)

علامہ کمال ابن ابی شریف کا ایمان کی تعریف کرنا

علامہ کمال ابن ابی شریف اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
یعنی ایمان کے بغیر اسلام معتبر نہیں ہے ان میں سے کوئی دوسرے کے بغیر متحقق نہیں ہوسکتا۔
(مسامرۃ 2/310)

علامہ میر سید شریف جرجانی کے نزدیک مسلمان کی تعریف

علامہ میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں۔

وأما أن الإسلام هو الإيمان فلأن الإيمان لو كان غير الإسلام لما قبل من مبتغيه لقوله تعالى ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه۔

اسلام اور ایمان واحد ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایمان، اسلام کا غیر ہوتا تو پھر ایمان لانے والے کا ایمان مقبول نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے جس نے اسلام کے سواء کوئی اور دین قبول کیا وہ ہرگز قبول ہیں ہوگا۔ (شرح مواقف ص 720 طبع نول کشور)

علماء متکلمین کی پیش کردہ عبارت سے واضح ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک ایمان اور اسلام واحد ہیں اور یہ مفہوماً متغائر اور مصداقاً متحد ہیں۔ اور جنہوں نے اس میں فرق کیا، ان کا قول مرجوع۔ اور درست نہیں ہے۔ اور جنہوں نے ظاہری طور پر کلمہ پڑھنے کو مسلمان کہا وہ بطور لغوی ہے نہ کہ اصطلاحی۔

اس تفصیل سے بنیادی فرق اور وجہ اختلاف واضح ہوگئی کہ غیر اہل سنت ہر اس شخص پر مسلمان ہونے کا اطلاق کرتے ہیں جو کہ زبان سے اسلام لانے کا اقرار کرے اور اس کی تصدیق نہ کرے۔ جبکہ اہل سنت کے نزدیک بغیر تصدیق یعنی ایمان کے اسلام قبول نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے اہل سنت کے شرعی اصطلاح میں صحابی کا اطلاق ہر اس مسلمان شخص پر کیا جاتا ہے جو کہ ظاہری طور پر اقرار کے ساتھ باطنی تصدیق کرے۔

اعمال صالحہ اور خاتمہ بالخیر کی شرائط؟

یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام میں اعمال ہی کسی کو مسلمان کہنے کی علامات ہیں مگر جب اسلام کی حقیقت کی تحقیق ہوگی تو اس کو تصدیق قلبی سے پرکھا جاتا ہے جسے ایمان کہتے ہیں۔ حقیقت تو دونوں کی ایک ہی ہے مگر ظاہر کے اعتبار سے اسلام اور باطنی تصدیق کے اعتبار سے ایمان کہا جائے گا۔ باطنی تصدیق یا ایمان کو جاننے کے لیے اعمال ایک علامات کی حیثیت رکھتے ہیں مگر حقیقت نہیں کیونکہ علامات کا اعتبار اس وقت تک ہوتا ہے جب تک اس کا باطن کی حقیقت کھل نہ جائے۔

> اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ (۲) الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (۳) اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ (۴)
>
> ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں اور جب اُن پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں۔ وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئیے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں۔ یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لیے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

(سورۃ الانفال 2-4 پارہ 9)

اللہ رب العزت نے ایمان والوں کی نشانیاں ان کے اعمال یعنی تنہائی میں اللہ کی عبادت کرنا، نماز پڑھنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کا بیان کیا ہے۔ جس سے ان ظاہری اعمال کو اندر کے ایمان لیے بطور نشانی ذکر کیا ہے۔ اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ سورۃ الانفال میں بیان کردہ اعمال اگرچہ ایمان کی حقیقت نہیں ہے مگر یہ ایمان کی علامات ضرور ہیں۔ جدھر یہ علامات موجود ہوں گی پھر ان کے ایمان کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور

قران مجید میں سورۃ الانفال میں اللہ کریم نے اعمال کو مومن کی علامات قرار دیا ہے اور باطن کی شرط عائد نہیں کی۔ بدعتی گروہ و خارجی، اعمال کو حقیقت ایمان میں شمار کرتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک دل کا ایمان زبان کے اقرار سے واضح ہوتا ہے۔ اعمال صالہ، ایمان کی زینت ہیں مگر ایمان کا ثبوت نہیں، کوئی مسلمان کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا سوائے ضروریات دین کے منکر کے۔ اہل سنت عقائد کی کتب میں یہ بات واضح موجود ہے کہ جب کسی کا ایمان ثابت ہو جائے تو اس کے اعمال پر بحث کرنی کی ضرورت نہیں جب تک کہ وہ سرے عام ایمانیات کا انکار نہ کرے اور اس کا ثبوت بھی قطعی ہو۔ جب کسی کا ایمان ایک مرتبہ ثابت ہو جائے تو پھر اعمال سے اس کا دین سے خارج یا کفر ثابت نہیں ہوتا۔ عام فہم انداز میں یہ سمجھ لیجئے کہ جیسے نکاح ایک مرتبہ منعقد ہو جائے تو طلاق یا ارتداد کے علاوہ اس کے نکاح کو قائم ہی تسلیم کیا جائے گا۔ نکاح کے قائم رہنے کے دلیل نہیں درکار ہوتی۔

برے اعمال سے کفر مستلزم نہیں

اس تحقیق سے ایک نکتہ تو ثابت ہو گیا ہے کہ اعمال صالحہ و سئیہ کے تقابل سے کسی کے کفر یا عدم کفر کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

خاتمہ بالخیر کے لیے ایمان کے بعد کوئی دلیل نہیں سوائے انکار کے

اور ساتھ دوسرا نکتہ بھی واضح ہو گیا کہ ایک مرتبہ ایمان ثابت ہونے کے بعد خاتمہ بالخیر کے لیے الگ یا مستقل دلیل کی کوئی ضرورت نہیں رہتی سوائے آخری وقت میں واضح طور پر کسی سے انکار اسلام صادر ہو [نشہ یا حالت غیر میں نہ ہو]۔

ان دونوں نکات کے اثبات کے بعد چند امور خود بخود واضح ہو جاتے ہیں۔

1۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں تنازعہ اور اختلاف کے باوجود جہاں ایک گروہ حق پر رہا مگر دوسرا گروہ دائرہ اسلام و ایمان سے ہرگز خارج نہیں ہوا۔ سورہ الحجرات آیت 9 میں واضح طور پہ دو گرہوں کی آپس لڑائی ہونے پر بھی ان پر مومنین کا اطلاق ہوا۔

2۔ خاتمہ بالخیر کے دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ 40 ھ میں عام الھدنہ میں اس لڑائی سے دستبردار ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی جنگ صفین کے معرکہ سے دست بردار ہوئے اور کسی مسلمان کے

خلاف جنگ میں مشغول نہ تھے۔

3-حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح پر قائم ہوئے اور امام حسن المجتبی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان میں ان دونوں گروہوں پر مسلمان ہونے کا اطلاق کیا۔

❁ امام بخاری روایت لکھتے ہیں۔

حدثنا عبد اللہ بن محمد، حدثنا سفیان، عن ابی موسی، قال سمعت الحسن، یقول استقبل واللہ الحسن بن علی معاویۃ بکتائب امثال الجبال، فقال عمرو بن العاص.. ولقد سمعت ابا بکرۃ یقولرایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر، والحسن بن علی إلی جنبہ، وھو یقبل علی الناس مرۃ وعلیہ اخری، ویقول: إن ابنی ھذا سید، ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین.

۔۔۔۔فرمایا کہ میں نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے سنا تھا، وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سنا ہے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اور فرماتے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا۔ الخ۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث 2704)

معلوم ہوا کہ آپس کے اختلاف اور شدید لڑائی کے باوجود یہ دونوں گروہوں دائرہ اسلام میں رہے اور کوئی اسلام سے خارج نہیں ہوا جس سے ثابت کہ اعمال کی وجہ سے کسی سے ایمان کے نفی نہیں ہو سکتی۔ اور ایمان لانے کے بعد خاتمہ بالخیر کی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی جب تک ایسے شخص سے واضح طور پر انکار اسلام قطعی طور پر ثابت نہ ہو۔

اصول وقواعد کا اطلاق

یہ نکتہ یاد رہے کہ اہل سنت کے اپنے اصول وضوابط اور اصلاحات ہیں، اس لیے غیر اہل سنت کا اپنے اصول وضوابط کے ساتھ، اصطلاحات کا اطلاق، اہل سنت مصادر پر کرنا ہرگز درست نہیں۔ اس مقام پر یہ تصریح ضروری ہے کہ غیر اہل سنت کے جو بھی اصول وضوابط یا اصلاحات رائج ہوں، ان کی تغلیط یا جواب دینا مقصود

نہیں۔ بلکہ ان نام نہاد سنیوں کا رد کرنا مقصد ہے جو کہ غیر اہل سنت کے اصول و قوانین کو مستعار لے کر اہل سنت کے اصولوں پر اطلاق کرتے ہیں۔ اسی غلط تشریحات کے تناظر میں صحابہ پر حرف گیری کی جاتی ہے۔ کبھی صحابہ کرام کے عظمت و شان کی آیات میں تخصیص کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن ابی بھی صحابی تھا، کبھی کعب بن اشرف پر لغوی صحابی کا اطلاق کر کے دیگر صحابہ کرام پر لعن طعن کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی منافقین پر صحابی کا اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی صحابی پر منافق کا اطلاق۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ لغوی طور پر اطلاق کا محمل الگ ہے اور شرعی اطلاق کا محمل جدا۔ اہل سنت و جماعت مسلمان اور صحابی کا اطلاق شرعی کے قائل ہیں نہ کہ لغوی۔ اس لیے جس آیت یا حدیث میں لغوی اطلاق ہو اس کو شرعی تعریف بنا کر پیش کرنا اور جس مقام پر شرعی اطلاق ہو اس کو لغوی تعریف میں فٹ کرنا دجل و فریب کے سواء کچھ نہیں۔

اہل سنت و جماعت کسی منافق اور اعتقادی فاسق پر شرعی صحابی کا اطلاق ہرگز نہیں کرتے۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی کسی منافق یا کافر پر لغوی طور پر صحابی کا اطلاق کیا گیا ہو۔ سیر و رجال کی کتابوں میں متعدد کفار و منافقین پر لغوی طور پر صحابی کا اطلاق ہوا ہے، جس کا مطلب ہرگز نہیں کہ اہل سنت ان کفار یا منافقین کو شرعی صحابی مان کر ان کے تعظیم کے قائل ہیں۔ اہل سنت و جماعت کا سکوت و ترحم کا عقیدہ شرعی صحابی کے بارے میں ہے نہ کہ لغوی صحابی۔ اس لیے شرعی صحابہ کی تعریف سے منافقین خارج ہیں۔

محدثین و مورخین کا نقل یا سکوت حجت نہیں

ایک نکتہ ذہن نشین رہے کہ محدثین و مورخین یا علماء کا اپنی کتاب میں نقل یا سکوت کرنا اس کی تصحیح کی دلیل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اکثر نابلد یا جاہل قسم کے لوگ کسی بھی اہل سنت کی کتاب سے کوئی حدیث یا عبارت دکھا کر یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح نہیں تھی تو محدثین کرام نے اس کو نقل ہی کیوں کیا؟ محدثین کرام کے اقوال سے کتاب کے ابتداء میں تفصیل پیش کر دی ہے مگر اس مقام پر ایک اہم حوالہ پیش خدمت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

> وقد عاب عليه إسماعيل بن محمد بن الفضل التيمي جمعه الأحاديث الأفراد مع ما فيها من النكارة الشديدة والموضوعات وفي بعضها القدح في كثير من القدماء من الصحابة، وَغيرهم. وهذا أمر لا يختص به الطبراني فلا معنى لإفراده باللوم بل أكثر المحدثين في الأعصار الماضية من سنة مائتين وهلم جرا إذا

ساقوا الحديث بإسناده اعتقدوا أنهم برئوا من عهدته والله أعلم.

ترجمہ: إسماعیل بن محمد بن الفضل التیمی نے إمام طبرانی پر اعتراض کیا کہ وہ شدید نکارت الضعف اور موضوع احادیث لائے ہیں اور بعض احادیث میں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر طعن بھی ہے۔ [حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں۔] یہ (حدیث ضعیف یا موضوع روایت کرنے والا) معاملہ صرف طبرانی کے ساتھ خاص نہیں لہذا اُنکی ملامت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ بہت سے محدثین زمانہ ماضی دوسری صدی ہجری سے لے کر اب تک وہ حدیث کو سند کے ساتھ روایت کر دیتے ہیں، اور آنکا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سند بیان کر کے اپنی ذمہ داری سے بری ہو گے ہیں۔ (یعنی جو بعد میں آئیں گے وہ سند کو دیکھ کر اسکے صحیح یا ضعیف یا موضوع ہونے کو معلوم کر لیں گے)۔ (لسان المیزان 4 / 125 رقم 3580)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام کا ضعیف، متروک یا موضوع روایات کو نقل کر کے سکوت کرنا حجت نہیں کیونکہ محدثین کرام سند نقل کر کے بری الذمہ ہو جاتے ہیں کیونکہ کھوٹے کھرے اور ضعیف وصحیح کی پہچان کے لیے سند اہم ہوتی ہے۔ محدثین یا مورخین سند نقل کر کے اس کے سکوت و احتجاج سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بدعتی اور گمراہ لوگوں کا یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ اگر فلاں روایت جھوٹی ہوتی یا فلاں روایت ضعیف ہوتی تو فلاں محدث نقل ہی کیوں کرتا؟ یا فلاں روایت پر اعتراض نہیں کرتا، باطل و مردود ہے۔ اگر تو صرف تاریخی بات ہوتی تو شاید اس کو قبول بھی کیا جا سکتا تھا مگر ان روایت میں تو ایک مسلمان کے نصرانی ہونے کا تذکرہ اور خاص طور پر ایک صحابی کے نصرانی ہونے کا معاملہ ہے، اور صحابہ پر تو موقف واضح ہے کہ ان کے مثالب یا خلاف صحیح مرویات کی تاویل کی جاتی ہے چہ جائیکہ ایسی ضعیف و متروک روایات پر اعتبار کیا جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول کہ صحابی ہونے کا ثبوت صحیح سند سے ہی ہوتا ہے۔

اس مقام پر ایک نکتہ بیان کرنا اہم ہے جو کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بیان کیا ہے۔

قال أبو نعيم في معرفة الصحابة: أبو مصعب مختلف في صحبته. قلت: لو كان صحابيا لكان هذا الخبر صحيحا لصحة إسناده إليه وقد حكم أئمة الحديث بأن هذا المتن باطل فوجب الحكم بأنه غير صحابي وهو غير معروف في التابعين أيضًا.

محدث ابو نعیم اپنی کتاب معرفۃ الصحابہ میں ابو معصب الانصاری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کی صحابیت مختلف فیہ ہے۔ میں ابن حجر عسقلانی کہتا ہوں کہ اگر ابو معصب الانصاری صحابی

ہوتا تو یہ حدیث اس تک صحت سند کے ساتھ صحیح ہوتی اور بلا شبہ ائمہ حدیث نے اس کے متن پر بطلان کا حکم لگایا ہے، پس یہ امر ثابت ہوگیا کہ وہ صحابی نہیں ہے اور وہ تابعین میں بھی معروف نہیں ہے۔ (لسان المیزان 9/163 رقم 9080)

پیش کردہ حوالہ کو ظہور احمد فیضی نے اپنی کتاب صلح امام حسن ص 350۔ 351 پر بطور احتجاج تسلیم بھی کیا ہے۔

نوٹ : راقم کا اولین مقصد اہلِ سنت و جماعت کے عقائدِ صحیحہ کی ترجمانی ہے، اگر کسی بھی کتاب یا تحریر میں کسی بدمذہب یا گمراہ شخص کے ساتھ تعظیمی و تعریفی کلمات غلطی سے موجود ہوں تو راقم اس سے بری الذمہ ہوگا، مزید یہ کہ ہمارا یقینِ کامل اور اعتماد ہے کہ عقیدہ کی نمائندگی، تشریح و توضیح جو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے کی وہی حرفِ آخر ہے، اس کے برخلاف کسی طرح کی تحریر یا توضیح سے راقم کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہوگا۔ پیش کردہ تحریر میں کسی کی دل آزاری مقصود نہیں اگر کوئی لفظ یا جملہ کسی کی بھی دل آزاری کا سبب ہو تو اس کے لیے پیشگی معذرت قبول کیجئے اور اگر کوئی علمی غلطی ہو تو ضرور آگاہ کیجئے۔

اللہ کریم ہمیں اصول کے تحت اور مسلکی حمایت کے بغیر حق بات کہنے کی ہمت و طاقت عطا کرے اور فضول فتوی بازی کے فتنہ سے محفوظ رکھے۔

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین
فیصل خان رضوی
خادم اہل سنت و جماعت

* * *

صلح امام حسن وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہما فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

صحابہ کرام کی عظمت ومغفرت اور صلح امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام اہل سنت مجدد دین ملت ،محدث ہند فاضل بریلوی الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے فتاوی رضویہ میں متعدد مقامات پر تحقیق پیش کی ہے قارئین کے لیے فتاویٰ رضویہ کے مختلف مقامات کے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

مقام نمبر:1

مگر فضل صحبت (وشرفِ صحابیت وفضل) وشرفِ سعادت خدائی دین ہے (جس سے مسلمان آنکھ بند نہیں کر سکتے تو ان پر لعن طعن یاان کی توہین تنقیص کیسے گوارا رکھیں اور کیسے سمجھ لیں کہ مولیٰ علی کے مقابلے میں انہوں نے جو کچھ کیا بر بنائے نفسانیت تھا صاحب ایمان مسلمان کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی ،ہاں ایک بات کہتے ہیں اور ایمان لگتی کہتے ہیں کہ) ہم تو بحمداللہ سرکار اہلبیت (کرام) کے غلامان خان زاد ہیں (اور موروثی خدمت گار ،خدمت گزار) ہمیں (امیر) معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کیا رشتہ خدانخواستہ ان کی حمایت بے جا کریں مگر ہاں اپنی سرکار کی طرفداری (اور امر حق میں ان کی حمایت وپاسداری) اور ان (حضرت امیر معاویہ) کا (خصوصاً) الزام بدگویاں (اور دریدہ دہنوں ،بدزبانوں کی تہمتوں سے بری رکھنا منظور ہے کہ ہمارے شہزادہ اکبر حضرت سبط (اکبر، حسن) مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسب بشارت اپنے جدِ امجد سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اختتام مدت (خلافت راشدہ کہ منہاج نبوت پر تیس سال رہی اور سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھ ماہ مدت خلافت پر ختم ہوئی) عین معرکہ جنگ میں ایک فوج جرار کی ہمراہی کے باوجود) ہتھیار رکھ دیے (بالقصد والاختیار) اور ملک (اور امور مسلمین کا انتظام وانصرام) امیر معاویہ کو سپرد کر دیا (اور ان کے ہاتھ پر بیعت اطاعت فرمالی) اگر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ العیاذ باللہ کافر یا فاسق تھے یا ظالم جائر تھے یا غاصب جابر تھے (ظلم وجور پر کمر بستہ) تو الزام امام حسن پر آتا ہے کہ انہوں نے کاروبار مسلمین وانتظام شرع ودین باختیارِ خود (بلا جبر واکراہ وبلا ضرورت شرعیہ.

باوجود مقدرت) ایسے شخص کو تفویض فرمادیا (اور اس کی تحویل میں دے دیا) اور خیر خواہی اسلام کو معاذ اللہ کام نہ فرمایا (اس سے ہاتھ اٹھالیا) اگر مدت خلافت ختم ہو چکی تھی اور آپ (خود) بادشاہت منظور نہیں فرماتے تھے) تو صحابہ حجاز میں کوئی اور قابلیت نظم ونسق دین نہ رکھتا تھا جو انہیں کو اختیار کیا۔ اور انہیں کے ہاتھ پر بیعت اطاعت کرلی) حاش للہ بلکہ یہ بات خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پیش گوئی میں ان کے اس فعل کو پسند فرمایا اور ان کی سیادت کا نتیجہ ٹھہرایا کمافی صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے) صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرمایا۔

ان ابنی ھذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظمتین من المسلمین
(صحیح البخاری کتاب الصلح 1: / 530.373)

ترجمہ: میرا یہ بیٹا سید ہے، سیادت کا علمبردار ہے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل اس کے باعث دو بڑے گروہ اسلام میں صلح کرادے۔

آیہ کریمہ کا ارشاد ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ (القرآن الکریم سورہ نمبر 7 آیت 43)

ترجمہ: اور ہم نے ان کے سینوں میں سے کینے کھینچ لیے۔

جو دنیا میں ان کے درمیان تھے اور طبیعتوں میں جو کدورت وکشیدگی تھی اسے رفق والفت سے بدل دیا اور ان میں آپس میں نہ باقی رہی مگر مودت ومحبت۔ انتھی۔ (فتاویٰ رضویہ :29 /378)

مقام نمبر :2

بے شک امام مجتبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سپرد فرمائی، اور اس سے صلح وبندش جنگ مقصود تھی اور یہ صلح وتفویض خلافت اللہ ورسول کی پسند سے ہوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام حسن کو گود میں لے کر فرمایا تھا:

ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظمتین من المسلمین۔
(صحیح البخاری کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین :1 /530)

ترجمہ: میرا یہ بیٹا سید ہے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ اس کے سبب سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر خلافت کے اہل نہ ہوتے تو امام مجتبیٰ ہر گز انہیں تفویض نہ فرماتے نہ اللہ ورسول اسے جائز رکھتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ 29: /337)

مقام نمبر: 3

حدیث امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلّہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے ہیں، صحیح ترمذی شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھد بہ۔

(جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب معاویہ بن ابی سفیان امین کمپنی دہلی :2 /225)

ترجمہ: الٰہی! اسے راہ نما راہ یاب کر اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دے۔

صحابہ کرام میں کسی کو کافر بے دین نہ کہے گا مگر کافر بے دین یا گمراہ بد دین، عزیز جبار واحد قہار جل وعلا نے صحابہ کرام کو دو قسم کیا ایک وہ کہ قبل فتح مکہ جنہوں نے راہِ خدا میں خرچ وقتال کیا دوسرے وہ جنہوں نے بعد فتح پھر فرمادیا کہ دونوں فریق سے اللہ عزوجل نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ اللہ کو تمہارے کاموں کی خوب خبر ہے کہ تم کیا کیا کرنے والے ہو بایں ہمہ اس نے تم سب سے حسنیٰ کا وعدہ فرمایا یہاں قرآن عظیم نے ان دریدہ دہنوں، بیباکوں، بے ادب، ناپاکوں کے منہ میں پتھر دے دیا جو صحابہ کرام کے افعال سے اُن پر طعن چاہتے ہیں وہ بشرطِ صحت اللہ عزوجل کو معلوم تھے پھر بھی اُن سب سے حسنیٰ کا وعدہ فرمایا، تو اب جو معترض ہے اللہ واحد قہار پر معترض ہے جنت ومدارج عالیہ اس معترض کے ہاتھ میں نہیں اللہ عزوجل کے ہاتھ ہیں معترض اپنا سر کھاتا رہے گا اور اللہ نے جو حسنیٰ کا وعدہ اُن سے فرمایا ہے ضرور پورا فرمائے گا اور معترض جہنم میں سزا پائے گا وہ آیہ کریمہ یہ ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللهُ الْحُسْنٰى وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ.

ترجمہ: اے محبوب کے صحابیو! تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ وقتال کیا وہ رُتبے میں بعد والوں سے بڑے ہیں، اور دونوں فریق سے اللہ نے حسنیٰ کا وعدہ کرلیا، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو۔ (القرآن الکریم 57 :/10)

اب جن کے لیے اللہ کا وعدہ حسنیٰ کا ہولیا اُن کا حال بھی قرآن عظیم سے سنئے:

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى أُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا

وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ۔ (القرآن الکریم 21/ 101,102)

ترجمہ: بے شک جن کے لیے ہمارا وعدہ حسنٰی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ سنیں گے اور ہمیشہ اپنی من مانتی مرادوں میں رہیں گے وہ بڑی گھبراہٹ قیامت کی ہلچل انہیں غم نہ دے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

یہ ہے جمیع صحابہ کرام سید الانام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کے لیے۔ قرآن کریم کی شہادت امیر المومنین مولیٰ المسلمین علی المرتضی مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم قسم اول میں ہیں جن کو فرمایا: أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً۔
(القرآن الکریم 57/ 10)

اُن کے مرتبے قسم دوم والوں سے بڑے ہیں، اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قسم دوم میں ہیں، اور حسنٰی کا وعدہ اور یہ تمام بشارتیں سب کو شامل، ولہٰذا امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن عساکر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

تکون لاصحابی زلّة یغفرها الله لهم لسابقتهم معی ثم یأتی قوم بعدهم یکبهم الله علی مناخرهم فی النار.

(المعجم الاوسط 4: /142 رقم 3243 مکتبۃ المعارف ریاض ، مجمع الزوائد 7 : /234)

ترجمہ: میرے اصحاب سے لغزش ہوگی جسے اللہ عزوجل معاف فرمائے گا اُس سابقہ کے سبب جو اُن کو میری بارگاہ میں ہے پھر اُن کے بعد کچھ لوگ آئیں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ ان کے منہ کے بل جہنم میں اوندھا کرے گا۔

یہ ہیں وہ کہ صحابہ کی لغزشوں پر گرفت کریں گے۔

ولہٰذا علامہ شہاب خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرمایا:

ومن یکون یطعن فی معویة فذالك كلب من کلاب الهاویة

(نسیم الریاض الباب الثالث مرکز اہلسنت گجرات الہند 3: /430)

ترجمہ: جو امیر معاویہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں سے ایک کتا ہے۔

واللہ یقول الحق ویهدی السبیل.

(اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔
(فتاوٰی رضویہ 29 : /279)

مقام نمبر: 4

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابہ کرام سے ہیں اُن کی شان میں گستاخی نہ کرے گا مگر رافضی، جس کتاب میں ایسی باتیں ہوں اس کا پڑھنا سُننا مسلمان سنیوں پر حرام ہے، ایسے مسئلہ میں کتابوں کے حوالے کی کیا حاجت، اہلسنت کے مسنون عقائد میں تصریح ہے،

الصحابة کلهم عدول لانذکرهم الا بخیر۔
(منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افضل الناس بعدہ علیہ الصلوۃ والسلام ص 71)
صحابہ سب کے سب اہل خیر وعدالت ہیں ہم ان کا ذکر نہ کریں گے مگر بھلائی سے۔
اگر کوئی شخص اہل سنت کی کتابوں کو نہ مانے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کو تو مانے گا،
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اسلم الناس وأمن عمرو بن العاص رواہ الترمذی (1) عن عقبة ابن عامر رضی الله تعالی عنه
بہت لوگ وہ ہیں کہ اسلام لائے مگر عمرو بن العاص ان میں ہیں جو ایمان لائے۔
(1 جامع الترمذی مناقب عمرو بن العاص حدیث 3870 دار الفکر بیروت 5: / 456)
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان عمرو بن العاص من صالحی قریش رواہ الترمذی (2) والامام احمد فی مسند عن سیدنا طلحة بن عبید الله احد العشرة المبشرة رضی الله تعالی عنهم اجمعین۔
عمرو بن العاص صالحین قریش سے ہیں (ترمذی اور امام احمد نے اپنی مسند میں اسے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ جو عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ایک ہیں سے روایت کیا۔ ت)
(2 سنن الترمذی مناقب عمرو بن العاص حدیث 3871 دار الفکر بیروت 5: / 456)
(مسند احمد بن حنبل عن طلحہ بن عبید اللہ حدیث 1385 دار احیاء التراث العربی بیروت 1 : /260)
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نعم اهل البیت عبداللہ وابو عبداللہ وام عبداللہ. رواہ البغوی(3) وابویعلی عن طلحۃ رضی اللہ تعالی عنه.

(3) (مسند احمد بن حنبل عن طلحہ بن عبید اللہ حدیث ۱۳۸۴، ۱/۲۶۰)

(مسند ابی یعلی حدیث ۶۴۱ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۱/۳۱۳)

بہت اچھے گھر والے ہیں عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ کا باپ اور اس کی ماں اس کو بغوی اور ابو یعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

واخرجه ابن سعد فی الطبقات بسند صحیح عن ابن ابی ملکیة وزاد (اس کو ابن سعد نے طبقات میں صحیح سند کے ساتھ ابن ابی ملکیہ سے روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا) یعنی عبداللہ بن عمرو بن العاص، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوہ ذات السلاسل میں اسی الہی فوج کا سردار کیا جس میں صدیق اکبر و فاروق اعظم تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایک بار اہل مدینہ طیبہ کو کچھ ایسا خوف پیدا ہوا کہ متفرق ہو گئے سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور عمرو بن العاص دونوں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہما تلوار لے کر مسجد شریف میں حاضر رہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ وسلم، نے خطبہ فرمایا اور اس میں ارشاد کیا:

الا کان مفزعکم الی اللہ والی رسوله الا فعلتم کما فعل ھٰذا ن الرجلان المؤمنان.

کیوں نہ ہوا کہ تم خوف میں اللہ و رسول کی طرف التجا لاتے، تم نے ایسا کیوں نہ کیا جیسا ان دونوں ایمان والے مردوں نے کیا۔

(مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت 4: /203)

منکر اگر احادیث کو بھی نہ مانے تو قرآن عظیم کو تو مانے گا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ.

میں برابر نہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ و قتال کیا وہ درجے میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ و قتال کیا اور دونوں فریق سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ تم کرو گے۔ (القرآن الکریم 10/57)

اللہ عزوجل نے صحابہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دو قسم فرمایا : ایک مومنین قبل فتح مکہ، دوسرے مومنین بعد فتح مکہ. فریق اول کو فریق دوم پر فضیلت بخشی اور دونوں فریق کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بھلائی کا وعدہ کیا، عمرو ابن العاص مومنین قبل فتح مکہ میں ہیں۔

الاصابہ فی تمییزالصحابہ میں ہے:

> عمرو بن العاص بن وائل بن ھاشم بن سعید بالتصغیر ابن سھم بن عمرو ابن ھصیص بن کعب بن لوی قرشی السھمی امیر مصر یکنی ابا عبداللہ و ابا محمد اسلم قبل الفتح فی صفر ۸ھ ثمان وقیل بین الحدیبیة و خیبر ا عمرو بن عاص بن وائل بن ھاشم بن سعید (تصغیر کے ساتھ) بن سھم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی قرشی سھمی
>
> امیر مصر جن کی کنیت ابوعبداللہ اور ابومحمد ہے وہ فتح مکہ سے پہلے ماہ صفر ۸ ہجری میں اسلام لائے اور کہا گیا ہے کہ حدیبیہ اور خیبر کے درمیان اسلام لائے۔ت)

(الاصابة فی تمییزالصحابة حرف العین ترجمہ عمرو بن العاص 5882 دارصادر بیروت 2/ :3)

اور بعد فتح تو راہ خدا میں جو ان کے جہاد ہیں آسمان و زمین اُن کے آوازے سے گونج رہے ہیں اور اللہ عزوجل نے دونوں فریق سے بھلائی کا وعدہ فرمایا، اور مریض القلب معترضین جو ان پر طعن کریں کہ فلاں نے یہ کام کیا فلاں نے یہ کام کیا اگر ایمان رکھتے ہوں تو ان کا منہ تمتمہ آیت سے بند فرما دیا کہ

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (القرآن الکریم 10/57)

اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو، مگر میں تو تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔

اب یہ بھی قرآن عظیم ہی سے پوچھ دیکھئے، کہ اللہ عزوجل نے جس سے بھلائی کا وعدہ فرمایا اس کے لیے کیا ہے فرماتا ہے:

> إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى أُولٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُوْنَ () لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ

(القرآن الکریم 21/ 101. 102)

بے شک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ

سنیں گے اور اپنی من مانتی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے وہ قیامت سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی اور ملائکہ ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔

ان ارشادات الٰہیہ کے بعد مسلمان کی شان نہیں کہ کسی صحابی پر طعن کرے. بفرض غلط بفرض باطل طعن کرنے والا جتنی بات بتاتا ہے اس سے ہزار حصے زائد ہی اس سے یہ کہیے أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ

(القرآن الکریم 2/140)

کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ. کیا اللہ کو ان باتوں کی خبر نہ تھی باوجود وہ ان سے فرما چکا کہ میں نے تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا تمہارے کام مجھ سے پوشیدہ نہیں. تو اب اعتراض نہ کرے گا مگر وہ جسے اللہ عزوجل پر اعتراض مقصود ہے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر قریشی ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جد امجد کعب بن لوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد سے، اور ان کی نسبت وہ ملعون کلمہ طعن فی النسب کا اگر کہا ہوگا تو کسی رافضی نے، پھر وہ صدیق وفاروق کو کب چھوڑتے ہیں عمرو بن عاص کی کیا گنتی. رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین.

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

(القرآن الکریم 26/227)

اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ 29: /102)

مقام نمبر :5

(ا) اہلسنت کے عقیدہ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم فرض ہے اور ان میں سے کسی پر طعن حرام اور انکے مشاجرت میں خوض ممنوع.

حدیث میں ارشاد: اذا ذکر اصحابی فامسکوا (المعجم الکبیر حدیث 1427 المکتبۃ الفیصلیہ 2: /96)
جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے، (بحث وخوض سے) رک جاؤ۔ (ت)

رب عزوجل کہ عالم الغیب والشہادہ ہے اس نے صحابہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں، مومنین قبل الفتح جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے راہِ خدا میں خرچ و جہاد کیا اور مومنین بعد الفتح جنہوں نے بعد کو. فریق اول کو دوم پر تفضیل عطا فرمائی کہ:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا. (القرآن الکریم 10/57)

تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں اُن سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا۔ (ت)

اور ساتھ ہی فرمادیا، وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى. (القرآن الکریم 10/57)

دونوں فریق سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمالیا اور ان کے افعال پر جاہلانہ نکتہ چینی کا دروازہ بھی بند فرمادیا کہ ساتھ ہی ارشاد ہوا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ. (القرآن الکریم 10/57)

اللہ کو تمہارے اعمال کی خوب خبر ہے، یعنی جو کچھ تم کرنے والے ہو وہ سب جانتا ہے بایں ہمہ تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرماچکا خواہ سابقین ہوں یا لاحقین اور یہ بھی قرآن عظیم سے ہی پوچھ دیکھئے کہ مولیٰ عزوجل جس سے بھلائی کا وعدہ فرماچکا اُس کے لیے کیا فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ. لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ () لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ

(القرآن الکریم 21/ 101 تا 103)

بے شک جن سے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ سُنیں گے اور وہ اپنی من مانتی مرادوں میں ہمیشہ رہیں گے، اُنہیں غم میں نہ ڈالے گی بڑی گھبراہٹ، فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔ سچا اسلامی دل اپنے رب عزوجل کا یہ ارشاد عام سن کر کبھی کسی صحابی پر نہ سوء ظن کرسکتا ہے نہ اس کے اعمال کی تفتیش، بفرض غلط کچھ بھی کیا تم حاکم ہو یا اللہ، تم زیادہ جانو یا اللہ، أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ (القرآن الکریم 2/140)

(کیا تمہیں علم زیادہ ہے یا اللہ تعالے کو۔ ت) دلوں کی جاننے والا سچا حاکم یہ فیصلہ فرماچکا کہ مجھے تمہارے سب اعمال کی خبر ہے میں تم سے بھلائی کا وعدہ فرماچکا۔ اس کے بعد مسلمان کو اس کے خلاف کی گنجائش کیا ہے، ضرور ہر صحابی کے ساتھ حضرت کہا جائے گا، ضرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جائے گا، ضرور اس کا اعزاز واحترام فرض ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (القرآن الکریم 8/8) (اگرچہ مجرم بُرا مانیں۔ ت)

(فتاویٰ رضویہ 29 :/224)

مقام نمبر :6

اللہ عزوجل نے سورہ حدید میں صحابہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کی دو قسمیں فرمائیں، ایک وہ کہ قبل فتح مکہ شریف مشرف بایمان ہوئے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا جہاد کیا دوسرے وہ کہ بعد پھر فرمایا: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (القرآن الکریم 57 : / 10)

دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا، اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے ان کو فرماتا ہے، أُولٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ وہ جہنم سے دور رکھے گئے لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا اس کی بھنک تک نہ سنیں گے وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ○ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے قیامت کی سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے اُن کا استقبال کریں گے هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ.
(القرآن الکریم 21: / 101 تا103)

یہ کہتے ہوئے کہ یہ تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا:
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے، تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے، اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں، رب عزوجل نے اُسی آیت میں اس کا منہ بھی بند فرما دیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا واللہ بما تعملون خبیر۔
(القرآن الکریم 57/10)

اور اللہ تعالیٰ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے باینہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔
اس کے بعد کوئی بکے اپنا سر کھائے خود جہنم جائے علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ومن یکون یطعن فی معاویۃ فذالك کلب من کلاب الھاویۃ .
(نسیم الریاض الباب الثالث مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الھند 3 : /430)
جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔
(فتاویٰ رضویہ 29: /278)

مقام نمبر: 7

حدیث امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلّہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے ہیں، صحیح ترمذی شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ اللھم اجعله هاديا مهديا واهد به ،الٰہی! اسے راہ نما راہ یاب کر اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دے۔

(جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب معاویہ بن ابی سفیان امین کمپنی دہلی 2: /225)

صحابہ کرام میں کسی کو کافر بے دین نہ کہے گا مگر کافر بے دین یا گمراہ بد دین، عزیز جبار واحد قہار جل وعلا نے صحابہ کرام کو دو قسم کیا ایک وہ کہ قبل فتح مکہ جنہوں نے راہِ خدا میں خرچ وقتال کیا دوسرے وہ جنہوں نے بعد فتح پھر فرمادیا کہ دونوں فریق سے اللہ عزوجل نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ اللہ کو تمہارے کاموں کی خوب خبر ہے کہ تم کیا کیا کرنے والے ہو باینہمہ اس نے تم سب سے حسنیٰ کا وعدہ فرمایا۔ یہاں قرآن عظیم نے ان دریدہ دہنوں، بیباکوں، بے ادب، ناپاکوں کے منہ میں پتھر دے دیا جو صحابہ کرام کے افعال سے اُن پر طعن چاہتے ہیں وہ بشرطِ صحت اللہ عزوجل کو معلوم تھے پھر بھی اُن سب سے حسنیٰ کا وعدہ فرمایا، تو اب جو معترض ہے اللہ واحد قہار پر معترض ہے جنت ومدارجِ عالیہ اس معترض کے ہاتھ میں نہیں اللہ عزوجل کے ہاتھ ہیں معترض اپنا سر کھاتا رہے گا اور اللہ نے جو حسنیٰ کا وعدہ اُن سے فرمایا ہے ضرور پورا فرمائے گا اور معترض جہنم میں سزا پائے گا وہ آیہ کریمہ یہ ہے:

> لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا وكلا وعد الله الحسنى والله بما تعملون خبير ۔
>
> (القرآن الکریم 57 : /10)

اے محبوب کے صحابیو! تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ وقتال کیا وہ رتبے میں بعد والوں سے بڑے ہیں، اور دونوں فریق سے اللہ نے حُسنیٰ کا وعدہ کرلیا، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو

اب جن کے لیے اللہ کا وعدہ حسنیٰ کا ہولیا اُن کا حال بھی قرآن عظیم سے سنئے :

> إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَى أُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ۔
>
> (القرآن الکریم 21 : /101 تا 103)

(القرآن الکریم 21 : /101 تا 103)

بے شک جن کے لیے ہمارا وعدہ حُسنٰی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ سُنیں گے اور ہمیشہ اپنی من مانتی مرادوں میں رہیں گے وہ بڑی گھبراہٹ قیامت کی ہلچل انہیں غم نہ دے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

یہ ہے جمیع صحابہ کرام سید الانام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کے لیے قرآن کریم کی شہادت امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضی مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم قسم اول میں ہیں جن کو فرمایا:

اولئك اعظم درجة (القرآن الکریم 57 : /10)

اُن کے مرتبے قسم دوم والوں سے بڑے ہیں، اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قسم دوم میں ہیں، اور حسنیٰ کا وعدہ اور یہ تمام بشارتیں سب کو شامل ولہذا امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن عساکر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

تکون لاصحابی زلۃ یغفرها الله لهم لسابقتهم معی ثم یأتی قوم بعدهم یکبهم الله علی مناخرهم فی النار

(المعجم الاوسط حدیث 3243 مکتبۃ المعارف ریاض 4: / 142؛ مجمع الزوائد 7 : /234)

میرے اصحاب سے لغزش ہوگی جسے اللہ عزوجل معاف فرمائے گا اُس سابقہ کے سبب جو اُن کو میری بارگاہ میں ہے پھر اُن کے بعد کچھ لوگ آئیں گی کہ انہیں اللہ تعالیٰ ان کے منہ کے بل جہنم میں اوندھا کرے گا یہ ہیں وہ کہ صحابہ کی لغزشوں پر گرفت کریں گے۔

ولہذا علامہ شہاب خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرمایا:

ومن یکون یطعن فی معٰویۃ فذالك کلب من کلاب الھاویۃ

(نسیم الریاض الباب الثالث مرکز اہلسنت گجرات الہند 3: /430)

جو امیر معاویہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتّوں سے ایک کُتا ہے۔

والله یقول الحق ویهدی السبیل

(اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ ت) والله تعالی اعلم

(فتاوٰی رضویہ 29 /280)

مقام نمبر:8

روافض کا قول کذب محض ہے، عقائد نامہ میں خطاو منکر بود نہیں ہے بلکہ خطائے منکر بود، اہل سنت کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا، خطاء اجتہادی تھی، اجتہاد پر طعن جائز نہیں، خطاء اجتہادی دو قسم ہے، مقرر و منکر، مقرر وہ جس کے صاحب کو اُس پر برقرار رکھا جائے گا اور اُس سے تعرض نہ کیا جائے گا، جیسے حنفیہ کے نزدیک شافعی المذہب مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا، اور منکر وہ جس پر انکار کیا جائے گا جب کہ اس کے سبب کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہو جیسے اجلہ اصحاب جمل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ قطعی جنتی ہیں اور ان کی خطاء یقیناً اجتہادی جس میں کسی نام سنیت لینے والے کو محل لب کشائی نہیں، بالجملہ اس پر انکار لازم تھا جیسا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کیا باقی مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مداخلت حرام ہے، حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا ذکر اصحابی فامسکوا۔

(المعجم الکبیر حدیث 1427 المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت 2: /96)

جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان روکو۔

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

ستکون لاصحابی بعد زلۃ یغفرھا اللہ لھم لسابقتھم ثم یاتی من بعدھم قوم یکبھم اللہ علی مناخرھم فی النار۔

(المعجم الاوسط حدیث 3243 مکتبۃ المعارف ریاض 4: /142، مجمع الزوائد 7: /234)

قریب ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہوگی جسے اللہ بخش دے گا اُس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ ناک کے بل جہنم میں اوندھا کر دے گا یہ وہ ہیں جو اُن لغزشوں کے سبب صحابہ پر طعن کریں گے، اللہ عزوجل نے تمام صحابہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن عظیم میں دو قسم کیا:

(1) مومنین قبل فتح مکہ و مومنین بعد فتح، اول کو دوم پر تفضیل دی اور صاف فرمادیا۔

وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ (القرآن الکریم: 57/10)

سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمالیا اور ساتھ ہی ان کے افعال کی تفتیش کرنے والوں کا منہ بند فرمادیا واللہ بما تعملون خبیر۔ (القرآن الکریم 57: /10)

(القرآن الکریم 21 : /101 تا 103)

بے شک جن کے لیے ہمارا وعدہ حُسنیٰ کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ سُنیں گے اور ہمیشہ اپنی من مانتی مرادوں میں رہیں گے وہ بڑی گھبراہٹ قیامت کی ہلچل انہیں غم نہ دے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

یہ ہے جمیع صحابہ کرام سید الانام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کے لیے قرآن کریم کی شہادت امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضی مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم قسم اول میں ہیں جن کو فرمایا:

اولئك اعظم درجة (القرآن الکریم 57 : /10)

اُن کے مرتبے قسم دوم والوں سے بڑے ہیں، اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قسم دوم میں ہیں، اور حسنیٰ کا وعدہ اور یہ تمام بشارتیں سب کو شامل ولہذا امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن عساکر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

تکون لاصحابی زلّة یغفرها الله لهم لسابقتهم معی ثم یأتی قوم بعدهم یکبهم الله علی مناخرهم فی النار

(المعجم الاوسط حدیث 3243 مکتبۃ المعارف ریاض 4: / 142؛ مجمع الزوائد 7 : /234)

میرے اصحاب سے لغزش ہوگی جسے اللہ عزوجل معاف فرمائے گا اُس سابقہ کے سبب جو اُن کو میری بارگاہ میں ہے پھر اُن کے بعد کچھ لوگ آئیں گی کہ انہیں اللہ تعالیٰ ان کے منہ کے بل جہنم میں اوندھا کرے گا یہ ہیں وہ کہ صحابہ کی لغزشوں پر گرفت کریں گے۔

ولہذا علامہ شہاب خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرمایا:

ومن یکون یطعن فی مغویة فذالك کلب مین کلاب الهاویة

(نسیم الریاض الباب الثالث مرکز اہلسنت گجرات الہند :3 /430)

جو امیر معاویہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں سے ایک کتا ہے۔

والله یقول الحق ویهدی السبیل

(اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ت) والله تعالی اعلم

(فتاویٰ رضویہ 29 /280)

مقام نمبر: 8

روافض کا قول کذب محض ہے، عقائد نامہ میں خطاو منکر بود نہیں ہے بلکہ خطائے منکر بود، اہل سنت کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا، خطاء اجتہادی تھی، اجتہاد پر طعن جائز نہیں، خطاء اجتہادی دو قسم ہے، مقرر و منکر، مقرر وہ۔ جس کے صاحب کو اُس پر برقرار رکھا جائے گا اور اُس سے تعرض نہ کیا جائے گا، جیسے حنفیہ کے نزدیک شافعی المذہب مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا، اور منکر وہ۔ جس پر انکار کیا جائے گا جب کہ اس کے سبب کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہو جیسے اجلہ اصحاب جمل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ قطعی جنتی ہیں اور ان کی خطاء یقیناً اجتہادی جس میں کسی نام سنیت لینے والے کو محل لب کشائی نہیں، بالینہمہ اس پر انکار لازم تھا جیسا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کیا باقی مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مداخلت حرام ہے،

حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا ذکر اصحابی فامسکوا۔

(المعجم الکبیر حدیث 1427 المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت 2: /96)

جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان روکو۔

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

ستکون لاصحابی بعد زلۃ یغفرھا اللہ لھم لسابقتھم ثم یاتی من بعدھم قوم یکبھم اللہ علی مناخرھم فی النار۔

(المعجم الاوسط حدیث 3243 مکتبۃ المعارف ریاض 4: /142، مجمع الزوائد 7: /234)

قریب ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہوگی جسے اللہ بخش دے گا اُس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ ناک کے بل جہنم میں اوندھا کر دے گا یہ وہ ہیں جو اُن لغزشوں کے سبب صحابہ پر طعن کریں گے، اللہ عزوجل نے تمام صحابہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن عظیم میں دو قسم کیا:

(۱) مومنین قبل فتح مکہ و مومنین بعد فتح، اول کو دوم پر تفضیل دی اور صاف فرما دیا۔

وَ كُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ (القرآن الکریم :57 /10)

سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرما لیا اور ساتھ ہی ان کے افعال کی تفتیش کرنے والوں کا منہ بند فرما دیا واللہ بما تعملون خبیر۔ (القرآن الکریم 57 : /10)

اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو، بایں ہمہ وہ تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا پھر دوسرا کون ہے کہ ان میں سے کسی کی بات پر طعن کرے، واللہ الهادی، واللہ تعالیٰ اعلم

(2) بے شک امام مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سپرد فرمائی۔ اور اس سے صلح و بندش جنگ مقصود تھی اور یہ صلح و تفویض خلافت اللہ و رسول کی پسند سے ہوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام حسن کو گود میں لے کر فرمایا تھا:

ان ابنی هذا سید ولعل اللہ ان یصلح به بین فئتین عظمتین من المسلمین۔
(صحیح البخاری کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین قدیمی کتب خانہ کراچی 1 : /530)

میرا یہ بیٹا سید ہے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ اس کے سبب سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر خلافت کے اہل نہ ہوتے تو امام مجتبیٰ ہرگز انہیں تفویض نہ فرماتے نہ اللہ و رسول اسے جائز رکھتے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ 29 : /337)

مقام نمبر:9

صحابہ کرام کے باب میں یاد رکھنا چاہیے کہ:

(وہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم انبیاء نہ تھے، فرشتے نہ تھے کہ معصوم ہوں، ان میں سے بعض حضرات سے لغزشیں صادر ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ و رسول کے احکام کے خلاف ہے

اللہ عزوجل نے سورہ حدید میں صحابہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں۔

(1) من انفق من قبل الفتح وقتل

(2) الذین انفقوا من بعد وقاتلوا (القرآن الکریم 57 : /10)

یعنی ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے راہِ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا جب کہ ان کی تعداد بھی بہت قلیل تھی، اور وہ ہر طرح ضعیف و درماندہ بھی تھے، انہوں نے اپنے اوپر جیسے جیسے شدید مجاہدے گوارا کرکے اور اپنی جانوں کو خطروں میں ڈال ڈال کر، بے دریغ اپنا سرمایہ اسلام کی خدمت کی نذر کردیا یہ حضرات مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین ہیں، ان کے مراتب کا کیا پوچھنا۔

دوسرے وہ کہ بعد فتح مکہ ایمان لائے، راہِ مولا میں خرچ کیا اور جہاد میں حصہ لیا ان اہلِ ایمان نے اس اخلاص کا ثبوت جہاد مالی وقتالی سے دیا، جب اسلامی سلطنت کی جڑ مضبوط ہو چکی تھی اور مسلمان کثرتِ تعداد اور

جاہ و مال ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے، اجر اُن کا بھی عظیم ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان سابقون اوّلون والوں کے درجہ کا نہیں۔

اسی لیے قرآن عظیم نے ان پہلوں کو ان پچھلوں پر تفضیل دی۔

اور پھر فرمایا: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (القرآن الکریم: 10/57)

ان سب سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا کہ اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے اجر ملے گا۔ ب ہی کو، محروم کوئی نہ رہے گا۔

اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کے حق میں فرماتا ہے:

اولئك عنها مبعدون (القرآن الکریم 21: / 101) وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں۔

لایسمعون حسیسها (القرآن الکریم 21 : /102) وہ جہنم کی بھنک تک نہ سنیں گے۔

وهم فی ما اشتهت انفسهم خلدون (القرآن الکریم 21 : / 102)

وہ ہمیشہ اپنی من مانتی جی بھاتی مرادوں میں رہیں گے۔

لایحزنهم الفزع الاکبر۔ (القرآن الکریم 21 : /103)

قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی۔

تتلقٰهم الملٰئکة: فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔

هٰذا یومکم الذی کنتم توعدون۔ (القرآن الکریم 21: / 103)

یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔

اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔

رب عزوجل نے اسی آیت حدید میں اس کا منہ بھی بند کر دیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرما دیا۔

واللہ بما تعملون خبیر ۔(القرآن الکریم :57/ 10)اور اللہ کو خُوب خبر ہے جوتم کرو گے۔ بایں ہمہ اس نے تمہارے اعمال جان کر حکم فرمادیا کہ وہ تم سب سے جنت بے عذاب و کرامات وثواب بے حساب کا وعدہ فرماچکا ہے۔

تواب دوسرے کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر طعن کرے، کیا طعن کرنے والا، اللہ تعالیٰ سے جُدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، اس کے بعد جو کوئی کچھ بکے وہ اپنا سر کھائے اور خود جہنم میں جائے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی، نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کُتوں میں سے ایک کُتا ہے۔

(نسیم الریاض الباب الثالث مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الهند 3: /430)

تنبیہ ضروری:

اہل سنت کا یہ عقیدہ کہو :نکف عن ذکر الصحابة الابخیر

(شرح عقائد النسفی دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص116)

یعنی صحابہ کرام کا جب بھی ذکر ہو تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے، انہیں صحابہ کرام کے حق میں جو ایمان وسنت و اسلام حقیقی پر تادم مرگ ثابت قدم رہے اور صحابہ کرام جمہور کے خلاف، اسلامی تعلیمات کے مقابل، اپنی خواہشات کے اتباع میں کوئی نئی راہ نہ نکالی اور وہ بدنصیب کہ اس سعادت سے محروم ہو کر اپنی دکان الگ جما بیٹھے اور اہل حق کے مقابل، قتال پر آمادہ ہو گئے وہ ہرگز اس کا مصداق نہیں اس لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جنگِ جمل و صفین میں جو مسلمان ایک دوسرے کے مقابل آئے ان کا حکم خطائے اجتہادی کا ہے، لیکن اہل نہروان جو مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی تکفیر کر کے بغاوت پر آمادہ ہوئے وہ یقیناً فساق، فجار، طاغی و باغی تھے اور ایک نئے فرقہ کے ساعی و ساتھی جو خوارج کے نام سے موسوم ہوا اور اُمت میں نئے فتنے اب تک اسی کے دم سے پھیل رہے ہیں (سراج العوارف وغیرہ)۔ (فتاوٰی رضویہ 29 : /337)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے ان متعدد مقامات کی تحریر سے جو فوائد ثابت ہوتے ہیں، ان پر اکابرین کی تصریحات اور پھر اس پر معترض کی اعتراضات کی حقیقت کو ملاحظہ کریں۔

فوائد رضویہ:

اعلیٰ حضرت عظیم البرکات کے ان پیش کردہ فتاوٰی جات سے متعدد فوائد جو واضح ہوئے وہ ملاحظہ

فرمائیں۔

(۱) صحابہ قبل و بعدِ فتح مکہ کے لیے بشارت۔

اس نکتہ کے ۴ قابل تحقیق پہلو ہیں۔

۞ (۱) مومنین قبل فتح مکہ و مومنین بعد فتح۔ اول کو دوم پر تفضیل دی اور صاف فرمادیا۔

وَ كُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (القرآن الکریم :57 /10)

سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمالیا، اور ساتھ ہی ان کے افعال کی تفتیش کرنے والوں کا منہ بند فرمادیا۔ واللہ بما تعملون خبیر (القرآن الکریم :57 /10)

اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو، باینہمہ وہ تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا پھر دوسرا کون ہے کہ ان میں سے کسی کی بات پر طعن کرے، واللہ الہادی، واللہ تعالیٰ اعلم

۞ (۲) اللہ عزوجل نے سورہ حدید میں صحابہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کی دو قسمیں فرمائیں۔ ایک وہ کہ قبل فتح مکہ شریف مشرف بایمان ہوئے اور راہِ خدا میں مال خرچ کیا جہاد کیا دوسرے وہ کہ بعد پھر فرمایا۔ وَ كُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (القرآن الکریم 57 : / 10)

دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔

صحابہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں۔ مومنین قبل الفتح جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں خرچ و جہاد کیا اور مومنین بعد الفتح جنہوں نے بعد کو۔ فریق اول کو دوم پر تفضیل عطا فرمائی ۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا۔ (القرآن الکریم سورۃ الحدید 10)

تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں اُن سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا (ت)

اور ساتھ ہی فرمادیا وَ كُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (القرآن الکریم: سورۃ الحدید 10)

(۳) دونوں فریق سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمالیا اور ان کے افعال پر جاہلانہ نکتہ چینی کا دروازہ بھی بند فرمادیا کہ ساتھ ہی ارشاد ہوا، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔ (القرآن الکریم : سورۃ الحدید 10)

اللہ کو تمہارے اعمال کی خوب خبر ہے۔ یعنی جو کچھ تم کرنے والے ہو وہ سب جانتا ہے بااینہمہ تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا خواہ سابقین ہوں یا لاحقین۔

(۴) صحابہ کرام کو دو قسم کیا ایک وہ کہ قبل فتح مکہ جنہوں نے راہِ خدا میں خرچ و قتال کیا دوسرے وہ جنہوں نے

بعد فتح پھر فرمادیا کہ دونوں فریق سے اللہ عزوجل نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ اللہ کو تمہارے کاموں کی خوب خبر ہے کہ تم کیا کیا کرنے والے ہو بالجملہ اس نے تم سب سے حسنیٰ کا وعدہ فرمایا۔ آیہ کریمہ کا
(القرآن الکریم 7 : / 43)
ارشاد ہے: ونزعنا مافی صدورھم من غل۔
اور ہم نے ان کے سینوں میں سے کینے کھینچ لیے۔[1]

(2) لغزشِ صحابہ کا ذکر نہ کرو۔

حدیث میں ہے: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
اذا ذکر اصحابی فامسکوا۔ (المعجم الکبیر حدیث 1427 المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت 2 : /96)
جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان روکو۔
دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

ستکون لاصحابی بعد زلۃ یغفرھا اللہ لھم لسابقتھم ثم یاتی من بعدھم قوم یکبھم اللہ علی مناخرھم فی النار۔
(المعجم الاوسط حدیث 3243 مکتبۃ المعارف ریاض :4 /142، مجمع الزوائد 7 : /234)

قریب ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہوگی جسے اللہ بخش دے گا اُس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ ناک کے بل جہنم میں اوندھا کردے گا۔[2]

(3) صلح امام حسن، دو عظیم گروہوں کی شان۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام حسن کو گود میں لے کر فرمایا تھا:

---

[1] ۔حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَمْشَاذٍ الْعَدْلُ قَالَ: ثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ النَّضْرِ قَالَ: وَجَدْتُ فِي كِتَابِ جَدِّي مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمْرٍو. عَنْ أَخِيهِ الْكِرْمَانِيِّ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: ثنا مَنْصُورُ بْنُ دِينَارٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: أَتَيْتُ عَلِيًّا. فَلَمَّا رَآنِي رَحَّبَ بِي، وَأَدْنَانِي، وَأَجْلَسَنِي مَعَهُ عَلَى مَجْلِسِهِ. ثُمَّ قَالَ: " وَاللهِ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا وَأَبُوكَ مِمَّنْ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: {وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ}. (معرفۃ علوم الحدیث ص 137)

[2] ۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدٍ، ثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عِمْرَانَ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْوَهْبِيُّ، ثنا أَشْهَبُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، ثنا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ أَبِي عُشَّانَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، حَدَّثَنِي حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَكُونُ لِأَصْحَابِي بَعْدِي هَنَةٌ يَغْفِرُهَا اللهُ لَهُمْ، لِصُحْبَتِي إِيَّاهُمْ، يَقْتَدِي بِهِمْ مَنْ بَعْدَهُمْ، يَكُبُّهُمُ اللهُ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ: (تاریخ أصبهان 90/2)

إنَّ ابْنِی هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ یُصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِینَ.
(صحیح البخاری کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین قدیمی کتب خانہ کراچی :1/ 530)

ترجمہ: میرا یہ بیٹا سید ہے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ اس کے سبب سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔

(4) حضرت معاویہ کی اہلیت مدنظر ہونا۔

(۱) امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر خلافت کے اہل نہ ہوتے تو امام مجتبیٰ ہرگز انہیں تفویض نہ فرماتے نہ اللہ ورسول اسے جائز رکھتے واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر خلافت کے اہل نہ ہوتے تو امام مجتبیٰ ہرگز انہیں تفویض نہ فرماتے نہ اللہ ورسول اسے جائز رکھتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ :29/ 337)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے فتاویٰ جات سے جو علمی فوائد اور نکات واضح ہوئے، ان نکات کو علماء اور محققین کے تحقیق کی روشنی میں قارئین کے لیے پیش خدمت ہیں تاکہ یہ واضح ہوسکے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کی تحریر کی ایک ایک سطر اکابرین اہل سنت کی تحقیقات کا نچوڑ ہے اعلیٰ حضرت کے بیان کردہ نکات پر معترض نے جس ترتیب کے ساتھ اعتراضات کیے ان کی تحقیق ملاحظہ کریں۔

◆ ◆ ◆

صحابہ کرام قبل و بعد فتح مکہ کے لیے بشارت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ.
(الحدید 10)

تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا، اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی الاصابہ 1: /10 پر لکھتے ہیں:

وقال أبو محمد ابن حزم الصحابة كلهم من أهل الجنة قطعا. قال الله تعالىٰ لا يستوي منكم من أنفق من قبل الفتح وقاتل الآية وقال تعالىٰ إن الذين سبقت لهم منا الحسنىٰ أولئك عنها مبعدون فثبت أن الجميع لأهل الجنة لأنهم يخاطبون بالآية السابقة.

ترجمہ: علامہ ابومحمد حافظ بن حزم کہتے ہیں کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل جنت ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جس نے فتح مکہ سے پہلے انفاق وقتال کیا، وہ اس کے برابر نہیں جس نے بعد میں انفاق وقتال کیا، الآیہ۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جن لوگوں سے ہماری طرف سے بھلائی کا وعدہ ہو چکا ہے، یہ لوگ آگ سے دور رکھے جائیں گے، پس ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہلِ جنت میں سے ہیں؛ اس لیے کہ آیت سابقہ میں وہی (فتح مکہ سے قبل اور بعد والے مومن) مخاطب ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں امام تفسیر، علامہ محمد بن جریر بن یزید، طبری فرماتے ہیں:

وقوله: {وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ}، يقول تعالىٰ ذكره وكل هولاء الذين انفقوا من قبل الفتح وقاتلوا، والذين انفقوا من بعد وقاتلوا. وعدالله الجنة بانفاقهم في

سبيله، وقتالهم اعداءه۔

"فرمانِ باری تعالیٰ {اور اللہ نے سب کے ساتھ اچھائی کا وعدہ فرمایا ہے} میں اللہ فرماتا ہے: یہ سب صحابہ جنہوں نے فتح سے قبل مال خرچ کیا اور دشمنوں سے قتال کیا اور جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور قتال کیا، اللہ تعالیٰ نے سب کو ان کے مال خرچ کرنے اور دشمنوں سے قتال کرنے کی وجہ سے جنت کا وعدہ دیا ہے"۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن 23 : /177)

یعنی فتح سے پہلے والے صحابہ ہوں یا بعد والے، سب سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

علامہ یوسف بن موسیٰ بن محمد، أبو المحاسن جمال الدین الملطی الحنفی لکھتے ہیں۔

وكلا وعد الله الحسنى فدخل فی ذلك جميع الصحابة

ترجمہ: یعنی وعد اللہ الحسنی میں تمام صحابہ کرام داخل ہیں۔ (المعتصر من المختصر من مشکل الآثار 2: /195)

اعتراض:

اس آیت پر معاصرین میں ایک لکھاری (فیضی نامی) نے کچھ اشکال پیدا کرنے کی کوشش کی مگر ان کے یہ سارے اشکال کچھ نئے نہیں اور نہ ہی تحقیق جدید کے نام پر لوگوں کو دھوکا دیا جاسکتا ہے عوام الناس کو نئی کتاب کے نام پر وہی پرانے اعتراضات پیش کیے جارہے ہیں جس کے تمام جوابات ہمارے اکابرین نے علمی اور تحقیقی انداز میں دیے ہیں۔

موصوف نے لکھا:

> فاضل بریلی نے بعض طلقاء کو وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى میں شامل کردیا ہے لیکن ان کا یہ استدلال بھی مردود وبال ہے کیونکہ سورہ الحدید فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی حتیٰ کہ یہ اختلاف بھی ہے کہ سورت مکی ہے یا مدنی، بعض نے کہا ہے کہ کچھ حصہ مکی ہے اور کچھ حصہ مدنی، بہرحال یہ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی تھی اور معاویہ بن ابی سفیان فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لائے تھے۔
> (صلح امام حسن ص 310)

جواب:

موصوف لکھاری نے جو اعتراضات اس آیت کے بارے میں کیے ان کے تفصیلی جوابات ایک الگ کتاب کی صورت میں تو دیے جائینگے مگر اس مقام پر دو اعتراضات کی حقیقت اور پس منظر پیش خدمت ہے۔

اول: سورۃ الحدید کا نزول فتح مکہ سے قبل یا بعد۔
دوم: معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لانا۔

سورۃ الحدید کا نزول فتح مکہ سے قبل یا بعد

سورۃ الحدید کے بارے میں تحقیق مختلف ہے کہ یہ آیت مکی ہے یا مدنی اور اس بارے میں چند مرویات بھی متعارضہ موجود ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس سورۃ کے مدنی ہونے کے قائل ہیں۔

الدر منثور 46/8: پر علامہ سیوطی نے اس کی تفصیل بیان کی ہوئی ہے مگر راجح بات یہ ہے کہ اس کی چند ابتدائی آیت مکی ہیں مگر لَا يَسْتَوِي مِنكُمْ مَنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مدنی ہیں کیونکہ قتال اور جہاد کی فرضیت مدینہ میں ہوئی۔

معاصر لکھاری نے جو اعتراض کیے وہ غیر اہل سنت تو کرتے آئے ہیں مگر کوئی لکھاری اپنے آپ کو سنی ظاہر کر کے اہل سنت کے متفقہ عقائد پر نقب لگائے اور لوگوں کو گمراہ کرے یہ بات مناسب نہیں بلکہ یہ عمل ہی مردود ہے معاصر لکھاری نے جو کہ اہل سنت سے خارج ہے، اپنے آپ سنی ظاہر کر کے جو اعتراضات کیے ہیں، عوام کی دلچسپی کے لیے یہ بیان ضروری ہے کہ ایسے ہی اعتراضات آج سے تقریبا 70 سال قبل ہندوستان کے ایک آستانہ سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب جو اپنے آپ کو سنی ظاہر کرتے تھے، کیے ہیں اور اس وقت بھی محقق اہل سنت اور صحیح العقیدہ سادات کے گھرانے سے تعلق رکھنے والے علمی شخصیت علامہ حافظ بخاری علامہ عبد الصمد چشتی علیہ الرحمہ کے صاحبزادہ علامہ سید شاہ مصباح الحسن چشتی علیہ الرحمہ نے ایسے اعتراضات کے بخیے ادھیڑ دیے اور ان تحریر کے پس منظر کو بیان کر کے معترض کے عقیدہ کو عوام الناس پر آشکار کیا اور ان پر بدعتی اور غیر اہل سنت کا فتوی بھی دیا اس لیے عوام الناس کو ایسے عناصر سے باخبر رہنا چاہیے اور ان کے پیش کردہ پرانے اعتراضات کو نئی تحقیق سمجھ کر عمل کرنے سے پہلے اپنے اکابرین کی تصریحات کو ضرور ملاحظہ کرنا چاہیے۔

قارئین کرام کے سامنے علامہ سید مصباح الحسن چشتی علیہ الرحمہ کی کتاب کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے، جس سے آپ کو ان نئے لکھاری کے طریقہ واردات اور اعتراضات کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

علامہ سید مصباح الحسن نقوی چشتی علیہ الرحمہ پہلے مخالفِ صحابہ کرام کا اعتراض و اشکال نقل کرتے ہوئے

اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

معترض کا اشکال:

آپ کا ارشاد:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ سے کون لوگ مراد ہیں:

یہ کہ:

''حرمت صحابیت سے بالکل پہلوتہی کر کے نص قرآنی ''لا یستوی ... الآیہ'' سے بھی بے پرواہی کی گئی''

یہ آپ کو کس عبارت سے معلوم ہوا؟ آیت شریفہ مذکورہ میں وہی حضرات مراد ہیں جو صلح حدیبیہ میں تھے نہ کہ فتح مکہ کے بعد والے

علامہ محمد بن جریر طبری اپنی تفسیر جامع البیان میں اسی آیت شریفہ کی تفسیر کے تحت میں لکھتے ہیں :

> و اولیٰ الاقوال فی ذٰلك بالصواب عندی ان یقال معنیٰ ذلك لا یستوی منکم ایها الناس من انفق فی سبیل الله من قبل فتح الحدیبیة. للذی ذکرنا من الخبر عن رسول الله صلی الله علیه و سلم الذی رویناه عن ابی سعید الخدری عنه و قاتل المشرکین ممن انفق بعد ذلك و قاتل و ترك ذکر من انفق بعد ذلك . و قاتل استغناء بدلالة الکلام الذی ذکر علیه من ذکره اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا یقول تعالیٰ ذکره :هولاء الذین انفقوا فی سبیل الله من قبل فتح الحدیبیة.و قاتلوا المشرکین اعظم درجة فی الجنة عند الله من الذین انفقوا من بعد ذلك و قاتلوا۔

(جامع البیان المعروف بہ تفسیر طبری : 7/222 مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اسی کے قریب قریب صاحب تفسیر روح المعانی نے بھی لکھا ہے، بلکہ اس میں زائد تفصیل ہے، اسی آیت کریمہ کی تشریح میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رسالہ ''السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل'' میں بعد مختصر تمہید کے تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''پس بایں اعتبار کسانے کہ قبل از ہجرت باعمال اسلام قیام نمودہ اند افضل باشند از من بعد خود مثل ابوبکر، و عمر، و عثمان، و علی، و حمزہ، و جعفر، و

عثمان بن مظعون، و طلحہ، و زبیر، و مصعب بن عمیر، و عبد الرحمٰن بن عوف، و عبد اللہ بن مسعود، و سعید بن زید، و زید بن حارثہ، و ابو عبیدہ بن الجراح، و بلال، و سعد ابن ابی وقاص، و عمار بن یاسر، و ابو سلمہ بن ارشد، و عبد اللہ بن جحش و غیرہم من احزابہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بعد ازاں اہل عقبہ، باز اہل بدر، باز اہل مشاہد مشہداً بعد مشہد تا آں کہ بصلح حدیبیہ رسید، زیرا کہ انزال سکینہ و صفاے قلوب و خلوص نیات حاضران آں واقع منصوص بنص قرآنی است. قال اللہ تعالیٰ و تقدس: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ (پارہ ۲۶ سورۂ فتح آیت: ۱۸) اما بعد ازاں بالقطع ہیچ مشہد نیست کہ مدار فضل تواند بود زیرا کہ در ہر مشہد جماعت از منافقین و ارباب اغراض فاسدۂ دنیوی نیز شریک بودہ اند۔ قال اللہ تعالیٰ و تقدس: وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔

(السراج الجلیل فی مسئلۃ التفضیل ص 7 مطبع انصاری، دہلی 1310ھ)

نص مذکورہ بالا میں تمام صحابۂ کرام سے جو وعدۂ حسنیٰ بعد علم تفصیلی ان کے اعمال کے فرمایا گیا ہے اس سے مراد وہی صلح حدیبیہ تک کے لوگ ہو سکتے ہیں نہ مابعد کے، جیسا کہ کلام حضرت شاہ صاحب سے واضح ہوتا ہے۔ اسی آیت کریمہ میں بعد وعدۂ حسنیٰ کے ارشاد ہوتا ہے "واللہ بما تعملون خبیر" صاحب تفسیر روح المعانی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

> عالم بظاهره و باطنه و يجازيكم علىٰ حسبه فالكلام وعد و وعيد و فى الآيات من الدلالة علىٰ فضل السابقين المهاجرين و الانصار مالا يخفىٰ و المراد بهم المومنون المنفقون المقاتلون قبل فتح مكة او قبل الحديبية بناء على الخلاف السابق۔
>
> (تفسیر روح المعانی: 27/173، دار احیاء التراث العربی، لبنان بیروت)

ان سب عبارات سے تو یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کل حضرات صحابۂ کرام کے فضائل یکساں ہیں۔

(بوارق العذاب لاعداء الاصحاب ص 108)

اس اشکال کا جواب علامہ سید شاہ مصباح الحسن نقوی چشتی علیہ الرحمہ علمی انداز میں دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لَا یَسْتَوِی مِنْکُم ………… میں مبحوث عنه.

جناب کاارشاد:

"آیت شریفہ مذکورہ میں وہی حضرات مراد ہیں جوصلح حدیبیہ میں تھے نہ کہ فتح مکہ کے بعد والے"

بندہ نواز! یاد رکھیے گا یہ دوسری مناظرانہ چال ہے آیت شریفہ میں میرا مجوث عنہ آیت کا یہ حصہ ہے۔ "وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی" کہ میرے خط کے یہ الفاظ:

"حالانکہ نص مذکورۂ بالا میں تمام صحابہ کرام سے وعدۂ حسنیٰ بعد علم تفصیلی ان کے اعمال کے فرمایا گیا"۔

اس مبحث کو متعین کر دیتے ہیں، چونکہ یہ مبحث جناب کو مضر ہے لہٰذا اس سے اعراض فرما کر بحث کو صرف "مکہ و حدیبیہ" میں محصور کر رہے ہیں، اگر چہ حدیبیہ میرے لیے کوئی مضر نہیں، کہ بعد فتح، مکہ والے بھی بعد حدیبیہ میں داخل ہیں، لیکن بپاس خاطر جناب اس کے متعلق بھی کچھ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں: تفسیر کبیر میں ہے:

المراد بهذا الفتح فتح مكة لان اطلاق لفظ الفتح فی المتعارف ينصرف اليه.

(تفسیر کبیر 29 : /219 سورۂ حدید، تحت لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل)

ترجمہ: اس فتح سے فتح مکہ مراد ہے کیوں کہ عرف میں مطلق فتح سے وہی مراد لی جاتی ہے۔

تفسیر ابوسعود میں ہے: الفتح فتح مكة، ترجمہ: فتح سے فتح مکہ مراد ہے۔

(تفسیر ابوسعود :8 /206، سورۂ حدید، تحت آیت لا یستوی منکم، بیروت، لبنان)

تفسیر حسینی میں ہے:

"من قبل الفتح" "پیش از فتح مکہ (تفسیر حسینی ص 311، مطبع احمدی) ترجمہ: فتح مکہ سے پہلے۔

تفسیر مدارک میں ہے:

:من قبل الفتح و قاتل ای فتح مكة. ترجمہ: فتح سے پہلے اور قتال کیا یعنی فتح مکہ

(تفسیر مدارک 4 : /224 پارہ 27، سورہ حدید، ابنائے مولوی غلام رسول سورتی،)

تفسیر جلالین میں ہے: من قبل الفتح لمكة، ترجمہ: فتح مکہ سے پہلے۔

(تفسیر جلالین ص 449، پارہ 27 سورہ حدید، مجلس برکات 2006ء)

ترجمان القرآن اردو میں ہے: فتح سے مراد فتح مکہ ہے، جمہور و اکثر مفسرین اسی کے قائل ہیں۔

(ترجمان القرآن، جز 14، ص 17 مطبع مفید عام آگرہ، 1316ھ)

تفسیر فتح البیان عربی میں ہے :

ای فتح مکۃ و بہ قال اکثر المفسرین. ترجمہ : یعنی فتح مکہ یہی اکثر مفسرین نے کہا ہے۔
(فتح البیان، از صدیق حسن قنوجی 13 : / 401، سورۃ حدید، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

تفسیر کلیمی میں ہے:

ای فتح مکۃ "تم میں سے فتح مکہ سے پہلے"۔ (تفسیر کلیمی، ص ۴۳۲، مطبع احباب قرآنی)

ترجمہ شاہ رفیع الدین: "من قبل الفتح "پہلے فتح مکہ سے
ترجمہ شاہ عبد القادر : "پہلے فتح مکہ سے"
ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد: "جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے"
ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی: "جو لوگ فتح مکہ سے پہلے"
ترجمہ مرزا حیرت دہلوی : "تم میں سے فتح مکہ سے پہلے"
ترجمہ مولوی محمود الحسن دیوبندی: "جس نے کہ خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے"

تفسیر روح المعانی میں ہے:

المراد بھم المومنون المنفقون المقاتلون قبل فتح المکۃ او قبل الحدیبیۃ بناءً علی الخلاف السابق.

(روح المعانی 27 : / 173، سورۃ حدید، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان)

ترجمہ : ان سے مراد وہ مومنین ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے یا (اختلاف سابق کی بنا پر) حدیبیہ سے پہلے اپنا مال خرچ کیا اور اس کی راہ میں جہاد کیا ۔

تفسیر طبری :

و اولی الاقوال فی ذلک بالصواب عندی ترجمہ : میرے نزدیک عمدہ اور صحیح قول یہ ہے
(تفسیر طبری 7 : / 222، سورۃ حدید، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1994ء)

توضیح : یہ ثابت کرتا ہے کہ ایک قول فتح مکہ بھی ہے۔

ازالۃ الخفا میں ہے: "ظاہر از فتح، فتح مکہ است" بظاہر فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔
(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء 2 : / 278 فصل ششم بابت سورۃ حدید، قدیمی کتب خانہ)

ملاحظہ فرمائیے! کہ جناب کے یہ مختتم الفاظ:

"وہی حضرات مراد ہیں جو صلح حدیبیہ میں تھے"

اور مفسرین کی یہ اکثریت، کس قدر طرفہ لطیفہ ہے یہی تو جناب کے بھائی صاحب نے بھی کیا ہے کہ جمہور کو چھوڑ کر ہر جگہ تقریباً شذوذ و نوادرات سے ہی کام لیا ہے

موصوف کا ارشاد:

"علامہ محمد بن جریر طبری اپنی تفسیر جامع البیان میں اسی آیت شریفہ کی تفسیر کے تحت میں لکھتے ہیں:

واولی الاقوال فی ذٰلك بالصواب عندی ان یقال معنیٰ ذلك: لا یستوی منکم ایها الناس من انفق فی سبیل الله من قبل فتح الحدیبیة للذی ذکرنا من الخبر عن رسول الله صلی الله علیه و سلم الذی رویناه عن ابی سعید الخدری عنه. و قاتل المشرکین، بمن انفق بعد ذلك و قاتل، و ترك ذکر من انفق بعد ذلك و قاتل استغناء بدلالة الکلام الذی ذکر علیه من ذکره اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا۔

(طبری 24: / 176 سورۃ حدید، آیت 10، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ترجمہ: میرے نزدیک عمدہ اور صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کے یہ معنی کیے جائیں: "اے لوگو! تم میں سے وہ شخص جس نے فتح حدیبیہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور مشرکین سے قتال کیا، وہ برابر نہیں اس شخص کے جس نے فتح حدیبیہ کے بعد خرچ کیا اور مشرکین سے قتال کیا، (یہ تفسیر) اس حدیث کی بنیاد پر ہے جسے ہم نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کلام مذکور کی دلالت نے بعد میں خرچ کرنے والے اور قتال کرنے والے کا حکم ظاہر کرنے سے بے نیاز کر دیا، اسی بنا پر ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا یہ لوگ (یعنی فتح حدیبیہ سے پہلے خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے) بڑے درجہ والے ہیں ان سے جنہوں نے فتح حدیبیہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا۔

جناب والا! یہ بالا بالا نہ جائیے، بلکہ حدیبیہ و مکہ سے نکل کر "وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" پر آجائیے، اور دیکھیے کہ تمام مفسرین و مترجمین نے اس "کل" کو محیط بر ما قبل و ما بعد کیا ہے، نہ محصور ما قبل حدیبیہ یا ما قبل مکہ میں، جیسا کہ جناب والا رحمت الٰہی میں بخل فرما رہے ہیں ما یفتح الله للناس من رحمة فلا ممسك لها "وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" کے مختلف تراجم ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ شاہ عبدالقادر: ''اور ہر ایک کو وعدہ دیا اللہ نے اچھا''

ترجمہ شاہ رفیع الدین: ''اور ہر ایک کو وعدہ دیا اللہ نے اچھا''

ترجمہ مولوی اشرفعلی تھانوی: ''اور اللہ تعالیٰ نے بھلائی یعنی ثواب کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے''

ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد: ''اور یوں حسن سلوک کا وعدہ تو اللہ نے سب ہی سے کر رکھا ہے''

ترجمہ مولوی محمود الحسن دیوبندی: ''اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا''

ترجمہ مرزا حیرت دہلوی: ''اور ان دونوں فریق میں ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے''

تفسیر کلیمی: و کلا من الفریقین وعد اللہ الحسنیٰ ای الجنۃ۔

(تفسیر کلیمی ص 432 مطبع احباب قرآنی)

ترجمہ فریقین میں ہر ایک سے اللہ نے خوبی یعنی جنت کا وعدہ کیا۔

تفسیر فتح البیان عربی صدیق حسن خاں:

و کلا ای کل واحد من الفریقین وعد اللہ المثوبۃ الحسنیٰ و ھی الجنۃ مع تفاوت درجاتھم فیھا (فتح البیان 13: /403، سورۃ حدید، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

ترجمہ: فریقین میں ہر ایک سے بقدر مراتب جزائے خیر یعنی جنت کا وعدہ کیا۔

ترجمان القرآن اردو، صدیق حسن خاں: ''وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى''

یعنی ہر ایک کو خرچ کرنے والوں میں قبل و بعد فتح کے وعدہ دیا اللہ نے ثواب نیک کا سب کے لیے ثواب ہے۔ (ترجمان القرآن جز ۱۴: / 18 مطبع مفید عام آگرہ، 1316ھ)

تفسیر جلالین: و کلا من الفریقین وعد اللہ الحسنیٰ الجنۃ

ترجمہ: فریقین میں ہر ایک سے اللہ نے خوبی یعنی جنت کا وعدہ کیا۔

(تفسیر جلالین ص 449، پارہ 27، سورہ الحدید، مجلس برکات 2006ء)

تفسیر مدارک: و کلا ای کل احد من الفریقین وعد اللہ الحسنیٰ المثوبۃ الحسنیٰ و ھی الجنۃ

ترجمہ: فریقین میں ہر ایک سے اللہ نے جزائے خیر یعنی جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔

(تفسیر مدارک جز4 / 224، پارہ 27، سورہ الحدید، ابنائے مولوی غلام رسول سورتی)

تفسیر کبیر:

و کل واحد من الفریقین وعد اللہ الحسنیٰ ای المثوبۃ الحسنیٰ و ھی الجنۃ مع تفاوت الدرجات۔

ترجمہ: فریقین میں ہر ایک سے اللہ نے بقدر مراتب بھلائی اور جزائے خیر یعنی جنت کا وعدہ کرلیا ہے۔ (تفسیر کبیر 29 : / 220، سورۃ حدید، دار الفکر لبنان بیروت، 1981ء)

تفسیر ابو سعود:

و کلا ای و کل واحد من الفریقین وعد اللہ الحسنیٰ ای المثوبۃ الحسنیٰ و ھی الجنۃ لا الاولین فقط۔

ترجمہ: قبل فتح اور بعد فتح والے دونوں فریق میں سے ہر ایک سے اللہ نے بھلائی یعنی جزائے خیر کا وعدہ کرلیا ہے، اور وہ جنت ہے، نہ کہ صرف قبل فتح والوں سے۔

(تفسیر ابو سعود :8 /206، سورۃ حدید، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان)

تفسیر روح المعانی:

وکلا ای کل واحد من الفریقین لا الاولین فقط وعد اللہ الحسنیٰ ای المثوبۃ الحسنیٰ وھی الجنۃ۔

ترجمہ: قبل فتح اور بعد فتح والے دونوں فریق میں سے ہر ایک سے اللہ نے بھلائی یعنی جزائے خیر کا وعدہ کرلیا ہے، اور وہ جنت ہے، نہ کہ صرف قبل فتح والوں سے

(روح المعانی 27 : / 172، سورۃ حدید، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان)

تفسیر جامع البیان فی تاویل القرآن:

اسی کے متصل جہاں سے جناب نے اپنے مضر سمجھ کر چھوڑا ہے:

و کلا وعد اللہ الحسنیٰ یقول تعالیٰ ذکرہ و کل ھٰؤلاء الذین انفقوا من قبل الفتح و قاتلوا و الذین انفقوا من بعد و قاتلوا وعد اللہ الجنۃ بانفاقھم فی سبیلہ و قتالھم اعدائہ و بنحو الذی قلنا فی ذلک قال اھل التاویل ذکر من قال ذلک: حدثنی ابن عمر و قال حدثنا ابو عاصم قال حدثنا عیسیٰ و حدثنی

الحارث قال حدثنا الحسن قال حدثنا ورقاء جمیعاً عن ابن ابی نجیح عن مجاهد من الذین انفقوا و آمنوا و کلا وعد الله الحسنیٰ قال الجنة حدثنا بشر قال حدثنا یزید قال حدثنا سعید عن قتادة و کلا وعد الله الحسنیٰ قال الجنة

ترجمہ: ''اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کرلیا ہے''، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (اس کا ذکر ہمیشہ بلند رہے) کہ: یہ تمام لوگ جنہوں نے فتح سے پہلے خدا کی راہ میں جان و مال خرچ کیا اور وہ لوگ جنہوں نے فتح کے بعد جان و مال خرچ کیا ان سب سے اللہ نے ان کی طرف سے مال خرچ کرنے اور کفار سے جہاد کرنے کے عوض جنت کا وعدہ کرلیا ہے، اس آیت کریمہ کی جو تفسیر میں نے کی ہے وہی دیگر مفسرین بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی کی مؤید مجھ سے روایت کی ابن عمر نے، ان سے ابوعاصم نے، ان سے عیسیٰ نے، ان سے حارث نے، ان سے حسن نے، ان سے ورقاء نے ان سب نے ابی نجیح سے، انہوں نے مجاہد سے پوچھا کہ: اس آیت کریمہ میں حسنیٰ سے کیا مراد ہے؟ جواب میں فرمایا: جنت، نیز مجھ سے روایت کی بشر نے، ان سے یزید نے، ان سے سعید نے کہ میں نے قتادہ سے پوچھا کہ آیت کریمہ میں حسنیٰ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: جنت۔

(جامع البیان فی تاویل القرآن 24: / 177 مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت مطبوعہ 1420ھ/ 2000ء)

اسی کے قریب قریب صاحب تفسیر روح المعانی نے بھی لکھا ہے، بلکہ اس میں زائد تفصیل ہے''

جی ہاں! میں نے بھی اسے دیکھا ہے اور اپنے مضر اس میں کچھ نہیں پایا، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، میرے محبوث عنہ یہ الفاظ موجود ہیں

ای کل واحد من الفریقین لا الاولین فقط وعد الله الحسنیٰ ای المثوبة الحسنیٰ و هی الجنة"

اسی آیت کی تشریح میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رسالہ ''السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل ''میں بعد مختصر تمہید کے تحریر فرماتے ہیں:

''پس بایں اعتبار کسانے کہ قبل از ہجرت باعمال اسلام قیام نمودہ اند افضل باشند از من بعد خود مثل ابوبکر، وعمر، وعثمان، وعلی، وحمزہ، وجعفر، وعثمان بن مظعون، وطلحہ، وزبیر، ومصعب بن عمیر، و عبدالرحمٰن بن عوف، وعبداللہ بن مسعود، وسعید بن زید، وزید بن حارثہ، وابوعبیدہ بن الجراح، و

بلال، وسعد ابن ابی وقاص، وعمار بن یاسر، وابوسلمہ بن ارشد، وعبد اللہ بن جحش وغیرہم من احزابہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بعد ازاں اہل عقبہ، باز اہل بدر، باز اہل مشاہد مشہداً بعد مشہد تا آں کہ نوبت بصلح حدیبیہ رسید، زیرا کہ انزال سکینہ وصفاے قلوب وخلوص نیات حاضران آن واقع منصوص بنص قرآنی است. قال اللہ تعالیٰ و تقدس:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ.

(پارہ ۲۶: سورۂ فتح، آیت ۱۸ :)

امابعد ازاں بالقطع ہیچ مشہد نیست کہ مدار فضل تواند بود، زیرا کہ در ہر مشہد جماعت از منافقین و ارباب اغراض فاسدۂ دنیوی نیز شریک بودہ اند۔ قال اللہ تعالیٰ و تقدس:

وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ قف لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ. (پارہ ۱۰ : سورۂ توبہ آیت ۱۰۱ :)

ترجمہ: لہٰذا اس اعتبار سے ہجرت سے پہلے جو حضرات احکام اسلامی بجالائے ہیں وہ اپنے بعد والوں سے افضل ہوں گے مثلاً ابوبکر، وعمر، وعثمان، وعلی، وحمزہ، وجعفر، وعثمان بن مظعون، وطلحہ، و زبیر، ومصعب بن عمیر، وعبد الرحمٰن بن عوف، وعبد اللہ بن مسعود، وسعید بن زید، وزید بن حارثہ، و ابوعبیدہ بن الجراح، و بلال، وسعد ابن ابی وقاص، وعمار بن یاسر، وابوسلمہ بن ارشد، وعبد اللہ بن جحش اور ان کے علاوہ ان کی صف کے دیگر صحابۂ کرام اجمعین۔ اس کے بعد عقبہ والے، پھر بدر والے۔ پھر بالترتیب صلح حدیبیہ تک دیگر معرکوں والے۔ اس لیے کہ صلح حدیبیہ والوں کی نیتوں کا خلوص، قلبوں کی صفائی نیز ان پر رحمت خداوندی کا نزول قرآن پاک سے ثابت ہے، حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا:

"بیشک اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے، تو جو ان کے دلوں میں تھا اللہ نے معلوم کرلیا، تو اللہ نے ان کے دلوں پر خاص تسکین نازل فرمائی اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا"

اس کے بعد کوئی ایسی قطعی رزمگاہ نہیں جس پر بزرگی کا دارومدار ہو، کیوں کہ پھر ہر معرکہ میں منافقوں اور فاسد الاغراض دنیاداروں کی ٹولیاں بھی شریک ہوگئی تھیں، حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا:

لوگ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں۔"

(السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل ص 7، مطبع انصاری)

بندہ نواز! یہ مناظرانہ چالیں کب تک؟ میرا مبحوث عنہ "من قبل الفتح و من بعد الفتح" دو گروہ ہیں، اور دونوں سے خدا کا وعدۂ حسنیٰ ناطق، شاہ صاحب مبحث تفضیل میں "لا یستوی" اور "اعظم درجۃ" سے بحث فرما رہے ہیں، "من بعد الفتح" نہ ان کے مبحوث عنہ ہیں نہ انہوں نے ان کا کوئی ذکر کیا میں بھی یہی کہتا ہوں کہ ترتیب افضیلت یہی ہے جو شاہ صاحب نے فرمائی، لیکن مابعد کی فضیلت صحبت و ثواب، انفاق و جہاد کا کون قادح ہے جس کا وعدہ خدا نے فرمایا؟

بہر حال شاہ صاحب نہ میرے مبحوث عنہ سے بحث کر رہے ہیں، نہ میرے لیے ان کی تحریر مضر ہے، جناب طبع زاد طریقہ پر جو چاہیں تصور فرماتے رہیں ذرا "تحفہ اثنا عشریہ" کا "طعن سوم" ملاحظہ فرمالیجیے گا جو اس خط میں بجواب حدیث بخاری مکتوب ہوگا، جس میں "و کلا وعد الله الحسنیٰ" کو شامل جمیع صحابۂ کرام فرمایا ہے، وھو المقصود۔

تحریف قرآنی کی جرأت

آپ کا ارشاد :

"نص مذکورہ بالا میں تمام صحابہ کرام سے جو وعدۂ حسنیٰ بعد علم تفصیلی ان کے اعمال کے فرمایا گیا ہے اس سے مراد وہی "صلح حدیبیہ" تک کے لوگ ہو سکتے ہیں نہ مابعد کے، جیسا کہ کلام حضرت شاہ صاحب سے واضح ہوتا ہے"

سبحان اللہ! اس لفظ "نہ مابعد کو" تحریر فرما کر جناب نے تحریف قرآنی کی بھی جرأت فرمادی کہ کلام مجید کے لفظ "من بعد" کو مہمل و بے کار بنا دیا معلوم نہیں کلام مجید میں قطع و برید کا اختیار کس دربار سے حاصل فرمایا گیا؟

گستاخی معاف! جہاں جرأت اس حد پر ہو کہ کلام مجید کے صریح الفاظ، ظاہر الدلالات سے گریز میں عار و باک نہ ہو وہاں صحابۂ کرام کس شمار میں آسکتے ہیں رہا شاہ صاحب کا ارشاد وہ "طعن سوم" کے تحت ملاحظہ فرمالیجیے۔

آپ کا ارشاد :

"اسی آیت کریمہ میں بعد وعدۂ حسنیٰ کے ارشاد ہوتا ہے" واللہ بما تعملون خبیر "صاحب تفسیر روح المعانی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :

عالم بظاهره و باطنه و یجازیکم علیٰ حسبه. فالکلام وعد و وعید و فی الآیات من الدلالة علیٰ فضل السابقین المهاجرین و الانصار مالا یخفیٰ. والمراد بهم المومنون المنفقون المقاتلون قبل فتح المکة أو قبل الحدیبیة بناءً علیٰ الخلاف السابق. (روح المعانی 27/173، سورۂ حدید، بیروت)

ترجمہ : خدائے تعالیٰ ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے اور اپنے علم کے مطابق تمہیں جزاء دے گا لہٰذا یہ کلام وعدہ بھی ہے اور وعید بھی، اور آیات سے سابقین مہاجرین اور انصار کی فضیلت صاف ظاہر ہے اور ان سے مراد فتح مکہ سے پہلے قتال کرنے والے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے مومنین ہیں یا اختلاف سابق کی بنا پر، حدیبیہ سے پہلے خرچ کرنے اور قتال کرنے والے

میرے لیے یہ عبارت کیا مضر ہے، اور میرے مبحوث عنہ کی کیا قادح ہے؟ جبکہ انہیں صاحب روح المعانی کا قول دو مرتبہ پیش کر چکا ہوں، سہ بار پھر پڑھ لیجیے:

ای کل واحد من الفریقین لا الاولین فقط وعد الله الحسنیٰ ای المثوبة الحسنیٰ وهی الجنة. (روح المعانی 27 :/172، سورۂ حدید، بیروت)

آپ کا ارشاد :

"ان سب عبارتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل حضرات صحابہ کرام کے فضائل یکساں ہیں"

نہ میں نے دعوائے یکسانیت کیا تھا اور نہ آیت میں ذکر یکسانیت ہے، یہ جناب نے کہاں سے اخذ فرمایا؟۔ لیکن "اعظم" کے بعد درجہ "عظیم" ہے نہ "ذلیل" اور وعدۂ حسنیٰ سے مراد باتفاق مفسرین "جنت ہے" بہ حسب تفاوت درجات، نہ "دوزخ" یا "اعراف"۔ انتھی (بوارق العذاب لاعداء الاصحاب ص 153,148)

علامہ سید مصباح الحسن چشتی علیہ الرحمہ کی اس تحریر کے بعد کسی طرح کے تبصرہ کے کوئی اہمیت نہیں اور نہ کسی طرح کا اشکال رہتا ہے نام نہاد لکھاری لوگوں کے دھوکے دینے کی یہ عادت قدیم ہے فتح سے مراد مکہ ہو یا حدیبیہ، استدلال پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے فتح سے مراد فتح مکہ یا فتح حدیبیہ پر بحث ہی فضول ہے مگر کیونکہ لکھاری صاحب عوام الناس کو دھوکا دینے کے ماہر ہیں اس لیے چند مزید امور پر تحقیق پیش خدمت ہے۔

ابن جریر طبری کے قول کی حقیقت

ابن جریر کا اس آیت سے فتح حدیبیہ مراد لینا اور حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو استدلال میں پیش کرنا محل نظر ضرور ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کا تبصرہ

محدث و مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وروی ابن جریر، وابن أبي حاتم، من حديث ابن وهب :أخبرنا هشام بن سعد، عن زيد بن اسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري أنه قال :خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الحديبية، حتى إذا كنا بعسفان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"يوشك أن يأتي قوم تحقرون أعمالكم مع أعمالهم" فقلنا :من هم يا رسول الله أقريش؟ قال :لا ولكن أهل اليمن، هم أرق أفئدةً وألين قلوبًا". فقلنا :أهم خير منا يا رسول الله؟ قال :"لو كان لأحدهم جبل من ذهب فأنفقه، ما أدرك مُدّ أحدكم ولا نَصيفه، ألا إن هذا فضل ما بيننا وبين الناس، { لا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ } (تفسیر الطبری 27: /127)

)وهذا الحديث غريب بهذا السياق، والذي في الصحيحين من رواية جماعة، عن عطاء بن يسار عن أبي سعيد -ذكر الخوارج- :"تحقرون صلاتكم مع صلاتهم، وصيامكم مع صيامهم، يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية" (صحیح البخاری برقم (6931) وصحیح مسلم برقم (4601) الحديث. ولكن روى ابن جرير هذا الحديث من وجه آخر، فقال :

حدثني بن البرقي، حدثنا بن أبي مريم، أخبرنا محمد بن جعفر، أخبرني زيد بن أسلم، عن أبي سعيد التمار، عن أبي سعيد الخدري :أن رسول الله صلى الله عليه

وسلم قال :"یوشك أن یأتی قوم تحقرون أعمالكم مع أعمالهم". قلنا :من هم یارسول الله؟ قریش؟ قال :"لا ولكن أهل الیمن، لأنهم أرق أفئدة، وألین قلوبًا". وأشار بیده إلى الیمن، فقال :"هم أهل الیمن، ألا إن الإیمان یمان، والحكمة یمانیة". فقلنا :یا رسول الله، هم خیر منا؟ قال :"والذی نفسی بیده، لو كان لأحدهم جبل من ذهب ینفقه ما أدى مُدّ أحدكم ولا نصیفه". ثم جمع أصابعه ومد خنصره، وقال :"ألا إن هذا فضلُ ما بیننا وبین الناس، { لا یَسْتَوِی مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِینَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِیرٌ })
(تفسیر الطبری 17 : /127)

فهذا السیاق لیس فیه ذكر الحدیبیة فإن كان ذلك محفوظا كما تقدم، فیحتمل أنه أنزل قبل الفتح إخبارا عما بعده. كما فی قوله تعالى فی سورة "المزمل" -وهی مكیة، من أوائل ما نزل- { وَآخَرُونَ یُقَاتِلُونَ فِی سَبِیلِ اللَّهِ } الآیة (المزمل 20) فهی بشارة بما یستقبل، وهكذا هذه والله أعلم.

ابن جریر میں ہے حدیبیہ والے سال ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جب عسفان میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "ایسے لوگ بھی آئیں گے کہ تم اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلہ میں حقیر سمجھنے لگو گے" ہم نے کہا کیا قریشی؟ فرمایا : "نہیں بلکہ یمنی نہایت نرم دل نہایت خوش اخلاق سادہ مزاج" ہم نے کہا : یارسول اللہ! پھر کیا وہ ہم سے بہتر ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا بھی ہو اور وہ اسے راہ اللہ خرچ کرے تو تم میں سے ایک کے تین پاؤ بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کی خیرات کو بھی نہیں پہنچ سکتا یاد رکھو کہ ہم میں اور دوسرے تمام لوگوں میں یہی فرق ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت »لَا یَسْتَوِی مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ« کی تلاوت کی (تفسیر ابن جریر الطبری 11: /674) لیکن یہ روایت غریب ہے۔

بخاری و مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں خارجیوں کے ذکر میں ہے کہ تم اپنی نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلہ اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ پر حقیر اور کمتر

شمار کرو گے وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے۔ (صحیح مسلم 1064)
ابن جریر میں ہے عنقریب ایک قوم آئے گی کہ تم اپنے اعمال کو کمتر سمجھنے لگو گے جب ان کے اعمال کے سامنے رکھو گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیا وہ قریشیوں میں سے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں وہ سادہ مزاج نرم دل یہاں والے ہیں" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا پھر فرمایا: "وہ یمنی لوگ ہیں ایمان تو یمن والوں کا ایمان ہے اور حکمت یمن والوں کی حکمت ہے" ہم نے پوچھا: کیا وہ ہم سے بھی افضل ہوں گے؟ فرمایا: "اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ان میں سے کسی کے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور اسے وہ راہ اللہ دے ڈالے تو بھی تمہارے ایک مد یا آدھے مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں تو بند کر لیں اور چھنگلیا کو دراز کر کے فرمایا: "خبردار رہو یہ ہے فرق ہم میں اور دوسرے لوگوں میں" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی پس اس حدیث میں حدیبیہ کا ذکر نہیں۔

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے فتح مکہ سے پہلے ہی فتح مکہ کے بعد کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی ہو، جیسے کہ سورۃ مزمل میں جو ان ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ شریف میں نازل ہوئی تھیں پروردگار نے خبر دی تھی کہ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (المزمل 20) یعنی "کچھ اور لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں" پس جس طرح اس آیت میں ایک آنے والے واقعہ کا تذکرہ ہے اسی طرح اس آیت کو اور حدیث کو بھی سمجھ لیا جائے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ (تفسیر ابن کثیر 8: /13،12)

* * *

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت کی فنی حیثیت

ابن جریر طبری نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے قول کو جس سند سے نقل کیا وہ ملاحظہ کریں۔

حَدَّثَنِي يُونُسُ قَالَ :أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ :أَخْبَرَنِي هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ : ...

(جامع البیان :22 /394, تفسیر القرآن العظیم لابن اَبی حاتم10/3336 :)

جواب:

لکھاری موصوف صلح امام حسن ص312 پر اس روایت کے ایک راوی ہشام بن سعد کے تعدیل کے اقوال نقل کرنے کی کوشش کی مگر جناب اسماء الرجال سے کورے بلکہ نابلد ہیں۔

(1) حافظ ابن حجر عسقلانی سے صدوقٌ له أوهام. ورُمي بالتشيُّع کے الفاظ نقل کیے بحوالہ تقریب التہذیب ص1098

(2) امام ابو داؤد سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہشام بن سعد، زید بن اسلم سے روایت کرنے میں تمام لوگوں سے زیادہ مضبوط ہیں۔ بحوالہ تہذیب التہذیب :6 /641

گذارش ہے کہ امام ابو داؤد کے قول کی سند ثابت ہے یا کہ نہیں قطع نظر اس نکتہ کہ موصوف کو یہ معلوم نہیں کہ ہشام بن سعد کا زید بن اسلم سے روایت کرنے میں مضبوطی کا تعلق تعدیل نسبتی ہے یعنی زید بن اسلم کے دیگر شاگردوں میں اگر اختلاف ہو تو ترجیح ہشام بن سعد کو ہی ہوگی، مگر اس روایت میں اختلاف کا معاملہ ہی نہیں اس لیے مطلقاً توثیق سمجھنا مردود ہے۔

موصوف نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے مطلقا صدوق کے الفاظ نقل کیے مگر ابن حجر عسقلانی کی دیگر کتابوں سے منہج کا عوام الناس کو آگاہ نہ کیا تا کہ اس راوی کی حقیقت واضح نہ ہو سکے۔

(1)صدوق وقد تكلموا في حفظه.

سچا ہے مگر اس کے حافظہ کے بارے میں کلام ہے۔ (التلخیص الحبیر 2 : /421)

(2)صدوق في حفظه شيء سچا ہے مگر حفظ میں خرابی ہے۔ (الماعون246)

(3)صدوق فيه مقال من جهة حفظه.

سچا ہے مگر اس میں کمزوری اس کے حافظہ کی جہت سے ہے۔ (فتح الباری3 : /295)

(4)صدوق سيء الحفظ.	سچا اور خراب حافظہ والا۔	(فتح الباری10: /184)
(5)مختلف فيه.	یہ راوی مختلف فیہ ہے۔	(فتح الباری2: /583)
(6)فيه ضعف	اس میں ضعف ہے۔	(فتح الباری9 : /383)
(7)فيه لين.	اس میں کمزوری ہے۔	(مختصر البزار2 : /39)
(8)فيه مقال	اس میں کمزوری ہے۔	(فتح الباری6 : /541)
(9)لا يحتج بما تفرد به.	جب یہ منفرد ہو تو اس سے احتجاج نہیں کیا جائے گا۔	(فتح الباری1 : /241)
(10)غير ضابط	وہ ضابط نہیں ہے۔	(الهدی359 :)
(11)لين الحديث	یہ حدیث میں نرم ہے۔	(التلخیص الحبیر2 : /102)

اگر موصوف کو ابن حجر عسقلانی کی دیگر کتب کا معلوم نہیں تو انہوں نے جس محققین کی کتاب سے استفادہ کیا ہے، ان کی ایک عبارت ان کے سامنے پیش کرتے ہیں تا کہ ان کی اپنی آنکھیں بھی کھل سکیں۔

عرب محققین شعیب الارنووط اور دکتور بشار العواد ابن حجر عسقلانی کا قول نقل کرنے کے بعد اس بارے میں لکھتے ہیں۔

بل: ضعيفٌ يُعتبر به في المتابعات والشواهد، فقد ضعّفه يحيى بن سعيد القطان، وأحمد بن حنبل، وابن معين، والنسائي، وابن سعد، وابن حبان، وابن عبد البر، ويعقوب بن سفيان، وقال أبو حاتم: يكتب حديثه ولا يحتج به، وقال أبو زرعة: شيخ محله الصدق، وقال في موضع آخر: واهي الحديث. وقال العجلي: جائز الحديث، حسن الحديث.

ترجمہ: بلکہ ہشام بن سعد ضعیف ہے اس کا اعتبار متابعات اور شواہدات میں کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کو ضعیف یحیٰی بن سعید القطان، امام احمد بن حنبل، ابن معین، امام نسائی، ابن سعد، ابن حبان، ابن عبدالبر، یعقوب بن سفیان فسوی نے کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ اس کی حدیث لکھی جائے گی مگر احتجاج نہیں کیا جا سکتا، اور ابو زرعہ الرازی نے کہا کہ شیخ کا مقام صدق ہے اور ایک دوسرے مقام پر اس کو واہی الحدیث کہا، امام عجلی (متساہل) نے جائز الحدیث حسن الحدیث کہا۔ (تحریر تقریب التہذیب4: /39)

سورۃ الفتح کی تفسیر میں امام شعبی کے قول سے استدلال

عجب طرفہ تماشہ ہے کہ فتح مکہ کو فتح حدیبیہ ثابت کرنے کے لیے لکھاری نے چالاکی دکھاتے ہوئے صلح امام حسن ص 313 پر سورت فتح کی آیت إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُبِينًا (الفتح 1) کی تفسیر میں امام شعبی سے مروی مرفوع روایت بغیر سند نقل کیا۔

> وَأخرج عبد بن حميد عَن عَامر الشّعبِيّ رَضِي الله عَنهُ أَن رجلا سَأَل النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَوْم الْحُدَيْبِيَة :أفتح هٰذَا قَالَ :وأنزلت عَلَيْهِ {إِنَّا فتحنا لَك فتحا مُبينًا} فَقَالَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم :نعم عَظِيم قَالَ :وَكَانَ فصل مَا بَين الهجرتين فتح الْحُدَيْبِيَة قَالَ :{لَا يَسْتَوِي مِنْكُم من أنْفق من قبل الْفَتْح وَقَاتل} (الْحَدِيد 10) الْآيَة۔

ترجمہ: حضرت عامر شعبی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیبیہ کے دن دریافت کیا: کیا یہ فتح ہے؟ راوی کہتے ہیں اور آپ پر آیت إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُبِيناً نازل کی گئی تھی، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں عظیم فتح ہے فرمایا: وہ دو ہجرتوں کے درمیان فرق حدیبیہ کی فتح ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: لَا يَسْتَوِي مِنْكُم من أنْفق من قبل الْفَتْح وَقَاتل۔ (الدر المنثور 7 : /510)

اگر موصوف لکھاری اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس کی استنادی حیثیت کو عوام الناس کے سامنے پیش کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا بہر حال ایسی بے سند اور مرسل روایت سے استدلال مردود ہے۔

اس ضعیف روایت کو پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس میں سورہ الفتح کے پس منظر میں سورۃ الحدید کی آیت پیش کی گئی تھی اور جس سے موصوف کا مطلب نکلتا تھا کہ سورۃ الحدید بھی صلح حدیبیہ سے قبل نازل ہوئی، اور سورۃ الفتح پر فتح حدیبیہ کا اطلاق ثابت کرنے کے بعد یہ آسان ہو جاتا ہے کہ سورۃ الحدید کا تعلق بھی فتح حدیبیہ سے ہی ہے اور فتح حدیبیہ کے بارے میں متعدد روایات موجود ہیں، جس سے یہ ثابت کرنا آسان ہو جائے گا کہ فتح سے مراد فتح حدیبیہ ہی ہے مگر یہ طریقہ واردات مردود اور باطل ہے مزید یہ کہ اگر اس سے مراد فتح حدیبیہ لے بھی لی جائے تو ہمارے موقف پر تو کوئی زد نہیں اور نہ ہمارے خلاف ہے فتح حدیبیہ سے قبل اور فتح حدیبیہ کے بعد کے تمام صحابہ کرام سے حسنیٰ کا وعدہ ہے اس لیے فتح مکہ اور فتح حدیبیہ کی بحث ہی خلط مبحث ہے۔

ابن حیان کے قول سے دھوکا

بعض دھوکے باز قسم کے لکھاری نے سورۃ الحدید آیت نمبر 10 میں فتح سے مراد کیا ہے؟ بیان کرنے کی بجائے، سورت الفتح کی آیت إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُبِيناً کی تفسیر میں ابی حیان کی تفسیر البحر المحیط 8/ 89 کا حوالہ دیا کہ

> وَقَالَ الْجُمْهُورُ: هُوَ فَتْحُ الْحُدَيْبِيَةِ وَقَالَهُ: السُّدِّيُّ، وَالشَّعْبِيُّ، وَالزُّهْرِيُّ. قَالَ ابْنُ عَطِيَّةَ: وَهُوَ الصَّحِيحُ. انْتَهَى.

جمہور نے کہا: یہ فتح حدیبیہ ہے اور یہی سدی، شعبی، اور زہری کا قول ہے، ابن عطیہ نے کہا: یہی صحیح ہے۔

عرض ہے کہ ابی حیان الاندلسی نے سورۃ الحدید آیت نمبر 10 میں فتح سے کیا مراد لیا ہے ملاحظہ کریں۔

> وَالْفَتْحُ: فَتْحُ مَكَّةَ. وَهُوَ الْمَشْهُورُ. وَقَوْلُ قَتَادَةَ وَزَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ وَمُجَاهِدٍ.

اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور یہ قول مشہور ہے اور یہ قول قتادہ، زید بن اسلم اور مجاہد کا ہے۔

(البحر المحیط فی التفسیر 10 :/103)

لکھاری نے صلح امام حسن ص 314 تا 315 تک سورہ الفتح کی پہلی آیت میں تفسیر میں فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ مختلف مفسرین سے بیان کی ہے، جو کہ لکھاری صاحب کے لیے مفید نہیں اور ہمارے مدعا کے خلاف نہیں، اس لیے ایسے اقوال پیش کرنا فضول ہے۔

◆ ◆ ◆

سورۃ الحدید کا نزول فتح مکہ سے قبل یا بعد؟

اگرچہ علامہ سید مصباح الحسن چشتی علیہ الرحمہ کی تحقیق انیق کے بعد کچھ وضاحت کی ضرورت نہیں مگر چند حوالہ جات تحقیق کے لیے پیش خدمت ہیں۔

مفسر ابن جریر نے سنداً امام مجاہد، قتادہ، زید بن اسلم سے یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت کا شان نزول فتح مکہ ہے۔

(جامع البیان عن تاویل القرآن 22 : /392)

اس کے علاوہ جمہور مفسرین کے اقوال پیش خدمت ہیں۔

(۱) علامہ مظہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

لا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ ای فتح مکة فی قول اکثر المفسرین وقال الشعبی هو صلح الحديبية.

یعنی آیت میں فتح سے مراد فتح مکہ اور یہ ہی قول اکثر مفسرین کا ہے اور امام شعبی نے کہا کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ (تفسیر مظہری 9 : /190)

(2) مفسر ابوحیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَالْفَتْحُ: فَتْحُ مَكَّةَ. وَهُوَ الْمَشْهُورُ، وَقَوْلُ قَتَادَةَ وَزَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ وَمُجَاهِدٍ.

ترجمہ: یعنی فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور یہ قول مشہور ہے اور یہ قول قتادہ، زید بن اسلم اور مجاہد کا ہے۔ (البحر المحیط لابی حیان 10: /103)

(3) مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالْجُمْهُورُ على أن المراد بالفتح هاهنا فَتْحُ مَكَّةَ.

ترجمہ: یعنی جمہور اس پر ہیں کہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر 8: /46)

(4) قاضی شوکانی لکھتا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ قِيلَ: الْمُرَادُ بِالْفَتْحِ فَتْحُ مَكَّةَ. وَبِهِ قَالَ أَكْثَرُ الْمُفَسِّرِينَ. وَقَالَ الشَّعْبِيُّ وَالزُّهْرِيُّ: فَتْحُ الْحُدَيْبِيَةِ.

یعنی آیت میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور اس طرح کا قول جمہور مفسرین کا ہے، اور امام شعبی اور زہری نے کہا کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ (فتح القدیر 5 : /201)

(5) مفسر الثعلبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ يعني :فتح مكة في قول أكثر المفسرين.
یعنی آیت میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے اکثر مفسرین کے قول کے تحت۔
(الکشف والبیان عن تفسیر القرآن الثعلبی 9: /231)

(6) علامہ واحدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

{لا يستوي منكم مَنْ أنفق من قبل الفتح} يعني :فتح مكّة
آیت میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔(الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز الواحدی 1 : /1067)

(7) امام ابن ابی زمنین رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

من أنفق وقاتل قبل فتح مكة
جنہوں نے نے خرچ اور قتال فتح مکہ سے قبل کیا۔(تفسیر ابن ابی زمنین 2 : /224)

(8) امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

أكثر المفسرين على أن المراد بالفتح فتح مكة
یعنی اکثر مفسرین نے فتح سے مراد فتح مکہ لی ہے۔(الجامع الاحکام القرآن 17 : /239)

(9) محدث ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

قبل الفتح وفيه قولان أحدهما أنه فتح مكة قاله ابن عباس والجمهور والثاني أنه فتح الحديبية قاله الشعبي.
فتح سے پہلے کے معنی میں دو قول ہیں ایک فتح مکہ اور یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور جمہور کا ہے اور دوسرا قول فتح حدیبیہ ہے اور یہ قول شعبی کا ہے۔
(زاد المسیر لابن جوزی 8: /163)

(10) مفسر امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

المسألة الثانية :المراد بهذا الفتح فتح مكة.
دوسرا معاملہ یہ ہے کہ اس آیت میں فتح سے مراد، فتح مکہ ہے۔(تفسیر کبیر 29: /452)
اس آیت میں امام رازی رحمہ اللہ نے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ کریم کا وعدہ بیان کیا ہے۔

ثُمَّ قَالَ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ وَالْمَعْنَى أَنَّهُ تَعَالَى لَمَّا وَعَدَ السَّابِقِينَ

وَالْمُحْسِنِينَ بِالثَّوَابِ فَلَا بُدَّ وَأَنْ يَكُونَ عَالِمًا بِالْجُزْئِيَّاتِ، وَبِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ، حَتّٰى يُمْكِنَهُ إِيصَالُ الثَّوَابِ إِلَى المستحقين، إذا لَوْ لَمْ يَكُنْ عَالِمًا بِهِمْ وَبِأَفْعَالِهِمْ عَلَى سَبِيلِ التَّفْصِيلِ، لَمَا أَمْكَنَ الْخُرُوجُ عَنْ عُهْدَةِ الْوَعْدِ بِالتَّمَامِ، فَلِهٰذَا السَّبَبِ أَتْبَعَ ذَالِكَ الْوَعْدَ بقوله: وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ.

مفہوم اس آیت میں اللہ کا وعدہ سے مراد جو اس نے اپنے علم سے بیان کیا۔

(تفسیر کبیر 29 :/452)

حدیبیہ کی بجائے فتح مکہ کا مشہور ہونا کیوں؟

لکھاری نے صلح امام حسن ص 315 پر آیت کے شان نزول بیان کرنے والے علماء کے اقوال کو غرض مندوں کے اقوال کہہ کر فتح کو فتح مشہور کرنے والوں کا طعنہ دیا جو کہ لکھاری کے خبث باطن کو ظاہر کرتا ہے، جب علماء کے کسی استدلال کا جواب نہیں بن پڑتا تو موصوف طعن و تشنیع اور پھبتیاں کسنا شروع کر دیتے ہیں۔

موصوف لکھاری نے صلح امام حسن ص 315 پر جس طرح قدیم السلام صحابی کے قول سے استدلال فرمانے کی کوشش کی وہ ملاحظہ کریں۔

تَعُدُّونَ أَنْتُمْ الْفَتْحَ فَتْحَ مَكَّةَ وَقَدْ كَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فَتْحًا وَنَحْنُ نَعُدُّ الْفَتْحَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ فتح مکہ کو فتح سمجھتے ہو، بیشک فتح مکہ بھی ایک فتح تھی، جبکہ ہم حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کو فتح سمجھتے ہیں۔

(الجامع المسند الصحیح رقم 4150)

اس حدیث کو لکھنے کے بعد جناب صلح امام حسن ص 316 پر لکھتے ہیں۔

خدا جانے کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو کن لوگوں کے سامنے اور کیوں یہ وضاحت کرنا پڑی ہوگی کہ اصل فتح کون سی ہے۔۔۔۔انہیں یہ وضاحت اس دور میں کرنا پڑی ہوگی جب بعض طلقاء خود کو فتح مکہ کے بعد والے مجاہدین باور کراتے ہوں گے تا کہ سادہ لوگ انہیں بھی ہیرو سمجھنے پر مجبور ہوں۔۔اور دوسری دلیل حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو وہ تلخ تجربہ ہے جو

انہیں شام کی سرزمین میں حاصل ہوا، امام طبرانی عبدالرحمن بن میسرہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَيْسَرَةَ. قَالَ :مَرَّ بِالْمِقْدَادِ نَاسٌ أَوْ رَجُلٍ فَقَالَ :لَقَدْ أَفْلَحَتْ هَاتَانِ الْعَيْنَانِ. رَأَتَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَاسْتَجْمَعَ الْمِقْدَادُ غَضَبًا. وَقَالَ» :يَا أَيُّهَا النَّاسُ، « لَا تَتَمَنَّوْا أَمْرًا قَدْ غَيَّبَهُ اللهُ. فَكَمْ مَنْ قَدْ رَآهُ وَلَمْ يَنْتَفِعْ بِرُؤْيَتِهِ"

سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے قریب سے ایک شخص گذرا تو وہ کہنے لگا: ان آنکھوں نے کامیابی پائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئیں اس پر سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ نے انتہائی غضب ناک ہوئے اور فرمایا: لوگوں اس امر کی تمنامت کرو جسے اللہ نے مخفی کر رکھا ہے، بہت سے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لیکن انہوں نے آپ کے دیدار سے فائدہ نہ اٹھایا۔ (بحوالہ مسند الشامین :2/ 148، المعجم الکبیر 20 : / 258 حدیث 608)

جواب:

گذارش ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا قول، تم لوگ فتح مکہ کو فتح سمجھتے ہو، بیشک فتح مکہ بھی ایک فتح تھی، جبکہ ہم حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کو فتح سمجھتے ہیں میں کس فتح کا انکار؟ اور کس فتح کا اثبات ہے؟

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے قول میں فتح مکہ کو فتح سمجھنے کو تو غلط ہی نہیں کہا گیا اور نہ ہی فتح کو صلح حدیبیہ سے مخصوص کیا حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے تو فتح مکہ کو فتح ہی قرار دیا مگر صلح حدیبیہ کو بڑی فتح کہا جیسا کہ امام زہری سے بھی ایک قول منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

عن الزهري قال لم يكن في الإسلام فتح قبل فتح الحديبية أعظم منه.

(فتح الباری لابن حجر 7 : / 441)

اور زہری نے کہا اسلام میں فتح حدیبیہ سے قبل اس سے اتنی بڑی فتح نہیں تھی۔

معترض کا پیش کردہ قول سے تو لکھاری کا مدعا کا ثابت ہونا درکنار بلکہ اس کے موقف پر شدید کاری ضرب لگی ہے پیش کردہ روایت میں صلح حدیبیہ کو فتح عظیم اور فتح مکہ کو فتح قرار دیا گیا جبکہ اس روایت سے تو ہمارا موقف

ثابت ہوا نہ کہ معترض کا مگر کیا کیا جائے کہ جب لکھاری لوگ خود ہی عوام الناس کو دھوکا دینے کی راہ پر گامزن ہیں جس مقام پر فتح کا لفظ آیا اسے فتح حدیبیہ سے متعلق بتایا لکھاری کو بغض صحابہ میں یہ بھی نہیں معلوم کہ فتح مکہ کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح قرار دیا ہے۔

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کو فتح قرار دینا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ.

(صحیح بخاری 4 : /92رقم 3077)(صحیح مسلم 5 : /173رقم 4727)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح (مکہ) کے دن فرمایا اب ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ روایت بیان کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ مُجَاشِعِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ مُجَاشِعٌ بِأَخِيهِ مُجَالِدِ بْنِ مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَذَا مُجَالِدٌ يُبَايِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ فَقَالَ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ وَلَكِنْ أُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ

حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بھائی مجالد کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا کہ یہ مجالد ہے اسے ہجرت پر بیعت کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں لیکن میں اسلام پر اسے بیعت کروں گا۔

(صحیح بخاری 4: /92رقم 3079)

پیش کردہ روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ نے فتح مکہ پر فتح کا اطلاق کیا ہے نام نہاد اپنے فتوی جاری کرنے سے پہلے یہ سوچ لیا کریں کہ ان کی تحریر کا اثر کن کن پر پڑے گا مزید عرض یہ ہے کہ راقم کی تحقیق کے مطابق 100 سے زیادہ مرویات کتب احادیث میں موجود ہیں جن میں صحابی یا تابعی نے فتح مکہ کو فتح قرار دیا اس

لیے یہ بات کرنی کہ فتح کو فتح مکہ مشہور کرنا بنو امیہ کی وجہ سے یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہے، ایک لغو اور فضول بات کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے اس الزام کا تحقیق سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں، بلکہ متعصب قسم کے لکھاری کی اپنی ذہنی اختراع ہے، جس کی کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے اثر سے دھوکا دینے کی کوشش

لکھاری نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا اثر تو پیش کیا مگر اس کی سند پر کوئی تبصرہ نہ کرنے میں ہی عافیت جانی حالانکہ راقم نے اس روایت کی اسنادی حیثیت پر اپنی کتاب الاحادیث الرادیہ لمدح الامیر معاویہ میں تفصیل سے کلام کر کے اس اثر کا پس منظر بھی پیش کیا مگر ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھاری نے اس روایت کو دوبارہ اپنی کتاب میں لکھا۔ قطع نظر اس روایت کی سند میں "عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَيْسَرَةَ،" کی واضح توثیق ثابت نہیں ہے، اس روایت کو مختصر پیش کر کے عوام الناس کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔

صحابہ کرام یا منافقین میں کس نے دیدار مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فائدہ نہیں اٹھایا؟

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی روایت تفصیل اور پس منظر مع وجوہات کے معجم الکبیر للطبرانی 20: /253 رقم الحدیث 600 پر موجود تھی مگر لکھاری موصوف نے مکمل حدیث کی بجائے اس کا اختصار پیش کر کے عوام الناس کو دھوکا دینے کی کوشش کی۔

یہ روایت مسند امام احمد بن حنبل میں موجود تھی جس سے اس قول کے مخاطب اور اس کا اطلاق سمجھ میں آتا ہے کہ جنہوں نے دیدار کا فائدہ نہیں اٹھایا وہ منافقین اور کافر تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ روایت نقل کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا يَعْمَرُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ يَعْنِي ابْنَ الْمُبَارَكِ، أَخْبَرَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَلَسْنَا إِلَى الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ يَوْمًا، فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: طُوبَى لِهَاتَيْنِ الْعَيْنَيْنِ اللَّتَيْنِ رَأَتَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاللهِ لَوَدِدْنَا أَنَّا رَأَيْنَا مَا رَأَيْتَ، وَشَهِدْنَا مَا شَهِدْتَ، فَاسْتُغْضِبَ، فَجَعَلْتُ أَعْجَبُ، مَا قَالَ إِلَّا خَيْرًا. ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَيْهِ، فَقَالَ " مَا يَحْمِلُ الرَّجُلُ عَلَى أَنْ يَتَمَنَّى مَحْضَرًا غَيَّبَهُ اللهُ عَنْهُ، لَا يَدْرِي لَوْ شَهِدَهُ كَيْفَ كَانَ يَكُونُ

فِيهِ. وَاللهِ لَقَدْ حَضَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْوَامٌ كَبَّهُمُ اللهُ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ فِي جَهَنَّمَ لَمْ يُجِيبُوهُ وَلَمْ يُصَدِّقُوهُ أَوَلَا تَحْمَدُونَ اللهَ إِذْ أَخْرَجَكُمْ لَا تَعْرِفُونَ إِلَّا رَبَّكُمْ. مُصَدِّقِينَ لِمَا جَاءَ بِهِ نَبِيُّكُمْ. قَدْ كُفِيتُمُ الْبَلَاءَ بِغَيْرِكُمْ. وَاللهِ لَقَدْ بَعَثَ اللهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَشَدِّ حَالٍ بُعِثَ عَلَيْهَا فِيهِ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فِي فَتْرَةٍ وَجَاهِلِيَّةٍ. مَا يَرَوْنَ أَنَّ دِينًا أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ فَجَاءَ بِفُرْقَانٍ فَرَقَ بِهِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ، وَفَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهِ حَتَّى إِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيَرَى وَالِدَهُ وَوَلَدَهُ أَوْ أَخَاهُ كَافِرًا. وَقَدْ فَتَحَ اللهُ قُفْلَ قَلْبِهِ لِلْإِيمَانِ. يَعْلَمُ أَنَّهُ إِنْ هَلَكَ دَخَلَ النَّارَ. فَلَا تَقَرُّ عَيْنُهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ حَبِيبَهُ فِي النَّارِ. وَأَنَّهَا لَلَّتِي قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : {الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ}

(الفرقان 74)

حضرت عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن ہم حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص (تابعی) گذرا، اس نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے کہا، خوش بخت ہیں وہ آنکھیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہماری دلی خواہش ہے کہ وہ کچھ دیکھ لیتے جو آپ لوگوں نے دیکھا اور ان مواقع پر، ان معرکوں میں موجود ہوتے جہاں آپ رہے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا، بولے، کیا معلوم، یہ آرزو رکھنے والا اس وقت ہوتا تو کس مقام پر ہوتا؟ ایسے لوگوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا جنھیں اللہ نے مونہوں کے بل دوزخ میں جھونک دیا، کیونکہ انھوں نے نہ ہی آپ کو مانا اور نہ تصدیق کی۔ تم اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے کہ تمھاری آزمائش پہلوں نے جھیل لی، تم اللہ ہی کو مانتے ہو اور اس کے انبیاء کو سچا جانتے ہو آپ کے زمانے کا حال یہ تھا کہ آپ کے لائے ہوئے، حق و باطل کو تمیز کرنے والے فرقان نے باپ بیٹے میں تفریق پیدا کر دی تھی، ایک شخص کا دل اللہ نے ایمان کے لیے کشادہ کر دیا ہوتا تھا، لیکن وہ دیکھتا تھا کہ اس کا باپ، بیٹا یا بھائی کفر میں مبتلا ہیں اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک کیسے مل سکتی تھی جب اس کے پیارے جہنم میں جانے والے تھے۔

(مسند احمد 6 : /2 رقم 33810)

اس روایت کو متعدد محدثین کرام نے اپنی کتاب میں مروی کیا ہے۔

(1) تفسیر ابن کثیر :6/ 142 (2) الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان 14: /489
(3) الأدب المفرد رقم 87 (4) الآحاد والمثانی رقم 292
(5) تفسیر ابن جریر الطبری :19 / 53 (6) الحلیۃ الاولیاء :1 /176، 175

اس روایت کو پیش کرنے کے بعد کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اس حدیث کے متن میں لکھاری کی باتوں کا منہ توڑ جواب موجود ہے کہ اس سے مراد و مخاطب ایک تو منافقین ہیں جنہوں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان کی تصدیق نہ کی اور انہیں اس کا فائدہ نہ ہوا۔

ایسی روایات کو صحابہ کرام کی شان اقدس پر لاگو کرنا مردود و باطل ہے اور جس کا مظاہرہ، تعصب صحابہ میں مبتلا، کوئی لکھاری کرتا رہتا ہے اب کچھ تبصرہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام پر بھی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے اسلام مجبورا اور فتح مکہ کے دن قبول کیا یا دوسری روایات بھی موجود ہیں اگر دیگر روایات موجود ہیں تو اتنی قطعیت کے ساتھ ان کے اسلام کو مجبورا فتح مکہ کے دن لانے پر ضد کیوں؟

◆ ◆ ◆

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بارے میں دو قسم کی روایات موجود ہیں۔

(1) فتح مکہ سن 8 ہجری

(2) فتح مکہ سے قبل 7 ہجری

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام کا اعلان فتح مکہ 8ھ کے موقع پر فرمایا، مگر بہت عرصے پہلے آپ کے دل میں اسلام کی عظمت اور منزلت موجود تھی، جس کی وجہ سے آپ نے جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق اور صلح حدیبیہ میں حصہ نہیں لیا۔

(1) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ الحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، قَالَ» :قَصَّرْتُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِشْقَصٍ.
(صحیح بخاری2 : /213رقم 1730)

ترجمہ: میں نے نبی کریم ﷺ کے بال مبارک (مروہ کے مقام پر) چھوٹے کیے۔

(2) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

أو رأيته يقصر عنه بمشقص وهو على المروة

کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نبی کریم ﷺ کے یہ بال کاٹنا "مروۃ" کے مقام پر تھا۔

(صحیح مسلم2: /913، رقم1246)

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ اور عمرۃ القضا کے درمیان کسی وقت میں ایمان لائے تھے اور عمرۃ القضاہ میں وہ نبی کریم کے ساتھ شامل تھے۔

(3) امام قوام رحمہ اللہ السنہ لکھتے ہیں:

أَسْلَمْتُ عَامَ الْقَضِيَّةِ، لَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبِلَ إِسْلَامِي.
(سیر السلف الصالحین :1 /663)

(4) خطیب بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكان يقول: أسلمت عام القضية، ولقيت رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فوضعت عنده إسلامي.
(تاریخ بغداد :1 /222)

(5) مورخ زبیر بن بکار جیسے لوگ بھی لکھتے ہیں۔

ومعاویة بن أبي سفیان کان یقول أسلمت عام القضیة
(تاریخ دمشق 59 : /66)

(6) محدث ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بنُ عَبْدِ الله، قال مُعَاوِيَةُ بنُ أَبِي سُفْيَان كَانَ يَقُولُ: أَسْلَمْتُ عَامَ الْقَضِيَّةِ لقيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فوضعتُ إِسْلامي عِنْدَهُ فقَبِلَ مِنِّي. وَعَامُ الْقَضِيَّةِ سَنَةَ سِتٍّ.
(تاریخ ابن أبی خیثمہ : 1 / 544 رقم 2231)

اسلام ظاہر نہ کرنے کی وجہ

محدث ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال معاوية بن ابی سفیان لما کان عام الحدیبیة و صدت قریش رسول الله ﷺ عن البیت و دافعوه بالراح و کتبوا بینهم القضیة وقع الاسلام فی قلبی فذکرت ذالك لامی هند بنت عتبة فقالت ایاك ان تخالف اباك و ان تقطع امرا دونه فیقطع عنك القوت و کان ابی یومئذ غائبا فی سوق حباشة .قال فاسلمت و اخفیت اسلامی فوالله لقد رحل رسول الله ﷺ من الحدیبیة و انی مصدق به و انا علی ذالك اکتمه من ابی سفیان و دخل رسول الله ﷺ عمرة القضیة و انا مسلم مصدق به و علم ابو سفیان باسلامی فقال لی یوما لکن اخوك خیر منك وهو علی دینی فقلت لم آل دینی خیرا۔ قال فدخل رسول الله ﷺ عام الفتح فاظهرت اسلامی ولقیته فرحب بی و کتبت له۔ (تاریخ دمشق 59 : /67)

ترجمہ: کہ جب کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا تو اسلام میرے دل میں گھر کر چکا تھا میں نے اس بات کا ذکر اپنی والدہ ہند سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ خبردار اگر تو نے اپنے باپ کے مذہب کی مخالفت کی ورنہ ہم تیرا خرچہ پانی بند کر دیں گے مگر بہرحال میں

اسلام لا چکا تھا اور خدا کی قسم نبی کریم ﷺ اس حال میں حدیبیہ سے لوٹ رہے تھے کہ میں آپ کی تصدیق کرنے والا تھا اور خدا کی قسم جب آپ عمرۃ القضاء کیلئے تشریف لائے تو میں اس وقت بھی مسلمان تھا مگر والد کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے دن کھل کر اس کا اظہار کیا:

اسلمت یوم القضیۃ و لکن کتمت اسلامی من ابی۔

(1) سیر اعلام النبلاء 2 : / 119
(2) البدایۃ والنہایۃ :8/ 171
(3) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ :4/ 433
(4) تاریخ دمشق 59 : /55
(5) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ص 668
(6) معرفۃ الصحابہ لابن ابی نعیم ص 2496
(7) تقریب التہذیب رقم 6758
(8) تاریخ الاسلام للذہبی :4/ 308
(9) الاصابۃ فی تمییز الصحابہ 6 : / 120

جن حضرات نے فتح مکہ کا قول نقل کیا ہے قطع نظر ثبوت دلالت وہ بھی معارض نہیں کیونکہ خود آپ ؓ نے فرمایا کہ میں نے اسلام کو چھپائے رکھا تھا اور فتح مکہ کے دن اظہار کیا تھا پس فتح مکہ کے دن اسلام لانے کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت اپنے والد کے ساتھ ایمان کا اظہار کیا۔

مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں متعصب لکھاری نے جو کچھ لکھا کہ وہ فتح مکہ کے دن مجبوراً ایمان لائے وہ کلیتاً مردود اور باطل ہے۔

چند ضروری مباحث:

اگر کوئی آیت کسی خاص موقع پر نازل ہو لیکن اس کے الفاظ عام ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا مفہوم صرف اسی واقعہ کے ساتھ خاص ہے۔

(1) آیت ظہار (وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ)
"وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔۔۔" (المجادلۃ 358)
خاص سیدنا اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، لیکن اس کا حکم ان سب لوگوں کے لیے عام ہے، جو ظہار کریں۔
(2) لعان کی آیت (وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ)

''وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں ۔۔۔'' النور 24:6

بالاتفاق سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر نازل ہوئی لیکن سب مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ باقی سارے مسلمان بھی اس حکم میں شامل ہیں، جن کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آجائے۔

مرویات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی قرآنی آیت کسی خاص صحابی کے بارے میں نازل ہو اور اس کے الفاظ بھی خاص ہی ہوں، تو بھی وہ اسی صحابی کے ساتھ خاص نہیں رہتی، بلکہ اس کے خاص الفاظ کا حکم بھی عام ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

أَنَّ رَجُلاً أَصَابَ مِنَ امْرَأَةٍ قُبْلَةً فَأَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَأَخْبَرَهُ فَأَنْزَلَ اللهُ : {أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ} فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللهِ أَلِي هٰذَا؟ قَالَ لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ

''ایک صحابی (غیر محرم) عورت کو بوسہ دے بیٹھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: تو صبح شام اور رات کے اندھیرے میں نماز قائم کر، کیونکہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اس آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا یہ حکم صرف میرے لیے ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ میری ساری امت کے لیے۔'' (صحیح البخاری: 1/140، رقم 526)

جب خاص الفاظ کا حکم بھی عام ہو جاتا ہے تو جو الفاظ ہوں ہی عام، ان کے حکم کو خاص قرار دینا اور ان کے عموم کو خیانت قرار دینا کون سی دینی خدمت ہے؟

وعدہ یا وعید:

رہی اعمال سے خبردار ہونے کی بات، تو وہ بطور حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے نہ کہ بطورِ تنبیہ یعنی اس لیے نہیں کہی گئی کہ تمہارے اعمال کو دیکھا جائے گا اور فیصلہ کیا جائے گا کہ فتح کے بعد والے صحابہ نے جنت میں جانا ہے یا نہیں، بلکہ اس لیے کہ بعد والوں کا مال خرچ کرنا اور قتال کرنا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لہٰذا وہ ضرور اس کے بدلے میں جنت کا انعام دے گا۔

انہی الفاظ کے بارے میں ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

وقوله {وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ} يقول تعالى ذكره والله بما تعملون من النفقة في سبيل الله، وقتال اعدائه، وغير ذلك من اعمالكم التي تعملون خبير، لا يخفى عليه منها شيء، وهو مجازيكم على جميع ذلك يوم القيامة

"فرمانِ الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو، اسے خوب جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تم انفاق فی سبیل اللہ اور دشمنوں سے لڑائی وغیرہ کی صورت میں جو اعمال صالحہ کرتے ہو، اُن سے خوب واقف ہے، ان میں سے کوئی نیک عمل اس سے مخفی نہیں لہٰذا وہ ان تمام اعمال کی جزا روزِ قیامت تمہیں عطا فرمائے گا"۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن 23 : / 177)

اب علامہ طبری کی تفسیر صحیح مانی جائے یا اس بغض صحابہ سے بھرے لکھاری کی تفسیر پر اعتماد کیا جائے جو تعملون (تم عمل کرتے ہو) اور یعملون (وہ عمل کرتے ہیں) کا فرق بھی نہیں جانتا؟

یاد رہے کہ صحابہ کرام کے درجات میں تفاوت سے کسی کو انکار نہیں، فتح سے پہلے اور بعد والے صحابہ کرام کے درجات میں فرق ضرور ہے، لیکن یہ ایسے ہی ہے جیسے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں سیدنا علی، سیدنا حذیفہ بن یمان، اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنھم سمیت دیگر صحابہ کے درجہ میں فرق ہے اس فرق سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ کچھ صحابہ کرام سے اللہ تعالیٰ راضی اور کچھ سے راضی نہیں تھا یا کچھ صحابہ کرام کافروں پر سخت اور کچھ سخت نہیں تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

> بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في سرية، فصبحنا الحرقات من جهينة، فادركت رجلا، فقال: لا اله الا الله، فطعنته، فوقع في نفسي من ذلك، فذكرته للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقال: لا اله الا الله وقتلته؟، قال: قلت: يا رسول الله، انما قالها خوفا من السلاح، قال: افلا شققت عن قلبه حتى تعلم اقالها ام لا؟ فما زال يكررها علي، حتى تمنيت اني اسلمت يومئذ.

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک جنگ میں بھیجا ہم صبح کے وقت حرقات جھینہ (جگہ کا نام) میں تھے، میں نے وہاں ایک آدمی کو دیکھا (اور اسے قتل کرنا چاہا) تو اس نے لاالہ الااللہ کہہ دیا لیکن میں نے اسے تیر مارا (اور قتل کر دیا)، اس بارے میں میرا دل شبہ میں پڑ گیا، میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تو آپ نے فرمایا: کیا اس کے لاالہ الااللہ

پڑھنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا : اللہ کے رسول! اس نے تو اسلحہ کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم نے اس کا دِل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ اس نے کلمہ ڈر سے پڑھا تھا یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (غصے سے) مجھے یہ بات بار بار فرماتے رہے، حتیٰ کہ میں نے یہ خواہش کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا (اور یہ جرم مجھ سے سرزد نہ ہوا ہوتا)''

(صحیح البخاری :5/ 183 رقم 4269، 6872، صحیح مسلم 1: / 68 رقم 288)

ایک صحابی نے کسی کلمہ پڑھنے والے ایسے شخص کے بارے میں جو صحابی بھی نہ تھا، یہ کہہ دیا کہ اس نے تو موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا اور اس صحابی کو یہ علم بھی نہیں تھا کہ ایسا کہنا جائز نہیں پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سخت ناراض ہوئے، تو کسی چودھویں صدی کے کسی شخص کا ایسے لوگوں کے بارے میں یہ بات کہنا کیسے قرآن وسنت کی مخالفت اور واضح گستاخی نہیں ہو گا، جو اہل سنت کے ہاں بالاتفاق صحابی رسول ہوں اور جنہیں رضائے الٰہی اور جنت کی ضمانت بھی مل چکی ہو؟

اسلام قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پہلے والے سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے، بلکہ ان گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ (الفرقان 70)

''ہاں جن لوگوں نے توبہ کی، ایمان لائے اور نیک عمل کیے، تو یہ ایسے لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا خوب مہربان ہے''۔

لہٰذا اسلام سے پہلے کیے گئے جرائم اور اسلام میں تاخیر کو صحابہ کرام کی شان و فضیلت کے خلاف پیش کرنا مردود و باطل ہے۔

اس نکتہ کے متعلق لکھاری صاحب کے تمام جملہ اعتراضات اور استدلال کو تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کر دیا گیا ہے قارئین کرام کو دلائل اور اس کی استنادی حیثیت کا معلوم ہے کہ ایسی روایات اور یک طرفہ دلائل سے تو کسی کا موقف ثابت نہیں ہوتا، موصوف اپنے دلائل سے عقیدہ ثابت کرنے پر بضد ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں عقل سلیمہ عطا فرمائے۔

صلح امام حسن رضی اللہ عنہ دو عظیم گروہوں کی شان

امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو صلح ہوئی اس کو سمجھنے کے لیے اس صلح کا پس منظر اور اسباب کا علم ہونا اہم ہے اس کا مختصراً بیان پیش خدمت ہے تا کہ قارئین کرام کو اس معاملہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

صلح امام حسن رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پس منظر

۞ امام حارث کی سند سے مروی ہے کہ:

حَدَّثَنَا قُرَادٌ أَبُو نُوحٍ ثَنَا شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ أَبِي عَوْنٍ الثَّقَفِيِّ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ جِئْتُ إِلَى الْحَسَنِ فَقُلْتُ اعْذُرْنِي عِنْدَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ حِينَ لَمْ أَحْضُرِ الْوَقْعَةَ، فَقَالَ الْحَسَنُ: مَا تَصْنَعُ بِهَذَا لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَهُوَ يَلُوذُ بِي وَيَقُولُ: يَا حَسَنُ لَيْتَنِي مُتُّ قَبْلَ هَذَا بِعِشْرِينَ سَنَةً.

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا میرے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور جنگ میں شریک نہ ہونے کی میری طرف سے معذرت کریں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معذرت! آپ کیا کریں گے، وہ میرے پاس کھڑے کہہ رہے تھے: اے حسن! کاش میں اس سے بیس سال پہلے فوت ہو گیا ہوتا۔

(بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث 2: / 761 رقم 757)

محدث البوصیری نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (اتحاف الخیرہ 8: /17)

علامہ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد 9: /210 رقم 14823)

۞ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے المطالب العالیہ میں اس روایت کی سند نقل کرتے ہیں:

-حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، حَدَّثَنِي أَبُو عَوْنٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، قَالَ: قَالَ سليمان بن صرد لِلْحَسَنِ بن علی رَضِيَ الله عَنْهما: اعْذُرْنِي عِنْدَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، فَقَالَ الْحَسَنُ: لَقَدْ رَأَيْتُهُ يَوْمَ الْجَمَلِ وَهُوَ يَلُوذُ بِي، وَهُوَ يَقُولُ: وَدِدْتُ أَنِّي مِتُّ قَبْلَ هَذَا بِكَذَا

(المطالب العالیہ رقم 4405)

وَ کَذَا سَنَدِہٖ:

یہ روایت درج کتب میں سنداً مروی ہے۔

(1) مصنف ابن ابی شیبہ 15 : /281 رقم 38979

(2) معجم الکبیر للطبرانی 1 : /113، 114 رقم 202، 203

(3) المستدرک للحاکم 3 : /373

(4) السنۃ للخلال ص 474

❁ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے:

عمرو سمع عليا رضى الله عنه وعاتبه فى تخلفه عنه فلقى الحسن بن على فقال: لا تحزن عليه فوالله لسمعته يقول يوم صفين أو يوم كذا و كذا: يا ليت امى لم تلدنى وليت انى مت قبل اليوم.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا کہ تم جنگ میں پیچھے کیوں رہے ہو، عمرو رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملے تو انہوں نے فرمایا: تم پریشان نہ ہو اللہ کی قسم! میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صفین کے روز سنا، فرماتے تھے: کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور کاش میں آج سے پہلے فوت ہو جاتا۔ (التاریخ الکبیر :6/ 384)

❁ محدث ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ روایت بیان کرتے ہیں۔

حَدَّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الأَسَدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مُهَلَّبٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مِهْرَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عَلِيًّا يقول يَوْمَ صِفِّينَ وَهُوَ عَاضٌّ عَلَى شَفَتِهِ: لَوْ عَلِمْت أَنَّ الأَمْرَ يَكُونُ هَكَذَا مَا خَرَجْت، اذْهَبْ يَا أَبَا مُوسَى فَاحْكُمْ وَلَوْ حزَّ عُنُقِي.

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا تو میں اس لڑائی کے لیے نہ نکلتا حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ابوموسیٰ جاؤ کوئی فیصلہ کروا گرچہ میری گردن نیچے ہو جائے۔ (مُصنف ابن أبی شیبہ 15 : /292 رقم 39007)

یہ روایت مرسل ہے مگر اس کی تائید ایک اور مرسل سے بھی ہوتی ہے جسے قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں بواسطہ امام ابوحنیفہ، موسیٰ بن ابی کثیر نقل کیا ہے۔

حَدَّثَنَا يُوسُفُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ. عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ. عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ. أَنَّهُ قَالَ لِأَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حِينَ حَكَّمَهُ »خَلِّصْنِي مِنْهَا وَلَوْ بِعِرْقِ رَقَبَتِي

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میری اس سے جان چھڑا دیں اگر چہ میری گردن کی رگ کٹ جائے۔

(الآثار لابی یوسف ص 208 رقم 929)

حضرت علی رضی اللہ عنہ آخر کار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کی طرف مائل ہوئے، اور اس صلح کی طرف امام حسن رضی اللہ عنہ جنگ جمل اور جنگ صفین سے ہی قائل تھے اس پس منظر کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہی تھا کہ قارئین کرام کو امام حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کی طرف راغب ہونے کا پس منظر معلوم ہو سکے تا کہ اس موضوع پر پیش کی جانے والی تحقیق کو بخوبی سمجھا جا سکے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں خلافت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کیا اور اس مطالبہ میں جلیل القدر صحابہ کرام ان کے ساتھ تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَقَامَ فِي النَّاسِ مُعَاوِيَةُ وَجَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ مَعَهُ يُحَرِّضُونَ النَّاسَ عَلَى الْمُطَالَبَةِ بِدَمِ عُثْمَانَ، مِمَّنْ قَتَلَهُ مِنْ أُولَئِكَ الْخَوَارِجِ مِنْهُمْ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، وأبو الدرداء، وأبو أمامة، وعمرو بن عنبسة وَغَيْرُهُمْ مِنَ الصَّحَابَةِ، وَمِنَ التَّابِعِينَ شَرِيكُ بْنُ حباشة، وَأَبُو مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيُّ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ غَنْمٍ، وَغَيْرُهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ. وَلَمَّا اسْتَقَرَّ أَمْرُ بَيْعَةِ عَلِيٍّ دَخَلَ عَلَيْهِ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَرُءُوسُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، وَطَلَبُوا مِنْهُ إِقَامَةَ الْحُدُودِ، وَالْأَخْذَ بِدَمِ عُثْمَانَ.

(البدایۃ والنہایۃ 7 : /227)

معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصاص عثمان کے دعویٰ میں دیگر جلیل القدر صحابہ کرام شامل تھے۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مطالبہ جائز تھا؟

حَدَّثَنَا أَبُو مُسْلِمٍ الْكَشِّيُّ، وَالْحَسَنُ بن الْمُثَنَّى الْعَنْبَرِيُّ، وعلی بن عبد العزيز، قَالُوا: حَدَّثَنَا عَارِمٌ أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا الصَّعْقُ بن حَزْنٍ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ. عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ. قَالَ خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا. فَقَالَ: لَوْ أَنَّ النَّاسَ لَمْ يَطْلُبُوا بِدَمِ عُثْمَانَ لَرُجِمُوا بِالْحِجَارَةِ مِنَ السَّمَاءِ.

(معجم الکبیر للطبرانی 1 : 52/ رقم 120)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ نہ کرتے تو ڈر تھا کہ آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہو جائے۔

علامہ ہیثمی کا ہر حدیث پر حکم پیش کرنے والوں کے لیے ان کا حوالہ بھی پیش خدمت ہے۔

❁ امام ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَالْأَوْسَطِ. وَرِجَالُ الْكَبِيرِ رِجَالُ الصَّحِيحِ.

اس کو طبرانی نے معجم الکبیر اور معجم الاوسط میں روایت کیا ہے اور طبرانی کبیر کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد 8 : 407/ رقم 14565)

اس روایت سے قارئین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت معاویہ کا مطالبہ جائز تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تحکیم

محدث علامہ زیلعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَرَجَعَ عَلِيٌّ الْكُوفَةَ بِأَصْحَابِهِ مُخْتَلِفِينَ عَلَيْهِ. وَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الشَّامِ بِأَصْحَابِهِ مُتَّفِقِينَ عَلَيْهِ. وَأَقَرَّ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ عَلَى قَضَائِهِ بِالشَّامِ. مُخْتَصَرٌ.

(نصب الرایۃ لأحادیث الہدایۃ 70 : 4/)

یعنی کوفہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت مختلفہ پر ان کے لوگوں میں اختلاف ہوا اور شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت بالاتفاق رہی اور حضرت فضالہ بن عبید الانصاری رضی اللہ عنہ کو شام کا قاضی مقرر کیا گیا۔

امام زیلعی حنفی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح کے لیے واقعہ تحکیم ہوا، جانبین نے اپنے اپنے علاقہ پر حکومت کی اور اس پر قائم رہے، جس سے یہ بات تو واضح ہوئی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ صفین کے بعد صلح ہوئی اس لیے اس تحکیم کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں باغی کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت خلافت کب لی گئی؟

ایک قول کے مطابق 37ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت لی گئی، اس کی تفصیل
(1) تاریخ خلیفہ بن خیاط ص 192 (2) ابن جریر تاریخ طبری 5 : / 324
(3) تاریخ ابن خلدون 2 : / 641 (4) المنتظم 5 : / 150 میں ملاحظہ کریں
اور دوسرے قول کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد 40ھ میں لی گئی اس قول کی تفصیلات البدایہ والنہایۃ : 7 / 322 پر ملاحظہ کریں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت بطور امیر یا خلیفہ؟

محدث ابن عساکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> أخبرنا أبو عبد الله الحسين بن محمد بن خسرو وأنا أبو الفضل أحمد بن الحسن أنا أبو علي بن شاذان أنا أحمد بن إسحاق بن محمد بن إبراهيم بن الحسين نا يحيى بن سليمان الجعفي حدثني عبد الله بن وهب أخبرني يونس بن يزيد عن ابن شهاب الزهري قال لما بلغ معاوية وأهل الشام قتل طلحة والزبير وهزيمه أهل البصرة وظهور علي عليهم دعا أهل الشام معاوية للقتال معه على الشورى والطلب بدم عثمان فبايع معاوية أهل الشام على ذلك أميرا غير خليفة.

جب اہل شام کو طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کی خبر ملی اور یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم غالب ہوئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل شام کو قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بلایا اور ان سے بحیثیت امیر بیعت لی، نہ کہ بحیثیت خلیفہ۔ (تاریخ دمشق 59/126)

اس لیے یہ نکتہ واضح ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے واقعہ کے بعد بحیثیت امیر قصاص عثمان کا مطالبہ کیا نہ کہ خلافت کا دعویٰ کیا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کے بعد بیعت کرنا

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین مانا تھا اور ان کی نہ صرف بیعت کی تھی بلکہ اپنے ماننے والوں کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔

❁ محدث یعقوب بن سفیان بن جوان الفارسی اَلْفَسَوِی روایت نقل کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَوْنُ بْنُ مُوْسٰى سَمِعْتُ هِلَالَ بْنَ خَبَّابٍ :جَمَعَ الْحَسَنُ رُءُوْسَ اَهْلِ الْعِرَاقِ فِيْ هٰذَا الْقَصْرِ قَصْرِ الْمَدَائِنِ فَقَالَ اِنَّكُمْ قَدْ بَايَعْتُمُوْنِيْ عَلٰى اَنْ تُسَالِمُوْا مَنْ سَالَمْتُ وَ تُحَارِبُوْا مَنْ حَارَبْتُ وَ اَنِّيْ قَدْ بَايَعْتُ مُعَاوِيَةَ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَ اَطِيْعُوْا

ترجمہ: ہم سے بیان کیا سعید بن منصور نے، انھوں نے کہا کہ ہم سے بیان کیا عون بن موسیٰ نے، انھوں نے کہا: میں نے ہلال بن خَبَّاب سے سنا: امام حسن رضی اللہ عنہ نے رؤساءِ عراق کو شہر مدائن کے محل میں جمع کروایا پھر خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا: تم نے مجھ سے اِس بات پر بیعت کی ہے کہ میں جس سے صلح کروں گا تم اُس سے صلح کرو گے اور میں جس سے جنگ کروں گا تم اُس سے جنگ کرو گے۔ میں نے معاویہ کی بیعت کر لی ہے لہٰذا تم ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔
(المعرفہ والتاریخ 3 : /317)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ "صحیح لغیرہ" ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

صرف ہلال بن خبّاب کے حافظہ پر کلام ہے لیکن تمام ناقدین اِس پر متفق ہیں کہ اُن کے حافظے میں بگاڑ اُن کی موت سے قبل پیدا ہوا تھا جب کہ ابن معین نے اُن کے حافظے پر بھی کوئی کلام نہیں کیا ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ آخرِ عمر میں بھی اُن کے حافظہ میں فساد نہیں آیا تھا نیز اس روایت کے متابعات بھی موجود ہیں۔

طبقات ابن سعد کی روایت میں عون بن موسیٰ کی موسیٰ بن اسماعیل نے متابعت کی ہے موسیٰ بن اسماعیل تابعی صحاح ستہ کے راوی ہیں امام ذہبی کی تاریخ الاسلام والی روایت میں عبد الرحمٰن بن عوف الجرشی نے ہلال بن خباب کی موافقت کی ہے عبد الرحمٰن بن عوف الجرشی تابعی ابو داود، نسائی کے راوی، ثقہ ہیں اُن کا سماع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

ثابت ہوا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خود بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین تسلیم کیا تھا اور اپنے حامیوں کو بھی انھیں امیر المومنین ماننے کا حکم دیا تھا۔

اس پر نہایت ہی جاہلانہ اعتراضات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں حافظ ابن کثیر اس طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَلَمَّا تَسَلَّمَ مُعَاوِيَةُ الْبِلَادَ وَ دَخَلَ الْكُوْفَةَ وَ خَطَبَ بِهَا وَاجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْكَلِمَةُ فِيْ سَائِرِ الْأَقَالِيْمِ وَالْآفَاقِ وَ رَجَعَ إِلَيْهِ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ اَحَدُ دُهَاةِ الْعَرَبِ۔ وَ قَدْ كَانَ عَزَمَ عَلَى الشِّقَاقِ۔ وَ حَصَلَ عَلَى بَيْعَةِ مُعَاوِيَةَ عَامَئِذٍ الْإِجْمَاعُ وَالْاِتِّفَاقُ تَرَحَّلَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَ مَعَهٗ اَخُوْهُ الْحُسَيْنُ وَ بَقِيَّةُ اِخْوَتِهِمْ وَابْنُ عَمِّهِمْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ جَعْفَرَ مِنْ اَرْضِ الْعِرَاقِ اِلَى اَرْضِ الْمَدِيْنَةِ النَّبَوِيَّةِ عَلَى سَاكِنِهَا اَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ وَ جَعَلَ كُلَّمَا مَرَّ بِحَيٍّ مِنْ شِيْعَتِهِمْ يُبَكِّتُوْنَهٗ عَلَى مَا صَنَعَ مِنْ نُزُوْلِهٖ عَنِ الْاَمْرِ لِمُعَاوِيَةَ وَ هُوَ فِيْ ذَالِكَ هُوَالْبَارُّ الرَّاشِدُ الْمَمْدُوْحُ وَ لَيْسَ يَجِدُ فِيْ صَدْرِهٖ حَرَجًا وَ لَا تَلَوُّمًا وَ لَا نَدَمًا بَلْ هُوَ رَاضٍ بِذَالِكَ مُسْتَبْشِرٌ بِهٖ وَاِنْ كَانَ قَدْ سَاءَ هٰذَا خَلْقًا مِنْ ذَوِيْهِ وَ اَهْلِهٖ وَ شِيْعَتِهٖ وَ لَا سِيَّمَا بَعْدَ ذَالِكَ بِمُدَدٍ وَ هَلُمَّ جَرًّا اِلَى يَوْمِنَا هٰذَا۔ (البدایہ والنہایہ 8 : /21)

ترجمہ: جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلادِ اسلامیہ پر قبضہ کیا اور کوفہ میں داخل ہوئے تو وہاں خطبہ دیا اور تمام اطراف و اکناف میں اُن کی امارت پر لوگوں کا اتفاق ہو گیا قیس بن سعد اُن کے پاس واپس آئے یہ عرب کا بڑا ہوشیار شخص تھا اُس نے دونوں گروہوں میں اختلاف پیدا کرنے کا عزم کر رکھا تھا اُسی سال معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اتفاق ہو گیا تو حسن بن علی، اُن کے بھائی حسین رضی اللہ عنہما اور اُن کے دوسرے بھائی، اُن کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم سرزمین عراق سے مدینہ طیبہ تشریف لائے امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے مصاحبین کے ساتھ جس بستی سے گزرتے تھے اُن کے شیعہ انھیں بُرا بھلا کہتے تھے کہ وہ معاویہ کے لیے خلافت سے دست بردار کیوں ہوئے؟ حالانکہ امام حسن رضی اللہ عنہ اِس معاملے میں نیکی اور خیر خواہی پر تھے اُن کا عمل قابل تعریف تھا وہ اپنے عمل پر نہ نادم تھے نہ دل میں کچھ ملال محسوس کرتے تھے انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ خوشی اور رضا مندی سے کیا تھا لیکن اُن کے کچھ قریبی لوگوں کو، اہل

خاندان کو اور شیعوں کو بہت برا لگا اُس کے بعد مدتوں یہ حالت قائم رہی اور آج تک ایسا ہوتا آ رہا ہے۔

بعض لوگوں کو امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اتنی ناگوار ہوئی تھی کہ شیعانِ اہل بیت کا ایک شخص ابو عامر سعید بن الفَتَن نے حضرت امام حسن کو یَا مُذِلَّ الْمُؤمِنِیْن (اے مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے) کہہ کر مخاطب کیا تھا اُس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا:

"لَا تَقُلْ هٰذَا یَا عَامِرُ! لَسْتُ بِمُذِلِّ الْمُؤمِنِیْنَ وَ لٰکِنِّیْ کَرِهْتُ اَنْ اَقْتُلَهُمْ عَلَى الْمُلْكِ"

ترجمہ: اے عامر! ایسا مت کہو! میں مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں لیکن میں نے ناپسند کیا کہ بادشاہت حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو قتل کروں۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت

محدث ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ روایت نقل کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ اَبِیهِ قَالَ: کَانَ قَیْسُ بْنُ عُبَادَةَ مَعَ عَلِيٍّ مُقَدِّمَتَهُ، وَمَعَهُ خَمْسَةُ آلَافٍ قَدْ حَلَقُوا رُؤُوسَهُمْ بَعْدَمَا مَاتَ عَلِيٌّ، فَلَمَّا دَخَلَ الْحَسَنُ فِي بَیْعَةِ مُعَاوِیَةَ اَبَى قَیْسٌ اَنْ یَدْخُلَ، فَقَالَ لِاَصْحَابِهِ: مَا شِئْتُمْ؟ إِنْ شِئْتُمْ جَالَدْتُ بِكُمْ اَبَدًا حَتَّى یَمُوتَ الْاَعْجَلُ، وَإِنْ شِئْتُمْ اَخَذْتُ لَكُمْ اَمَانًا، فَقَالُوا لَهُ: خُذْ لَنَا اَمَانًا، فَاَخَذَ لَهُمْ اَنَّ لَهُمْ كَذَا وَ كَذَا وَلَا یُعَاقَبُوا بِشَيْءٍ؛ وَإِنِّي رَجُلٌ مِنْهُمْ، وَلَمْ یَأْخُذْ لِنَفْسِهِ شَیْئًا فَلَمَّا ارْتَحَلُوا نَحْوَ الْمَدِینَةِ وَمَضَى بِاَصْحَابِهِ جَعَلَ یَنْحَرُ لَهُمْ كُلَّ یَوْمٍ جَزُورًا حَتَّى بَلَغَ۔

(مصنف ابن شیبہ. باب ماذکر من حدیث الامراء والدخول علیہم 6: /190)

ترجمہ: حضرت عروہ سے روایت ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُن کے لشکر کے اگلے دستے کا امیر ہوتا تھا اُس کے ساتھ پانچ ہزار کا لشکر تھا سبھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سب نے اپنے سروں کا مُنڈن کرا لیا تھا جب سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو قیس بن سعد نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور

اپنے اصحاب سے کہا : تم کیا چاہتے ہو؟ اگر چاہو تو تم کو ساتھ لے کر ہمیشہ (معاویہ کے خلاف) لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ ہم میں سے پہلے مرنے والا مر جائے گا اور اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے امان طلب کرلوں؟ وہ کہنے لگے : ہمارے لیے آپ امان لے لیجئے، قیس نے ان کے لیے کچھ شرائط اور معاوضہ کے ساتھ صلح کرلی یہ شرط بھی لگی کہ انھیں کوئی سزا نہ دی جائے گی اور یہ کہا کہ میں انھیں کا ایک فرد ہوں گا قیس نے اپنے لیے کوئی خاص شرط نہیں لگائی، جب اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں اپنے اصحاب کے لیے ہر دن ایک اونٹ ذبح کرتا تھا، یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔

یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو سزا؟

تاریخ کی کتب میں یہ تفصیل ملتی ہے کہ جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا وہ سبائی تھے جن کی اکثریت بظاہرًا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ شامل ہوئی مگر واقع تحکیم کے بعد یہ لوگ علی الاعلان حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بھی مخالف ہو گئے اور ان کو ایمان سے خارج سمجھنے لگے اس کے بعد ان لوگوں کی پہچان خوارج سے ہوئی، صفین کے موقع پر ان کی تعداد لگ بھگ 2000 سے 16000 کے درمیان تھی۔

(1) ان میں سے کچھ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خادموں کے ہاتھوں مارے گئے۔
(البدایہ والنہایہ 7: /188)

(2) ان میں 70 لوگ جنگ جمل سے پہلے حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں مارے گئے۔

(3) واقعہ تحکیم کے بعد ان خارجیوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی جنگ ہوئی اور ان کی بہت ساری تعداد ماری گئی۔ (البدایہ والنہایہ 7: /232)

(4) جنگ نہروان کے بعد ایک لڑائی میں الحارث بن راشد خارجی کے ساتھ بہت سارے خارجی مارے گئے۔ (البدایہ والنہایہ 7: /308)

(5) اس کے بعد اشرس بن عوف الشیبانی، الاشہب بن بشر البجلی اور سعید بن نغدا التمیمی خوارج نے یکے بعد دیگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعد خروج کیا اور یہ خارجی مارے گئے۔

(البدایہ والنہایہ 7 : /308)

(۶) کنانہ بن بشر کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ (البدایہ والنہایہ 7: /314)

(7) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے 41ھ میں عبداللہ بن الحوساء کی سرکوبی کے لیے خالد بن عرفطہ کی سربراہی میں ایک لشکر بھیجا اور اس کو قتل کیا۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط : ص 203)

(8) اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کے ایک سربراہ حوثرہ بن ذراع کی سرکوبی کے لیے عبداللہ بن عوف ابن احمر کو تقریباً ایک ہزار کا لشکر دیا اور انہوں نے ان خارجیوں کو قتل کیا۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط ص 204)

(۹) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک خارجی گروہ کے سربراہ فروہ بن نوف کے سرکوبی کے لیے حضرت شبث بن ربعی کی قیادت میں کوفہ سے ایک لشکر بھیجا اور اس کو قتل کیا۔

(الکامل ابن الاثیر 3: /11)

(10) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے شبیب بن بجرہ خارجی جو کہ ابن ملجم کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو شہید کرنے میں شامل تھا کی سرکوبی کے لیے خالد بن عرفطہ یا معقل بن قیس کو بھیجا، چناچہ وہ اس لڑائی میں اپنے ساتھیوں سمیت مارا گیا۔ (الکامل ابن الاثیر 3: /11)

(11) اس کے بعد 43ھ میں مستورد بن علقمہ خارجی کے سربراہی میں بہت سارے خوارج جمع ہوئے اور اس کو اپنا سربراہ مان کر امیر المومنین کہنے لگے کوفہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امیر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس خارجی گروہ کی بیخ کنی کے لیے معقل بن قیس کی سربراہی میں ایک لشکر بھیجا اور اس میں ان خارجیوں کو تہس نہس کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ 7 : /191)

اس تحقیق سے یہ بات واضح ہوئی کہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا دعوٰی صرف زبانی نہ تھا بلکہ جانبین نے اس پر توجہ دی اور ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے جدو جہد اور کوشش کی وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصاص عثمان کا صرف مطالبہ کیا اور ان کو مارنے کے لیے کوئی کوشش نہ کی۔ ان حقائق کے بعد ان کا یہ اعتراض بہت کمزور ہو جاتا ہے۔

اب اس معاملہ پر موصوف لکھاری نے جو جملہ اعتراضات و استدلال پیش کیے ہیں ان کی قلعی علماء کرام اور عوام کے سامنے کھولی جاتی ہے تاکہ حقیقت معلوم ہو سکے۔

خلفاء راشدین کی سیرت پر چلنے کی شرط؟

صلح امام حسن ص 207 پر موصوف شاہ ولی اللہ دہلوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

حضرت معاویہ خلافت خاصہ کے بعض مقاصد جانتے تھے مگر ان کو اجراء نہ کرسکے۔ (ازالۃ الخفاء 1 : /574)

شاہ ولی اللہ دہلوی کی ایک دوسری کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے موصوف تحریر کرتے ہیں۔

اس لیے کہ وہ بادشاہوں کے طریقے پر تھے۔ اپنے پیشرو خلفاء کرام کے طریقہ پر نہیں تھے۔

(حجۃ البالغہ 2 · /581)

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ اس کی تفصیل کچھ یوں لکھتے ہیں۔

> حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحابہ کرام میں شورشیں ہوئیں یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوگئی، ہدنہ علی الدخن اسی خلافت کی طرف اشارہ ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہی متعلق ہے یعرف امرہ وینکر کہ ان کے حکم کی تعمیل بھی کی جائے گی اور اسے انکار بھی کیا جائے گا اس لیے کہ ان کی سیرت سلاطین کے طرز پر تھی نہ کہ خلفاء کے روش پر۔ (حجۃ البالغہ ص 618 مترجم)

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

خلافت کے انعقاد کے چوتھے طریقہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

" چوتھے طریقہ کی خلافت کی قسم یہ ہے کہ

> استیلاء کرنے والا خلافت کی شرائط کا جامع ہو اور بغیر ارتکاب کسی ناجائز امر کے صرف صلح اور تدبیر سے مخالفوں کو مزاحمت سے باز رکھے، یہ قسم عند الضرورت جائز ہے حضرت معاویہ بن سفیان کی خلافت کا انعقاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعد اور امام حسن کی صلح کے بعد اسی طرح سے ہوا تھا۔ (ازالۃ الخفاء ص 28)

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ خلافت خاصہ کے وصف کے بارے میں لکھتے ہیں: ۔

> پہلا وصف خلیفہ خاص کو موجود ہونا، دوسرا وصف اس کے تصرف یعنی احکام کا اجراء ہونا، چنانچہ حضرت علی المرتضی خلافت خاصہ کے اوصاف سے موصوف تھے اور ان کی خلافت شرعاً منعقد بھی ہوئی لہذا خلافت خاصہ کا ایک جزء تو پایا گیا لیکن دوسرا جزء نہیں پایا گیا یعنی مسلمانوں میں باہمی

اختلاف ہوگیا اور ان کا تصرف اطراف ملک میں نافذ نہ ہوا۔۔۔۔جس مبحث میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس میں بھی یہ بات حاصل ہے کہ خلیفہ خاص یعنی حضرت مرتضیٰ متصف باوصف کاملہ خلافت خاصہ موجود ہیں مگر ان کی خلافت بالفعل موجود نہیں پھر دوسرے زمانے میں لوگوں نے اتفاق کرلیا اور ان کا باہمی اختلاف رفع ہوگیا لیکن اس وقت کے خلیفہ یعنی حضرت معاویہ ان اوصاف کے ساتھ جو خلیفہ خاص میں معتبر ہیں متصف نہ تھے صلح تیرگی کے ساتھ جو کہ اس زمانے کا وصف حدیث میں مذکور ہے اسکے یہ ہی معنی ہیں، ہماری اس تقریر سے دونوں حدیثوں کا تعارض دفع ہوگیا اور فتنہ ثانیہ میں خلافت خاصہ کے دونوں وصف جاتے رہے یعنی اس زمانے کے خلیفہ میں نہ تو اوصاف خلافت خاصہ کے ساتھ متصف ہونا پایا گیا نہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق پایا گیا۔ (ازالۃ الخفاء 1: /556)

اس کے بعد شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے ایک اہم بات کی ہے۔

ہر طبقہ کو ایک صفت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور ہر زمانہ میں ایک جداگانہ حکم جاری رہے گا۔
(ازالۃ الخفاء 1 : /557)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیرت عمر رضی اللہ عنہ پر عمل پیرا ہونا

محمد بن شہاب زہری فرماتے ہیں:

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شَاكِرٍ, قَالَ ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ. قَالَ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ مَعْمَرٍ, عَنِ الزُّهْرِيِّ, قَالَ: عَمِلَ مُعَاوِيَةُ بِسِيرَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ سِنِينَ لَا يَخْرِمُ مِنْهَا شَيْئًا.

ترجمہ: "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سالہا سال سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت پر یوں عمل کیا کہ اس میں ذرا برابر بھی کوتاہی نہیں کی"۔ (السنۃ لأبي بكر الخلال 2/ 444رقم 683)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عادل ہونے کے بارے میں امام اعمش فرماتے ہیں:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ, قَالَ: ثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْأَثْرَمُ. قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَوَّاسٍ أَبُو عَاصِمٍ الْحَنَفِيُّ. قَالَ: ثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْمُكْتِبُ حُبَابٌ قَالَ كُنَّا عِنْدَ الْأَعْمَشِ. فَذَكَرُوا عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَعَدْلِهِ. فَقَالَ الْأَعْمَشُ "فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكْتُمْ

مُعَاوِيَةَ، قَالُوا: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ، يَعْنِي فِي حِلْمِهِ، قَالَ: لَا وَاللّٰهِ، أَلَا بَلْ فِي عَدْلِهِ:

ترجمہ: محدث المکتب حباب فرماتے ہیں کہ ہم نے محدث الاعمش کے نزدیک حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان کے عدل کا تذکرہ کیا، تو امام اعمش نے کہا: اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ دیکھ لیتے تو تمھیں معلوم ہوتا کہ حکمرانی اور انصاف کیا چیز ہوتی ہے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ ان کے حلم کی بات کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ خدا کی قسم ان کے عدل کی بات کہہ رہا ہو۔ (السنۃ لأبی بکر الخلال 2/437 رقم 667)

سیرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر عمل کرنا

محدث ابن عساکر رحمہ اللہ ایک روایت نقل کرتے ہیں:

نا ابن أبي الدنيا نا أبو كريب نا رشدين بن سعد عن عمرو بن الحارث عن بكير بن الأشج أن معاوية بن أبي سفيان قال ليزيد ابنه كيف تراك فاعلا إن وليت قال يمتع الله بك قال لتخبرني قال كنت والله يا أبه عاملا فيهم عمل عمر بن الخطاب قال سبحان الله يا سبحان الله والله يا بني لقد جهدت على سيرة عثمان فما أطقتها.

ترجمہ: بکیر بن الاشج فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید سے پوچھا کہ اگر تمھیں کبھی والی بنا دیا جائے تو تم کیا کرو گے، تو یزید نے کہا کہ اے والد، خدا کی قسم میں وہی کروں گا جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا سبحان اللہ، میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت پر چلنے کی کوشش کی تو نہ چل سکا، پھر تم کیسے سیرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر چل سکتے ہو؟ (تاریخ دمشق: 65/410)

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَفِيهِ فَضِيلَةُ الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ وَلَا سِيَّمَا فِي حَقْنِ دِمَاءِ الْمُسْلِمِينَ وَدَلَالَةٌ عَلَى رَأْفَةِ مُعَاوِيَةَ بِالرَّعِيَّةِ وَشَفَقَتُهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَقُوَّةِ نَظَرِهِ فِي تَدْبِيرِ الْمُلْكِ وَنَظَرِهِ فِي الْعَوَاقِبِ.

ترجمہ: اس صلح سے اصلاح بین الناس اور اور خصوصی طور پر مسلمانوں کی خونریزی روکنے کی

، فضیلت ہے اور امام حسن المجتبی رضی اللہ عنہ کے عمل سے اس بات پر بھی دلالت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رعیت پر بہت نرم دل اور مسلمانوں پر بڑے شفیق تھے اور امور سلطنت پر گہری نگاہ کے مالک تھے اور معاملات کے آخر تک ان کی نگاہ پہنچتی تھی:

(فتح الباری شرح صحیح البخاری :13/66)

مباحات میں وسعت کیوں؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مباحات پر عمل میں توسیع اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ حالات اور وقت کے ساتھ لوگوں کی ہمتوں میں قصور آنے کی وجہ سے اختیار کیا

علامہ پرہاروی رحمہ اللہ نے النبراس علیٰ شرح العقائد ص 510 پر یہ وضاحت کی ہے:

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باوجود یہ کہ بڑے عالم پرہیزگار اور بڑے انصاف پسند تھے، تاہم وہ خلفاء اربعہ سے ان امور میں ان سے نیچے تھے، یہ اس طرح ہے جس طرح تمام اولیاء وملائکہ اور پیغمبروں میں فرق دیکھتے ہو پس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت اگرچہ اجماع صحابہ اور سپرداری امام حسن رضی اللہ عنہ کی باعث بالکل صحیح تھی لیکن وہ پہلی خلافتوں کے منہاج پر نہ تھی کیونکہ آپ مباحات شرعیہ میں توسیع اور گنجائش سے کام لیتے اور خلفاء اربعہ ان سے ہمیشہ بچتے یعنی ہمیشہ زیادہ تورع، اور احتیاط کی جانب اختیار کرتے۔

علامہ پرہاروی رحمہ اللہ پر اعتراض کیوں؟

موصوف لکھاری صلح امام حسن ص 208 پر اس تحریر پر جگت بازی کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

اہل بیت کرام پر سب وشتم کرنا، سیدنا حجر بن عدی اور ان ان کے رفقاء کو ناحق قتل کرنا، خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت کرنا، خطبہ عیدین کو نماز عید پر مقدم کرنا، امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پس پشت ڈال دینا اور نظام انتخاب کو موروثیت میں تبدیل کرنا وغیرہ امور منکرات برائیاں نہیں تو کیا معروفات بھلائیاں ہیں؟

جواب:

گذارش ہے کہ موصوف کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگائے ہوئے منکرات کے تمام اعتراضات اور الزامات کا تحقیقی جائزہ اور ان کی اسنادی حیثیت پر راقم نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب {الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ} میں کلام کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ تمام الزامات باطل اور مردود ہیں ایک الزام نظام انتخاب کو موروثیت میں تبدیل کرنے کو منکر کہنے پر علماء نے اپنی تحقیق ضرور پیش کی ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کے مشورہ سے یزید کو خلیفہ نامزد تو کیا، مگر اس عمل کو علماء نے مفضول کا افضل پر اختیار کرنے کے اصول کا اطلاق کیا ہے اور اس کی شرائط بھی بیان کی ہیں اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر منکرات پر عامل ہونے کی بات غلط ہے۔

❁ امام ماوردی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْأَكْثَرُ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ تَجُوزُ إِمَامَتُهُ وَصَحَّتْ بَيْعَتُهُ. وَلَا يَكُونُ وُجُودُ الْأَفْضَلِ مَانِعًا مِنْ إِمَامَةِ الْمَفْضُولِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُقَصِّرًا عَنْ شُرُوطِ الْإِمَامَةِ.

ترجمہ: اکثر فقہاء اور متکلمین کہتے ہیں کہ زیادہ درجے کے لوگوں کو ہوتے ہوئے مفضول کی امامت اور بیعت جائز ہے، اور افضل کا پایا جانا مفضول کی امامت میں رکاوٹ نہیں بنتا مگر شرط یہ ہے کہ وہ شروط امامت پورا کرنے سے قاصر نہ ہو۔ (الأحکام السلطانیہ للماوردی 1/8)

❁ قاضی ابو یعلی الفراء رحمہ اللہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

ویجوز أن یعهد إلی من ینتسب إلیه بأبوة أو بنوة إذا کان المعهود له علی صفات الأئمة. لأن الإمامة لا تنعقد للمعهود إلیه بنفس العهد، وإنما تنعقد بعهد المسلمین (الأحکام السلطانیة للفراء 1 :/25)

ترجمہ: اور جائز ہے خلیفہ اسے ولی عہد بنائے جو اس کا باپ یا بیٹا ہو مگر شرط یہ ہے کہ ولی عہد ان شرطوں کو پورا کرے جو ائمہ میں ہونی چاہیے کیونکہ امامت صرف اس نامزدگی سے قائم نہیں ہوتی وہ مسلمانوں کی بیعت عام سے ہوتی ہے۔ (یعنی ولی عہد بنانا صرف ایک تجویز ہے اور اپنی صوابدید کا اظہار ہے)۔

❁ قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ نے اسی افضل امر کو ترک کرنے پر لکھا ہے۔

أن نقول، إن معاوية ترك الأفضل فى أن يجعلها شورى، وألا يخص بها أحدًا من قرابته فكيف ولدًا. (العواصم من القواصم ص 222)

ترجمہ: ہم کہتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس افضل کو ترک کیا کہ خلافت کو شوری میں رکھتے اور یہ اپنے قرابت میں سے کسی کو نہ دیتے چہ جائیکہ بیٹے کو۔

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكان رأى معاوية فى الخلافة تقديم الفاضل فى القوة والرأى والمعرفة على الفاضل فى السبق إلى الإسلام والدين والعبادة فلهذا أطلق أنه أحق

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے میں خلافت میں اس شخص کو آگے کرنا تھا جو سلطنت سنبھالنے کی قوت وتدبیر اور حالات کو جاننے میں ان سے آگے ہو جو اسلام لانے میں دیانت میں اور عبادت میں اس سے آگے ہیں اور اسی لیے آپ نے اطلاق رکھا کہ زیادہ حقدار وہی ہے۔ (فتح الباری لابن حجر: 440/7)

❁ مورخ ابن خلدون لکھتے ہیں:

وعدل عن الفاضل إلى المفضول حرصا على الاتفاق واجتماع الاهواء الذى شأنه أهم عند الشارع وإن كان لا يظن بمعاوية غير هذا فعدالته وصحبته مانعة من سوى ذالك.

ترجمہ: اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے فاضل اور مفضول کی طرف رجوع کیا تا کہ امت زیادہ سے زیادہ متفق رہ سکے اور کسی چیز کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا آپ کا عادل ہونا اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا یہاں کسی بدگمانی کو جگہ دینے سے امر مانع ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون: 109/1)

❁ مورخ ابن خلدون مزید وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

والذى دعا معاوية لإيثار ابنه يزيد بالعهد دون من سواه إنما هو مراعاة المصلحة فى اجتماع الناس، واتفاق أهوائهم باتفاق أهل الحل والعقد عليه حينئذ من بنى أمية، إذ بنو أمية يومئذ، لا يرضون سواهم، وهم عصابة

قریش وأهل الملة أجمع، وأهل الغلب منهم. فآثره بذلك دون غيره ممن يظن أنه أولى بها

ترجمہ: وہ بات جس نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے یزید کے ولی عہد بنانے پر تیار کیا اور آپ کی توجہ کسی دوسری جانب مبذول نہ ہوئی، وہ وجہ یہ تھی کہ لوگوں کو اکٹھا رکھنے اور اس وقت بنوامیہ کے اہل حل وعقد اس پر متفق رہنے سے پوری قوم کی خواہشات کو جمع رکھنے کی مصلحت کے لیے تھا بنوامیہ اس وقت اپنے سواء کسی اور پر راضی نہ ہو سکتے تھے، اور وہ قریش کی ایک بڑی قوت تھے اور ملت کی بڑی تعداد تھے اور غلبہ بھی انہی کا تھا، سو اس وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے یزید کو ترجیح دی اور کسی دوسرے کو نہ چنا، جس کے بارے میں یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ وہ افضل ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون 1 :/109)

۞ ابن خلدون دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وكذلك عهد معاوية إلى يزيد خوفاً من افتراق الكلمة بما كانت بنو أمية لم يرضوا تسليم الأمر إلى من سواهم. فلو قد عهد إلى غيره اختلفوا عليه. مع أن ظنهم كان به صالحاً، ولا يرتاب أحد في ذلك، ولا يظن بمعاوية غيره، فلم يكن ليعهد إليه، وهو يعتقد ما كان عليه من الفسق، حاشا لله لمعاوية من ذلك.
(مقدمہ ابن خلدون 1 /106)

ترجمہ: اور اسی لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد بنایا قطع نظر اس بات سے کہ بنوامیہ اپنے سواء کسی اور کو حکومت سپرد کرنے کے لیے راضی نہ ہوتے پوری امت کہیں بکھر نہ جائے آپ کسی اور کو مقرر کرتے تو وہ بنوامیہ اس سے بگڑ جاتے اور یہ بھی ہے کہ ان کا پہلے کا گمان یزید کے بارے میں اچھا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کر سکتا اور نہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی اس کے سواء کچھ گمان کر سکتا ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ یزید کے فسق کا بھی معلوم ہوتا اور آپ اسے مقرر کرتے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

قارئین کرام کے لیے ان حوالہ جات کو پیش کر دیا گیا ہے اس کا نتیجہ اخذ کرنا کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔

مطالبہ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ یا چاہت حکمرانی؟

معترضین تاریخ طبری 5: / 39 اور الکامل ابن الاثیر 3 : / 308,309 کے حوالہ سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا ضعیف قول پیش کرتے ہیں کہ بنو امیہ کا دم عثمان کے مطالبہ کے پیچھے حکومت کی خواہش تھی، مگر شاید ان کو ابو مخنف اور ہشام بن محمد الکلبی جیسے غالی شیعہ اور متروک راوی نظر نہیں آتے ان کی مرویات کو ایک مسلمان کے بارے میں بدظنی پھیلانے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اس کے برعکس حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ایسی متعدد مرویات صحیحہ اور حسنہ ہیں جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کے بارے میں بہت مناسب اور اچھے کلمات استعمال کیے ہیں۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، أنا أَبُو نُعَيْمٍ، ثنا سُفْيَانُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعَ عَلِيٌّ، يَوْمَ الْجَمَلِ أَوْ يَوْمَ صِفِّينَ رَجُلًا يَغْلُو فِي الْقَوْلِ فَقَالَ: لَا تَقُولُوا إِنَّمَا هُمْ قَوْمٌ زَعَمُوا أَنَّا بَغَيْنَا عَلَيْهِمْ، وَزَعَمْنَا أَنَّهُمْ بَغَوْا عَلَيْنَا فَقَاتَلْنَاهُمْ۔

(تعظیم قدر الصلاۃ رقم 594)

❁ امام مروزی دوسری روایت نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، ثنا أَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ، عَنْ مَكْحُولٍ، أَنَّ أَصْحَابَ عَلِيٍّ سَأَلُوهُ عَنْ مَنْ، قُتِلَ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاوِيَةَ مَا هُمْ؟ قَالَ: هُمُ الْمُؤْمِنُونَ.

ترجمہ: مکحول کہتے ہیں کہ اصحاب علی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے شہید ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جواب دیا کہ وہ مومن ہیں۔ (تعظیم قدر الصلاۃ رقم 595)

محدث سعید بن منصور اپنی سند سے روایت نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا صَالِحُ بْنُ مُوسَى، قَالَ نا مُعَاوِيَةُ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ أَبِي هِنْدَ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَلِيٍّ بِصِفِّينَ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذَّنَّا وَأَذَّنُوا، وَأَقَمْنَا فَأَقَامُوا، فَصَلَّيْنَا وَصَلَّوْا، فَالْتَفَتُّ، فَإِذَا الْقَتْلَى بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ، فَقُلْتُ لِعَلِيٍّ حِينَ انْصَرَفَ مَا تَقُولُ فِي قَتْلَانَا وَقَتْلَاهُمْ؟ فَقَالَ: مَنْ قُتِلَ مِنَّا وَمِنْهُمْ يُرِيدُ وَجْهَ اللهِ وَالدَّارَ

الْأٰخِرَةَ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔ (سنن سعید بن منصور 2 : /398، رقم 2968)

مذکورہ بالا روایات سے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دونوں طرف کے اصحاب کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مومن کا اطلاق کیا، جس سے یہ بات واضح ہے کہ ان حضرات کا قتال کسی دنیوی غرض اور باطل کو فوقیت دینے کے لیے نہیں تھا۔ یہ کیا تضاد نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ہی قول کو نہ مانا جائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مخالفین پر طرح طرح کے الزامات لگائے جائیں۔

ابن خلدون کا قول

ابن خلدون لکھتے ہیں:

كان طريقهم فيها الحق والاجتهاد ولم يكونوا في محاربتهم لغرض دنيوي أو لايثار باطل أو لاستشعار حقد كما قد يتوهمه متوهم وينزع إليه ملحد.

(مقدمہ ابن خلدون 1 / 257)

ترجمہ: یعنی ان دونوں حضرات کے درمیان جو جنگ تھی وہ وقتی طور پر پیش آیا نہ کہ کسی عناد کی وجہ سے، نہ فسادِ نیت کی وجہ سے تھی، یہ ایک ہنگامی مسئلہ کے درجے میں تھا جو بعد میں نپٹ گیا۔

ابن خلدون کے حوالہ پیش کرنے والوں پر یہ عبارت حجت ہے جو کہ اپنی کتابوں میں بار بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عناد یا فسادِ نیت یعنی غلط نیت یا طمع کی وجہ سے ان کی ذات کو مطعون کرتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخراجات کیسے ہوتے؟

علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أن عمر أفرد مُعَاوِيَة بالشَّام. ورزقه في كلّ شهر ثمانين ديناراً.

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے دور امارت شام میں بیت المال سے 80 ہزار دینار ملتے تھے۔ (تاریخ الاسلام 2 : /540)

❁ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ، تاریخ دمشق میں عطیہ بن قیس رحمہ اللہ سے رویت بیان کرتے ہیں۔

أخبرنا أبو الحسن الفرضي نا عبد العزيز بن أحمد أنا أبو محمد بن أبي نصر أنا أبو الميمون نا أبو زرعة نا الحكم بن نافع نا أبو بكر وهو ابن أبي مريم عن عطية ابن

قیس قال خطبنا معاویة فقال إن فی بیت مالکم فضلا عن عطائکم وأنا قاسم بینکم ذلك فإن کان فیه قابلا فضلا قسمته علیکم وإلا فلا عتیبة علی فإنه لیس مال وإنما هو فئ الله الذی أفاء علیکم

کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیت المال کے بارے میں بہت احتیاط کرتے اور اسے اپنا ذاتی مال نہیں سمجھتے تھے۔ (تاریخ دمشق 59 : /170)

محدث ابن عساکر رحمہ اللہ ایسے الزامات کے جوابات پر لکھتے ہیں:

معاویة ومن کان معه فی عصره بالشام من الصحابة والتابعین أتقی لله وأشد محافظة علی أداء فریضة وأفقه فی دینه

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جن کے ساتھ شام میں صحابہ اور تابعین تھے وہ خدا خوفی رکھتے تھے وہ فرائض ادا کرنے میں محافظ اور دین میں افقہ تھے۔ (تاریخ دمشق 1 : /366)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں کوئی صحابی شریک نہ تھا

مورخ خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ الْهَيْثَمِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ قلت لِلْحسنِ أَكَانَ فِيمَن قتل عُثْمَان أحد من الْمُهَاجِرين وَالْأَنْصَار قَالَ لَا كَانُوا أعلاجا من أهل مصر ۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط 1 : /76)

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاتلین عثمان میں انصار و مہاجرین میں سے کوئی بھی شریک نہیں تھا، آپ کو شہید کرنے والے مصر کے شریر قسم کے لوگ تھے۔

مزید تفصیل کے لیے قرۃ العینین شاہ ولی اللہ دہلوی ص 143، شرح صحیح مسلم للنووی 2 : /143، التمہید ابو شکور السالمی ص 24، البدایہ والنہایہ :7/185 ملاحظہ کریں۔

مخالفین حضرت فروہ بن عمرو انصاری، محمد بن عمرو بن حزم انصاری، عبداللہ بن بُدیل بن ورقاء خزاعی، محمد بن ابو بکر، اور حضرت ابن عدیس رضوان اللہ اجمعین کے نام پیش کرتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بات تحقیق کے میدان میں ثابت نہیں۔ قارئین کرام کے سامنے معترض کے ایسے تمام اعتراضات کے حقائق اور جوابات پیش کر دیے ہیں جو کہ کتاب میں کیے گئے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہلیت مدنظر ہونا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکمرانی کی اہلیت کے بارے میں پہلے علماء اور محققین کی رائے ملاحظہ کریں اور پھر اس پر جملہ اعتراضات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ ملاحظہ کیجئے تا کہ حقیقت اور الزامات کے درمیان فرق معلوم ہو سکے۔

خلافت کی اقسام:

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں خلافت کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

(1) خلافت خاصہ (2) خلافت عامہ (3) خلافت عادلہ

ان تینوں اقسام پر شاہ ولی اللہ دہلوی نے خلیفہ کا اطلاق کیا ہے، مگر اس پر ایک اشکال ہے محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں یہ لکھا ہے:

إِنَّ مُعَاوِيَةَ بِصُلْحِ الْحَسَنِ لَمْ يَصِرْ خَلِيْفَةً خِلَافًا لِمَنْ تَوَهَّمَ خِلَافَ ذَالِكَ

ترجمہ: بے شک معاویہ رضی اللہ عنہ سے امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح کرنے سے معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں ہو گئے جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے (مرقاۃ المفاتیح کتاب الفتن: 3391/8)

جواب:

اس اشکال کا جواب مفتی رضا الحق اشرفی صاحب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا وہ مطلب نہیں جو شیعہ روافض اپنے مطلب کے لیے ثابت کرنا چاہتے ہیں محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا صحیح مطلب یہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے، آپ پر خلافت راشدہ کی مدت (تیس سال) پوری ہوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آپ ہی مستحق خلافت بھی تھے لیکن جب مسلمانوں کے دو گروہوں (حامیانِ امام حسن اور حامیانِ معاویہ رضی اللہ عنہما) میں اختلاف و انتشار اس قدر بڑھا کہ سخت خوں ریزی کی نوبت آگئی تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لیے خلافت سے دست برداری اختیار کر لی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امارت وحکومت دے دی اور اُن کی بیعت کر کے انھیں امیر المومنین تسلیم کر لیا اس طرح امام حسن رضی اللہ عنہ نبوی

بشارت کے مطابق "سید" (مومنوں کے آقا و سردار) ثابت ہوئے۔

ارشاد نبوی کے مطابق امام حسن رضی اللہ عنہ کی ذات پر خلافت راشدہ ختم ہوئی لہٰذا اس معنی کر کے اُس کے بعد کسی کے خلیفہ ہونے کا کوئی معنی نہیں ہے لہٰذا محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا اپنی جگہ درست ہے کہ امام حسن کی صلح سے حضرت معاویہ خلیفہ نہیں ہوئے کیوں کہ آخری خلیفۂ راشد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تھے اُن کے بعد آنے والے عادل امیر المومنین بادشاہِ اسلام کو ہادی ومہدی ہونے کے اعتبار سے لغوی معنی میں خلیفۂ "راشد" کہا جا سکتا ہے کہ راشد کا معنی ہادی ہے، لیکن جس معنی میں خلفائے راشدین کو خلیفۃ المسلمین کہا جاتا ہے اُس معنی میں امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد کسی بھی عادل امیر المسلمین کو خلیفۂ راشد یا خلیفۃ المسلمین کہنا درست نہیں۔

امام عادل کو ہادی ومہدی ہونے کے اعتبار سے خلیفۃ المسلمین کہنے کے جواز پر صحیح حدیث شریف بھی بطور دلیل موجود ہے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: دین ہمیشہ قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے یا تم پر بارہ خلیفہ گزر جائیں، سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ (صحیح مسلم 6 : /4رقم 4815)

اگر لفظ خلیفہ صرف خلفائے راشدین کے لیے بولنا درست ہو تو صحیح مسلم کی حدیث مذکور کا کیا جواب ہوگا؟ خلفائے راشدین تو بشمولِ امام حسن صرف پانچ ہیں، حالانکہ حدیث میں ہے کہ 12 خلفا ہوں گے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ خلافت راشدہ کی مدت تیس سال ہے جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مکمل ہو چکی ہے لیکن اُس کے بعد آنے والے عادل حکمرانِ اسلام کو بھی خلیفۃ المسلمین کہنا درست ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد جتنے عادل امیر المومنین گزرے ہیں اُن میں سے اول و افضل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ آپ صحابی رسول تھے اور کوئی غیر صحابی کسی بھی صحابی سے افضل بلکہ ان کا ہمسر نہیں ہو سکتا اس لحاظ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کہنا درست ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفۃ المسلمین کہا جاتا ہے، حالانکہ آپ تابعی تھے۔ انتہیٰ

اس تحقیق کے بعد صحابہ کرام اور تابعین وعلماء کے اقوال ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حکمرانی کے لیے بہتر شخص تھے۔

خلفاء راشدین کے بعد سب سے بہتر حکمران

حضرت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا.

ما رأيت رجلاً كان أخلق يعني للملك من معاوية.

(تاریخ دمشق 62 : / 121 وسندہ صحیح، مصنف عبدالرزاق 11 : / 453 رقم 20985)

ترجمہ: میں نے معاویہ سے زیادہ حکومت کے لئے مناسب (خلفائے راشدین کے بعد) کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق کے مطابق فیصلہ کرنے والے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں.

ما رأيت أحدا بعد عثمان أقضى بحق من صاحب هذا الباب يعني معاوية.

(تاریخ دمشق 59 : / 161)

ترجمہ: میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حق کے مطابق فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

جنگوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ام المومنین کی دعا

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

حدثنا أبو موسى، وهلال بن بشر، قالا ثنا محمد بن خالد بن عثمة، أخبرني سليمان بن بلال، أخبرني علقمة بن أبي علقمة، عن أمه، عن عائشة، قالت: ما زال بي ما رأيت من أمر الناس في الفتنة، حتى إني لأتمنى أن يزيد الله عز وجل معاوية من عمري في عمره

ترجمہ: فتنے کے دور میں ہمیشہ میری یہ تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ میری عمر، معاویہ رضی اللہ عنہ کو لگا دے۔

(الطبقات لابن ابی عروبہ الحرانی ص 68 رقم 41)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عدل میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے اعلیٰ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عادل ہونے کے بارے میں امام اعمش فرماتے ہیں۔

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: ثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْأَثْرَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَوَّاسٍ أَبُو عَاصِمٍ الْحَنَفِيُّ، قَالَ: ثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْمُكْتِبُ حُبَابٌ قَالَ كُنَّا عِنْدَ الْأَعْمَشِ فَذَكَرُوا عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَعَدْلِهِ، فَقَالَ الْأَعْمَشُ "فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكْتُمْ مُعَاوِيَةَ؟ قَالُوا: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ، يَعْنِي فِي حِلْمِهِ؟ قَالَ: لَا وَاللهِ، أَلَا بَلْ فِي عَدْلِهِ.

ترجمہ: محدث المکتب حباب فرماتے ہیں کہ ہم نے محدث الاعمش کے نزدیک حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان کے عدل کا تذکرہ کیا، تو امام اعمش نے کہا: اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ دیکھ لیتے تو تمھیں معلوم ہوتا کہ حکمرانی اور انصاف کیا چیز ہوتی ہے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ ان کے حلم کی بات کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ خدا کی قسم ان کے عدل کی بات کہہ رہا ہو۔

(السنۃ لأبی بکر الخلال 2 : / 437 رقم 667)

اعمال معاویہ رضی اللہ عنہ مثل مہدی

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ ثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْأَثْرَمُ، قَالَ ثَنَا عُمَرُ بْنُ جَبَلَةَ، قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ، عَنْ يُونُسَ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: لَوْ أَصْبَحْتُمْ فِي مِثْلِ عَمَلِ مُعَاوِيَةَ لَقَالَ أَكْثَرُكُمْ: هٰذَا الْمَهْدِيُّ.

ترجمہ: اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعمال کا جائزہ لو تو تم میں سے اکثر کہیں گے کہ یہ مہدی ہیں۔

(السنۃ لأبی بکر الخلال 2 : / 437 رقم 668)

معاویہ رضی اللہ عنہ ہی مہدی ہیں

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ هِشَامٍ، قَالَ ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ الضَّرِيرُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: لَوْ رَأَيْتُمْ مُعَاوِيَةَ لَقُلْتُمْ: هٰذَا الْمَهْدِيُّ.

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعمال کا جائزہ لو تو تم میں سے اکثر کہیں گے کہ یہ مہدی ہیں۔

(السنۃ لأبی بکر الخلال 2/437 رقم 669)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مثال نہیں

ابی اسحاق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، «مَا رَأَيْتُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، يَعْنِي مُعَاوِيَةَ.

ترجمہ: ہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسی کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔

(السنۃ لأبی بکر الخلال 2 : / 437 رقم 670)

ان تمام مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں حکمرانی کی اہلیت بھی تھی اور اکابرین صحابہ کرام اور تابعین نے ان کی اس وصف کی وضاحت بھی کی، اس لیے یہ اعتراض حقیقت کے خلاف ہے کہ ان میں حکمرانی کی اہلیت نہیں تھی تحقیق کے میدان میں جانبین کے دلائل کا تقابل ہی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیرت عمر رضی اللہ عنہ پر عمل پیرا ہونا

محمد بن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شَاكِرٍ، قَالَ ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: عَمِلَ مُعَاوِيَةُ بِسِيرَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ سِنِينَ لَا يَخْرِمُ مِنْهَا شَيْئًا.

ترجمہ: "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سالہا سال سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت پر یوں عمل کیا کہ اس میں ذرا برابر بھی کوتاہی نہیں کی"۔ (السنۃ لأبی بکر الخلال 2/444 رقم 683)

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَفِيهِ فَضِيلَةُ الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ وَلَا سِيَّمَا فِي حَقْنِ دِمَاءِ الْمُسْلِمِينَ وَدَلَالَةٌ عَلَى رَأْفَةِ مُعَاوِيَةَ بِالرَّعِيَّةِ وَشَفَقَتُهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَقُوَّةِ نَظَرِهِ فِي تَدْبِيرِ الْمُلْكِ وَنَظَرِهِ فِي الْعَوَاقِبِ۔

ترجمہ: اس صلح سے اصلاح بین الناس اور اور خصوصی طور پر مسلمانوں کی خونریزی روکنے کی فضیلت ہے اور امام حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے عمل سے اس بات پر بھی دلالت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رعیت پر بہت نرم دل اور مسلمانوں پر بڑے شفیق تھے اور امور سلطنت پر گہری نگاہ کے مالک تھے اور معاملات کے آخر تک ان کی نگاہ پہنچتی تھی۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری 13 :/66)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلیم اور سخی ہونا

أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو مَنْصُورِ بْنُ دَاوُدَ بْنِ طَوْقٍ الصَّغَانِيُّ، قَالَ: ثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: ثَنَا هُشَيْمٌ، عَنِ الْعَوَّامِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ مَا رَأَيْتُ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْوَدَ مِنْ مُعَاوِيَةَ، فَقِيلَ: وَلَا أَبُوكَ، قَالَ أَبِي عُمَرُ رَحِمَهُ اللهُ خَيْرٌ مِنْ مُعَاوِيَةَ، وَكَانَ مُعَاوِيَةُ أَسْوَدَ مِنْهُ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر بزرگ نہیں دیکھا تو شاگردوں نے پوچھا کہ آپ کے والد گرامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی نہیں؟ کہا کہ میرے والد معاویہ سے بہتر تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے بزرگ تھے۔ (السنۃ لأبی بکر الخلال 2 : /443 رقم 680)

❁ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَحْمَدَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ فِي حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا

بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَسْوَدَ مِنْ مُعَاوِيَةَ. قَالَ: تَفْسِيرُهُ: أَسْخَى مِنْهُ.

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو حدیث ابن عمر كَانَ أَسْوَدَ مِنْ مُعَاوِيَةَ کے بارے میں کہتے سنا کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ سخی تھے۔ (السنۃ لأبی بکر الخلال 2 : / 441 رقم 678)

❁ محدث ابو بکر الخلال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ أَبُو بَكْرٍ الْخَلَّالُ: وَقَدْ رَوَى هٰذَا التَّفْسِيرَ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ غَيْرُ وَاحِدٍ ثِقَةٌ. مِنْهُمْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى صَاحِبُ بِشْرِ بْنِ الْحَارِثِ رَحِمَهُ اللهُ. وَالدُّورِيُّ حَكَاهُ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ. وَلَا أَحْسِبُ إِلَّا أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُثَنَّى. لِأَنَّهُمَا جَمِيعًا رَوَيَا الْحَدِيثَ عَنْ نُوحِ بْنِ يَزِيدَ.

ترجمہ: أَسْوَدَ مِنْ مُعَاوِيَةَ کی تفسیر کہ وہ سخی تھے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے علاوہ متعدد ثقہ محدثین کرام نے بیان کیا جس میں محمد بن المثنی جو کہ امام بشر بن الحارث الحافی کے اصحاب میں سے تھے، اور محدث عباس الدوری نے بعض شیوخ سے، اور ان سب نے یہ حدیث نوح بن یزید سے روایت کی۔

❁ ایک دوسری سند کے ساتھ محدث ابو بکر الخلال لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَاهُ الدُّورِيُّ قَالَ ثَنَا نُوحُ بْنُ يَزِيدَ الْمُؤَدِّبُ قَالَ ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَسْوَدَ مِنْ مُعَاوِيَةَ. قَالَ: قُلْتُ: هُوَ كَانَ أَسْوَدَ مِنْ أَبِي بَكْرٍ؟ قَالَ: هُوَ وَاللهِ أَخْيَرُ مِنْهُ، وَهُوَ وَاللهِ كَانَ أَسْوَدَ مِنْ أَبِي بَكْرٍ. قَالَ قُلْتُ فَهُوَ كَانَ أَسْوَدَ مِنْ عُمَرَ؟ قَالَ عُمَرُ وَاللهِ كَانَ أَخْيَرَ مِنْهُ، وَهُوَ وَاللهِ أَسْوَدُ مِنْ عُمَرَ. قَالَ قُلْتُ: هُوَ كَانَ أَسْوَدَ مِنْ عُثْمَانَ قَالَ وَاللهِ إِنْ كَانَ عُثْمَانُ لَسَيِّدًا، وَهُوَ كَانَ أَسْوَدَ مِنْهُ. قَالَ الدُّورِيُّ: قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا: قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: مَعْنَى أَسْوَدًا أَيْ أَسْخَى.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر بزرگ نہیں دیکھا پوچھا گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق سے بھی؟ تو کہا

کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سے بہت بہتر تھے مگر معاویہ ان سے اسود تھے، تو شاگردوں نے پوچھا کہ آپ کے والد گرامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی نہیں؟ کہا کہ میرے والد معاویہ سے بہتر تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے بزرگ تھے پھر پوچھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بھی، تو جواب دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو سید تھے مگر حضرت معاویہ ان سے اسود تھے محدث عباس دوری بعض اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے اس روایت میں اسود کا معنی زیادہ سخی کے کیا ہے۔

(السنۃ لأبی بکر الخلال :2/441رقم 678)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اہل مدینہ پر خرچ کرنا

محدث ابو بکر الخلال رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قَالَ وَأَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مَخْلَدِ بْنِ حَفْصٍ الْعَطَّارُ. قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى. قَالَ ثَنَا نُوحُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ سَيَّارٍ أَبُو مُحَمَّدٍ الْمُؤَدِّبُ. قَالَ. وَسَأَلَ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ عَنْهُ. فَقَالَ اكْتُبْ مِنْهُ، فَإِنَّهُ كَانَ مُؤَدِّبَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، وَحَجَّ مَعَهُ. قَالَ ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قُلْتُ وَهُوَ كَانَ أَسْوَدَ مِنْ أَبِي بَكْرٍ؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ أَفْضَلُ مِنْهُ. وَكَانَ هُوَ أَسْوَدَ مِنْ أَبِي بَكْرٍ. قَالَ قُلْتُ أَهُوَ كَانَ أَسْوَدَ مِنْ عُمَرَ؟ قَالَ: عُمَرُ كَانَ أَفْضَلَ مِنْهُ. وَهُوَ اللهِ كَانَ أَسْوَدَ مِنْ عُمَرَ. قَالَ قُلْتُ: هُوَ كَانَ أَسْوَدَ مِنْ عُثْمَانَ؟ قَالَ: وَاللهِ إِنْ كَانَ عُثْمَانُ لَسَيِّدًا. وَمُعَاوِيَةُ وَاللهِ كَانَ أَسْوَدَ مِنْهُ. قَالَ: سَأَلْتُ أَحْمَدَ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ. أَيْشٍ مَعْنَى السَّيِّدِ؟ قَالَ السَّيِّدُ الْحَلِيمُ. وَالسَّيِّدُ: الْمُعْطِي. أَعْطَى مُعَاوِيَةُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ عَطَايَا مَا أَعْطَاهَا خَلِيفَةٌ كَانَ قَبْلَهُ.

(السنۃ لأبی بکر الخلال 2 :/442رقم 679)

ترجمہ: مذکورہ روایت کو سند انقل کرنے کے بعد امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ سید کے کیا معنی ہیں، تو امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ سید کا معنی حلیم اور سید کا معنی دینے والا ہے حضرت معاویہ نے اہل مدینہ کو وہ کچھ دیا تو ان سے پہلے کے خلفاء نے اہل مدینہ کو دیا۔

امام ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے محبت

جلیل القدر تابعی ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

أما بعد ! فلا والله، ما أبغضناك منذ أحببناك، ولا عصيناك منذ أطعناك، ولا فارقناك منذ جامعناك، ولا نكثنا بيعتنا منذ بايعناك، سيوفنا على عواتقنا، إن أمرتنا أطعناك، وإن دعوتنا أجبناك، وإن سبقتنا أدركناك، وإن سبقناك نظرناك۔

”اللہ کی قسم! ہم نے جب سے محبت کرنا شروع کی ہے، آپ سے نفرت نہیں کی جب سے آپ کی اطاعت میں آئے ہیں، نافرمانی نہیں کی جب سے ملے ہیں، آپ سے جدا نہیں ہوئے جب سے آپ کی بیعت کی ہے، بیعت نہیں توڑی ہماری تلواریں کندھوں پر ہیں، اگر آپ کا حکم ہوا تو ہم سر موانحراف نہیں کریں گے اگر آپ نے پکارا تو لبیک کہیں گے اگر آپ ہم سے آگے نکل گئے تو ہم آپ کے پیچھے جائیں گے اور اگر ہم آگے نکل گئے تو آپ کا انتظار کریں گے“۔

(مسائل الامام أحمد بروایۃ ابنہ أبی الفضل صالح 330)

حضرت معاویہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عظمت کا اقرار

صحابی رسول ﷺ حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندی أنا أبو القاسم بن مسعدة أنا حمزة بن يوسف أنا أبو أحمد بن عدی نا عبد الله بن ناجية نا أبو عمرو عثمان بن عبد الله بن عمرو بن عثمان العثمانی نا ابن لهيعة قال سمعت أبا الزبير عن جابر قال كنا عند معاوية فذكر علی أحسن ذكره وذكر أبيه وأمه ثم قال وكيف لا أقول هذا لهم هم خيار خلق الله وعنده بنيه أخيار أبناء أخيار۔

”ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ذکر اچھے انداز میں کیا، پھر کہا میں اس طرح کیوں نہ کہوں جبکہ وہ اللہ کے بندوں میں سے بہترین شخص تھے، ان کے گھر میں نبی کریم ﷺ کا جگر گوشہ تھا، وہ بہترین نسب کے حامل تھے“ (تاریخ دمشق 42/415)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شان وفضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قائل تھے اس لیے منبر پر سب وشتم بمعنی گالیاں یا تنقیص کرنے کا کیا جواز ہو سکتا تھا؟ اس کی سند اگرچہ کمزور مگر فضائل میں اس کے منکر تو موصوف بھی نہیں ہیں۔

اقتدار چھوڑنے کی وجہ خود امام پاک کی زبانی

روایات میں اقتدار کے بارے میں امام پاک نے جو کہا وہ روایات میں ملاحظہ کریں۔
امام طبرانی روایت نقل کرتے ہیں۔

۱. حَدَّثَنَا أَبُو خَلِيفَةَ، ثنا عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ، ثنا سُفْيَانُ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: شَهِدْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِالنُّخَيْلَةِ حِينَ صَالَحَهُ مُعَاوِيَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْه... وَإِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ الَّذِي اخْتَلَفْتُ فِيهِ أَنَا وَمُعَاوِيَةُ إِمَّا كَانَ حَقًّا لِي تَرَكْتُهُ لِمُعَاوِيَةَ إِرَادَةَ صَلَاحِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَحَقْنِ دِمَائِهِمْ، أَوْ يَكُونُ حَقًّا كَانَ لِامْرِءٍ أَحَقَّ بِهِ مِنِّي، فَفَعَلْتُ ذَالِكَ. {وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ}
(الأنبياء 111)

ترجمہ: یہ معاملہ جس میں، میں نے اور معاویہ نے اختلاف کیا ہے یہ میرا حق ہے تو میں نے اصلاح امت کی خاطر معاویہ کے لیے چھوڑ دیا یا یہ کسی اور شخص کا حق ہے جو مجھ سے زیادہ مستحق ہے تب بھی میں نے اسے چھوڑ دیا اور میں کیا جانوں شاید وہ تمہاری جانچ ہو۔
(المعجم الکبیر للطبرانی 3 : /26)

(رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَفِيهِ مُجَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ، وَفِيهِ كَلَامٌ. وَقَدْ وُثِّقَ. وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ رِجَالُ الصَّحِيحِ. مجمع الزوائد ومنبع الفوائد208/4:)
محدث حاکم سند اروایت نقل کرتے ہیں۔

۲. حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ، وَعَلِيُّ بْنُ حَمْشَاذٍ، قَالَا ثنا بِشْرُ بْنُ مُوسَى، ثنا الْحُمَيْدِيُّ، ثنا سُفْيَانُ، عَنْ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ خَطَبَنَا الْحَسَنُ بْنُ

عَلِيٍّ بِالنُّخَيْلَةِ حِينَ صَالَحَ مُعَاوِيَةَ. فَقَامَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ أَكْيَسَ الْكَيْسِ التُّقَى، وَإِنَّ أَعْجَزَ الْعَجْزِ الْفُجُورُ. وَإِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ الَّذِي اخْتَلَفْتُ فِيهِ أَنَا وَمُعَاوِيَةُ حَقٌّ لِامْرِءٍ، وَكَانَ أَحَقَّ بِحَقِّهِ مِنِّي أَوْ حَقٌّ لِي فَتَرَكْتُهُ لِمُعَاوِيَةَ إِرَادَةَ اسْتِصْلَاحِ الْمُسْلِمِينَ وَحَقْنَ دِمَائِهِمْ. وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ. وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ، أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَاسْتَغْفِرُ اللهَ لِي وَلَكُمْ.

(التعلیق، من تلخیص الذہبی)

امام بیہقی روایت نقل کرتے ہیں۔

۲. أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ الْفَضْلِ، أَنْبَأَ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا يَعْقُوبُ، حَدَّثَنِي سَلَمَةُ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَنْبَأَ مَعْمَرٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ لَوْ نَظَرْتُمْ مَا بَيْنَ جَابِرْسَ إِلَى جَابِلْقَ مَا وَجَدْتُمْ رَجُلًا جَدُّهُ نَبِيٌّ غَيْرِي وَغَيْرَ أَخِي، وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَجْتَمِعُوا عَلَى مُعَاوِيَةَ ، {وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ}(الأنبياء 111) . قَالَ مَعْمَرٌ جَابِرْسَ وَجَابِلْقَ الْمَغْرِبُ وَالْمَشْرِقُ. (السنن الکبریٰ 8 : /300، رقم 16711)

امام بیہقی دوسری سند سے روایت نقل کرتے ہیں۔

۳. وَأَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ، أَنْبَأَ عَبْدُ اللهِ، ثَنَا يَعْقُوبُ، ثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا مُجَالِدٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، ح قَالَ وَحَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، ثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، ثَنَا مُجَالِدٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ لَمَّا صَالَحَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ ، وَقَالَ هُشَيْمٌ لَمَّا سَلَّمَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْأَمْرَ إِلَى مُعَاوِيَةَ، قَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ بِالنُّخَيْلَةِ قُمْ فَتَكَلَّمْ ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ ، فَإِنَّ أَكْيَسَ الْكَيْسِ التُّقَى ، وَإِنَّ أَعْجَزَ الْعَجْزِ الْفُجُورُ ، أَلَا وَإِنَّ هَذَا الْأَمْرَ الَّذِي اخْتَلَفْتُ فِيهِ أَنَا وَمُعَاوِيَةُ حَقٌّ لِامْرِءٍ كَانَ أَحَقَّ بِهِ مِنِّي ، أَوْ حَقٌّ لِي تَرَكْتُهُ لِمُعَاوِيَةَ إِرَادَةَ إِصْلَاحِ الْمُسْلِمِينَ وَحَقْنِ دِمَائِهِمْ ، {وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ}(الأنبياء 111) " ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ. (السنن الکبریٰ 8 : /300)

❁ ان سب روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ

امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں نے یہ خلافت اہل اسلام کی بہتری، اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کی خاطر چھوڑی ہے۔

❀ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَفِيهِ فَضِيلَةُ الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ وَلَا سِيَّمَا فِي حَقْنِ دِمَاءِ الْمُسْلِمِينَ وَدَلَالَةٌ عَلَى رَأْفَةِ مُعَاوِيَةَ بِالرَّعِيَّةِ وَشَفَقَتُهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَقُوَّةِ نَظَرِهِ فِي تَدْبِيرِ الْمُلْكِ وَنَظَرِهِ فِي الْعَوَاقِبِ. (فتح الباری شرح صحیح البخاری :13/ 66)

ترجمہ :اس صلح سے اصلاح بین الناس اور اور خصوصی طور پر مسلمانوں کی خونریزی روکنے کی فضیلت ہے اور امام حسن المجتبی رضی اللہ کے عمل سے اس بات پر بھی دلالت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رعیت پر بہت نرم دل اور مسلمانوں پر بڑے شفیق تھے اور امور سلطنت پر گہری نگاہ کے مالک تھے۔ اور معاملات کے آخر تک ان کی نگاہ پہنچتی تھی۔

❀ ❀ ❀

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طلقاء اور مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں؟

دور حاضر میں سے موصوف لکھاری نے اپنی کتاب صلح امام حسن ص 38 تا ص 66 تک پورا زور لگا دیا ہے کہ طلقاء اور مؤلفۃ القلوب کسی بھی عہدہ کے اہل نہیں اس لیے موصوف نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو طلقاء اور مؤلفۃ القلوب میں شامل کرنے کی اپنے تئیں بھرپور کوشش کی:

مگر جناب خود اپنی تحقیق میں پھنس گئے وہ اس لیے کہ انہوں نے اپنی کتاب صلح امام حسن میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ جن کا اسلام اچھا تھا وہ طلقاء اور مولفۃ القلوب میں سے بھی ہو کر حکمرانی کے اہل ہوتے ہیں اور انہوں نے چند صحابہ کرام جیسے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے نام بھی ذکر کیے، موصوف کی تحقیق سے ہمیں اتفاق تو نہیں مگر وہ اپنی تحقیق میں خود ہی اپنا رد کر بیٹھے ہیں، کیونکہ ان کی تحقیق کے مطابق حکمرانی کی اہلی اور نااہلی کا تعلق طلقاء یا مؤلفۃ القلوب ہونے سے نہیں بلکہ ان کے اچھے اسلام پر موقوف ہے۔

ایک نکتہ ذہن میں رہے کہ طلقاء کا لفظ کسی قباحت کے لیے نہیں بلکہ اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ فتح مکہ کے دن اسلام لائے، جیسے مہاجرین کا لفظ ہجرت کرنے والوں کے لیے اور انصار کا لفظ ہجرت کرنے والوں کی مدد کے لیے آیا ہے۔ طلقاء سے کسی کی صحابیت کی نفی نہیں ہوتی اور نہ اس سے صحابیت کے شرف و مقام کی نفی ہوتی ہے جبکہ اعتراض کرنے والے خود حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے شرف صحابیت کے قائل ہیں جو کہ طلقاء میں سے تھے۔

عصر حاضر کا کہانی نویس لکھاری لکھتا ہے کہ طلقاء میں سے کچھ اچھے اور کچھ اچھے نہ تھے جبکہ مولفۃ القلوب میں سارے ہی برے تھے موصوف لکھاری کی یہ کہانی بھی دجل وفریب پر ہی مبنی ہے اس لیے مولفۃ القلوب میں چند صحابہ کرام کے نام پیش خدمت ہیں جن کے بارے میں علماء نے حسن الاسلام یعنی اچھے اسلام کی وضاحت کی ہے۔

حضرت الحارث بن ہشام، حضرت عکرمہ بن أبي جہل، حضرت سہیل بن عمرو، حضرت صفوان بن أمیہ،

حضرت حکیم بن حزام، حضرت جبیر بن مطعم، اور حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کو علماء نے مؤلفۃ القلوب میں لکھا ہے۔

موصوف جن صحابہ کرام کو طلقاء کہہ کر ان پر طعن کرتا ہے اس پر تفصیلی بحث تو طلقاء کے موضوع پر لکھی جانے والی کتاب میں آئے گی مگر اس مقام پر اتنی گذارش ضرور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تو طلقاء کا اطلاق بھی محل نظر ہے موصوف کے اصول کے مطابق اگر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو طلقاء میں سے مان بھی لیا جائے تو ان کے حسن اسلام کے بارے میں تو بہت ساری روایات اور اقوال موجود ہیں جب طلقاء میں سے ہوتے ہوئے حضرت اسید بن حضر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ حکمرانی کے اہل تھے تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ حکمرانی کے اہل کیوں نہیں؟ اگر اس عقدہ کا حل موصوف لکھاری قارئین کے سامنے پیش کر دیں تو بہت مناسب عمل ہوگا۔

کیا طلقاء منصب کے اہل تھے؟

عصر حاضر کے موصوف لکھاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو طلقاء اور مؤلفۃ القلوب میں شامل کر کے انہیں کسی بھی منصب کے لیے نااہل قرار دینے کی کوشش کی اور امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے صلح کو بامر مجبوری معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملک سونپنے کی بات کی، اور ملک سونپنے کو اہلیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات کرنے والوں پر دل کھول کر تبراء کیا اور اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ رضویہ 29 / 337 کی عبارت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگر خلافت کے اہل نہ ہوتے تو امام مجتبیٰ ہرگز انہیں تفویض نہ فرماتے، کو غفلت کی علامت لکھا۔

اکابرین صحابہ پر طعن کی کوشش

مگر عرض یہ ہے کہ معترض کا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی عبارت کو غفلت کی علامت لکھنا جہاں حقائق کے خلاف اور غلط ہے، وہیں انہوں نے اس فتویٰ کا اطلاق صلح امام حسن ص 51,52 پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بھی فہم کی عدم رسائی، سے کیا ہے کیا یہ اکابرین صحابہ پر جرات نہیں کہ ان کی فہم پر اعتراض کیا جائے؟ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور عظیم خلیفہ پر حرف گیری کی جائے؟ موصوف نے صرف اعلیٰ حضرت کے بغض میں غفلت کی علامت جیسے مکروہ و رکیک الفاظ تو لکھ

دیے، مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ ان الفاظ کا اطلاق کن کن اکابرین صحابہ پر ہوتا ہے۔ انہی اکابرین صحابہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کی گورنری دی اور ان کو برقرار رکھا، اگر یہ لوگ کسی عہدہ کے لائق نہیں تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف فتح مکہ کے مسلمانوں کو گورنری دی بلکہ اہم عہدہ پر بھی فائز کیا اور بقول معترض ان میں طلقاء اور مولف القلوب بھی شامل تھے۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں طلقاء کے اہم عہدے

قارئین کرام کے سامنے چند صحابہ کرام کے اسماء گرامی اور ان کے اہم عہدہ کی تفصیل پیش خدمت ہے تا کہ وہ ملاحظہ کریں اور جناب معترض کی کذب بیانی کی کچھ جھلک کو دیکھ سکیں۔

(1) حضرت عبد اللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ	الجند	(الاستیعاب 1: /351)
(2) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ	نجران	(الاستیعاب 1: /319)
(3) حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ	نجران	(الاستیعاب 1: /319)
(4) حضرت عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ	کاتب	(الاستیعاب 1: /336)
(5) حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل	قبیلہ ہوزان	(الاستیعاب 2: /506)
(6) حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ	مکہ	(الاستیعاب 2: /508)
(7) حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ	یمن	(الاستیعاب 1: /90)
(8) حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ	خزانچی	(الاستیعاب 1: /104)
(9) حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ	قیس	(الاستیعاب 1: /247)
(10) حضرت صرد بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ	الازد	(الاستیعاب 1: /323)

عمال جنہیں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سابقین اولین پر ترجیح دی گئی

(11) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عمان (الاستیعاب 2 : /434)
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے صرف 6 مہینے قبل اسلام قبول کیا۔
(12) حضرت سعید بن سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ مکے کی منڈی پر مقرر کیا گیا۔
(الاستیعاب 2 : /540)

کیا موصوف اس بات کا جواب دینا مناسب سمجھیں گے کہ اگر طلقاء اور مؤلفۃ القلوب کسی عہدہ یا حکمرانی کے اہل نہ تھے تو ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدہ اور مختلف علاقوں کی حکمرانی کیوں عطا کی؟

اگر موصوف یہ جواب دیں کہ جن کا اسلام اچھا تھا تو وہ حکمرانی کے اہل تھے تو عرض یہ ہے کہ اس جواب سے تو موصوف کا اپنا بنایا ہوا اصول غلط ثابت ہوا کہ طلقاء کسی حکمرانی کے اہل نہ تھے دوسرا یہ کہ حسن اسلام والوں کو ہی حکمران بنایا تو علت حکمرانی حسن الاسلام اور اہلیت ہوئی، جس سے اس دعوی کا غلط ہونا ثابت ہوا کہ طلیق یا طلقاء حکمرانی کے اہل نہیں اور یہ اصول واضح ہوا جس کو حکمرانی ملی ان کا اسلام اچھا تھا کسی مجبوری کے تحت نہ تھا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکمرانی ملنا اس بات کا ثبوت ہوا کہ ان دونوں صحابہ کا قبول اسلام اچھا تھا اور اس بات کی تصریح تو متعدد علماء اپنی تصانیف میں کر چکے ہیں۔

* * *

کیا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مجبوری میں اسلام قبول کیا؟

چند لوگ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کو مشکوک بنانے کے لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے مجبورًا اسلام قبول کیا مگر ان کے اسلام اور ایمان کے بارے میں محدثین کرام اور علماء نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ابن سعد نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْوَلِيدِ الْأَزْرَقِيُّ الْمَكِّيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الرِّجَالِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلْتَحِفًا بِثَوْبٍ مِنْ بَعْضِ بُيُوتِ نِسَائِهِ وَأَبُو سُفْيَانَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ: مَا أَدْرِي بِمَ يَغْلِبُنَا مُحَمَّدٌ؟، فَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى ضَرَبَ فِي ظَهْرِهِ وَقَالَ بِاللهِ يَغْلِبُكَ قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ.

(الجزء المتمم الطبقات ابن سعد 1 : /90 رقم 13)

ترجمہ: عبداللہ بن ابی بکر بن حزم فرماتے ہیں کہ ۔۔۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں کہا معلوم نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر غالب کس وجہ سے آجاتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا: اللہ کی مدد سے وہ تم پر غالب آجاتے ہیں، تو حضرت ابوسفیان کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

محدث ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تاریخ دمشق 23 : /458 کر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں یہ مرسل روایت نقل کی ہے۔

❁ علامہ ذہبی رحمہ اللہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایمان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وَكَانَ يَوْمَئِذٍ قَدْ حَسُنَ إِنْ شَاءَ اللهُ إِيمَانُهُ فَإِنَّهُ كان يومئذ يحرض على الجهاد.

یعنی جس دن سے ابوسفیان نے اسلام قبول کیا ان کا ایمان حسن ہے اور اس دن سے وہ جہاد کرنے پر حریص بھی تھے۔ (سیر أعلام النبلاء: 3/406)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے حسن اسلام کے بارے میں روایت

ابن سعد رحمہ اللہ ایک روایت نقل کرتے ہیں:

أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ قَالَ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَمَدَتِ الْأَصْوَاتُ يَوْمَ الْيَرْمُوكِ وَالْمُسْلِمُونَ يُقَاتِلُونَ الرُّومَ. إِلَّا صَوْتَ رَجُلٍ يَقُولُ يَا نَصْرَ اللهِ اقْتَرِبْ، يَا نَصْرَ اللهِ اقْتَرِبْ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي أَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ تَحْتَ رَايَةِ ابْنِهِ يَزِيدَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ.

ترجمہ: حضرت سعید بن میب اور انکے والد کے طریق سے روایت مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جنگ یرموک کے ان کی آوازیں گم ہوگئیں، سوائے ایک آدمی کے، وہ آدمی کہہ رہا تھا، اے اللہ کی مدد قریب آ، راوی کہتا ہے کہ جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے بیٹے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے تھے۔

(الجزء المتمم لطبقات ابن سعد 1 : /90، رقم 18)

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حسن اسلام کے بارے میں روایت

ابن سعد کی روایت سے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے اچھے اسلام کا اثبات ہوتا ہے۔

اس روایت کو ابن ابی خیثمہ نے اپنی کتاب التاریخ الکبیر المعروف بتاریخ ابن أبي خیثمہ 121 : /2 میں اور یعقوب بن سفیان الفسوی نے المعرفۃ والتاریخ 3 : /300 پر بھی صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

❁ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

يزيد بن أبي سفيان بن حرب الاموى الامير من الطلقاء حسن إسلامه .

ترجمہ: یزید بن ابی سفیان اموی الامیر طلقاء یعنی فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور ان کا اسلام اچھا تھا۔ (الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ 2 : /383، رقم 6309)

اس تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا ایمان و اسلام بھی اچھا تھا اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو اہم عہدے اور حکمرانی بھی

عطائی، موصوف لکھاری کا اعلیٰ حضرت کے فتوٰی کو غفلت لکھنا غلط بلکہ مردود و باطل ہے۔

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو اہم عہدہ ملنا

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی فراس کے صدقات پر نگران مقرر کیا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

واستعمله النبي صلّى الله عليه وآله وسلّم على صدقات بني فراس.
ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یزید بن ابی سفیان h کو بنی فراس کے صدقات پر نگران مقرر کیا۔
(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، رقم 9285)

اس کے علاوہ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین کریمین نے شام اور فلسطین کا گورنر بھی بنایا۔ کیا لکھاری موصوف اس بات کا جواب دینا پسند کریں گے کہ طلقاء کے حسن اسلام کے بارے میں کون فیصلہ کرے گا؟

موصوف نے پوری کتاب میں رٹ لگا کر رکھی ہوئی تھی کہ طلقاء کو کوئی منصب دینا حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنھم کے توجہ کی عدم تدبر تھا اور نہ جانے اس بارے میں موصوف نے کیا کیا کہانیاں گھڑنے کی کوشش کی، مگر حق بات حق ہی ہوتی ہے، موصوف لکھاری صاحب اس طرح کی کہانیوں سے اپنے حواریوں کو تو بے وقوف بنا سکتے ہیں مگر تحقیق کے میدان میں ایسی باتیں باطل اور مردود ہوتی ہیں۔

* * *

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح مکہ پر مسلمان ہونے والے عمال

(1) حضرت مثنی بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ 9ھ یا 10ھ میں مسلمان ہوئے اور انہیں 11ھ میں عراق کی جنگ کا امیر بنایا کر بھیجا گیا۔ (الاستیعاب 1: /290)

(2) حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حلوان پر عامل بنا کر بھیجا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں یمن اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صنعاء کا عامل بنایا (الاستیعاب 2: /614)

(3) حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں شام اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں فلسطین کے گورنر بنے۔

(الاستیعاب 2: /610)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں عمال

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زیادہ تر عمال وہی برقرار رکھے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں تھے سوائے چند ایک کے، ان کے دور میں ان صحابہ کرام کو بھی گورنر یا عامل بنایا جو سابقین اولین میں سے نہیں تھے۔

(1) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کوفہ میں عامل تھے۔ (سیر الاعلام النبلاء 3: /95)

(2) حضرت عدی بن نوفل رضی اللہ عنہ فتح مکہ والے سال مسلمان ہوئے، انہیں عامل بنایا۔

(الاستیعاب 2: /502)

(3) حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ والے دن مسلمان ہوئے، جنگ قادسیہ میں ان کا اہم عہدہ اور کردار رہا۔ (الاستیعاب 2: /600)

(4) جزی بن معاویہ ان کا صحابی ہونا معلوم نہیں مگر اھواز کے گورنر رہے۔ (الاستیعاب 1: /99)

(5) حکم بن ابی العاص جن کی صحابیت مختلف فیہ ہے۔ بحرین کی گورنر تھے۔ (الاستیعاب:1 /118)

(6) حضرت قنفذ بن عمیر رضی اللہ عنہ گورنر مکہ تھے۔ (الاستیعاب 1 /155)

(7) حضرت کعب بن سور الازدی صحابی نہیں تھے، مگر بصرہ کے قاضی تھے۔ (الاستیعاب 1: /221)

(8) حضرت عبد اللہ بن عتبہ صحابی نہیں تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں گورنر تھے۔

(الاستیعاب1 :/378)

(9) قاضی شریح بن الحارث صحابی نہیں تھے مگر کوفہ کے قاضی تھے۔

(الاستیعاب2: /590)

(10) حضرت عبد الرحمن بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بھی گورنر تھے۔ (الاستیعاب2 : /400)

(11) حضرت عتبہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے طائف کا والی بنایا۔

(الاستیعاب2 : /495)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں شہروں کے والی اور ان کی شرائط

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہروں کا گورنر یا والی بناتے وقت جو شرائط ملحوظ خاطر رکھتے وہ ملاحظہ کریں امام مسلم رحمہ اللہ روایت نقل کرتے ہیں:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أُشْهِدُكَ عَلَى أُمَرَاءِ الْأَمْصَارِ، وَإِنِّي إِنَّمَا بَعَثْتُهُمْ عَلَيْهِمْ لِيَعْدِلُوا عَلَيْهِمْ، وَلِيُعَلِّمُوا النَّاسَ دِينَهُمْ، وَسُنَّةَ نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَقْسِمُوا فِيهِمْ فَيْئَهُمْ، وَيَرْفَعُوا إِلَيَّ مَا أَشْكَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ أَمْرِهِمْ،

ترجمہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا اللہ! میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں ان لوگوں پر جن کو میں نے ملکوں کی حکومت دی ہے (یعنی نائبوں اور صوبہ داروں اور عالموں پر) میں نے ان کو اسی لئے بھیجا کہ وہ انصاف کریں اور لوگوں کو دین کی باتیں بتلائیں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں اور ان کا کمایا ہوا مال جو لڑائی میں ہاتھ آئے بانٹ دیں اور جس بات میں ان کو مشکل پیش آئے اس کو مجھ سے دریافت کریں۔ (صحیح مسلم2 : /81 رقم الحدیث1286)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان سے یہ معلوم ہوا کہ وہ شہروں کا والی یا گورنر یا عمال ایسے شخص کو بناتے جو عادل، ثقہ و مستند اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا متبع ہو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں شام کا گورنر برقرار رکھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں حکومت کرنے کی شرائط موجود تھیں اور وہ حکومت کے اہل تھے اس لیے پندرھویں صدی کا ایک لکھاری کھڑا ہوا کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو چیلنج کرے، تو یہ باطل اور مردود عمل ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دور کے عمال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے بھانجے حضرت جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان کا گورنر بنایا جو کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے صاجزادہ تھے۔

۞ معاصر لکھاری ذرا یہ بتانے کی زحمت تو کرے کہ اگر طلقاء اور ابن طلقاء کسی حکومت کے حق دار یا اہل نہ تھے تو حضرت جعدی بن ہبیرہ کو خراسان کا گورنر کیوں بنایا گیا؟ لکھاری نے جو تدبر کی عدم فہم کا اطلاق شیخین کریمین پر کیا وہ ایک انتہائی قبیح اور مردود عمل ہے۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حکمرانی کے اہل نہ تھے؟

عصر حاضر کے موصوف لکھاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکمرانی کے اہل نہ ہونے پر چند اقوال صحابہ کرام اور تابعین کرام سے پیش کیے ہیں

(1) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقف	صلح امام حسن ص 41
(2) عبدالرحمن بن غنم الاشعری رضی اللہ عنہ کا موقف	صلح امام حسن ص 48
(3) حضرت صعصعہ بن صوحان رضی اللہ عنہ کا موقف	صلح امام حسن ص 49
(4) مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا موقف	صلح امام حسن ص 50

ان پیش کردہ اقوال کا علماء نے کیا مطلب بیان کیا ہے؟ اس کا تفصیلی جواب تو طلقاء کے موضوع پر لکھی جانے والی کتاب میں ہی ملاحظہ کیجئے گا، مگر اختصار کے ساتھ اس پیش کردہ روایات کی اسنادی حیثیت واضح کی جا رہی ہے تاکہ ان روایات کی حیثیت کا تعیین ہو سکے ان دلائل کا تحقیقی جائزہ قارئین کرام کے سامنے پیش کر کے نتیجہ ان کی علمی استعداد پر ہی چھوڑتے ہیں کہ انہوں نے ایسے دلائل کو قبول کرنا ہے یا ان کی حیثیت کے مطابق رد کرنا ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور طلقاء کی حکمرانی کی تحقیق

موصوف لکھاری صلح امام حسن ص 41 پر لکھتا ہے:

اَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ. عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عِمْرَانَ. عَنْ شَيْخٍ. عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى. عَنْ عُمَرَ قَالَ هَذَا الْأَمْرُ فِي أَهْلِ بَدْرٍ مَا بَقِيَ مِنْهُمْ أَحَدٌ. ثُمَّ فِي أَهْلِ أُحُدٍ مَا بَقِيَ مِنْهُمْ أَحَدٌ. وَفِي كَذَا وَ كَذَا. وَلَيْسَ فِيهَا لِطَلِيقٍ وَلَا لِوَلَدِ طَلِيقٍ وَلَا لِمُسْلِمَةِ الْفَتْحِ شَيْءٌ. (الطبقات الکبریٰ :3/ 342)

ترجمہ: یہ امر اہل بدر میں رہے گا جب تک ان میں سے کوئی ایک باقی رہا، پھر یہ اہل احد میں رہے گا جب تک ان سے کوئی ایک باقی رہا، پھر درجہ بدرجہ چلتا رہے گا، اور اس میں طلقاء، طلقاء کی اولاد اور فتح مکہ کے مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں۔

جواب:

موصوف نے جو اثر پیش کیا، اس کے ضعف کے ساتھ شانِ ورود سے شاید وہ ناواقف ہیں یا پھر عوام الناس کو دھوکا دینے کی ایک کوشش ہے اس اثر میں جو الفاظ ھذا الامر یعنی یہ امر اس سے مراد کیا ہے؟ خلافت یا حکومت اور کون سی قسم ہے؟ اور اس امر کے لائق صرف بقول لکھاری طلقاء ہی نہ تھے؟ یا دیگر صحابہ کرام کی جماعت بھی اس حکم میں شامل ہے؟ اس پر تفصیلی بحث طلقاء کے موضوع پر کتاب میں ہوگی۔

❁ اس مقام پر اتنی بات سمجھ لی جائے تو معاملہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اگر حکومت یا امارت کے اہل نہ ہوتے تو خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں شام اور یمن کا عامل برقرار رکھتے؟ ملاحظہ کریں (الطبقات الکبریٰ :5/ 444) اور اگر یہ تقرری پہلے سے تھی تو ایسے لوگوں کو تقرر ہی کیوں کیا گیا؟ اور اگر اس تقرری سے دین اسلام کی بنیاد ہی لڑکھڑا رہی تھی تو ان دونوں صحابہ کرام کو معزول کیوں نہ کیا؟

❁ کیا یہ دونوں اصحاب ہی گورنر یا عمال میں سے تھے جو کہ فتح مکہ یا اس کے بعد اسلام لائے؟ یا دیگر

اسلام لانے والے صحابہ کرام بھی حکومت کا حصہ بنائے گئے اور مختلف علاقوں کے گورنر بھی بنے؟ ان اشکالات کو حل کیے بغیر موصوف کا ایسی روایات کو پیش کرنا بد دیانتی اور بدنیتی پر مبنی ہوگا۔

❁ مزید یہ کہ لکھاری صاحب کے پیش کردہ اثر میں حسین بن عمران کے شیخ مجہول ہیں اور جناب کو اپنی دیگر کتابوں میں مجہول راویوں کی روایت کے ضعف پر جو لکھا وہ انہیں ضرور یاد ہوگا، اگر موصوف مطالبہ کریں تو ان کے لیے عبارات پیش کیں جاسکتی ہیں اس لیے ایسی ضعیف روایات سے استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے جس کا مدلول اور شانِ ورود ہی الگ ہو جس کی تفصیل طلقاء پر کتاب میں موجود ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا طلقاء کے بارے میں قول کی تحقیق

موصوف لکھاری صلح امام حسن ص 42 پر لکھتا ہے۔
سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک اور قول بھی اسی طرح منقول ہے۔
چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إن عمر قال لأهل الشورى لا تختلفوا فإنكم إن اختلفتم جاءكم معاوية من الشام وعبد الله بن أبي ربيعة من اليمن فلا يريان لكم فضلا لسابقتكم وإن هذا الأمر لا يصلح للطلقاء ولا لأبناء الطلقاء فهذا يقتضي أن يكون عبد الله من مسلمة(الفتح)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ سے فرمایا: اختلاف میں نہ پڑنا، اگر تم اختلاف میں پڑ گئے تو معاویہ شام سے اور عبداللہ بن ربیعہ یمن سے آجائے گا، پھر وہ دونوں تمہارے سابقین ہونے کی فضیلت کو نہیں دیکھیں گے اور یہ معاملہ خلافت طلقاء اور اولاد طلقاء کے لیے درست نہیں ہے حافظ فرماتے ہیں: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن ربیعہ فتح مکہ کے مسلمانوں طلقاء میں سے تھا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابۃ ابن حجر 4 : / 79)

جواب:

مذکورہ پیش کردہ روایت کی سند غالی لکھاری نے نہ لکھنے میں ہی عافیت جانی اور دھوکا دینے کے لیے صلح امام حسن ص 42 پر لکھتا ہے:

ہر چند کہ اس روایت کی سند معلوم نہیں تاہم اس کا متن سورہ انفال کی آیت 72 اور ایک صحیح حدیث سے موید ہے

موصوف کو اگر سند نہیں معلوم تو ان کی خدمت میں روایت کی سند پیش خدمت ہے۔ ابن سعد نے اسکی سند یوں بیان کی ہے۔

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي كَثِيرُ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْطَبٍ، وَأَبِي جَعْفَرٍ قَالَا قَالَ عُمَرُ لِأَهْلِ الشُّورَى

(الجزء المتمم ابن سعد 1 :/339)

پیش کردہ روایت کی سند میں محمد بن عمر الواقدی ضعیف ہے۔

① احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ کذاب ہے۔

② ابن معین رحمہ اللہ انہیں ثقہ نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ان کی روایت بھی نہ لکھو۔

③ امام بخاری رحمہ اللہ اور ابو حاتم رحمہ اللہ انہیں متروک قرار دیتے ہیں۔

④ ابن المدینی رحمہ اللہ، ابو حاتم رحمہ اللہ اور نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایتیں گھڑا کرتے تھے، دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان میں ضعف پایا جاتا ہے۔

⑤ ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ صاحب تیس ہزار ایسی احادیث سنایا کرتے تھے جو کہ بالکل ہی اجنبی تھیں۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج26: /180 تا 187 رقم 5501)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے بھی مورخین کے مثالب صحابہ کی تاریخی روایات پر سخت جرح وقدح کی ہے۔

لکھاری موصوف کی پیش کردہ روایت میں ایک راوی المطلب بن عبد اللہ بن المطلب مدلس اور مرسل روایت کرنے والے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ صدوق كثير التدليس والإرسال (تقریب التہذیب 1 :/534)

مزید یہ کہ پیش کردہ روایت میں المطلب بن عبد اللہ کا سماع حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے اس لیے ایسی منقطع و مرسل اور متروک راویوں کی روایت پیش کر کے عوام الناس کو دھوکا دینے کے مترادف ہے موصوف کو معلوم تھا کہ اگر سند پیش کی تو روایت کا پول کھل جائے گا اس لیے سند کے معلوم نہ ہونے کا بہانہ کیا۔

عبدالرحمٰن بن غنم الاشعری رضی اللہ عنہ اور طلقاء کی حکمرانی کی تحقیق

موصوف لکھاری صلح امام حسن ص 48 پر لکھتے ہیں۔

وأی مدخل لمعاویة فی الشوری، وهو من الطلقاء الذین لا تجوز لهم الخلافة.

وهو وأبوه من رءوس الأحزاب۔

معاویہ کا شوریٰ سے کیا واسطہ؟ وہ ان طلقاء میں سے ہے جن کے لیے خلافت جائز نہیں، وہ اور اس کا باپ غزوہ احزاب کے سرغنہ لوگوں میں سے تھے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب 851/2 :)

جواب:

ایسے اقوال پر علماء کرام کی آراء کو بیان نہ کر کے موصوف نے بدیانتی سے کام لیا ہے جس کی تفصیل طلقاء پر لکھی جانے والی کتاب میں ملاحظہ کیجئے گا۔

لکھاری صاحب نے اپنی کسی کتاب میں سند کی حیثیت اور حجیت پر بڑا لیکچر دیا تھا اور روایات میں اسانید کی اہمیت کو اجاگر کیا تھا، لگتا ہے شاید موصوف دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فصیحت کے قول پر عمل کر رہے ہیں، اگر تو اس کی سند کسی کتاب میں موجود ہے تو پیش کریں وگرنہ علمی و تحقیق میدان میں ایسے اقوال قابل استدلال نہیں ہوتے۔

❁ علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

قلت: هكذا أورده ابن عبد البر بلا إسناد. وهو منكر من القول.

(تہذیب الکمال 17 : /343 تحت رقم 3928 حاشیہ نمبر 2، تذہیب التہذیب ص 225)

یعنی ابن عبدالبر نے بغیر سند کے اس قول کو بیان کیا ہے اور یہ منکر قول میں سے ہے۔

ایسی ضعیف اور متروک روایت کے بل بوتے صحابہ کرام پر اعتراض کرنا کون سی تحقیق ہے؟ کیا یہ بغض صحابہ کا اثر ہے؟ یہ قارئین کرام ہی فیصلہ کریں۔

حضرت صعصعہ بن صوحان رضی اللہ عنہ اور طلقاء کی حکمرانی کی تحقیق

لکھاری موصوف صلح امام حسن ص 49 پر لکھتا ہے

حدث منصور بن وحشی عن أبي الفیاض عبد الله بن محمد الهاشمی عن الولید بن البختری العبسی عن الحارث بن مسمار البهرانی قال. قال حبس معاویة صعصعة بن صوحان العبدی وعبد الله بن الكَوَّاء الیشكری ورجالاً من أصحاب علی مع رجال من قریش. فدخل علیهم معاویة یوماً فقال نشدتكم بالله إلا ما قلتم حقاً وصدقاً. أیّ الخلفاء رأیتمونی.......وإنما أنت طلیق ابن طلیق، أطلقكما رسول الله صلی الله علیه وسلم فأنی تصلح الخلافة لطلیق.

معاویہ تم نے کلام کیا تو پورا کیا، تمہارا جو ارادہ تھا اس میں کمی نہیں کی اور معاملہ ایسا نہیں جیسا کہ تم نے ذکر کیا ہے بھلا وہ شخص کیسے ہوسکتا ہے جو جبرً الوگوں پر غالب ہو جائے اور اسباب باطلہ کے ذریعے مکر و کذب کے ساتھ قابض ہو بیٹھے؟ تم محض طلیق ابن طلیق ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں آزاد کیا تھا، سو خلافت کسی طلیق کے لیے کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

(مروج الذہب 1 :/366)

جواب:

ایسے اقوال پر علماء کرام کی آراء کو بیان نہ کر کے موصوف نے بدیانتی سے کام لیا ہے۔ جس کی تفصیل طلقاء پر لکھی جانے والی کتاب ملاحظہ کیجئے گا۔

اس قول کو جس کتاب سے نقل کیا گیا ہے اس کے مصنف مسعودی کا تعارف پیش خدمت ہے۔

❁ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، لسان المیزان جلد 5 صفحہ 532 پر لکھتے ہیں۔

کان شیعیا معتزلیا: مسعودی معتزلی شیعہ تھا۔

پیش کردہ روایت میں منصور بن وحشی، أبي الفیاض عبد اللہ بن محمد الہاشمی عن الولید بن البختری العبسی اور الحارث بن مسمار البہرانی کا تعارف اور اس کی توثیق پیش کی جائے تاکہ اصول اسماء الرجال پر پرکھا جائے ورنہ ایسی روایت کو پیش کرتے ہوئے بھی کچھ تو خیال کریں مگر لکھاری موصوف نے جو عوام الناس کو دھوکا دینے کا اصول اپنایا ہوا وہ قابل تردید ہے۔

مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور طلقاء کی حکمرانی کی تحقیق

موصوف لکھاری صلح امام حسن ص 50 پر لکھتا ہے۔

واعلم أنك من الطلقاء الذين لا تحل لهم الخلافة

اور جان لو کہ تم ان طلقاء میں سے ہو جن کی لیے خلافت جائز نہیں ہے۔

(اکمال اکمال المعلم شرح صحیح مسلم للوشتانی الابی 6/445)

جواب:

جن لوگوں کے لیے خلافت جائز نہیں، اس کے بارے تفصیل اور اسکا پس منظر تو طلقاء پر کتاب میں ملاحظہ کیجئے گا اس روایت کی سند موصوف نے بیان نہیں کی اور اکمال اکمال المعلم کا حوالہ دینے پر ہی عافیت جانی مگر شاید لکھاری صاحب یہ نہیں جانتے کہ اس کی سند محدث ابن عساکر نے اپنی کتاب تاریخ دمشق میں بیان کر کے اس روایت کی اصلیت کو آشکار کیا ہے۔

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ اس روایت کو اپنی سند سے بیان کرتے ہیں :

أخبرنا أبو عبد الله البلخي أنا أحمد بن الحسن بن خيرون أنا الحسن بن أحمد بن إبراهيم أنا أحمد بن إسحاق الطيبي نا أبو إسحاق إبراهيم بن الحسين نا أبو سعيد يحيى ابن سليمان الجعفي نا نصر بن مزاحم نا عمر بن سعد الأسدي عن نمير بن وعلة عن عامر الشعبي أن عليا بعد قدومه الكوفة نزع جرير بن عبد الله البجلي ...... واعلم يا معاوية أنك من الطلقاء الذين لا تحل لهم الخلافة. (تاریخ دمشق 59 :/128)

اس روایت میں ایک راوی نصر بن مزاحم ہے اس کے بارے میں اسماء الرجال کی ماہرین کے رائے ملاحظہ کیجئے۔

❁ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ رافضي جلد، تركوه. (ميزان الاعتدال :4 /253)

ترجمہ: یعنی کٹر قسم کا رافضی تھا اور اس سے روایت لینا ترک کر دیا گیا تھا۔

موصوف لکھاری کی پیش کردہ روایت کے ایک دوسرے راوی عمر بن سعد الأسدی کے بارے میں تحقیق ملاحظہ کریں۔

❁ محدث ابوحاتم رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

من عتق الشيعة متروك الحديث. (الجرح والتعدیل 6: /112)

یعنی وہ شیعہ کے سرادروں میں سے تھااور متروک الحدیث تھا۔

کہانی نویس لکھاری کی روایت کے تیسرے راوی نمیر بن وعلۃ کے بارے میں تحقیق ملاحظہ کریں۔

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

مجهول. یعنی مجہول راوی ہے۔ (لسان المیزان 8: /292)

قارئین کرام پر یہ بات آشکار ہوگئی ہے کہ جس مقام پر لکھاری صاحب نے سند کے بغیر کوئی حوالہ دیا، اس روایت میں راویوں کا ضعف ضرور پایا جاتا ہے ایسی متروک راویوں سے مروی روایت جناب لکھاری صاحب ہی استدلال کرنے کے ماہر ہیں اور عوام الناس کو دھوکا دینے میں چکر بازی کرتے ہیں موصوف نے بہترین طریقہ نکالا ہے کہ سند کے بغیر اقوال پیش کیے جاؤ اور اپنے باطل موقف پر لوگوں کو راغب کرو، عوام الناس نے تو کیا روایت کی تحقیق کرنی ہے، خواص بھی مصروفیات اور عدم توجہ کی وجہ سے تحقیق نہیں کرینگے اسی طریقہ سے قاری صاحب اپنا کام کیے جارہے ہیں اور اہل سنت کے ایمان پر نقب زنی لگائے جار ہے ہیں اس طریقہ کار پر اہل سنت کے اکابرین کو خود گرفت بھی کرنی چاہیے اور عوام الناس کو آگاہ بھی کرنا چاہیے کیونکہ عام لوگ تو ان جیسے قاری اور مفتیوں پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی بات کا یقین کر لیتے ہیں مگر حقیت اس کے برعکس ہوتی ہے اور خاص کر شیعوں اور رافضیوں راویوں کی روائتیں جن کے یہ طرف دار ہیں پیش کرتے ہیں اور خود کو اہل سنت بنا کر پیش کرتے ہیں ایسے سنیوں سے عوام وخاص کو بچ کر رہنا چاہیے۔

کیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکمران بنانے کے فیصلہ پر نادم ہوئے؟

کہانی نویس لکھاری صلح امام حسن ص 51 پر لکھتا ہے۔

والله لا جعلت فيها أحدًا حمل السلاح على رسول الله صلى الله عليه وسلم وإن هذا الأمر لا يصلح للطلقاء ولا لأبناء الطلقاء، ولَو اسْتَقْبَلْتُ مِن أمري ما اسْتَدْبَرْتُ ما جعَلتُ ليزيد بن أبي سفيان ومعاوية بن أبي سفيان ولايةَ الشام.

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے شوریٰ میں شمولیت کی آرزو کی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا وہیں رہو، جہاں اللہ نے تمہیں رکھا ہے، بخدا، میں اس معاملہ میں کسی ایسے شخص کو شامل نہیں کروں گا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے تھے نیز فرمایا: طلقاء اور طلقاء کی اولاد حکومت کے لائق نہیں، اور اگر مجھے موجودہ صورت حال پہلے سمجھ آجاتی تو میں یزید بن ابوسفیان اور معاویہ بن سفیان کے لیے شام کی حکومت جمع نہ کرتا۔
(اکمال اکمال المعلم: 2/474، الکوکب الوہاج شرح صحیح مسلم 8: /207)

جواب:

کہانی نویس نے جو مذکورہ روایت پیش کی ہے اس کی سند الانساب الاشراف میں موجود ہے۔

(إن هذا الأمر لا يصلح للطلقاء ولا لأبناء الطلقاء. ولو استقبلت من أمري ما استدبرت ما طمع يزيد بن أبي سفيان ومعاوية أن أستعملهما على الشام)
بے شک یہ امر طلقاء اور ان کی اولاد کے لیے مناسب نہیں ہے اور اگر مجھے اس بات کا پہلے علم ہو جاتا جس کا بعد میں ہوا ہے تو یزید بن ابوسفیان اور معاویہ بن ابوسفیان مجھے یہ خواہش نہ کرتے کہ میں ان کو شام کا حاکم بنا دوں۔ (أنساب الأشراف للبلاذری: 10/434)

پیش کردہ روایت کی سند میں واقدی کذاب ہے، نیز المطلب بن عبداللہ کا سیدنا عمر رضی اللہ سے سماع نہیں ہے ایسی متروک اور منقطع روایت سے صحابہ کرام کی شان پر رکیک حملہ کرنا باطل و مردود عمل ہے اور رافضیوں کا شعار ہے۔

اقتدار کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش اور تیاریاں

عصر حاضر کے کہانی نویس لکھاری نے صلح امام حسن ص 63 پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین کے دور خلافت کی جستجو کرنے والا ثابت کرنے کے بارے میں چند روایات سے استدلال کرتے ہیں جن کی استنادی حیثیت سے موصوف بخوبی واقف تھے، اس لیے روایت لکھنے کے فوراً بعد نعیم بن حماد پر جرح کو تسلیم کرتے ہوئے دوسری روایت کی طرف گئے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُنِيبٍ، عَنِ السَّرِيِّ بْنِ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ رُشَيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ وَاللهِ إِنِّي لَأَرَاهُ كَانَ يَتَصَنَّعُ لَهَا. يَعْنِي مُعَاوِيَةَ عَلَى عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا. يَعْنِي لِلْخِلَافَةِ.

محمد بن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں خلافت کے لیے تیاری کرتے تھے۔ (کتاب الفتن 1/ 128)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُنِيبٍ الْعَدَنِيُّ، عَنِ السَّرِيِّ بْنِ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ رُشَيْدٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ يَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ، تَنَاصَحُوا فَإِنَّكُمْ إِنْ لَا تَفْعَلُوا غَلَبَكُمْ عَلَيْهَا، يَعْنِي الْخِلَافَةَ، مِثْلُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، وَمُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں، باہم اتحاد رکھو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خلافت کے معاملہ میں عمرو بن العاص اور معاویہ بن ابوسفیان تم پر غالب آجائیں گے۔

(کتاب الفتن 1 : /128)

جواب:

مذکورہ دونوں روایتیں نعیم بن حماد کی کتاب الفتن سے پیش کی تھیں اس لیے جناب نے خود ہی ان روایت کے ضعف کو تسلیم کرتے ہوئے دوسری روایت سے استدلال کیا۔

۞ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قُلْتُ :لاَ يَجُوْزُ لأَحَدٍ أَنْ يَحْتَجَّ بِهِ، وَقَدْ صَنَّفَ كِتَابَ (الفِتَنِ)، فَأَتَى فِيْهِ بِعَجَائِبَ وَمَنَا كِيْرَ۔ (سیر أعلام النبلاء، 9 : /27)

ترجمہ: میں کہتا ہوں، کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان سے دلیل پکڑے اور انہوں نے کتاب الفتن کتاب لکھی اور اسمیں عجائب اور منکر روایت دیکھیں۔

اس روایات کی تصحیح کے بارے میں موصوف لکھاری خود مطمئن نہیں بلکہ تردد کا شکار ہیں اس لیے دوسروں پر الزام لگاتے ہوئے لکھتا ہے کہ" اگر کسی شخص کو امام نعیم بن حماد کی روایت میں تردد ہو تو ہم اسے درج ذیل عبارت میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں"۔

کہانی نویس نے دوسری روایت جو اپنے دعویٰ میں پیش کی اس کے راویوں کی توثیق صلح امام حسن ص 63,64 پر کوشش کی مگر اس میں بھی جناب نے دجل وفریب سے کام لیا۔

حدثني حرملة قال أخبرنا ابن وهب عن ابن لهيعة عن يزيد بن أبي حبيب قال أقام عبد الله بن سعد بعسقلان بعد قتل عثمان، و كره أن يكون مع معاوية، وقال لم أكن لأجامع رجلاً قد عرفته أنه كان يهوى قتل عثمان، فكان بها حتى مات.

ترجمہ: مجھے حرملہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں ابن وہب نے از ابن لہیعۃ از یزید بن ابی حبیب روایت کی کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عسقلان میں رہنے لگے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنا پسند نہ کیا اور کہا کہ میں اس شخص کے ساتھ نہیں رہوں گا جس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کا خواہاں تھا۔ (المعرفۃ والتاریخ 1: /102)

جواب:

اگر موصوف اس روایت کو پیش کرنے سے پہلے خود کسی جید عالم سے غور و فکر کروا لیتے تو ایسی ہزیمت کا شکار نہ ہوتے۔

(1) موصوف نے تو رجال کی توثیق پیش کی مگر اس روایت کے راویوں کی علت قادحہ سے بالکل ہی ناواقف معلوم ہوتے ہیں جناب نے عبداللہ بن لھیعہ سے ابن وھب کی روایات پر کچھ طبع آزمائی کرنے کی کوشش کی ہے مگر کوئی فائدہ نہیں کیونکہ عبداللہ بن لھیعہ کے حافظہ خراب ہونے سے قبل اور حافظہ خراب ہونے کے بعد مرویات کے بارے میں محدثین کرام نے بہت تفصیل سے لکھا ہے، مگر اس مقام پر اختصار سے چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ابن لَهيعَة لَيْسَ بِشَيْء تغير أو لم يتَغَيَّر.

امام یحیٰی بن معین رحمہ اللہ کے نزدیک ابن لھیعہ کی روایات کچھ نہیں، چاہے اس کا حافظہ خراب ہو یا نہ ہو۔ (کلام ابی زکریا یحییٰ بن معین فی الرجال روایۃ طہمان رقم 342)

اب اس کے حافظہ خراب ہونے سے قبل عبادلہ نے روایت کی ہو یا بعد میں، محدث ابن معین رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف ہیں۔

❁ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قلت العمل على تضعيف حديثه.

یعنی اس کی حدیث کی تضعیف پر ہی عمل ہے۔

(الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ، رقم 2934)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ابن لھیعۃ کی یہ روایت ضعیف ہے۔

(2) قاری صاحب نے جو روایت پیش کی ہے اس میں ایک راوی یزید بن أبي حبیب مرسل روایت بیان کرتا تھا:

- امام دار قطنی رحمہ اللہ اس راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> قال الدَّارَقُطْنِيّ لم يسمع يزيد بن أبي حبيب من ابن عمر. ولا سمع من أحد من الصحابة. إلا من عبد الله بن جزء۔ (العلل 4 :/98)

ترجمہ: یعنی یزید بن ابی حبیب نے سوائے ایک صحابی کے کسی سے نہیں سنا۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ روایات مرسل ہے۔

فیضی نے اس مرسل روایت سے استدلال کرنے کے لیے، احناف کے نزدیک مرسل کے لیے وسعت کی بات کی جو کہ ایک مذاق سے کم نہیں اور وہ اس لیے یہ روایت کوئی حنفی شافعی اختلاف کی صورت میں نہیں پیش کی جا رہی بلکہ یہ روایت تو عقیدہ کے باب میں پیش کی جا رہی ہے جس میں حنفی شافعی کی تخصیص نہیں ہوتی، ان کے اس بچگانہ جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے انہیں شاید احناف کے نزدیک مرسل کی وسعت اور دائرہ کار معلوم نہیں، کہانی نویس صحابی کی مخالفت پر مرسل وضعیف روایت کو حجت بنا کر پیش کر رہا ہے جبکہ اسی سند سے دوسری جگہ صحابی کی شان میں اسی سند سے مروی سند کو ضعیف کہہ کر رد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

مزید یہ بھی ذہن نشین رہے کہ موصوف کی پیش کردہ روایت نہ صرف مرسل ہے بلکہ ابن لھیعۃ کی وجہ سے ضعیف بھی ہے اس طرح اس روایت میں مرسل کے ساتھ راوی کا ضعف بھی ہے. جس کی وجہ سے اس روایت سے استدلال کرنا باطل ہے یہ کہانی نہیں ہے یہ عقیدہ کی بات ہے اس لیے جناب کا ایسی روایات کو پیش کرنا دجل، مردود اور قابل رد ہے۔

نوٹ:

یہاں تک تو سلسلہ وار ان اعتراضات کا تعلق تھا جو کہ فتح مکہ کے قبل و بعد، صلح امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہلیت پر تھے مگر معترض لکھاری نے اس کے بعد اپنی کتاب میں امور صلح امام حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہلیت پر مزید اعتراضات کیے ان کا ناقدانہ جائزہ پیش خدمت ہے ہماری یہ کوشش ہے کہ تحقیق کو خالصتاً علمی انداز سے پیش کیا جائے کیونکہ مقصد حقیقت کو واضح کرنا ہے۔

* * *

امام حسن رضی اللہ عنہ نے استغفار کیوں کیا؟ اقتدار چھوڑنے کی وجہ

موصوف لکھاری نے صلح امام حسن ص 70 پر ایک روایت پیش کی ہے۔

وَإِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ الَّذِی اخْتَلَفْتُ فِیهِ أَنَا وَمُعَاوِیَةُ حَقٌّ لِامْرِءٍ كَانَ أَحَقَّ بِهِ أَوْ حَقٌّ لِی تَرَكْتُهُ لِمُعَاوِیَةَ إِرَادَةَ إِصْلَاحِ الْمُسْلِمِینَ وَحَقْنَ دِمَائِهِمْ. وَإِنْ أَدْرِی لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِینٍ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ.

یہ معاملہ جس میں، میں نے اور معاویہ نے اختلاف کیا ہے، یہ میرا حق ہے تو میں نے امت کی خاطر معاویہ کے لیے چھوڑ دیا، یا کسی اور شخص کا حق ہے جو مجھ سے زیادہ مستحق ہے تب بھی میں نے سے چھوڑ دیا اور میں کیا جانوں شاید وہ تمہاری جانچ ہو اور ایک وقت تک سامان حیات پھر استغفار پڑھا اور نیچے اتر آئے۔

بحوالہ اخبار الحسن للطبرانی ص 39,40، دلائل النبوۃ :6/ 444، فتح الباری 16 : /529

سیدنا امام حسن مجتبی رضی اللہ عنہ نے استغفار کیوں کیا؟ اس لیے کہ انہیں طلقاء کو ملک سونپنا پڑا جو کہ جائز نہیں تھا مگر مجبوری کے عالم میں بعض ممنوعات بھی جائز ہو جاتی ہیں۔

جواب:

عرض ہے کہ موصوف نے دیگر صحیح السند روایات کو چھوڑ کر مذکورہ روایت جس میں ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ یعنی پھر استغفار پڑھا اور نیچے اتر آئے، کو ہی منتخب کیوں کیا؟

اس کی وجہ پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ موصوف وہ صحیح السند روایات کو بیان کرنے کی بجائے ایسی روایات پیش کرتے ہیں جس کا مضمون ہی منکر یا صحابہ کرام کے خلاف ہو اب موصوف اسکالر صاحب نے روایت پیش کی اگر اس کی سند ہی عوام الناس کے سامنے پیش کر دیتے تو بھولے بھالے عوام کو بھی سمجھ آجاتی کہ روایات کی آخر سند کیوں پیش نہیں کرتے؟ چلیں ہم بتا دیتے ہیں تا کہ عوام الناس اور بھولے بھالے سنیوں کو کچھ سمجھ آسکے اس روایت کی سند امام بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں کچھ یوں بیان کی ہے:

وأَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ. قَالَ: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ. قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا مُجَالِدٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ. قَالَ يَعْقُوبُ: وحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ. حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ. حَدَّثَنَا مُجَالِدٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ. قَالَ لَمَّا صَالَحَ الْحَسَنُ بن علی رضی الله عَنْهُ۔ ......

پیش کردہ روایت کی سند میں ایک راوی مجالد بن سعید مشترکہ موجود ہے۔

(1) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُجَالِدٌ حَدِيثُهُ عَنْ أَصْحَابِهِ كَأَنَّهُ حُلْمٌ

ترجمہ: ''مجالد کی اپنے اصحاب سے بیان کردہ حدیث ایسے ہے، جیسے خواب''

نیز فرماتے ہیں: حَدِيثُ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ. كَأَنَّهُ حُلْمٌ

ترجمہ: ''مجالد کی شعبی سے بیان کردہ روایت گویا خواب ہے''۔ (المجروحین لابن حبان 3 : /11)

(2) امام ابن ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آخری عمر میں حافظے کا بگاڑ ہے۔

(الجرح والتعدیل 8 : /361)

(3) حافظ ابوالحسن، علی بن ابوبکر ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ ترجمہ: ''اسے جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے''۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد 5 : /45)

(4) علامہ، عینی، حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَمُجَالِدٌ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ : ترجمہ: ''مجالد کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے''

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری 6 : /240 رقم الحدیث 934)

مجالد کی روایات کے بارے میں محدثین کرام کی رائے بھی پڑھ لیں اور پھر نتیجہ اخذ کریں کہ ایسی روایات کو پیش ہی کیوں کیا جاتا ہے؟

کیا امام حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خوارج سے بہتر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ؟

کہانی نویس لکھاری، صلح امام حسن ص 71 پر لکھتا ہے:

> آیئے خود امام پاک رضی اللہ عنہ سے ہی پوچھ لیتے ہیں کہ ان کے نزدیک مقام معاویہ کیا تھا؟ معاہدہ لکھے جانے کے بعد جب امام پاک دستبردار ہو کر عازم مدینہ ہوئے تو معاویہ بن ابی سفیان کو خیال آیا کہ انہیں خوارج کے خلاف جنگ کے لیے بھیج دیا جائے، لیکن امام پاک رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا: میرے نزدیک خوارج کی بجائے تمہارے خلاف جنگ کرنا زیادہ بہتر ہے چنانچہ امام ابو العباس المبرد لکھتے ہیں۔ پھر امام حسن رضی اللہ عنہ عازم مدینہ ہوئے تو معاویہ ان کے پیچھے گئے جبکہ امام پاک کافی راستہ طے کر چکے تھے انہوں نے امام پاک رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ خوارج کے خلاف جنگ کے سپہ سالار بنیں تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے تو تجھ سے بھی فقط خون مسلمین کے تحفظ کی خاطر ہاتھ روکا ہے، میں اس کام کو مناسب نہیں سمجھتا، کیا میں تیرے دفاع میں ایک قوم کو قتل کروں؟ اللہ کی قسم ان کی بہ نسبت تجھ سے جنگ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (بحوالہ الکامل فی اللغۃ والادب ص 3 : /70)

جواب:

عرض یہ ہے کہ موصوف کی پیش کردہ تاریخی حوالہ کی اگر کوئی حیثیت ہے تو بیان کریں۔ موصوف نے پہلے تو متروک، منقطع و موضوع روایات سے استدلال کرنے کی کوشش کی اور اب جناب نے ترقی کر کے بغیر سند کے اقوال ہی سے استدلال کرنا شروع کر دیا ہے کیا کمال ترقی اور تحقیق ہے لکھاری کو اپنے لیکچر خود ہی بھول جاتے ہیں کہ اسناد کی دین میں کیا حیثیت ہے موصوف انکار کرنے پر آئیں تو سنن ترمذی کی صحیح روایت ہادیا مہدیا کو موضوع ثابت کر دیں اور اگر ماننے پر اتر آئیں تو الکامل ابن المبرد کی بغیر سند کے اقوال کو بھی پیش کرنے سے شرماتے نہیں بہرحال ظرف اور انصاف کی باتیں کہانی نویس جیسے لکھاریوں سے کرنا ویسے بھی مناسب نہیں، ایسے حوالہ جات پر کوئی تبصرہ کرنا بھی عجیب ہے جس کی نہ سند ہے اور نہ اس کا متن محفوظ لگتا ہے۔

کیا امام حسن رضی اللہ عنہ کی تقریر پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا؟

کہانی لکھاری میں سے ایک کہانی نویس نے ایک روایت صلح امام حسن ص 75,76 پر لکھی ہے کہ

امام حسن نے خطبہ دیا۔۔۔۔اور میں کیا جانوں اس ڈھیل سے شاید تمہارا امتحان لینا اور ایک وقت تک تمہیں لطف اندوز کرنا مطلوب ہو، جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے یہ بات فرمائی تو معاویہ نے انہیں بٹھا دیا، پھر معاویہ نے لوگوں کو خطبہ دیا، پھر وہ مسلسل عمرو بن العاص کو کوستے رہے اور کہتے رہے یہ تمہاری رائے ہے۔ (بحوالہ تاریخ دمشق :13/ 275)

دوسری روایت میں ہے: امام حسن نے لَعَلَّهٗ فِتۡنَةٌ لَّكُمۡ وَمَتَاعٌ آیت پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ سے معاویہ کی طرف اشارہ کیا تو معاویہ غضب ناک ہوا، پھر معاویہ نے ان کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں اس پر مرعوبیت نمایاں تھی، پھر منبر سے اتر کر امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: لَعَلَّهٗ فِتۡنَةٌ لَّكُمۡ وَمَتَاعٌ تمہارے لیے فتنہ اور سامان سے تم نے کیا ارادہ کیا تھا؟ امام پاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے میں وہی ارادہ کیا جو اللہ کا ارادہ ہے۔

(بحوالہ تاریخ دمشق :13/ 275)

کہانی نویس صاحب مزید لکھتے ہیں:

اس تقریر میں امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے آیت کی تلاوت فرمایا کہ جو تعریض فرمائی، اس میں غور فرمائیے اور خصوصاً اس منظر کو سامنے لائیے جو انہوں نے لَعَلَّهٗ فِتۡنَةٌ لَّكُمۡ وَمَتَاعٌ کی تلاوت کے وقت اپنے ہاتھوں سے معاویہ کی طرف اشارہ فرمایا، حتیٰ کہ وہ غضب ناک ہوگیا اور مزید تقریر سے روکنے پر مجبور ہوگیا اور عمرو بن العاص کو کوسنا شروع کر دیا، بتلائیے کیا ایسے ماحول و منظر سے معاویہ کی صلاحیت و اہلیت عیاں ہو رہی ہے؟

جواب:

پیش کردہ روایات سے پہلی روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو، کوسنا اور دوسری روایت میں امام حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرنا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا غضب ناک ہونا دو الگ الگ روایات کا حصہ ہیں پیش کردہ الفاظ سے استدلال باطل و مردود ہے کیونکہ صحیح السند روایات میں ایسی عبارات بالکل نہیں ہیں، صحیح مرویات کو ترک کر کے ایسی منقطع، ضعیف اور شیعہ راوی کی

روایت سے استدلال کرنا علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

قارئین کرام کو یہ بات سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ضعیف اور شیعہ و رافضی راویوں کی روایت میں یہ ہی معاملہ ہوتا ہے کہ متن میں ملاوٹ یا اضافہ شروع ہو جاتا ہے یا اس واقعہ کو ایک خاص رنگ و زاویہ دے کر اپنے مطلب کی بات کی جاتی ہے صحابہ کرام کے مثالب و طعن والی تمام روایات کا تقریباً یہ ہی حال ہے مخالفین ایسی روایات پیش کر کے اپنا باطل مدعا ثابت کرنا چاہتے ہیں جبکہ بھولے بھالے سنی عوام، ان روایات کی فنی حیثیت کے بغیر ہی صرف اہل سنت کی کتاب میں مروی ہونے سے ان پر یقین کر لیتے ہیں ابتدائیہ میں تفصیل سے اس نکتہ پر بات ہو چکی ہے کہ اہل سنت کے علماء نے ایسی روایات کو آخر کیوں اپنی کتب میں لکھا؟

بہر حال کہانی نویس صاحب کے مستدل روایات میں سے پہلی روایت کی سند کچھ یوں ہیں۔

(1) قال وأنا علی بن بکر أنا حمد بن الخلیل نا ابن عبیدۃ نا إبراھیم بن المنذر نا ابن وھب أنا یونس بن یزید عن ابن شھاب قال کان عمرو بن العاص.

(2) أخبرناہ اعلی من ھذا بثلاث درج أبو محمد عبد الکریم بن حمزۃ أنا أبو بکر الخطیب واخبرناہ أبو القاسم إسماعیل بن احمد أنا أبو بکر بن اللالکائی قالا أنا أبو الحسین بن الفضل أنا عبد اللہ بن جعفر أنا یعقوب نا الحجاج نا جدی عن الزھری قال فکان عمرو بن العاص۔ (تاریخ دمشق 13: /276,277)

تاریخ دمشق کی ان دونوں روایات میں زہری ہیں اور ہماری تحقیق کے مطابق زہری کا سماع حضرت عمرو بن العاص یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں، مزید یہ کہ زہری کی مرویات کو محدثین نے سیرت کے باب میں تو علماء نے قبول کیا ہے مگر مغازی کے باب میں حجت تسلیم شدہ نہیں ہے یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ محدثین کرام نے زہری کی مراسیل کو ضعیف کہا ہے۔

❁ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قُلْتُ مَرَاسِيْلُ الزُّهْرِيِّ كَالْمُعْضَلِ، لِأَنَّهُ يَكُوْنُ قَدْ سَقَطَ مِنْهُ اثْنَانِ، وَلَا يَسُوغُ أَنْ نَظُنَّ بِهِ أَنَّهُ أَسْقَطَ الصَّحَابِيَّ فَقَطْ. وَلَوْ كَانَ عِنْدَهُ عَنْ صَحَابِيٍّ لَأَوْضَحَهُ، وَلَمَا عَجَزَ عَنْ وَصْلِهِ. وَلَوْ أَنَّهُ يَقُوْلُ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ عَدَّ مُرْسَلَ الزُّهْرِيِّ كَمُرْسَلِ سَعِيْدِ بنِ المُسَيِّبِ، وَعُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ.

وَنَحْوِهِمَا. فَإِنَّهُ لَمْ يَدْرِ مَا يَقُوْلُ. نَعَمْ. مُرْسَلُه كَمُرْسَلِ قَتَادَةَ. وَنَحْوِه

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ زہری کی مراسیل معضل روایت کی طرح ہیں کیونکہ اس میں انہوں نے دوراویوں کو سقط کیا ہوگا۔ اور یہ جائز نہیں کہ ہم یہ خیال کریں کہ انہوں نے صرف صحابی کا نام ہی سقط کیا ہوگا اگر زہری نے کوئی روایت براہ راست کسی صحابی سے روایت کی ہوتی تو وہ اسے بیان کر دیتے اور اس روایت کو متصل بنانے سے عاجز نہ ہوتے اگرچہ انہوں نے عن بعض اصحاب النبی ﷺ بھی کہا ہوتا جو بھی زہری کی مرسل کو سعید بن المسیب اور عروہ بن الزبیر جیسے کبار تابعین کی مرسل کے برابر گنتا ہے تو اس کو خود نہیں پتہ کہ وہ کیا کہہ رہا ہے ہاں البتہ زہری کی مرسل قتادہ جیسے (صغار تابعین) کے جیسی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، 5 : /339)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ روایت منقطع ہے، اور اس کا متن صحیح نہیں، جبکہ ادراج زہری کے بارے میں تو محدثین کرام نے بہت تفصیل سے لکھا ہے جس کو کسی دوسرے مقام پہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

کہانی نویس کی مستدل دوسری روایت جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا غضب ناک ہونا مروی ہے کی سند محدث ابن عساکر رحمہ اللہ نے کچھ یوں بیان کی ہیں۔

(1) اخبرنا أبو بكر محمد بن عبد الباقي أنا الحسن بن علي أنا محمد بن العباس أنا احمد بن معروف نا الحسين بن محمد أنا محمد بن سعد أنا هوذة بن خليفة نا عوف عن محمد (تاریخ دمشق 13 : /275)

(2) اخبرنا أبو الحسين بن الفراء وأبو غالب وأبو عبد الله ابنا البنا قالوا أنا أبو جعفر بن المسلمة أنا أبو طاهر بن المخلص أنا احمد بن سليمان نا الزبير بن بكار حدثني محمد بن الحسن المخزومي قال لما اصطلح الحسن بن علي ومعاوية۔ (تاریخ دمشق 13 : /274)

پیش کردہ روایت کی پہلی سند میں دو راویوں پر اعتراضات ہیں۔

(1) هوذة بن خليفة:

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں هَوْذَةُ عَنْ عَوْفٍ ضَعِيفٌ

ترجمہ: یعنی ہوذہ بن خلیفہ کی عوف بن ابی جمیلہ سے روایت ضعیف ہیں۔

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث 2 : /591)

(2)عوف بن أبي جميلة الأعرابي :

❁ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔

عوف ببدعة حتى كانت فيه بدعتان :كان قدريًا، وكان شيعيًا.
کہ عوف وہ راوی ہے جس میں دو بدعتیں جمع ہیں اول قدری ہونا اور دوسرا شیعہ ہونا۔
(العلل ومعرفة الرجال:2/434رقم2913)

❁ محدث بندار لکھتے ہیں :عَوْفٌ، وَاللهِ لَقَدْ كَانَ عَوْفٌ قَدَرِيًّا رَافِضِيًّا شَيْطَانًا.
یعنی عوف قدری اور شیطان رافضی تھا۔ (الضعفاء الکبیر :3/429)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عوف بن ابی جمیلہ شیعہ راوی تھا اور ہر شیعہ راوی کو شیعہ اولی کہنا مردود و باطل ہے۔
پیش کردہ روایت کی دوسری سند میں محمد بن الحسن بن زبالۃ المخزومی ضعیف بلکہ کذاب راوی ہے۔

(1) امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا :عنده مناكير.
(التاریخ الکبیر 1 :/ 154، الضعفاء الصغیر رقم314)
بخاری موصوف کو شاید اپنی تحریر یاد ہو کہ اپنی کتاب الاحادیث الموضوعہ میں منکر پر موضوع کا حکم لگایا تھا۔

(2) امام ابن معین رحمہ اللہ نے کہا :كان يَسْرِقُ الحديث. (التاریخ الکبیر 1 :/154)

(3) امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :هُو فِي مَوْضِعٍ أن يُترك حديثُه
(الجرح والتعدیل 2:/449)

(4) امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :ضعيفُ الحديثِ. (علل الحدیث رقم1036)

(5) امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :متروكُ الحديثِ. (الضعفاء والمتروکون: رقم535)

(6) امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا :متروكٌ. (سوالات البرقانی: رقم427)

(7) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے محمد بن الحسن المخزومی کے بارے میں اپنی متعدد تصانیف میں لکھا۔

"متفق على ضعفه".	(فتح الباری 11:/298)
"ضعيف جدًا".	(المطالب العالیہ 2 :/4،67/319،416)
"ضعيف جدًا كذبه مالك	(فتح الباری 13: /191)
"أحد المتروكين".	(الاصابہ :8/111)
"متروك".	(المہرہ 2 :/112)
"متروك متهم".	(لسان المیزان 3/54)

"کذاب"۔ (المہر ہ10 : 302/)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ لکھاری اور کہانی نویس نے صحیح مرویات کو چھوڑ کر ایسی منقطع و مردود روایات کا انتخاب کیا جس کا متن منکر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کا مطلب نکلتا تھا موصوف آخر اس معمہ کا حل تو بتائیں کہ وہ صحیح و حسن روایات کو ترک کر کے منقطع و مردود اور شیعہ راوی کی روایت کا ہی انتخاب کیوں کرتے ہیں؟ اس کے برعکس علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے جو لکھا وہ ملاحظہ کریں۔

کیا امام حسن رضی اللہ عنہ نے صلح پر طعن کرنے والوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناپسندیدگی کا کہا؟

کہانی نویس لکھاری اپنے فن یعنی کہانی نویسی کو بڑھاتے ہوئے صلح امام حسن ص 77 پر لکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام پاک پر جس کسی نے بھی طعن کیا تھا کسی پر بھی امام پاک ناراض نہیں ہوئے تھے بلکہ اسے سمجھایا تھا کہ ہم نے یہ صلح معاویہ کی خاطر نہیں کی بلکہ خونِ اہل اسلام کے تحفظ کی خاطر کی ہے چنانچہ سفیان بن اللیل بیان کرتے ہیں: امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ سے مدینہ تشریف لائے تو میں نے انہیں کہا:

يَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِينَ. فَكَانَ مِمَّا احْتَجَّ عَلَيَّ أَنْ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تَذْهَبُ اللَّيَالِي وَالْأَيَّامُ حَتَّى يَجْتَمِعَ أَمْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَجُلٍ وَاسِعِ السُّرْمِ، ضَخْمِ الْبُلْعُمِ. يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَهُوَ مُعَاوِيَةُ. فَعَلِمْتُ أَنَّ أَمْرَ اللهِ تَعَالَى وَاقِعٌ، وَخِفْتُ أَنْ تَجْرِيَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ الدِّمَاءُ.

ترجمہ: اے مومنین کو ذلیل کرنے والے، اس پر انہوں نے مجھے دلائل دینا شروع فرمائے، یہاں تک کہ فرمایا میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا، انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: یہ شب و روز ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ اس امت کا معاملہ ایک ایسے شخص پر جمع ہو گا جو کھلی ناک والا اور وسیع حلق والا ہو گا، جو کھائے گا اور اس کا پیٹ نہیں بھرے گا اور وہ معاویہ ہے، سو میں نے جان لیا کہ اللہ تعالی کا امر پورا ہونے والا ہے اور میں نے خوف کیا کہ میرے اور اس کے درمیان خون جاری ہو۔

(بحوالہ کتاب الفتن، بن حماد ص 146، رقم 422)

جواب:

اس حوالہ کا جواب بھی دیگر حوالہ جات کے جوابات کی ہی طرح ہے کہ جناب آپ کو اگر تحقیق کا اتنا خبط ہے تو عوام الناس کے لیے ان روایات کی اسانید اور اس کے راویوں کی توثیق بھی پیش کر دیا کریں تاکہ حقیقت آشکار ہو موصوف لکھاری متروک اور موضوع روایات کو ایسے پیش کرتے ہیں جیسے کہ لوگوں کو کچھ معلوم نہیں کہ ان روایات کی اسنادی حیثیت کیا ہے ہمارے اکابرین نے ایک ایک روایت کے بارے میں اپنی تحقیقات پیش کی ہوئیں ہیں کسی مقام پر تفصیل کے ساتھ اور کسی جگہ اختصار کے ساتھ۔ کیونکہ عوام الناس کی رسائی اور توجہ ان کتابوں کی طرف زیادہ نہیں ہوتی۔ اس لیے کہانی نویس کی باتوں پر اعتبار کر کے اپنا ایمان خراب کرتے ہیں دوسری طرف کہانی نویس حضرات

عوام الناس کی سادگی اور عدم توجہ سے فائدہ اٹھا کر ایسی روایات کو دھر ادھر پیش کرتے ہیں اور اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں فی الحال عوام الناس کے سامنے موصوف کی پیش کردہ روایت کی سند پیش کی جاتی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں مثالب روایات بیان کرنے والا راوی نعیم بن حماد اپنی کتاب میں اس کی سند کچھ یوں بیان کرتا ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ السَّرِيِّ بْنِ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ اللَّيْلِ،
قَالَ أَتَيْتُ حَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ......

مذکورہ روایت کے دو راویوں پر محدثین کرام کے شدید جروحات ہیں۔

(1) پہلا راوی سُفْيَانَ بْنِ اللَّيْل کے بارے میں محدث عقیلی لکھتے ہیں۔

كَانَ مِمَّنْ يَغْلُو فِي الرَّفْضِ، لَا يَصِحُّ حَدِيثُهُ
یعنی کہ یہ راوی ان میں سے ہے جو رافضیت میں غلو کرتے ہیں اسکی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔

(الضعفاء الکبیر :2/175)

(2) دوسرا راوی السَّرِيِّ بْنِ إِسْمَاعِيلَ کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

متروكُ الحديثِ۔ (تقریب التھذیب رقم 2221)

۞ امام یحیٰی القطان رحمہ اللہ نے کہا: استبان لی کذبه فی مجلس واحد.
ترجمہ: کہ ایک ہی محفل میں اس کا جھوٹ مجھ پر کھل گیا۔

❁ امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا: متروك یعنی متروک راوی ہے۔

❁ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: ترك الناس حدیثه. کہ لوگوں نے اسکی حدیثیں چھوڑ دیں۔

❁ یحیی بن معین رحمہ اللہ نے کہا: لیس بشيئ. کہ یہ کچھ نہیں۔ (میزان الاعتدال فی نقد الرجال : 117/2)

(3) تیسرا راوی ابنُ فُضَیل کے تشیع کے بارے میں محدثین کرام فرماتے ہیں۔

❁ محدث عجلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

کوفيٌ. ثقةٌ. كان يتشيع. یعنی کوفی ثقہ شیعہ ہے۔ (الثقات رقم 1277)

❁ امام ابو داؤد رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

كان ابن فُضَيل شيعيًا محترقًا. یعنی کہ ابن فضیل جلا بھنا شیعہ تھا۔ (سوالات ص 37)

❁ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

شيعيٌ. شیعہ ہے۔ (المعرفہ والتاریخ 3 : 112/)

قارئین کے سامنے اس سند کی تحقیق پیش کر دی ہے جس سے یہ بات بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ چند نام نہاد لکھاری اسکالر بننے کی خواہش میں صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کرنے کی بدعت اہل سنت میں پھیلانے کی کوشش میں متروک، کذاب اور شیعہ راویوں کی روایت پیش کرنے سے احتراز نہیں کرتے، بہر حال پیش کردہ روایت کی فنی حیثیت واضح کر دی گئی ہے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ایسی روایات سے استدلال کرنا باطل و مردود ہے۔

* * *

ناگوار بیعت یا عام الجماعۃ؟

امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جس صلح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسندیدگی اور دونوں گروہوں کو مسلمان سے خطاب کیا اس صلح پر کہانی نویس مصنف طرح طرح کے لغو اور باطل قسم کی مرویات پیش کر کے اس پر اعتراض کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔
کہانی نویس لکھاری صاحب، صلح امام حسن ص 82 پر لکھتے ہیں کہ
جب سیدنا حسن مجتبیٰ نے بادل نخواستہ معاویہ کے ساتھ صلح کر لی تو سیدنا قیس بن سعید کو فرمایا کہ وہ معاویہ کی طاعت میں داخل ہو جائیں، انہوں نے لوگوں میں کھڑے ہو کر فرمایا:

أيها الناس، اختاروا الدخول في طاعة إمام ضلالة، أو القتال مع غير إمام،
قَالُوا :لا، بل نختار أن ندخل في طاعة إمام ضلالة۔
ترجمہ: لوگوں امام ضلالت کی طاعت میں داخل ہونا چاہتے ہو یا بغیر امام کے جنگ کرنا چاہتے ہو؟ بعض لوگوں نے کہا: بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ اہم ضلالت کی طاعت میں داخل ہو جائیں۔
(بحوالہ تاریخ الطبری 5 :/160)

جواب:

عرض ہے کہ قارئین کرام کو بھی لکھاری کہانی نویس جیسے لوگوں سے بھی پیش کردہ روایات کی فنی اور اسنادی حیثیت کا پوچھنا چاہیے یہ کیا بات ہوئی ہے کہ موصوف دھڑا دھڑ ضعیف اور متروک وموضوع روایات پیش کرے اور دوسروں پر کیچڑ اچھالے اکابرین اہل سنت تو ایک طرف ایسے لوگوں نے تو صحابہ کرام کی مسلمہ شخصیات کو بھی نشانہ بنانا عام وطیرہ بنالیا ہے بھولی بھالی عوام ان کتابوں کے نام سن کر ہی ان کے بے ہودہ استدلال مان کر اپنا عقیدہ خراب کرتی ہے
موصوف نے دیگر روایات کی طرح اس روایت کی بھی سند نہ ذکر کرنے میں کوئی عار نہ سمجھا اور لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی، مگر قارئین کرام کے سامنے ایسے لوگوں کی مستدل روایات کی حیثیت پیش کی جائیں گی تا کہ وہ اس کے بارے میں نتیجہ اخذ کرسکیں۔
مورخ طبری نے اس روایت کی سند کچھ یوں نقل کی ہے۔

قَالَ زیاد بن عَبْدِ اللهِ، عن عوانة، وذكر نحو حديث المسروقي، عن عُثمان بن عَبْدِ الرَّحْمن هَذَا. وزاد فِيهِ :

اب جو المسروقی کی روایت طبری نے اس روایت سے قبل پیش کی وہ بھی ملاحظہ کریں۔

وحدّثني موسى بن عبد الرحمن المسروقيّ، قال حدّثنا عثمان بن عبد الحميد أو ابن عبد الرحمن الحرّانيّ الخزاعيّ أبو عبد الرحمن، قال حدّثنا إسماعيل بن راشد، قال بايع الناسُ الحسنَ بن عليّ عليه السلام بالخلافة.

پیش کردہ روایت کی پچھلی سند کا راوی اسماعیل بن راشد مجہول ہے اور اس کا سماع امام حسن رضی اللہ عنہ سے ثابت کرنا موصوف کی ذمہ داری ہے۔

❁ سند کا پہلا راوی زیاد بن عبد اللہ کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں۔

کثير الغرائب والمناكير۔ (الجامع ترمذی رقم 1007)

موصوف کو مذکورہ حوالہ اس لیے پیش کیا کہ شاید وہ اپنے لکھی ہوئی تحریر کا کچھ خیال رکھیں اور عوام الناس میں زیادہ شرمندگی محسوس نہ کریں کیونکہ موصوف اپنی بدنام زمانہ کتاب الاحادیث الموضوعہ فی فضائل معاویہ میں منکر روایات پر موضوع کا اطلاق ڈھٹائی سے کرتے ہیں اگرچہ موصوف کا قاعدہ ان کی تحریر کی طرح مردود و باطل ہے اگرچہ متعدد محدثین کرام نے مغازی میں اس راوی کو ثقہ کہا ہے مگر یہ روایت مغازی سے تعلق نہیں رکھتی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ موصوف کی پیش کردہ روایت منقطع اور ضعیف ہے مزید یہ کہ اس روایت کا متن بھی منکر ہے اس لیے ایسے اقوال ضعیفہ و منقطع سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو گمراہی کی بیعت کہنا اکابرین صحابہ کرام پر طعن ہے اور اس کو پیش کرنا مردود و باطل ہے۔

کیا بیعت ضلالت کہنا صحابی سے ثابت ہے؟

کہانی نویس لکھاری جو کہ اہل سنت کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو غیر اہل سنت عقائد کی ترویج کر رہا ہے اس نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت پہلے اپنی کتاب الاحادیث الموضوعہ میں نقل کی اور پھر صلح امام حسن ص 84 پر دوبارہ نقل کرنے کی زحمت کی۔

موصوف لکھاری لکھتے ہیں۔

یعنی سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث ہے کہ انہوں نے صفین کے میدان میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: وَأَنَّهُمْ عَلَى الضَّلَالَةِ وہ لوگ گمراہی پر ہیں۔

بحوالہ مسند احمد4 : /319. و6/ 405، حدیث 19090. صحیح ابن حبان 15 : /555,556 حدیث 7080

لکھاری موصوف صلح امام حسن ص 85 پر اس روایت کی تصحیح کے بارے میں لکھتا ہے

شیخ احمد شاکر نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ بحوالہ مسند احمد14 : /293 حدیث 18786

شیخ شعیب الارنووط نے لکھا ہے:

اس کے رجال ثقہ ہیں اور شیخین کے رجال ہیں ماسوائے عبداللہ بن سلمہ کے وہ سنن اربعہ کا راوی ہے. ابن عدی کہتے ہیں: امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں. امام ابن حبان. محدث عجلی اور یعقوب بن شیبہ نے اس کی توثیق فرمائی ہے۔ بحوالہ تعلیقات الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان 15 / 556"

جواب:

لگتا ہے کہ لکھاری صاحب نے عوام الناس کو دھوکا دینے کی قسم اٹھائی ہے اس روایت پر راقم نے کتاب الاحادیث الراویہ ص 291 میں تفصیل سے کلام کیا ہے اور اس کے ضعف کی علت بھی بتائی. مگر لکھاری صاحب بیچارے. بہت معصوم ہیں کیونکہ علم اسماء الرجال سے نابلد ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں کہ جن کو پڑھ کر ہنسی بھی آتی ہے۔

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ وَأَنَّهُمْ عَلَى الضَّلَالَةِ وہ لوگ گمراہی پر ہیں کہ الفاظ مسند امام احمد تو موجود ہیں مگر صحیح ابن حبان میں یہ الفاظ وَأَنَّهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ سے مروی ہیں۔

(2) دوسری بات یہ ہے کہ احمد شاکر کا رجال کو صحیح کہنا اور صحیح ابن حبان کی تعلیق میں شعیب الارنووط کا رجال کو ثقہ کہنے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس میں کوئی علت قادعہ ایسی نہیں ہوگی؟ جس سے یہ روایت ضعیف نہیں موصوف کو اتنا نہیں معلوم کہ راوی کے ثقہ ہونے سے اس کی علت قادعہ کا مرفوع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(3) موصوف لکھاری نے دھوکا دینے کے لیے شعیب الارنووط کی تعلیق ابن حبان پر تو پیش کی جس سے بھی مدعا ثابت نہیں ہوتا مگر جناب نے شعیب الارنووط کی اسی روایت پر مسند امام احمد کی تعلیق کو خیانت کر کے عوام الناس کے سامنے پیش نہ کیا جس میں شعیب لارنووط نے اس اثر کو ضعیف کہا ہے۔

❁ شعیب الارنووط کی صحیح ابن حبان پر تعلیق کچھ یوں ہے۔

> هذا الأثر إسناده ضعيف، عبد الله بن سلمة :هو المرادي الكوفي، قد اختلط، وسماع عمرو بن مرة منه بعد اختلاطه.
>
> یعنی اس اثر کی سند ضعیف ہے، اس کا راوی عبداللہ بن سلمہ جو المرادی الکوفی ہے اس کا حافظہ خراب ہوگیا تھا اور عمرو بن مرۃ نے حافظہ خراب ہونے کے بعد اس سے سنا۔

(تعلیق مسند الامام أحمد بن حنبل 31 : /179، رقم 18884)

(4) یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ شعیب الارنووط کی صحیح ابن حبان پر تعلیقات پہلے کی ہیں اور مسند امام احمد پر تعلیق بعد کی ہیں اس لیے اگر کسی نے ترجیح دینے کی بھی کوشش کی تو راجح قول مسند امام احمد کی تعلیق کا ہی ہوگا جس میں پیش کردہ روایت کو ضعیف کہا ہے۔

(5) شعیب الارنووط اور دکتور بشار العواد نے اس راوی کے بارے میں جو جدید موقف اپنی نئی کتب میں لکھا ہے اگر وہ بھی پیش کر دیتے تو معاملہ واضح ہو جاتا، مگر لکھاری صاحب نے متعدد مقام پر شعیب الارنووط کی کتاب کے حوالے دیے مگر اس مقام پر بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس روایت کے راوی کا تعارف نہیں لکھا۔

❁ شعیب الارنووط لکھتے ہیں:

> بل: ضعيفٌ يُعتبر به، فقد تفرَّد بالرواية عنه عمرو بن مرة وأبو الزبير المكي، ولم يصح أنه هو الذي روى عنه أبو إسحاق السبيعي، ذكر ذلك ابن معين، والنسائي، والدارقطني، والخطيب، والمصنف نفسه كما هو ظاهر من إفراد

الذی بعده تمییزًا· وقال البخاری :لا یتابع فی حدیثه· وقال شعبة وأبو حاتم والنسائی :تعرف وتنکر· وقال الدارقطنی :ضعیف· وقال أبو أحمد الحاکم : حدیثه لیس بالقائم· وقال الذهبی :صویلح· وما وثقه سوی یعقوب بن شیبة والعجلی·
(تحریر تقریب التہذیب، رقم 3364)

بلکہ راوی عبداللہ بن سلمہ ضعیف ہے روایت کو اعتبار کے لیے لیا جا سکتا ہے اور اس سے عمرو بن مرہ اور ابو الزبیر المکی کی روایت تفرد کی وجہ سے صحیح نہیں ہوتی، اس طرح کا ذکر امام ابن معین، امام نسائی، امام دارقطنی اور خطیب اور مصنف یعنی ابن حجر نے خود اس کی تفرد و افراد والی روایت کے بارے میں کہا، اور امام بخاری نے کہا کہ اس کی روایت کی متابعت نہیں ہوتی، امام دارقطنی نے ضعیف کہا، امام ابو احمد الحاکم نے کہا کہ اس کی حدیث مضبوط نہیں اور امام ذہبی نے اس کے ضعف کا ذکر کیا ہے اور یعقوب بن شیبہ اور عجلی کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی۔

اب پڑھنے والے حضرات خود ہی نتیجہ اخذ کریں کہ لکھاری عوام کو بے وقوف بنانے کی خاطر یہ شخص کس طرح کا دھوکا دیتا ہے اور عوام الناس کے سامنے یکطرفہ بات رکھ کر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گمراہ کن معاون کہا؟

موصوف لکھاری نے صلح امام حسن ص 91 پر لکھتے ہیں

امام ابن عبد البر لکھتے ہیں۔۔۔۔اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امام حسن کو فرمایا:

إن أقررت معاویة عَلَی مَا فِي یده کنت متخذ المضلین عضدا·

اگر میں معاویہ کو اس کی موجودہ حالت و اختیار پر قائم رکھوں تو میں گمراہ کن کو معاون بنانے والا ٹھہروں گا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب 4 : /1447)

جواب:

موصوف کی اس پیش کردہ روایت کا کیا جواب دیا جائے، جس کی کوئی نہ سند اور نہ کوئی علمی و فنی حیثیت۔ بغیر سند کے مردود اقوال پیش کیے جا رہے ہیں اور بھولے بھالے سنیوں کو دھوکا دیے جا رہے ہیں اور ایک الگ طرح کا دھوکا ہے کہ جس میں اکابرین کا نہ کوئی خیال اور نہ ہی لحاظ، ابن عبد البر کی اس کتاب

پر محققین اور محدثین نے مضبوط اعتراضات کیے ہیں کہ ایسی روایات کی بھرمار ہے. جس سے صحابہ کرام کی شان پر طعن کیا جاتا ہے اور ایسی تمام روایات کی اسانید سخت ضعیف اور متروک راویوں سے بھری پڑی ہیں ایسی بے سند روایات سے استدلال مردود و باطل امر ہے موصوف علمی جواب دیں نہ کہ شاذ باتوں کی آڑ لے کر ادھر ادھر کی باتیں کریں۔

کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو دنیادار کہا؟

کہانی نویس لکھاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دنیوی فائدہ کا الزام لگاتے ہوئے ایک روایت پیش کی ہے صلح امام حسن ص 92 پر لکھتے ہیں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو مغیرہ بن شعبہ کے اس آنے جانے کے متعلق معلوم ہوا تو انہوں نے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو عرض کیا: پہلے روز مغیرہ نے آپ کو خیرخواہانہ مشورہ دیا ہے اور دوسرے دن اس نے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا وہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا:

لأنَّ بنى أميَّة ومعاوية أصحابُ دنيا. فمتى أبقيتَهم لم يُبالوا مَن وَلِيَ هذا الأمر. ومتى عَزلتَهم أخذوا هذا الأمر بغير شورى. وقالوا: قَتل صاحبَنا. وألَّبوا عليك.

اس لیے کہ بنو امیہ اور معاویہ دنیادار لوگ ہیں، سو جب آپ انہیں برقرار رکھیں گے تو انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ خلیفہ کون ہے اور جونہی آپ انہیں معزول کریں گے تو وہ اس امر کو شوری کے بغیر لے لیں گے اور کہیں گے اس نے ہمارے صاحب کو قتل کیا ہے اور آپ کے خلاف جمع ہو جائیں گے۔ بحوالہ مراۃ الزمان 6 : / 56,57

جواب:

گذارش یہ ہے کہ پیش کردہ روایت کو اگر موصوف خود بھی غور سے پڑھ لیتے تو انہیں اس روایت کے متن کے ایک اہم نکتہ پر بھی اطلاع ہو جاتی. حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جن کی فقاہت اور علمی وقار کے بارے میں خود موصوف اپنی متعدد کتب میں اقرار کر چکے ہیں، کی ایک اہم بات. جس کو انہوں نے خیرخواہ مشورہ کہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی گورنری پر برقرار رکھنے کو خیرخواہی کہا۔

مزید اگر اس روایت کی سند پر تحقیق کی جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس میں متروک اور سخت ضعیف راوی موجود ہیں، جس سے استدلال کرنا لکھاری موصوف کا ہی خاصہ ہے۔

سبط ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس کی سند کچھ یوں لکھی ہے۔

وقال الواقدی :حدثنی ابن أبي سَبْرة، عن عبد المجيد بن سُهيل، عن عُبيد الله بن عبد الله بن عُتبة، عن ابن عباس قال دعاني عثمان، فاستعملني على

اب مذکورہ روایت کا ایک راوی واقدی ہے اور واقدی کے متروک ہونے پر محدثین کرام کے اقوال واضح طور پر موجود ہیں اور پھر صحابہ کرام پر اعتراض والی روایات میں واقدی کے ہونے پر ہی علماء اس پر نقد اور رد بھرپور انداز میں کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ پیش کردہ روایت کی سند میں واقدی کے استاد ابن ابی سبرہ کے بارے میں محدثین کرام کے چند اقوال ملاحظہ کریں۔

(1) امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں -منکر الحدیث. یعنی منکر الحدیث راوی ہے۔

(التاریخ الصغیر :2/184)

موصوف لکھاری کو اپنی کتاب الاحادیث الموضوعہ میں فضائل معاویہ کی لکھی ہوئی عبارات شاید یاد ہوں کہ انہوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کے منکر الحدیث اور عمومی طور پر منکر کے بارے میں کیا حکم لگایا تھا؟ ویسے یاد دہانی کے لیے لکھ دیتے ہیں کہ موصوف ایسی روایات کو موضوع کہنے پر بضد تھے۔

محدثین کرام کے چند مختصر اقوال بھی پڑھ لیں:

(2) امام بزار نے کہالین الحدیث یعنی حدیث میں کمزور ہے۔ (کشف الأستار رقم 1368, 1129)

(3) امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا :متروك الحديث. (الضعفاء والمتروکون رقم 697)

(4) امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اس راوی کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ (الضعفاء والمتروکین رقم 612)

(5) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں متروك. (لسان المیزان 9: /592)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ کذاب. یعنی جھوٹا ہے۔ (مختصر البزار 1 : /572)

راویوں کے بارے میں تحقیق عوام الناس کے سامنے پیش کر دی گئی ہے، جس سے اس روایت کے بارے میں نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے اس طرح کی روایات کے بل بوتے لکھاری صاحب ان جلیل القدر ہستیوں پر اعتراض کر رہے ہیں جن کا تزکیہ قرآن وسنت میں بطور نص موجود ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گورنری کے بارے میں رائے

کہانی نویس لکھاری نے صلح امام حسن ص 92,93 مذکورہ روایت کی مزید تفصیل کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ایک قول نقل کیا ہے۔

اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أمّا ما ذكرتَ من إقرارهم، فما أشكُّ أنّه خيرٌ في عاجل الدنيا وصلاحها. وأمّا الذي يَلزَمُني من الحقِّ والمعرفةِ بهم فلا يحلّ لي أن أُبقي منهم واحدًا ساعةً من نهار.

آپ نے جو انہیں مقرر رکھنے کا کہا ہے تو مجھے کوئی شک نہیں کہ فی الحال اس میں دنیوی فائدہ اور اس کی درستگی مضمر ہے، لیکن مجھ پر جو حق لازم ہے اور جو ان لوگوں کی حقیقت عیاں ہے تو میرے لیے حلال نہیں کہ میں ان میں سے کسی کو دن کے ایک گھنٹہ کے لیے بھی مقرر رکھوں۔

بحوالہ مراۃ الزمان :6/ 56,57

جواب:

لکھاری موصوف نے جو روایت پیش کی، اس کی سند کو چھپالیا اور روایت کی سند پر تبصرہ نہ کرنے میں ہی عافیت سمجھی، ویسے تو موصوف ضعیف اور موضوع روایات کے سخت خلاف ہیں، مختلف لوگوں کی کتابوں میں ضعیف اور موضوع روایات کی نشاندہی کرتے ہیں اور دوسروں کو لیکچر بھی دیتے ہیں مگر اپنی کتب میں جناب نے موضوع روایات کی بھر مار کی ہوئی ہے! اس کے بارے میں کیا خیال ہے موصوف نے خصائص علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لے کے صلح امام حسن کتاب تک اتنی موضوع روایات اپنی کتابوں میں بغیر کسی نقد کے نقل کیں ہیں کہ اگر اس پر لکھا جائے تو دو جلدوں پر ایک کتاب تیار ہو جائے گی، کیا اس رویہ پر انصاف پسند علماء بھی کچھ نہیں کہتے، تحقیق کے نام پر اہل سنت کے بھولی بھالی عوام کو جو گمراہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اس پر انصاف اور تحقیق کے داعی خاموش کیوں؟

موصوف نے جو روایت پیش کی اس کی سند سبط ابن الجوزی نے کچھ یوں نقل کی ہے۔

وهذه رواية الواقدي، وقال هشام :لما قال له ابن عباس :

قارئین کرام خود ہی فیصلہ کریں کہ واقدی اور ہشام بن محمد الکلبی جیسے متروک وضعیف راویوں کی منقطع روایت پر کیا لکھا جائے اور کن کن علماء کے حوالہ پیش کیے جائیں؟ ایسی متروک روایت سے صحابہ کرام کی شان پر اعتراض کرنا کیا لادینیت نہیں؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وحضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جسارت

بغض صحابہ میں مبتلا لکھاری کتاب صلح امام حسن ص 93 پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دل آزار جملہ کچھ یوں لکھتا ہے۔

> ”خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ویسے بھی بنو امیہ کے طلقاء کی فطرت سے آگاہ تھے اور سیدنا عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی معاویہ سے جو کتاب وسنت کی خلاف ورزی ہوتی رہی اس سے بھی باخبر تھے اس لیے انہوں نے شروع ہی سے معاویہ کو گورنری کی سیٹ پر قائم رکھنا جائز نہ سمجھا۔

جواب:

کہانی نویس صاحب کے اس دل آزار جملہ پر جتنی بات کی جائے کم ہے ان کو خود بھی ان اکابرین کا خیال نہیں بھولی بھالی عوام سے یہ سوال ہے کہ کیا کوئی سنی ایسے جملہ لکھ سکتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ موصوف نے جملہ لکھا نہیں بلکہ کسا ہے تو بے جا نہ ہوگا اس مردود جملہ کی حساسیت کا اندازہ یہ لگائیں کہ اس کے اطلاق کن کن اکابرین پر ہوگا؟

(1) اس عبارت میں حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں خلاف سنت کام کا ہونا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان کاموں پر خاموش رہنے جیسے نکات کا اثبات ہو رہا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عادل خلیفہ کے دور میں کسی شخص کا بھی خلاف سنت کام کرنے کی تو کسی کو ہمت نہیں تھی، اور اگر کسی سے کوئی خلاف اولی بات بھی صادر ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کو جس سختی کے ساتھ نپٹتے اس کا ذکر کتب احادیث کی متعدد روایات میں واضح ثبوت ہیں، موصوف نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں خلاف سنت کام ہونے کا الزام لگایا اور موصوف نے صلح امام حسن ص 106 پر یہ بات بھی لکھی ہے کہ حکومت میں جو بھی غلط کام ہو، اس کا ذمہ دار حکومت کا سربراہ ہی ہوتا ہے موصوف کی اس تحریر سے جو قباحتیں ثابت ہوتی ہیں، اس کے شر سے اللہ محفوظ فرمائے۔

(2) موصوف نے جہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی خلاف سنت کام کے صادر ہونے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی خلاف سنت امور کے سرانجام ہونے کا جو دل آزار فتوی دیا ہے، وہ ایک بات عوام الناس کو بھی بتائیں کہ خلفاء راشدین کے دور میں شوری کے ممبران میں کون

کون سی جلیل القدر ہستیاں تھیں؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ان ادوار میں کس عہدہ پر فائز ہونا روایات میں منقول ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تو کسی بھی خلاف سنت کام پر خاموش رہتے نہیں تھے، آپ نے یہ بات لکھ کر تو اس عبارت کی سنگینی کو مزید زیادہ کر دیا ہے۔

(3) کہانی نویس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمرانی پر اعتراض کرتے ہوئے یہ بات اپنی کتاب صلح امام حسن میں لکھی ہے کہ ان سے امام حسن اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام نے بیعت سیرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر عمل پیرا ہونے کی شرط پر بیعت لی تھی، کیا لکھاری نویس موصوف یہ بتانا بھی پسند کریں گے کہ ایسی حکمرانی یا دور حکومت جس میں خلاف سنت (نعوذ باللہ من ذلک) کام ہوتا ہو، اس سیرت پر عمل پیرا ہونے کے لیے امام حسن رضی اللہ عنہ نے بیعت لی تھی؟

اس دل آزار جملے کی مذمت کرتے ہوئے، ایسے استدلال پر مردود و باطل کا حکم لگانا ہی حق ہے اس کے بعد بھی اس کہانی نویس کے رافضی ہونے میں شک کیا جا سکتا ہے۔

کیا امام حسن و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی بیعت کراہت پر مبنی تھی؟

ریسرچ اسکالر بننے کے شوق میں موصوف نے اپنی کتاب صلح امام حسن ص 96,97 پر اپنے ممدوح ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی سے کچھ ایسی عبارات نقل کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح میں کینہ، ناگواری اور کدورت تھی۔

جواب:

گذارش ہے کہ جو کہانی صلح کے بارے میں موصوف نے بنانے کی ناکام کوشش کی ہے اس پر تعجب ہوتا ہے کہ کیسے بے اصول باتوں کے بل بوتے پر ایسی تحقیق عوام الناس کے سامنے پیش کر کے ان کو دھوکا دیا جاتا ہے صحیح احادیث کی قطعیت کو ترک کر کے کچھ علماء کی تحقیق کو غلط زاویہ سے پیش کر کے اپنا مدعا ثابت کیا جانا مردود ہے جنہوں نے صلح کو ہدنۃ علی دخن پر محول کرنے کی بھی بات کی ہے تو اس کو مکمل نہیں پیش کیا گیا بلکہ ادھوری اور یک طرفہ بات کی ہے۔

(1) ابن تیمیہ کی عبارت میں اس صلح کو خیر کہا۔

(2) شاہ ولی اللہ دہلوی کے عبارت میں صلح سے قبل ناگواری مذکور ہے نہ کہ صلح کے بعد۔

(3) ملا علی قاری کی عبارت میں بھی صلح سے قبل فساد کی بات ہے نہ کہ مابعد صلح ۔ اور حضرت معاویہ کی امارت کا قرار پکڑنا ہے (ویسے ملا علی قاری کی اگر دیگر عبارات موصوف کے سامنے رکھیں تو بہت شور مچائیں گے)۔

موصوف نے صلح کو برکدورت یا صلح پر فساد یا صلح برکینہ لکھا ہے، یہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے الفاظ لکھے ہیں عوام الناس ایسے الفاظ پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس صلح میں بد دیانتی یا فساد شامل تھا جب کہ درحقیقت یہ الفاظ ماقبل صلح کے لیے لکھے گئے۔

مزید یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کو صلح برکدورت یا صلح برفساد جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں تو انکا اطلاق ان جلیل القدر شخصیات پر ہوتا ہی نہیں کیونکہ ان دونوں گروہوں میں صلح سے قبل بعض ایسے لوگ تھے جو ایک دوسرے کے خلاف تھے اور جنہوں نے ایک دوسرے پر الزام بھی لگائے اس لیے ماقبل صلح کی حالت کا اطلاق مابعد پر کرنا تحقیق کی روشنی میں غلط ہے اور اس کدورت کا اطلاق دونوں گروہوں کے سربراہ پر کرنا مردود ہے چند طرفین کے لوگوں کے ماقبل صلح کا اطلاق تمام لوگوں مع سربراہ پر مابعد صلح کرنا باطل اور مردود ہے امام حسن رضی اللہ عنہ تو شروع سے اس صلح کے حامی تھے جنگ جمل کے زمانے سے امام حسن رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش تھی کہ مسلمانوں کے آپس میں لڑائی نہ ہو اور یہ معاملہ صلح صفائی سے حل ہو جائے جبکہ جنگ صفین میں امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو لڑائی نہ کرنے کا مشورہ دیا اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں شامل نہ ہونے کا اظہار بھی کیا تھا، جس کی تفصیل کتاب میں بحوالہ موجود ہے جب امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں شروع ہی سے صلح کے حق میں تھے تو دلوں میں کدورت کیسی؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا امام حسن رضی اللہ عنہ کا ادب واحترام کو ملحوظ رکھنا بھی صحیح روایات میں موجود ہے جس کی تفصیل کتاب میں موجود ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا امام حسن کا ادب واحترام کرنے کے باوجود کدورت کیسے؟ اس لیے ایسی تحقیق کو پیش کرنا ہی مردود عمل ہے۔

◆

بیعت رضوان کے شرکاء کے جنتی ہونے پر اعتراض

لکھاری موصوف نے اسکالر بننے کے شوق میں غیر اہل سنت کی کتب سے استدلال اپنے الفاظ میں بھر پور طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے ہم اس شخص کے بارے میں کچھ معروضات پیش خدمت کرتے ہیں جو کہ سنیوں کے لبادہ میں بغض صحابہ کی تحریک چلا رہا ہے اہل سنت میں اس بات پر اتفاق و اجماع ہے کہ تمام صحابہ کا ذکر خیر کیا جائے گا بہر حال جناب نے صلح امام حسن ص 100 پر ایک استدلال پیش کیا ہے اس کو ملاحظہ کریں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ صحیح احادیث سے نام زد شدہ کسی فرد کو جنتی قرار دینا الگ بات ہے اور جماعت یا طبقات کے لیے جنت کی بشارت کا ہونا الگ بات ہے جب کسی فرد کو جنتی قرار دیا گیا تو اس فرد کو جنتی ماننا لازم ہوگا لیکن نام لیے بغیر کسی طبقہ یا جماعت کا ذکر کیا گیا تو پھر اس طبقہ یا جماعت کے ہر شخص کے خاتمہ کا اعتبار ہوگا قرآن مجید میں متعدد ایسی آیات ہیں جس میں طبقات اور جماعت کے لیے اجر عظیم اور جنت کی بشارت کا ذکر ہے اور عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ اس جماعت یا طبقہ کے ہر ہر فرد کا جنتی ہونا ضروری ہے لیکن درحقیقت یہ خیال درست نہیں۔۔۔ آیت مبارکہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِینَ إِذْ یُبَایِعُونَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔ الفتح 18 کو مدنظر رکھتے ہوئے بیعت رضوان میں شامل اکثر کو نہیں بلکہ تمام لوگوں کو جنتی تصور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ درست نہیں بلکہ رضاء الٰہی کا یہ مژدہ ان لوگوں کے لیے تھا جنہوں نے عہد کو نبھایا اور اس بیعت پر قائم رہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے بعد ارشاد فرمایا: فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ (الفتح 18) تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کی حقیقت

نام نہاد لکھاری نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے۔

وَأخرج ابْن أبي حَاتِم عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله {فَعلم مَا فِي قُلُوبهم فَأنْزل السكينَة عَلَيْهِم} قَالَ إِنَّمَا أنزلت السكينَة على من علم مِنْهُ الْوَفَاء۔ اطمینان فقط ان پر اتارا گیا جن سے وفا جانی گئی۔ (الدر المنثور 13 : /483)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر، تفسیر قرآن بالقرآن ہے، اس لیے کہ اس سے قبل جس آیت میں اس بیعت کو بیعت الٰہی فرمایا گیا ہے، وہاں ساتھ یہ بھی فرمایا گیا ہے۔

فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (الفتح 10)

تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا، اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔

جواب :

عرض یہ ہے کہ موصوف کا یہ استدلال اتنا بھونڈا ہے کہ حیرانگی ہوتی ہے تفسیر بالقرآن کی روایت نقل کی مگر حسب عادت نہ اس کی سند اور نہ اس کی تحقیق، چلیں اس بغیر سند کے قول پر مختصراً گذاش ہے کہ پہلے آپ پوری آیت ملاحظہ کیجئے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا۔ (الفتح 18)

بے شک اللہ تعالیٰ خوش ہوا ایمان والوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے تجھ سے درخت کے نیچے، سو جانا اللہ نے جو ان کے دل میں تھا، پھر اتارا ان پر اپنا سکون اور انعام دیا ان کو ایک قریب کی فتح۔

اب اس آیت سے ثابت ہونے والے نکات ملاحظہ کیجے۔

(1) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کے شرکاء کے ایمان کی تصدیق کر دی۔

(2) بیعت رضوان کے تمام شرکاء صحابہ کو مومنین کہا۔
(3) بیعت رضوان کے شرکاء تمام صحابہ کرام کی دلی سلامتی کا حکم بیان کیا۔
(4) بیعت رضوان میں شریک تمام صحابہ کرام کے دلوں پر سکون نازل کیا۔
(5) بیعت رضوان کے شرکاء صحابہ کرام کو فتح سے سرفراز فرمایا۔

اس طرح اگر موصوف یہ بات قارئین کے سامنے واضح کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس بات پر عہد لیا تھا تو ان کے تمام استدلال ہوا ہو جاتے جو آیت نقض عہد یعنی بیعت کو توڑنے کے بارے میں پیش کی اسے مکمل پیش کرتے تو بات واضح ہو جاتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (الفتح 10)

ترجمہ: تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے، ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے پھر جو کوئی عہد توڑے سو وہ اسے توڑنے سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور جو پورا کرتا ہے، وہ عہد جو وہ اللہ سے کر چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم دے گا۔

اب اس آیت کو قارئین کرام پڑھ کر چند نکات پر توجہ مبذول کریں

(1) سورۃ الفتح میں جس بیعت کا ذکر ہوا، اسے بیعت رضوان یا بیعت الشجرۃ کہا جاتا ہے

(2) یہ بیعت رضوان کس لیے تھی؟ علماء اور اکثر صاحب ذوق عوام الناس کو یہ معلوم ہے کہ یہ بیعت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے تھی کیونکہ ادھر یہ مشہور کیا گیا تھا کہ حضرت عثمان کو کفار نے شہید کر دیا ہے اور ان کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے 1400 صحابہ کرام مدینہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بیعت کی تھی۔

(3) بیعت کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور کی گئی شہادت کے بدلے کے لیے تھی، مگر کیونکہ بیعت جنگ کے لیے تھی اور یہ جنگ، مسلمانوں اور کفار کے درمیان صلح کے بعد نہ ہوئی تھی، اس لیے بیعت میں نکث کیسے ہوا، اور صحابہ کرام میں سے کسی ایک پر بھی بیعت توڑنے کا الزام کیسے لگایا جا سکتا ہے؟

(4) اس آیت میں کوئی ایسی دوسری شرط نہیں جس کو پورا کرنے پر یا عمل کرنے پر ہی جنت کا وعدہ لیا گیا جنت کا وعدہ صرف بیعت میں شرکت پر کیا گیا، اس لیے کسی دوسری بات پر ان کے قطعی جنتی ہونے کا رد

نہیں ہوتا بیعت رضوان پر ہی جنت کا وعدہ تھا جو اس بیعت میں شریک تھے ان کو قطعی جنتی قرار دیا گیا تو ثابت ہوا کہ بیعت رضوان کے شرکاء قطعی جنتی ہیں۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

> حق تعالی نے رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا نہ کہ عن بیعۃ المومنین اور پھر فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اس کے ساتھ ملا دیا اور ظاہر ہے کہ قصد و اخلاص اور نیات کا ٹھکانہ دل ہے رضا ،صاحب فعل سے متعلق ہے نہ کہ فعل کے ساتھ۔

شاہ صاحب کی تحریر نے اس بات کی وضاحت میں جن نکات کو واضح کیا۔

(1) اللہ تعالیٰ خوش ہوا ایمان والوں سے نہ کہ مومنین کی بیعت سے۔

(2) اور اللہ تعالیٰ نے جانا جو ان کے دل میں تھا۔

(3) اللہ تعالیٰ کی رضا مندی فاعل کے ساتھ تھی یعنی صحابہ کرام کے ساتھ خاص تھی نہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی فعل کے ساتھ یعنی بیعت کے ساتھ تھی۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے اس حوالہ سے جو ثابت ہوا، وہ موصوف کے جواب کے لیے بہت ہے۔

(5) اس آیت کے علاوہ احادیث کی نصوص بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ بیعت رضوان یا شرکاء صلح حدیبیہ اس وقت زمین پر رہنے والے لوگوں سے بہتر اور قطعی جنتی ہیں صحیح روایات میں کوئی شرط یا نکث بیعت کا تذکرہ نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ روایت نقل کرتے ہیں۔

> حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ وَ كُنَّا أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ.
>
> ترجمہ : حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن فرمایا کہ تم لوگ زمین پر سب سے بہتر ہو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری تعداد 1400 تھی۔ (صحیح بخاری 5 : /157 رقم 4154)

أَخْبَرَنَا ابْنُ قُتَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ مَوْهَبٍ، حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ. قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِمَّنْ بَايَعَ

تَحْتَ الشَّجَرَةِ.

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا۔

(الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، رقم الحدیث 4802)

اس کے علاوہ یہ روایت مسند امام احمد 3/350، سنن ابی داؤد (4653)، اور سنن الترمذی (3860) میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔

یہ تو چند روایات بیعت رضوان کے شرکاء کے بارے میں نقل کی ہیں وگرنہ اس بارے میں تواتر کے ساتھ اتنی نصوص احادیث میں مروی ہیں کہ جس کا انکار کوئی منکر اور بغض صحابہ والا ہی کرسکتا ہے بیعت رضوان میں عہد کا تعلق نہ جنگ خیبر سے تھا اور نہ جنگ حنین سے۔

اس حدیث پر مزید تفصیل صحابہ کو برا بھلا نہ کہو کے موضوع پر کتاب میں کی جائے گی، لکھاری موصوف نے جس روایت سے خاتمہ کے اعتبار سے استدلال کیا ہے تو صحابہ کرام کے جنتی ہونے اور خصوصا بدری، اصحاب حدیبیہ اور فتح مکہ اور جہاد کے بارے میں وارد نصوص کے انکار کیسے کیا جاسکتا ہے؟ نصوص میں چاہے کسی فرد کو جنتی کہا ہو یا کسی جماعت کو، جس طرح حدیث سے کسی فرد کو قطعی جنتی قرار دیا جاسکتا ہے تو حدیث کی روشنی میں جماعت کو بھی قطعی جنتی قرار دیا جاسکتا ہے، قارئین کرام کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ جس طرح کا ثبوت جنتی ہونے کے بارے میں وارد ہو اس طرح کی دلیل اس کے رد میں پیش کی جاسکتی ہے تاریخی اور مردود روایات کو مد مقابل میں پیش کرنا ہی جہالت اور اصول سے عدم واقفی ہے۔

◆ ◆ ◆

سورۃ التوبہ سے صحابہ کرام کا جنتی ثابت ہونا

کہانی نویس لکھاری نے سورۃ توبہ پر بھی وہ اعتراضات نقل کیے جو کہ اہل سنت کے علماء کے مستدل ہی نہیں رہے، بلکہ صرف اہل سنت کی کتب میں چند روایات کے منقول ہونے سے اس کو اہل سنت کا موقف بتانے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے اس پر اعتراضات کے جوابات کتاب کے ابتدائیہ میں دے گئے ہیں، مزید تفصیل کتاب "صحابہ کرام کو برا بھلا نہ کہو" میں ملاحظہ کیجئے گا مختصراً اس مقام پر چند گذارشات پیش خدمت ہیں۔

اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَالِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۔(التوبہ 100)

ترجمہ: اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ کے بارے میں مفسر امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں تفسیر کبیر میں ہے:

روی عن حمید بن زیاد انه قال قلت یوماً لمحمد بن کعب القرظی الا تخبرونی عن اصحاب الرسول علیه السلام فیما کان بینهم ، و اردت الفتن، فقال لی: ان الله تعالیٰ قد غفر لجمیعهم و اوجب لهم الجنة فی کتابه محسنهم و مسیئهم. قلت له وفی ای موضع اوجب لهم الجنة؟ قال: سبحان الله! الا تقرأ قوله تعالیٰ: وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ ...الیٰ آخر الآیة. فاوجب الله لجمیع اصحاب النبی علیه السلام الجنة و الرضوان، و شرط علیٰ التابعین شرط علیهم. قلت وما ذاك الشرط؟ قال: اشترط علیهم ان یتبعوهم باحسان فی

العمل وھو ان یقتدوا بھم فی اعمالھم الحسنة ولا یقتدوا بھم فی غیر ذلك او یقال المراد ان یتبعوھم باحسان فی القول وھو ان لا یقولوا فیھم سوءً. أو ان لا یوجھوا الطعن فیما اقدموا علیه ۔ قال حمید بن زیاد فکأنی ما قرأت ھٰذہ الآیة. (تفسیر کبیر 16 : /175 ،سورۂ توبہ،تحت آیت والسابقون الاولون من المھاجرین الخ)

ترجمہ حُمید بن زیاد سے مروی ہے،وہ فرماتے ہیں کہ : میں نے ایک دن محمد بن کعب قرظیؒ سے عرض کیا : کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی باہمی آویزشوں کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟انہوں نے جواب دیا کہ : بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام صحابۂ کرام (یعنی زیقین) میں سے ہر ایک کی مغفرت فرما دی ہے اور اپنی کتاب میں ان سے عطائے جنت کا حتمی وعدہ فرمالیا ہے میں نے عرض کیا کہ : عطائے جنت کا حتمی وعدہ کلام مجید میں کس مقام پر ہے؟انہوں نے فرمایا : سبحان اللہ!کیاتم نے کلام پاک میں یہ آیت : وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ ...... الی آخرہ۔نہیں پڑھتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے (اسی آیت کریمہ میں) تمام صحابۂ کرام کے لیے عطائے جنت اور (اپنی) رضا کا یقینی وعدہ کیا ہے اور تابعین کے لیے ایک شرط لگائی ہے میں نے عرض کیا : وہ کون سی شرط ہے؟ فرمایا : شرط یہ رکھی ہے کہ یہ عمل میں احسان کے ساتھ صحابۂ کرام کی پیروی کریں،یعنی اچھے اعمال میں ان کی اقتدا کریں،نا کہ اس کے خلاف میں یا اس کا یہ معنیٰ مراد لیا جائے کہ قول میں صحابۂ کرام کی احسان کے ساتھ پیروی کریں،یعنی نہ انہیں برا کہیں اور نہ ان کے اقدامات (یعنی نزاعات واختلافات) کی بنا پر ان پر طعن وتشنیع کریں یہ سن کر حمید بن زیاد بولے : (مجھے ایسا محسوس ہوا) گویا میں نے اس آیت کریمہ کو (اس سے پہلے) پڑھا ہی نہ تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ لکھتے ہیں :

"جو شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے جب اس کے علم میں یہ بات آگئی کہ اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو دوامی طور پر جنتی فرمایا ہے تو اب ان کے حق میں جتنے بھی اعتراضات ہیں سب ساقط ہو گئے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ خوب جانتا ہے کہ فلاں بندہ سے فلاں وقت میں نیکی اور فلاں وقت میں گناہ صادر ہوگا اس کے باوجود جب وہ اطلاع دے رہا ہے کہ

میں نے اسے جنتی بنا دیا تو اسی کے ضمن میں اس بات کا اشارہ ہو گیا کہ اس کی تمام لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں، لہٰذا اب کسی کا ان مغفور بندوں کے حق میں لعن وطعن اور برا بھلا کہنا حق تعالیٰ پر اعتراض کے مترادف ہو گا اس لیے کہ ان پر اعتراض اور زبان طعن دراز کرنے والا گویا یہ کہہ رہا ہے کہ پھر اللہ نے اسے جنتی کیسے بنا دیا'' الخ

(فضائل صحابہ واہل بیت، مجموعہ رسائل ص ۲۰۶، مطبوعہ انجمن حمایت الاسلام لاہور 1967ء)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ جنتی ہیں اور ان کے بارے میں قرآنی نصوص اور احادیث وارد ہوئیں ہیں۔

کیا صحابہ میں سے کوئی منافق بھی تھا؟

موصوف نے صلح امام حسن ص 103 سے ص 106 تک دل کھول کر صحابہ پر منافق کا اطلاق کیا صحیح مسلم کی حدیث نمبر 2779 کو پیش کیا کہ

فِي أَصْحَابِي اثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا مِنْهُمْ ثَمَانِيَةٌ لاَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ.

میرے صحابہ میں بارہ منافق ہیں، ان میں سے آٹھ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو۔

جواب:

اس بارے میں اگر موصوف اکابرین کی عبارات ہی پڑھ لیتے تو اس روایت کا صحابہ پر اطلاق کرنے سے باز رہتے مگر کیونکہ دلائل کا استنباط اپنا نہیں بلکہ غیر کا ہے اس لیے جناب نے اس حدیث کا مصداق صحابہ کرام کو ٹھہرایا، موصوف نے جس روایت میں لفظ اصحابی دیکھتے ہیں تو قطع نظر صحابیت کی تعریف کے، اس کا اطلاق صحابہ کرام پر کر دیتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أما قوله صلى الله عليه وسلم فى أَصْحَابِي فَمَعْنَاهُ الَّذِينَ يُنْسَبُونَ إِلَى صُحْبَتِي.
(المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج 17 : /125)

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ الفاظ کہیں فی اصحابی تو اس کا کبھی یہ معنی بھی ہوتا ہے کہ

جو لوگ میری صحبت سے نسبت پا جائیں۔

اس روایت پر مزید تفصیل اور اکابرین کے اقوال کتاب } صحابہ کرام کو برا بھلا نہ کہو { میں ملاحظہ کیجئے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں کوئی صحابی شریک نہ تھا

صحابہ کرام پر طعن کرنے کے لیے کہانی نویس لکھاری لکھتا ہے۔

ہر صحابی کو جنتی قرار دینے والے لوگوں سے پوچھیے کہ ان کے نزدیک وہ صحابہ بھی جنتی ہیں جن کو خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں ذکر کیا جاتا ہے۔

جواب:

موصوف کے اعتراض کے جواب کے لیے چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔

مورخ خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ لکھتے ہیں

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ الْهَيْثَمِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ قلت لِلْحسنِ أَكَانَ فِيمَن قتل عُثْمَان أحد من الْمُهَاجِرين وَالْأَنْصَار قَالَ لَا كَانُوا أعلاجا من أهل مصر۔
(تاریخ خلیفہ بن خیاط 1 :/76)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاتلین عثمان میں انصار و مہاجرین میں سے کوئی بھی شریک نہیں تھا، آپ کو شہید کرنے والے مصر کے شریر قسم کے لوگ تھے۔

مزید تفصیل کے لیے قرۃ العینین شاہ ولی اللہ دہلوی ص 143، شرح صحیح مسلم للنووی 2: /143، التمہید ابو شکور السالمی ص 24، البدایہ والنہایہ 7: / 185 ملاحظہ کریں۔

مذکورہ پیش کردہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں کسی صحابی کا عمل نہیں تھا، اور جتنے حوالہ جات صحابہ کرام کے شامل ہونے کے پیش کیے جاتے ہیں جیسے فروہ بن عمرو انصاری، محمد بن عمرو بن حزم انصاری۔ عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی، ابن عدیس اور محمد بن ابو بکر ﷺ ان میں سے کوئی ایک بھی سنداً ثابت نہیں، اس لیے موصوف کا اعتراض بھی باطل ہے۔

اسی طرح صحابی رسول ابو الغادیہ الجھنی کے بارے میں موصوف نے رکیک الفاظ استعمال کیے، ان کے بارے میں بھی الزامات ہی ہیں جس کی تفصیل "صحابہ کرام کو برا بھلا نہ کہو" میں موجود ہے۔

کیا قوموں کے دلوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں کینہ تھا؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات گرامی کے بارے میں جس نے بھی غلط عقیدہ رکھا وہ گمراہ ہوا کوئی خارجی ہوا، کوئی رافضی تو کوئی ناصبی، مگر ان سب نے علی الاعلان ان کی ذات گرامی کی بارے میں باتیں کیں چند لکھاریوں نے ایسی منکر روایات سے استدلال کر کے عوام الناس کو دھوکا دینے کی کوش کی ہے جس سے حقیقت کو نظر انداز کر کے کہانی کا رنگ دے دیا ہے، ایسے مصنفین کے بارے میں کسی نے خوب لفظ استعمال کیا تھا رنگ باز قسم کے مصنف۔

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں روایت صلح امام حسن ص 111 نقل کی گئی ہے۔ فرمایا:

ضَغَائِنُ فِي صُدُورِ أَقْوَامٍ. لَا يُبْدُونَهَا لَكَ إِلَّا مِنْ بَعْدِي، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ فِي سَلَامَةٍ مِنْ دِينِي؟، قَالَ: فِي سَلَامَةٍ مِنْ دِينِكَ.

تمہارے بارے میں قوموں کے سینوں میں کینے ہیں جس کو وہ میرے بعد ہی ظاہر کریں گے، فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ۔ میرے دین کی سلامتی میں؟ فرمایا تمہارے دین کی سلامتی میں۔

بحوالہ مسند ابی یعلی 1 : /326 حدیث 565، مسند البزار :2/ 293.........

جواب:

گذارش ہے کہ پیش کردہ روایت کی سند مسند ابی یعلی اور دیگر کتب میں کچھ یوں ہے:

حَدَّثَنَا الْقَوَارِيرِيُّ، حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ، حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ عُمَيْرَةَ أَبُو قُتَيْبَةَ الْقَيْسِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَيْمُونُ الْكُرْدِيُّ أَبُو نُصَيْرٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ.....

اس سند میں ایک راوی الْفَضْلُ بْنُ عُمَيْرَةَ ضعیف ہے اس حدیث پر حکم لگانے کے لیے بہتر ہے کہ وہ خود اپنی تحریر کے خامہ تلاشی لیں کہ منکر الحدیث پر انہوں نے موضوع کا کہیں حکم تو نہیں لگایا۔

❁ علامہ ذہبی اَلْفَضْلُ بْنُ عُمَيْرَةَ کے بارے میں میں لکھتے ہیں۔

(1) منکر الحدیث۔(المغنی فی الضعفاء رقم 4932)

❁ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں۔

(2) منکر الحدیث. (دیوان الضعفاء والمتروکین، رقم 3374)

(3) بلکہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں اس حدیث پر جو حکم لگاتے ہیں وہ ملاحظہ کریں۔

قلت :بل هو منكر الحديث.

ترجمہ: میں کہتا ہو بلکہ یہ منکر الحدیث ہے (میزان الاعتدال فی نقد الرجال 3/355)

محدثین کرام روایات کے متن کی جانچ کر کے ان کے متن پر بھی حکم لگاتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے یہ مکمل حدیث نقل کی کیونکہ اس کے متن میں نکارت ہے، تو اس کو منکر روایات میں شمار کیا۔

◆ ◆ ◆

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغض علی کی وجہ سے سنت کو ترک کیا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ان تمام اعتراضات کے جوابات راقم کی کتاب {الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ} میں موجود ہے بغض علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے سنت کو ترک کرنے والی اس روایت پر کلام بھی ص 560 تا ص 571 پر موجود ہے۔ وہیں ملاحظہ کیا جائے۔

موصوف صلح امام حسن ص 118 پر لکھتے ہیں۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ. قَالَ: كُنَّا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ بِعَرَفَاتٍ. فَقَالَ مَا لِي لَا أَسْمَعُ النَّاسَ يُلَبُّونَ؛ فَقُلْتُ يَخَافُونَ مِنْ مُعَاوِيَةَ فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِنْ فُسْطَاطِهِ. فَقَالَ» :لَبَّيْكَ اللهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ تَرَكُوا السُّنَّةَ مِنْ بُغْضِ عَلِيٍّ :

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عرفہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے تو انہوں نے پوچھا: سعید، کیا وجہ ہے کہ میں لوگوں کی تلبیہ کی آواز نہیں سن رہا؟ میں نے عرض کیا: معاویہ سے خوف کر رہے ہیں۔ پس ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے خیمہ سے نکلے تو پڑھنے لگے» :لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ، اگرچہ معاویہ کی ناک رگڑی جائے، اے اللہ، ان پر لعنت فرما، انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے بغض کی وجہ سے سنت کو چھوڑ دیا۔

بحوالہ سنن الکبری للبیہقی 10 : / 59 حدیث 9521، سنن نسائی حدیث 3006، صحیح ابن خزیمہ حدیث 283، المستدرک حاکم :1 / 464 حدیث 1706

جواب:

گذارش ہے کہ اگر واقعہ کو ایک خاص رنگ دے کر پیش کیا جائے تو اس سے ایک الگ کہانی نمودار ہوتی ہے اور یہ کہانی عوام الناس کے سامنے پیش کر کے ان کو دھوکا دیا جاتا ہے پیش کردہ روایت میں اگر غور کیا جائے تو ایک بات واضح ہو گی کہ اس میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تلبیہ کی آواز نہ آنے کا کہہ رہے ہیں ایک بات جو لکھاری موصوف نے چھپائی، وہ یہ ہے کہ عرفات میں اگر تلبیہ کی آواز نہیں آرہی تھی تو اس سے تکبیر کی آواز نہ آنے کی ممانعت کیسے ثابت ہوئی؟ کیا عوام الناس کو یہ بات بتائی گئی کہ یہ مسئلہ عرفہ کے دن تکبیر پڑھی جائے یا تلبیہ پڑھی جانے کے اختلافی باب میں سے ہے صحابہ کرام میں یہ معاملہ اختلافی تھا کہ عرفہ کے دن تکبیر پڑھنا افضل ہے یا تلبیہ پڑھنا افضل ہے؟ کیا موصوف نے عوام الناس کے سامنے اس مسئلہ

کا دوسرا پہلو بھی رکھا کہ :

عرفہ کے دن تکبیر افضل یا تلبیہ؟

(1) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حدّثنا أحمدُ بن حنبل، حدّثنا عبدُ الله بنُ نُمير، حدّثنا يحيى بن سعيد، عن عبد الله بن أبي سلمة، عن عبد الله بن عبد الله بن عمر عن أبيه، قال: غَدَونا مع رسول الله صلّى الله عليه وسلم من منى إلى عرفات مِنّا المُلبّي ومنا المُكبِّر. (سنن أبي داؤد حديث 1816)

ترجمہ: کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ سے عرفات کے طرف چلے، ہم میں سے کچھ لوگ تلبیہ پڑھنے والے تھے اور کچھ لوگ تکبیر۔

اس کے علاوہ یہ حدیث صحیح مسلم رقم 1284، سنن الکبریٰ، حدیث 3975,3976، مسند أحمد رقم 4733 میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

(2) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ

حَدَّثنا ابنُ فُضَيْلٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ وَبَرَةَ بن عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ ذُكِرَ لابْنِ عُمَرَ التَّلْبِيَةُ يَوْمَ عَرَفَةَ. فَقَالَ التَّكْبِيرُ أَحَبُّ إِلَيَّ.

ترجمہ: عرفات کے دن تکبیر پڑھنا تلبیہ پڑھنے سے افضل ہے۔

(مُصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث 15301.15750)

(3) راوی تابعی ابن یعفور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

أَبُو بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ قَالَ كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ الْحَنَفِيَّةِ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَاتٍ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُكَبِّرُ. وَكَانَ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ يُلَبِّي.

ترجمہ: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ منیٰ سے عرفات کی طرف چلا، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تکبیر پڑھ رہے تھے اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ تلبیہ۔

(مُصنف ابن ابی شیبہ رقم 15078)

(4) حضرت محمد بن ابو بکر الثقفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ
أَبُو بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الثَّقَفِيُّ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسًا. كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ »كَانَ يُلَبِّي الْمُلَبِّي فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ، وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس طرح کرتے تھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تلبیہ پڑھنے والے تلبیہ پڑھتے تھے اور انہیں منع نہ کیا جاتا تھا اور تکبیر پڑھنے والے تکبیر پڑھتے تھے اور انہیں بھی منع نہ کیا جاتا تھا۔

(مصنف ابن أبي شيبه، رقم الحدیث 15079)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تلبیہ اور تکبیر دونوں پڑھے جاتے تھے بعض صحابہ کرام تکبیر پڑھتے اور بعض تکبیر، کوئی کسی کو منع نہ کرتا، روایات مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک تلبیہ افضل ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک تکبیر پڑھنا افضل ہے۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تلبیہ کہنے سے روکا؟

اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ پہلے تو یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کرام دونوں عمل کو جائز سمجھتے تھے بعض صحابہ کرام تلبیہ کو افضل سمجھتے اور بعض صحابہ کرام تکبیر کو افضل سمجھتے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دونوں امور پر عمل ہوتا بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تلبیہ سے منع بھی کیا ہو تو اس کی وجہ اس کا غیر افضل عمل ہوگا مگر دیگر روایات، کتب حدیث میں موجود ہیں جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حج کے موقعہ پر تلبیہ سنا اور اس سے نہ منع کیا اور نہ ہی روکا۔

❁ حضرت عبدالرحمن بن قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: خَرَجَ مُعَاوِيَةُ لَيْلَةَ النَّفْرِ فَسَمِعَ صَوْتَ تَلْبِيَةٍ، فَقَالَ: مَنْ هَذَا؟ قَالُوا عَائِشَةُ، اعْتَمَرَتْ مِنَ التَّنْعِيمِ، فَذُكِرَ ذَالِكَ لِعَائِشَةَ، فَقَالَتْ لَوْ سَأَلَنِي لَأَخْبَرْتُهُ.

ترجمہ: یوم نفر کی رات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے تو آپ نے تلبیہ پڑھنے کی آواز سنی، آپ رضی

اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ کون پڑھ رہا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پڑھ رہی ہیں، جو مقام تنعیم سے عمرہ کر رہی ہیں، بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر وہ مجھ سے دریافت کرتے تو بلند آواز سے پڑھنے کی وجہ بتاتی۔ (مصنف ابن أبي شیبہ، رقم الحدیث 14885)

تلبیہ پڑھنے سے منع کرنے کا الزام کس کی طرف سے؟

اب قارئین کرام کے سامنے اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تلبیہ سے پڑھنے کا الزام کس نے لگایا؟ اگر موصوف اس روایت کی سند پیش کر دیتے تو عوام الناس کو حقیقت کا معلوم ہوتا ہے کہ آخر اس الزام کی حقیقت کیا ہے اور کس نے روایت میں گڑبڑ کی ہے امام نسائی رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کچھ یوں بیان کی ہے۔

أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمٍ الْأَوْدِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ مَيْسَرَةَ بْنِ حَبِيبٍ، عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ بِعَرَفَاتٍ.....

جن محدثین کرام نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اس کو راوی خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ سے ہی نقل کیا ہے۔

اس روایت کے راوی خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، کے بارے محدثین کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ شیعہ راوی ہے۔

(1) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

له أحاديث مناكير. یعنی اس کی روایت میں مناکیر ہیں۔ (العلل رقم 1403)

(2) امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے فرمایا: صَدُوقٌ لَكِنَّهُ يَتَشَيَّعُ.

یعنی صدوق ہے مگر شیعہ ہے۔ (سیر أعلام النبلاء، 8/346)

(3) ابن سعد رحمہ اللہ نے کہا:

وَكَانَ مُنْكَرَ الْحَدِيثِ فِي التَّشَيُّعِ مُفْرِطًا وَكَتَبُوا عَنْهُ ضَرُورَةً

یعنی یہ منکر الحدیث ہے اور اس میں افراط کی حد تک تشیع تھا، اور اس سے ضرورت کے وقت ہی لکھنا چاہیے۔ (الطبقات الکبری 6 : /406)

(4) صالح جزرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ثقة فی الحدیث إلا أنه کان متهما بالغلو یعنی کہ ثقہ ہے مگر (تشیع) کے غلو سے متہم ہے۔

(5) حافظ مغلطائی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وذکرہ الساجی وأبو العرب والعقیلی فی جملة الضعفاء

امام ساجی، امام ابو العرب اور عقیلی نے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

(اکمال علی تہذیب الکمال 1: / 319 بحوالہ حاشیہ تہذیب الکمال 8 : /163)

مذکورہ حوالہ جات سے یہ معلوم ہوا اس روایت کو ایک خاص رنگ دے کر پیش کرنے والا شیعہ راوی خالد بن مخلد ہے اور اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تلبیہ پڑھنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو منع کیا تو ان کی طرف منع کرنے والی بات حج میں کسی نے مشہور کر دی وگرنہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو دونوں عمل ثابت ہیں۔

مزید یہ بات بھی نوٹ کریں کہ پیش کردہ روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے یہ عرفات میں تلبیہ کرنے سے روکا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی مخالفت میں یہ عمل کیا مگر موصوف لکھاری نے اپنی کتاب صلح حسن ص 120 پر صحیح بخاری کی روایت نقل کر کے کہ اس بات کا اقرار کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے تلبیہ کہنے پر منع کرنے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے جب یہ کام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت عثمان غنی بھی کر چکے تھے تو اس کا الزام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیسے لگایا جا سکتا ہے؟ موصوف نے جو روایت خود پیش کی وہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَعْوَرُ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ اخْتَلَفَ عَلِيٌّ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَهُمَا بِعُسْفَانَ فِي الْمُتْعَةِ فَقَالَ عَلِيٌّ مَا تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَنْهَى عَنْ أَمْرٍ فَعَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَى ذَالِكَ عَلِيٌّ أَهَلَّ بِهِمَا جَمِيعًا۔

(الجامع المسند الصحیح، رقم الحدیث 1569)

حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے مابین عسفان کے مقام پر حج تمتع کے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو گیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کا اس کے سواء کوئی ارادہ نہیں کہ آپ لوگوں کو اس عمل سے روک دیں، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، بہر حال جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے حج و عمرہ دونوں کے لیے تلبیہ کی آواز

بلند کی۔

قارئین کرام خود اس روایت کو پڑھ کر نتیجہ اخذ کریں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے اگر یہ ہی کام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی کیا اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی ایسا ہی ہوا تو الزام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیوں؟ اور ان کی ذات کو ہدف نشانہ کیوں بنایا گیا؟

کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کسی مصلحت کی خاطر خاموش رہتے؟

کہانی نویس موصوف نے صلح امام حسن ص 120 پر بہت دلچسپ بات لکھی اور اپنی تحریر کردہ تمام باتوں کا جواب خود ہی دے دیا۔

(۱) موصوف لکھتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ اس موقع پر حضرت عثمان غنی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے کہا:

دعنا منك فقال إني لا أستطيع أن أدعك.

ہماری بات چھوڑ یئے، فرمایا: مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کو اس مسئلہ میں چھوڑ دوں۔

(بحوالہ صحیح مسلم رقم 1223)

موصوف کے پیش کردہ روایات سے تو یہ ثابت ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اگر کسی کام کو صحیح نہ سمجھتے تو اس پر ضرور مطلع کرتے اور لوگوں پر علمی نکات واضح کرتے اور یہ ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان کے لائق اور حقیقت بات ہے مگر چند لکھاریوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو خلاف سنت کاموں پر بھی خاموش ہونے کی بات لکھی ہے جو کہ غلط اور خلاف حقیقت بات ہے۔

(2) کہانی نویس لکھاری صلح امام حسن ص 93 پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں خلاف سنت کام ہونے پر خاموش ہونے کی وجہ لکھتا ہے

یوں محسوس ہوتا ہے کہ سیدنا علی کی معرفت، ان کا علمی رسوخ مخصوص فہم فراست، اور رجس سے طہارت کی قوت ان کے پاؤں کی ایسی زنجیر تھی جو انہیں دنیوی مصلحتوں کی طرف جانے سے روکتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ پل بھر کے لیے بھی دین پر دنیوی فوائد کو ترجیح دینے کے روادار نہیں تھے۔۔۔۔۔ خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ویسے بھی بنو امیہ کے طلقاء کی فطرت سے آگاہ تھے اور سیدنا عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی معاویہ سے جو کتاب وسنت کی خلاف ورزی ہوتی رہی اس سے بھی باخبر تھے اس لیے انہوں نے شروع ہی

سے معاویہ کو گورنری کی سیٹ پر قائم رکھنا جائز نہ سمجھا۔

جواب:

قارئین کرام کے سامنے موصوف کی یہ دونوں تحریر سامنے ہیں، ایک مقام پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حق بات کہنے کے لیے خلیفہ راشد سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے بات کرنے کا لکھا، اور موصوف لکھاری کے دوسرے حوالہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مصلحت پر مبنی بات کرنے کا لکھا۔ اس تضاد کے بارے میں نتیجہ اخذ کرنا قارئین کرام کا حق ہے۔ اپنے موقف کا موصوف خود ہی رد کر رہے ہیں، حضرت شیر خدا مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں یہ بات لکھنا کہ وہ کسی مصلحت کی وجہ سے حق بات کرنے سے اجتناب کرتے، ان کے شان کے خلاف ہے۔

◆ ◆ ◆

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے حج تمتع سے منع کیا؟

کہانی نویس لکھاری صاحب صلح امام حسن ص 125,126 پر لکھتے ہیں۔
کتاب وسنت کی اس تصریح پر عمل کرنے سے، سب سے پہلے جس شخص نے منع کیا وہ معاویہ بن ابی سفیان ہے چنانچہ سیدنا ابن عباس بیان فرماتے ہیں:

وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ نَهَى عَنْهَا مُعَاوِيَةُ......

اور پہلا شخص جس نے اس سے منع کیا وہ معاویہ ہے۔

بحوالہ مسند احمد بتحقیق احمد شاکر 3 / 192 حدیث 2664، جامع ترمذی 2 / 174 حدیث 822، المصنف ابن ابی شیبہ کتاب الاوائل 13 / 31 حدیث 36864، شرح معانی الآثار 2 / 141، حدیث 3661

جواب:

عرض ہے کہ موصوف کی پیش کردہ روایت کی سند مسند امام احمد میں کچھ یوں نقل کی ہے۔

حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،۔

پیش کردہ روایت کی سند میں راوی لیث بن اَبی سلیم ضعیف ہے۔

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

صدوق اختَلَط جدًّا ولم يتميَّز حديثه فتُرِك۔

صدوق ہے مگر اس کے حافظہ بہت خراب تھا، اور اس کی حدیث میں صحیح اور ضعیف کی تمیز نہ ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔ (تحریر تقریب التھذیب، رقم 5685)

کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حج تمتع کے بارے خاموشی اختیار کی؟

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حج تمتع کے بارے میں خاموشی اختیار کرنے اور کوئی مزاحمت نہ کرنے پر موصوف نے ایک روایت بحوالہ صحیح مسلم کا دیا مگر نامکمل عبارت لکھی اور مابعد کا ایک جملہ چھوڑ دیا۔

موصوف لکھاری صلح امام حسن ص 120 پر لکھتے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ اس موقع پر حضرت عثمان غنی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے کہا:

دعنا منك فقال إني لا أستطيع أن أدعك۔

ہماری جواب چھوڑ یئے، فرمایا: مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ میں آپ کو اس مسئلہ میں چھوڑ دوں بحوالہ صحیح مسلم : 1223

اس حدیث کا مکمل اور مابعد کا جملہ کچھ یوں ہے۔

فَقَالَ إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَدَعَكَ. فَلَمَّا أَنْ رَأَى عَلِيٌّ ذَالِكَ، أَهَلَّ بِهِمَا جَمِيعًا

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ (اصرار) دیکھا تو حج وعمرہ دونوں کا تلبیہ پکارنا شروع کر دیا۔

دیکھئے صحیح مسلم 2 : /896 رقم 1223 پوری روایت کچھ یوں ہے۔

وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالاَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ اجْتَمَعَ عَلِيٌّ وَعُثْمَانُ رضی الله عنهما بِعُسْفَانَ فَكَانَ عُثْمَانُ يَنْهَى عَنِ الْمُتْعَةِ أَوِ الْعُمْرَةِ فَقَالَ عَلِيٌّ مَا تُرِيدُ إِلَى أَمْرٍ فَعَلَهُ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم تَنْهَى عَنْهُ فَقَالَ عُثْمَانُ دَعْنَا مِنْكَ. فَقَالَ إِنِّي لاَ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَدَعَكَ فَلَمَّا أَنْ رَأَى عَلِيٌّ ذَالِكَ أَهَلَّ بِهِمَا جَمِيعًا.

اس روایت کا مابعد کا متن یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر قائم رہے موصوف کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ پر خاموشی اور مزاحمت نہ کرنے کے جملہ صحیح مسلم رقم الحدیث 1223 کی روشنی میں غلط ثابت ہوتے ہیں۔

حج تمتع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختلاف

حج تمتع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آپس میں اختلاف بھی تھا، ان کا اپنا اپنا موقف تھا، اس لیے صحابہ کرام پر طعن کرنا صحیح نہیں اس سلسلہ میں چند دیگر صحابہ کرام کے عمل پر روایات پیش خدمت ہیں۔

حج تمتع اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(1) حج تمتع سے منع کرنے کا فتویٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی تھا۔

صحیح مسلم میں ایک روایت ہے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، قَالَ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَأْمُرُ بِالْمُتْعَةِ، وَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَنْهَى عَنْهَا، قَالَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ عَلَى يَدَيَّ دَارَ الْحَدِيثُ، »تَمَتَّعْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَامَ عُمَرُ قَالَ إِنَّ اللهَ كَانَ يُحِلُّ لِرَسُولِهِ مَا شَاءَ بِمَا شَاءَ،

ترجمہ: حضرت ابونضرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حج تمتع کا حکم دیا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس سے منع فرماتے تھے حضرت ابونضرہ نے کہا: میں نے اس بات کا ذکر حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے کیا، انھوں نے فرمایا: میرے ہی ذریعے سے یہ حدیث پھیلی ہے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج تمتع کیا تھا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ (خلیفہ بن کر) کھڑے ہوئے تو انھوں نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو چیز جس ذریعے سے چاہتا حلال کر دیتا تھا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث 1217)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حج تمتع سے منع کرنے کا جو فتویٰ دیا اس کی مزید وضاحت دوسری روایت میں موجود ہے جس کو کہانی نویس نے چھپا کر اس موضوع پر یک طرفہ کاروائی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

❁ امام مسلم رحمہ اللہ روایت نقل کرتے ہیں:

وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِي مُوسَى، أَنَّهُ كَانَ يُفْتِي بِالْمُتْعَةِ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ رُوَيْدَكَ بِبَعْضِ فُتْيَاكَ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ فِي النُّسُكِ بَعْدُ، حَتَّى لَقِيَهُ بَعْدُ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ عُمَرُ «قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ فَعَلَهُ، وَأَصْحَابُهُ، وَلَكِنْ كَرِهْتُ أَنْ يَظَلُّوا مُعْرِسِينَ بِهِنَّ فِي الْأَرَاكِ، ثُمَّ يَرُوحُونَ فِي الْحَجِّ تَقْطُرُ رُءُوسُهُمْ۔

ترجمہ : ابراہیم بن ابی موسیٰ رحمہ اللہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ حج تمتع (کرنے) کا فتوی دیا کرتے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا: اپنے بعض فتووں میں ذرا رک جاؤ، تم نہیں جانتے کہ اب امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے مناسک (حج) کے متعلق کیا نیا فرمان جاری کیا ہے بعد میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ نبی ﷺ نے یہ (حکم صادر) کیا، اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین نے (اس پر عمل) کیا لیکن مجھے یہ بات ناگوار معلوم ہوئی کہ لوگ عرفات کے پاس وادی عرفہ کے قریب اراک مقام میں (یا پیلو کے درختوں کی اوٹ میں) اپنی عورتوں کے ساتھ لطف اندوز ہوتے رہیں پھر جب وہ (آٹھ ذوالحجہ یوم الترویہ کی) صبح حج کے لئے چلیں تو (غسل جنابت کریں اور) ان کے سروں سے پانی ٹپک رہا ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث 1222)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حج تمتع

(2) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے حج تمتع کے منع کرنے والی روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ الْحَكَمِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ شَهِدْتُ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَعُثْمَانُ يَنْهَى عَنْ الْمُتْعَةِ ۔

ترجمہ: مروان بن حکم نے کہا کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک

مجلس میں موجود تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حج تمتع اور حج عمرہ اکٹھا کرنے (حج قرآن) سے منع کیا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث 1563)

❁ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حج تمتع سے منع کیوں کیا؟ اس کی وجہ بھی انہوں نے واضح کردی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایات کیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَقِيقٍ كَانَ عُثْمَانُ يَنْهَى عَنِ الْمُتْعَةِ، وَكَانَ عَلِيٌّ يَأْمُرُ بِهَا، فَقَالَ عُثْمَانُ لِعَلِيٍّ كَلِمَةً، ثُمَّ قَالَ عَلِيٌّ "لَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّا قَدْ تَمَتَّعْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ أَجَلْ، وَلَكِنَّا كُنَّا خَائِفِينَ .

عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ نے فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حج تمتع سے منع فرمایا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کا حکم دیتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں کوئی بات کہی، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج تمتع کیا تھا (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے) کہا: جی بالکل لیکن اس وقت ہم خوفزدہ تھے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث 1223)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے فتوی پر قائم رہے اور انہوں نے اس سے نہ تو خاموشی اختیار کی اور نہ ہی مزاحمت سے گریز کیا۔

حج تمتع اور حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ

(3) حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حَدَّثَنِي حَامِدُ بْنُ عُمَرَ الْبَكْرَاوِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، قَالَ كُنْتُ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ فَأَتَاهُ آتٍ فَقَالَ إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ الزُّبَيْرِ اخْتَلَفَا فِي الْمُتْعَتَيْنِ، فَقَالَ جَابِرٌ فَعَلْنَاهُمَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ نَهَانَا عَنْهُمَا عُمَرُ، فَلَمْ نَعُدْ لَهُمَا.

(صحیح مسلم رقم الحدیث 1249)

ترجمہ :ابونضرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے دونوں متعوں (حج تمتع اور عورتوں سے متعہ) کے بارے میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فریا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ دونوں متعے کیے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں ان دونوں سے روک دیا تو دوبارہ ہم نے دونوں نہیں کیے

مذکورہ روایت سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حج تمتع سے منع کرنا بغض علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی وجہ سے نہیں بلکہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات اور خلفاء راشدین کی اتباع میں تھا۔

موصوف کا کچھ الگ ہی وطیرہ ہے جن روایات سے خلفاء راشدین کی اتباع ثابت ہوتی ہے اس پر دو انکار کرتے ہیں، اور ویسے وہ اتباع سنت خلفاء راشدین کی بات کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت پر اعتراضات کرتے نظر آتے ہیں انہوں نے عوام الناس کو جو دھوکا دینے کی مہم شروع کی ہے اس کی حقیقت عوام الناس کے سامنے آشکار ہوتی رہے گی۔

* * *

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے سنت ترک کی؟ حج میں عصر کی چار رکعت پڑھیں

کہانی نویس لکھاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک فتوی پر عمل کرنے کو ملت عثمانی پر ترجیح دینے کا الزام لگایا ہے۔

کہانی نویس لکھاری لکھتا ہے:

> اس سے معلوم ہوا کہ معاویہ بن ابی سفیان کے ذہن میں اموی اور ہاشمی علیحدہ علیحدہ دو ملتیں تھیں اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اختلاف کرنے کو ہاشمی اور اموی اختلاف گردانتے تھے، پھر یہاں تک بس نہیں بلکہ موصوف ترجیح بھی ملت عثمانی کو دیتے تھے، اور اس ترجیح میں ان کے مدنظر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں بلکہ ان کی قرابت ہوتی تھی، چنانچہ امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں:
>
> عباد بیان کرتے ہیں کہ حب حضرت معاویہ بن ابی سفیان حج کرنے آئے۔۔۔۔۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھی اسی طرح نماز پڑھی ہے، وہ کہنے لگے، لیکن آپ کے چچازاد نے تو پوری چار رکعت پڑھائی تھیں آپ کا ان کے خلاف کرنا ان کے لیے عیب ہے۔ عباد کہتے ہیں پھر جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر کے لیے نکلے تو چار رکعتیں پڑھائیں۔ بحوالہ مسند احمد احمد مسن الشامین، مسند معاویہ 4 : /94۔۔۔۔۔ معاویہ بن ابی سفیان نے خلیفہ ثالث کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنے عم زاد کی وجہ سے سنت نبوی اور عمل شیخین کریمین کو چھوڑ دیا تھا، کیونکہ وہ خود کو ملت عثمان پر سمجھتے تھے۔

جواب:

موصوف کے اس استدلال کے بارے میں عرض یہ ہے کہ وہی یک طرفہ کاروائی اور عوام الناس کے سامنے مبہم روایات اور اختلاف صحابہ کے آثار پیش کر کے صحابہ پر ہی طعن کرنا ہے موصوف کی روایات میں کس مقام پر یہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے دیگر قرائن اور روایات پیش نہ کیں اور صرف خاندانی حمیت میں انہوں نے سنت ترک کر دی۔

حج میں چار رکعت نماز اور صحابہ کرام کا موقف

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہوئے ایک اختلافی مسئلہ پر موصوف نے جو چند روایات پیش کیں ہیں اس سلسلہ میں دیگر صحابہ کرام کا عمل اور فتوی پیش خدمت ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل

(1) امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چار رکعات پڑھنے کی روایات کو بیان کیا ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ الصَّلَاةُ أَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَيْنِ فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ مَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَأَوَّلَتْ مَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ.

ترجمہ: ہم سے عبداللہ بن محمد مسندی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے زہری سے بیان کیا، ان سے عروہ نے اور ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پہلے نماز، و رکعت فرض ہوئی تھی بعد میں سفر کی نماز تو اپنی اسی حالت پر رہ گئی البتہ حضر کی نماز پوری (چار رکعت) کر دی گئی زہری نے بیان کیا کہ میں نے عروہ سے پوچھا کہ پھر خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیوں نماز پوری پڑھی تھی انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی جو تاویل کی تھی وہی انہوں نے بھی کی۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث 1090)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب منیٰ میں پوری نماز پڑھی تو فرمایا کہ میں نے یہ اس لیے کیا کہ بہت سے مسلمان جمع ہیں جن میں نو مسلم بھی ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ نماز کی دو ہی رکعت سمجھ لیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی حج کے موقعہ پر نماز پوری پڑھی اور قصر نہیں کیا حالانکہ آپ مسافر تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل

(2) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں چار رکعتیں ہی پڑھتے تھے امام مسلم رحمہ اللہ روایت نقل کرتے ہیں۔

وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ. حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ. عَنْ نَافِعٍ. عَنْ

ابْنِ عُمَرَ. قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَأَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَعُمَرُ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ، وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ، ثُمَّ إِنَّ عُثْمَانَ صَلَّى بَعْدُ أَرْبَعًا، فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ صَلَّى أَرْبَعًا، وَإِذَا صَلَّاهَا وَحْدَهُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں (چار رکعتوں والی نماز کی) دو رکعت نماز پڑھی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی دو رکعت نماز پڑھی ہے ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی دو رکعت پڑھی ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی ابتدائے خلافت میں تو دو ہی رکعت پڑھی ہے لیکن بعد میں چار رکعت پڑھنے لگے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جب امام (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ) نماز پڑھتے تھے تو چار رکعتیں پڑھتے تھے اور جب اکیلے (یعنی سفر میں) نماز پڑھتے تو دو رکعتیں ہی پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث 694)

صحیح مسلم کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب حج کے لئے سفر کرتے اور منیٰ میں پہنچتے تو وہاں بھی مسافرانہ نماز (یعنی قصر نماز) پڑھتے تھے اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانے میں تو دو ہی رکعت نماز پڑھی ہے مگر بعد میں وہ چار رکعت نماز پڑھنے لگے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے تو چار رکعتیں ہی ادا کرتے تھے۔

اس روایت سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا جو عمل معلوم ہوا تو کیا موصوف لکھاری اس کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کہنے کی جسارت کریں گے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہوئے اس کہانی نویس لکھاری نے اکابرین صحابہ کی شان اقدس پر رکیک اعتراضات کیے ہیں۔

محدث زہری کا فتویٰ

محدث زہری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے بارے میں فرمایا:

أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ الرُّوذْبَارِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ دَاسَةَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَتَمَّ الصَّلَاةَ بِمِنًى مِنْ أَجْلِ الْأَعْرَابِ لِأَنَّهُمْ كَثُرُوا عَامَئِذٍ فَصَلَّى بِالنَّاسِ

أَرْبَعًا لِيُعَلِّمَهُمْ أَنَّ الصَّلَاةَ أَرْبَعًا. (السنن الکبریٰ رقم الحدیث 5644)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ موسم حج میں بہت زیادہ مسلمان منیٰ میں جمع ہوتے تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو نو مسلم تھے اور دین کے احکام پوری طرح نہیں جانتے تھے اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو دکھانے کے لئے چار رکعتیں پڑھتے تھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ یہ عمل اس لیے کرتے کہ ناواقف مسلمان جان لیں کہ نماز کی چار رکعتیں ہیں اگر قصر کرتے اور دو رکعت پڑھتے تو وہ لوگ یہ جانتے کہ دو ہی رکعتیں فرض ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل پر بھی کیا فتویٰ لگے گا؟

(3) امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک فتویٰ اور عمل بیان کیا ہے:

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ أَنَّ أَبَا مُعَاوِيَةَ وَحَفْصَ بْنَ غِيَاثٍ حَدَّثَاهُ وَحَدِيثُ أَبِي مُعَاوِيَةَ أَتَمُّ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ صَلَّى عُثْمَانُ بِمِنًى أَرْبَعًا فَقَالَ عَبْدُ اللهِ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ زَادَ عَنْ حَفْصٍ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ إِمَارَتِهِ ثُمَّ أَتَمَّهَا زَادَ مِنْ هَا هُنَا عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِكُمُ الطُّرُقُ فَلَوَدِدْتُ أَنْ لِي مِنْ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ مُتَقَبَّلَتَيْنِ قَالَ الْأَعْمَشُ فَحَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ عَنْ أَشْيَاخِهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ صَلَّى أَرْبَعًا قَالَ فَقِيلَ لَهُ عِبْتَ عَلَى عُثْمَانَ ثُمَّ صَلَّيْتُ أَرْبَعًا قَالَ الْخِلَافُ شَرٌّ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو دو رکعتیں (قصر) پڑھی ہیں (مسدد نے) حفص بن غیاث سے مزید یہ بھی کہا: اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی، کہ وہ ابتدائی دور خلافت میں (قصر کرتے رہے) پھر آخر میں وہ پوری پڑھنے لگے تھے (مسدد نے) یہاں سے ابومعاویہ نے یہ اضافہ کیا کہ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا) پھر تمہاری راہیں مختلف ہو گئیں اور مجھے دو رکعتیں جو (اللہ کے ہاں) قبول ہو جائیں چار رکعتوں سے بہتر معلوم ہوتی ہیں اعمش نے کہا: مجھے معاویہ بن

قرہ نے اپنے بزرگوں (اساتذہ) سے بیان کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی چار رکعتیں پڑھیں تو ان سے کہا گیا کہ آپ عثمان رضی اللہ عنہ پر عیب لگاتے ہیں پھر بھی چار پڑھتے ہیں؟ کہنے لگے اختلاف کرنا برا کام ہے۔ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 1960)

- امام بیہقی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ 3/144 میں اس قول کی سند کچھ یوں لکھی ہے:

عن عبد الله بن يوسف الأصبهاني، عن عبد الله بن محمد بن إسحاق الفاكهي، عن ابن أبي مسرة، عن خلّاد بن يحيى، عن يُونس بن أبي إسحاق عن أبي إسحاق، عن عبد الرحمن بن يزيد النخعي

- امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی دوسری کتاب معرفۃ السنن والآثار 4 : /260 میں اس اثر کی دوسری سند بھی نقل کی ہے:

أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ قَالَ: أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ قَالَ قَالَ الشَّافِعِيُّ فِيمَا بَلَغَهُ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ.... (معرفۃ السنن والآثار قم الحدیث 6077)

اب ان روایات سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام نے بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کو شر قرار دیا اور ان کے فتوٰی پر عمل بھی کیا، اب کیا کہانی نویس جیسے لکھاری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر بھی یہ اعتراض کریں گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل پر فتوٰی کیوں دیا؟

قارئین کے سامنے تمام حقائق پیش کر دیے ہیں، نتیجہ اخذ کرنا ان کا بنیادی حق ہے اپنے عقیدہ کو صحیح رکھنا یہ ایمان کی نشانی بھی ہے۔

* * *

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نعرہ قصاص بہانہ تھا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہانی نویس لکھاری نے صلح امام حسن ص 135 پر سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ دوران خطاب فرمایا:

فَخَدَعُوا أَتْبَاعَهُمْ بِقَوْلِهِمْ إِمَامُنَا قُتِلَ مَظْلُومًا. لِيَكُونُوا بِذَلِكَ جَبَابِرَةً مُلُوكًا. وَتِلْكَ مَكِيدَةٌ بلغوا بها ما ترون، ولولا ذلك مَا تَبِعَهُمْ مِنَ النَّاسِ رَجُلَانِ.

ترجمہ: سو انہوں نے اپنے پیروکاروں کو اپنے نعرے ہمارا امام ظلماً مارا گیا ہے سے دھوکہ دے رکھا ہے تاکہ وہ اس بہانے سے جابر بادشاہ بن جائیں اور یہ ان کی چال ہے، اسی چال سے یہ یہاں پہنچے ہیں جہاں تم انہیں دیکھ رہے ہو، اگر یہ نعرہ نہ ہوتا تو لوگوں میں سے دو شخص بھی ان کی پیروی نہ کرتے۔ بحوالہ البدایہ والنھایہ :7/455، و10/ 527

جواب:

گذارش ہے کہ اس روایت کے ضعف اور سقم کے بارے میں موصوف لکھاری کو معلوم تھا، اس لیے اس نے پیش کردہ روایت کی سند میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ کے دفاع کی کوشش کی، ابو مخنف پر تو تحقیق پیش کی جائے گی مگر یہ بات بھی یاد رہے کہ اس روایت میں لوط بن یحیی ابو مخنف کے علاوہ بھی راوی ہیں جس کی توثیق پیش کرنا موصوف کی ذمہ داری تھی مگر موصوف بات گھمانے اور قارئین کرام کی توجہ ہٹانے کے ماہر ہیں

موصوف نے جو روایت پیش کی اس کی سند ابن کثیر نے مختصراً تاریخ ابن جریر سے نقل کی ہے مگر تاریخ ابن جریر طبری میں اس کی مکمل سند نقل کی ہے۔

حدّثني محمد! عن خلف، قال حدّثنا منصور بن أبي نويرة عن أبي مِخْنف، وحُدِّثت عن هشام بن الكلبي، عن أبي مخنف، قال حدّثني مالك بن أعين الجُهَني، عن زيد بن وهب الجُهَني أن عمّار بن ياسر رحمه الله قال :

اب پیش کردہ سند کی دونوں طرق ابی مخنف سے مروی ہیں ابی مخنف پر جو شدید جروحات ہیں اس کو تو پیش کیا جائے گا مگر دو طرق میں ابی مخنف سے روایت کرنے والے دو راوی ہیں۔

(1) پہلا راوی منصور بن یعقوب بن أبی نویرۃ جوکہ مختلف فیہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ویقع فی روایتہ أشیاء غیر محفوظة.

اس کی روایات میں غیر محفوظ باتیں ہیں۔ (لسان المیزان رقم 7940)

(2) دوسرا راوی ہشام بن الکلبی ہے جوکہ متروک اور رافضی ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں: متروك۔ (میزان الاعتدال رقم 9237)

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

رافضي، ليس بثقة: یعنی رافضی ہے اور ثقہ نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال رقم 9237)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تركوه كأبيه، وكانا رافضيين. (دیوان الضعفاء والمتروکین رقم 4473)

یعنی ہشام بن الکلبی اپنے باپ کی طرح متروک تھا اور دونوں رافضی تھے۔

(3) ان دونوں راویوں کے بعد ابی مخنف لوط بن یحیٰ متروک اور رافضی راوی ہے اس پر کلام پیش کیا جائے گا ابی مخنف نے جس راوی سے روایت لی وہ راوی بھی مجہول ہے

(4) پیش کردہ سند میں ابی مخنف مَالك بن أعين الجُهَنِي سے روایت لے رہا ہے، اور یہ راوی مجہول ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مَجْهُول. (المغنی فی الضعفاء رقم 5133)

پیش کردہ روایت کی فنی و اسنادی حیثیت تو واضح ہوگئی ہے کہ یہ روایت متروک اور رافضی و مجہول قسم کے راویوں سے مروی ہے۔

ابو مخنف لوط بن یحیٰ پر تحقیق

کتب تاریخ کی اکثر روایات ابو مخنف لوط بن یحیٰ کی گھڑی ہوئی ہیں، لوط بن یحیٰ ابو مخنف کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال پیش خدمت ہیں۔

(2.1) علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اخباری، تالف، لا یوثق بہ (لسان المیزان 5: /567، میزان الاعتدال 3: / 419)

(3) ابو حاتم وغیرہ نے اسے متروک الحدیث کہا ہے (الجرح والتعدیل 7: / 248)

(4) یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا۔

"لیس بثقة . لیس بشیء یہ ثقہ نہیں اور نہ کوئی چیز ہے۔ (الضعفاء الکبیر 4 : /568)

(5) ابو عبید آجری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو داوَد سے ابو مخنف کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے اپنے ہاتھ جھاڑے اور فرمایا کہ کیا کوئی اس کے بارے میں بھی پوچھتا ہے؟ یعنی یہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کے بارے میں پوچھا جائے۔ (لسان المیزان :5 /568)

(6) ابن عراقی کنانی فرماتے ہیں: "کذاب تالف"۔ (تنزیہ الشریعہ :1 /98)

(7) ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی کذاب کہا ہے۔ (الموضوعات ص 406)

(8) ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا : "شیعی محترق صاحب اخبارهم"
(الکامل فی لضعفاء الرجال 6: / 93، لسان المیزان 5 : /568)

ابو مخنف وہ شیعی مورخ ہے جس نے خیر القرون میں رونما ہونے والے تمام اہم واقعات پر جھوٹ سے بھری مستقل کتابیں لکھی ہیں :

سقیفہ بنو ساعدہ میں بیعت ابو بکر، شوریٰ، خلافت سے متعلق حضرت عمر کی قائم کردہ شوری، مقتل عثمان، مقتل علی، جنگ جمل و صفین، مقتل حسین، وفاتِ معاویہ اور ولایت یزید، مقتل عبداللہ بن الزبیر، سلیمان بن صرد اور عین وردہ وغیرہ۔ (الاعلام للزرکلی 5/ 245، الفہرست لابن الندیم ص 105,106، معجم الادباء 670: / 6)

ابو مخنف کے بارے میں حافظ ابن کثیر کی رائے سے استدلال

ابن کثیر کا ابو مخنف کے موقف کو معاصر لکھاری صلح امام حسن ص 136 پر اس طرح بیان کرتا ہے۔

وَهٰذِهِ صِفَةُ مَقْتَلِهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَأْخُوذَةٌ مِنْ كَلَامِ أَئِمَّةِ هٰذَا الشَّأْنِ لَا كَمَا يَزْعُمُهُ أَهْلُ التَّشَيُّعِ مِنَ الْكَذِبِ الصَّرِيحِ وَالْبُهْتَانِ (البدایہ والنھایہ 8 : /172)

اور یہ ان کے واقعہ شہادت کا بیان ہے جو اس شان کے ائمہ کے کلام سے ماخوذ ہے نہ کہ صریح بہتان بازوں اور جھوٹے اہل تشیع سے ۔۔۔۔ اور اس کے معاً بعد لکھا ہے۔ قَالَ أَبُو مِخْنَف. ابو مخنف بیان کرتے ہیں غور فرمائیے کہ پہلے کہا کہ صریح جھوٹے اور بہتان باز شیعوں سے روایت نہیں کریں گے پھر فوری کہا: قَالَ أَبُو مِخْنَف تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حافظ ابن کثیر کے نزدیک ابو مخنف شیعہ اور جھوٹا نہیں ہے لیکن

دوسرے مقامات پر حافظ ابن کثیر انہیں شیعی لکھا بھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک وہ شیعہ اولی میں سے ہوں گے۔

جواب:

گزارش ہے کہ موصوف کا مطالعہ اتنا ناقص ہے کہ کبھی کبھار تعجب بھی ہوتا ہے ابن کثیر نے جو الفاظ وَهٰذِهٖ صِفَةُ مَقْتَلِهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ یعنی اور یہ ان کے واقعہ شہادت کا بیان ہے کا تعلق ما قبل کی عبارات سے ہے نہ کہ مابعد سے اور ابن کثیر نے جو کہا قَالَ أَبُو مخنف تو لکھاری موصوف نے خود اقرار کیا ہے کہ یہ عبارت ما بعد کی ہے۔ موصوف لکھاری کے دعوی کا ابطال اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر نے خود لکھا ہے" اور یہ ان کے واقعہ شہادت کا بیان ہے جو اس شان کے ائمہ کے کلام سے ماخوذ ہے نہ کہ صریح بہتان باز ول اور جھوٹے اہل تشیع سے"۔ جبکہ خود ابن کثیر نے ابومخنف کو شیعہ بھی لکھا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، طبری وغیرہ سے ابومخنف کی روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> وَلِلشِّيعَةِ وَالرَّافِضَةِ فِي صِفَةِ مَصْرَعِ الْحُسَيْنِ كذب كثير وأخبار باطلة. وفيما ذكرنا كِفَايَةٌ. وَفِي بَعْضِ مَا أَوْرَدْنَاهُ نَظَرٌ. وَلَوْلَا أن ابن جرير وغيره من الحفاظ والأئمة ذَكَرُوهُ مَا سُقْتُهُ. وَأَكْثَرُهُ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي مِخْنَفٍ لُوطِ بْنِ يَحْيَى. وَقَدْ كَانَ شِيعِيًّا. وَهُوَ ضَعِيفُ الْحَدِيثِ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ. وَلَكِنَّهُ أَخْبَارِيٌّ حَافِظٌ. عِنْدَهُ مِنْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ مَا لَيْسَ عِنْدَ غَيْرِهِ. وَلِهٰذَا يَتَرَامَى عَلَيْهِ كَثِيرٌ مِنَ المصنفين فی هٰذا الشأن مِمَّنْ بَعْدَهُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: شیعوں اور رافضیوں کی شہادت حسین سے متعلق بہت ساری دروغ گوئیاں اور بے بنیاد خبریں ہیں، ہم نے جو ذکر کیا اس میں کفایت ہے اور ہماری ذکر کردہ بعض چیزیں قابل اشکال ہیں، اگر ابن جریر طبری وغیرہ جیسے ائمہ اور حفاظ اسے ذکر نہ کرتے تو ہم بھی ان روایات کو نہ لاتے اور یہ اکثر ابومخنف کی روایتیں ہیں، جو یقیناً شیعہ ہے اور ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن اخباری (صحافی) اور حافظ ہے اور اس کے پاس اس حوالے سے ایسی چیزیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں، لہٰذا بعد کے اکثر مصنفین نے ان روایات کے بارے میں ابو مخنف سے نقل پر اکتفا کیا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ :8/202)

ابن کثیر رحمہ اللہ کے اس قول سے واضح ہے کہ ابومخنف کی روایات سے استشہاد کیا ہے نہ کہ استدلال اور وہ بھی

امام حسین رضی اللہ عنہ کے شہادت کے باب میں لکھاری موصوف نے استثنائی معاملات کو علی الاطلاق بیان کر کے دجل اور فریب سے کام لیا ہے ابن کثیر نے تو شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے باب میں چند ایسے امور پر ابومخنف کی روایات بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے جو کسی دوسرے مورخ کے پاس نہیں تھیں ایسی باتوں کو بطور تذکرہ ابن کثیر نے بیان کیا جبکہ کہانی نویس لکھاری یہ چاہتا ہے کہ ابومخنف کے تاریخی روایات کو ہر باب میں تسلیم کیا جائے تاکہ وہ اس کی مرویات کے ذریعے صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کر سکے اور رافضیت و شیعت کو پھیلا سکے مگر جناب کو یہ نہیں معلوم کہ علماء کرام کو ایسے راویوں کے حالات بخوبی معلوم ہیں۔

مزید یہ کہ آج کل رافضیت پھیلانے والے ہر لکھاری نے یہ طریقہ کار بنالیا ہے کہ جس راوی پر شیعہ ہونے کی جرح موجود ہو تو اسے فوراً شیعہ اولیٰ یا محب اہل بیت ثابت کرنے بیٹھ جاتا ہے جبکہ یہ بات غلط ہے کہ ہر ثقہ یا صدوق شیعہ سے مراد شیعہ اولیٰ ہے کیونکہ بہت سارے ایسے شیعہ راوی ہیں جنہوں نے صحابہ کرام پر طعن کیا اور عقائد اہل سنت کے خلاف مرویات بھی نقل کیں تو انہیں شیعہ اولیٰ کہنا باطل و مردود ہے۔

ابومخنف کے بارے میں ابن عدی کی رائے

ابن عدی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ اس کی کوئی روایت قابل اعتبار نہیں، سب بے ہودہ روایتیں ہیں اور کوئی بعید نہیں کہ یہ بدبخت سلف صالحین کی ہتک عزت کرتا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> حدث بأخبار من تقدم من السلف الصالحين، ولاَ يبعد مِنْهُ أن يتناولهم، وَهو شاعي محترق صاحب أخبارهم وإنما وصفته لا يستغني عن ذكر حديثه فإني لا أعلم له من الأحاديث المسندة ما أذكره وإنما له من الأخبار المكروه الذي لا أستحب ذكره۔ (الكامل في ضعفاء الرجال 7 : / 241)

ترجمہ: ابومخنف متقدمین سلف صالحین کے بارے میں خبریں نقل کرتا ہے اور اس سے بعید نہیں کہ وہ ان کی ہتک عزت کرے، یہ شیعہ اور ان کا مورخ ہے، میں نے اس لیے اس کا ذکر کیا ہے کہ اس کی احادیث کے ذکر سے استغناء نہیں، میرے علم میں اس کی کوئی ایسی صحیح روایت نہیں جسے میں ذکر کروں، البتہ اس کی صرف وہ ناپسندیدہ، بدبودار روایتیں ہیں جنہیں میں ذکر کرنا پسند نہیں کرتا ہوں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے باب میں ابومخنف کی مطاعن سے استدلال کرنا مردود ہے اور پیش کردہ روایت کو استدلال میں پیش کرنا باطل ہے۔

کیا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ اُم المومنین کو شہید کر دیا جائے؟

صحابہ کرام کی شان کے خلاف پر کسی بھی کتاب سے جو بھی مردود اور باطل روایت ہو کہانی نویس لکھاری اس کو نقل کرنے سے ہرگز گریز نہیں کرتا موصوف صلح امام حسن ص 137،138 پر لکھتا ہے۔

اس طرح دنیا کے دلدادہ ان کے بعض ساتھیوں کی بھی ایسی خواہش تھی، وہ چاہتے تھے کہ جنگ جمل میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کام بھی تمام ہو جاتا تو ان کے لیے معاملہ مزید آسان ہو جاتا چنانچہ امام ابن المبرد لکھتے ہیں:

> وقال عمرو لعائشة رحمة الله عليهما لوددت أنك كنت قتلت يوم الجمل فقالت ولم لا أبا لك فقال كنت تموتين بأجلك، وتدخلين الجنة، ونجعلك أكبر التشنيع على علي.

عمرو بن العاص نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میری بڑی خواہش تھی کہ آپ جمل کے دن شہید کر دی جاتیں۔۔۔۔اور ہم آپ کی شہادت کو علی بن ابی طالب کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا بڑا بہانہ بنا لیتے۔ بحوالہ الکامل فی اللغۃ والادب 1 : / 329

جواب:

کہانی نویس ریسرچ اسکالر لکھاری نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک ایسی روایت پیش کی جس کی نہ تو کوئی سند نا ہی کوئی حقیقت، بغیر سندی روایات سے استدلال کرنا موصوف کا تو طرہ امتیاز ہے، دوسروں کا سند صحیح پیش نہ کرنے کا طعنہ دینا اور خود متروک، سخت ضعیف، موضوع اور بغیر سند کی روایات سے استدلال کرنا موصوف کو ذرا حیا نہیں آئی کہ الاحادیث الموضوعہ کتاب میں امیر اہل سنت کو ان کے ادارہ سے شائع ہونے والی کتب میں ضعیف اور موضوع روایات کا طعنہ دینا، اور خود موضوع کیا بلکہ بغیر سندوں کے روایات سے استدلال کرتے ہوئے اپنی تحریر پر شرمساری محسوس نہیں ہوتی، موصوف کی پیش کردہ بے سند قول ہی باطل و مردود ہے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے بعض سینوں کے لیے کینے؟

عصرِ حاضر کے کہانی نویس نے صلح امام حسن ص 140 تا ص 162 تک حضرت مقدام بن معدی کی روایت سنن ابی داؤد حدیث 4131 سے پیش کیا

جواب:

اگر چہ راقم نے اپنی کتاب الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ میں تفصیل سے اس روایت کا جواب دیا ہے مگر اس کا ایک اور تحقیقی جواب علامہ مفتی رضا الحق اشرفی صاحب نے اپنی کتاب دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص 218 پر دیا ہے مفتی رضا الحق اشرفی صاحب کا جواب پیش خدمت ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو مصیبت نہیں کہا؟

سیر اعلام النبلاء کی روایت :

امام ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء میں ایک روایت نقل کی ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ حضرت مقدام بن معدی کرب، عمرو بن الاسود اور ایک اسدی آدمی تینوں امیر معاویہ کے پاس آئے امیر معاویہ نے مقدام سے کہا : تُوُفِّيَ الْحَسَنُ امام حسن (رضی اللہ عنہ) وفات پا گئے یہ سن کر حضرت مقدام نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا تو امیر معاویہ نے کہا : اَ تَرَاهَا مُصِيبَةً؟ کیا تم اس کو (امام حسن کی وفات کو) مصیبت سمجھتے ہو؟ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کو مصیبت کیوں نہ سمجھوں؟ امام حسن وہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو اپنی گود میں بٹھایا ہے اور یہ فرمایا ہے : هٰذَا مِنِّيْ وَ حُسَيْنٌ مِنْ عَلِيٍّ۔ یہ مجھ سے ہیں اور حُسین علی سے ہیں، پھر اَسَدِی شخص سے کہا: تم کیا کہتے ہو؟ اُس نے کہا : جَمْرَةٌ أُطْفِئَتْ ایک آگ کا انگارہ تھا جو بجھ گیا حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں اللہ کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونا اور ریشم کے کپڑے اور درندوں کی کھال پہننے سے منع فرمایا ہے اور درندوں کی سواری اختیار کرنے سے روکا ہے؟ تو معاویہ نے کہا : ہاں، حضرت مقدام نے فرمایا : بخدا میں نے یہ ساری باتیں تیرے گھر میں دیکھی ہیں۔ معاویہ نے کہا : مجھے معلوم ہے میں تم سے بچ نہیں سکتا۔

نتیجہ:

اِس روایت سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔

(1) معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو مصیبت نہیں سمجھا۔

(2) اسدی شخص نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو آگ کا انگارہ کہا لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بات پر نہ اُسے ڈانٹا نہ سزا دی۔

(3) معاویہ سونا اور ریشم کے کپڑے پہنتا تھا اور درندوں کی کھال پہنتا تھا اور درندوں پر سواری کرتا تھا۔

جواب:

پہلے اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ صحابہ کے تعلق سے ذہن میں رہے کہ کوئی صحابی گناہ و خطاء سے معصوم نہیں تھے بعض صحابہ سے خطائیں اور گناہ صادر ہوئے ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی مغفرت ومعافی اور اُن سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے صحابہ کرام کی خطاؤں کی بنیاد پر انھیں بُرا کہنا اُن کی شان میں بے ادبی کرنا اور اُن سے بغض رکھنا حرام ہے نسبتِ صحابیت کی بنا پر اُن کا احترام لازم ہے کسی بھی صحابی کو گالی گلوچ کرنا، امت میں اُن کی شان گھٹانا مثلاً انھیں ظالم، فاسق و فاجر، قاتل کہہ کر اُن کی عزت پر حملے کرنا گمراہی ہے صحابہ کے تعلق سے اہل سنت و جماعت کا یہ نظریہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ جن روایاتِ صحیحہ میں کسی صحابی کے تعلق سے کوئی ناپسندیدہ بات منقول ہے اُن کی اچھی تاویل کی جائے گی اگر تاویل ممکن نہ ہو تو اس پر سکوت و خاموشی اختیار کر کے اُسے اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا جائے گا اور صحابی رسول سے بہر حال حسنِ ظن کو قائم رکھا جائے گا۔

شریعتِ اسلامیہ کا یہ اصول بھی سامنے رہے کہ کسی صحابی بلکہ کسی عام مسلمان کے فسق و گناہ یا کفر و گمراہی کو ثابت کرنے کے لیے "خبر واحد" کافی نہیں اُس کے لیے شہادتِ شرعیہ چاہئے یا خبر مشہور یا متواتر۔

سیر اعلام النبلاء کی روایتِ مذکورہ کو بنیاد بنا کر روافض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو مذکورہ بالا تین الزامات رکھتے ہیں اُن الزامات کو ثابت کرنے کے لیے روایت مذکورہ کافی نہیں ہے۔

اگر یہ روایت صحیح ہوتی پھر بھی "خبر واحد" ہونے کے لحاظ سے ثبوت الزام میں مفید نہ ہو سکتی تھی جب کہ یہ روایت سند ومتن دونوں اعتبار سے "غریب ضعیف" و نا قابل حجت ہے۔

روایتِ سیر اعلام النبلاء کی اسنادی حیثیت

امام ذہبی رحمہ اللہ نے روایت مذکورہ کی یہ سند ذکر کی ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ مُصَفّٰی ثنا بَقِيَّةُ عَنْ بَحِيْرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ

اِس روایت کا مرکزی راوی بقیہ بن ولید ہے بقیہ بن ولید صحاح ستہ کے راوی ہونے کے باوجود مدلِس تھے۔

بقیہ ''تَدْلِيْسُ التَّسْوِيَه'' میں مشہور تھے: بقیہ ضعیف راویوں سے بکثرت تدلیس کیا کرتے تھے۔

ابوزرعہ ابن العراقی رحمہ اللہ نے ''المدلسین'' میں یہ لکھا ہے:

بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيْدِ مَشْهُوْرٌ بِالتَّدْلِيْسِ مُكْثِرٌ لَهٗ عَنِ الضُّعَفَاءِ۔

ترجمہ: بقیہ بن ولید تدلیس میں مشہور تھے وہ ضعیف راویوں سے بہت زیادہ تدلیس کرتے تھے۔

''تَدْلِيْسُ التَّسْوِيَه'' کسے کہتے ہیں؟

ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے کو محدثین ''تَدْلِيْسُ التَّسْوِيَةِ'' کہتے ہیں یعنی راوی اپنے ثقہ شیخ کے بعد ضعیف راوی کے نام کو چھوڑ کر اوپر کے ثقہ شیخ سے روایت کر دے جس سے اُس نے سماع نہیں کیا ہے۔ یہ تَدْلِيْسُ التَّسْوِيَه ہے یہ تدلیس کی سب سے بری نوع ہے۔

ابن العراقی نے لکھا: تَدْلِيْسُ التَّسْوِيَةِ وَ هُوَ اَفْحَشُ اَنْوَاعِ التَّدْلِيْسِ

ترجمہ: بقیہ تدلیس التسویہ میں مشہور تھے جو تدلیس کی سب سے بری قسم ہے۔

بقیہ بن ولید ناقدین حدیث کی نظر میں

اب ذیل میں بقیہ بن ولید کے تعلق سے کچھ ناقدین حدیث کی آرا ملاحظہ کیجئے:

برہان الدین الحلبی رحمہ اللہ متوفی 841ھ نے یہ لکھا ہے:

بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيْدِ مَشْهُوْرٌ بِالتَّدْلِيْسِ مُكْثِرٌ لَهٗ عَنِ الضُّعَفَاءِ:

بقیہ بن ولید تدلیس میں مشہور تھے ضعیف راویوں سے بہت زیادہ تدلیس کرتے تھے۔

(التبیین لاسماء المدلسین 1: /16)

ابوحاتم نے فرمایا: لَا يُحْتَجُّ بِهٖ۔ بقیہ قابل حجت نہیں۔ (میزان الاعتدال 1: /332)

ابومسہر نے کہا: اَحَادِیْثُ بَقِیَّةَ لَیْسَتْ نَقِیَّةً فَکُنْ مِنْهَا عَلٰی تَقِیَّةٍ (ایضا)
ترجمہ: بقیہ کی احادیث ستھری نہیں لہٰذا تم اُن سے بچ کے رہو۔

ابواسحاق جوزجانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

رَحِمَهُ اللّٰهُ بَقِیَّةَ مَا کَانَ یُبَالِیْ اِذَا وَجَدَ خُرَافَةً عَمَّنْ یَأْخُذُهٗ فَاِنْ حَدَّثَ عَنِ الثِّقَاتِ فَلَا بَأْسَ بِهٖ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بقیہ پر رحم فرمائے کسی سے کوئی خرافات والی بات پاتے تھے تو اس کو بھی روایت کرنے میں کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے اگر وہ ثقہ راویوں سے حَدَّثَنَا کہہ کر روایت کریں تو کوئی عیب نہیں۔ (ایضا)

ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: لَا اَحْتَجُّ بِبَقِیَّةَ میں بقیہ کو قابل حجت نہیں سمجھتا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے تھے:

تَوَهَّمْتُ اَنَّ بَقِیَّةَ لَا یُحَدِّثُ الْمَنَاکِیْرَ اِلَّا عَنِ الْمَجَاهِیْلِ فَاِذَا هُوَ یُحَدِّثُ الْمَنَاکِیْرَ عَنِ الْمَشَاهِیْرِ فَعَلِمْتُ مِنْ اَیْنَ اُتِیَ

ترجمہ: میرا گمان یہ تھا کہ بقیہ صرف مجہول راویوں سے منکر روایتیں بیان کرتے ہیں اب مجھے پتہ چلا کہ وہ مشہور راویوں سے بھی منکر روایتیں لاتے ہیں مجھے پتہ چل گیا کہ اُن کا مقام کیا ہے۔
(ایضا)

یحییٰ بن معین سے بقیہ کے بارے میں مُضر بن محمد الاسدی نے پوچھا تو انھوں نے کہا:

ثِقَةٌ اِذَا حَدَّثَ عَنِ الْمَعْرُوْفِیْنَ وَلٰکِنْ لَّهٗ مَشَائِخُ لَا یُدْرٰی مَنْ هُمْ؛

ترجمہ: بقیہ جب معروف راویوں سے حَدَّثَنَا کے ساتھ روایت کریں تو قابل اعتماد ہیں۔ لیکن اُن کے کچھ ایسے شیوخ ہیں جن کے بارے میں کچھ اتا پتا نہیں۔ (ایضا)

یعقوب الفسوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

وَبَقِیَّةُ یُذْکَرُ بِحِفْظٍ اِلَّا اَنَّهٗ یَشْتَهِی الْمُلَحَ وَالطَّرَائِفَ مِنَ الْحَدِیْثِ فَیَرْوِیْ عَنِ الضُّعَفَاءِ

ترجمہ: بقیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حافظ الحدیث تھے لیکن اُن کو چٹخارے دار اور نادر باتیں بہت پسند تھیں لہٰذا وہ ضعیف راویوں سے بھی ایسی باتیں روایت کر دیتے تھے۔ (ایضا)

ابو الحسن ابن القطان رحمہ اللہ نے کہا :

بَقِيَّةُ يُدَلِّسُ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَيَسْتَبِيْحُ ذَالِكَ وَهٰذَا اِنْ صَحَّ مُفْسِدٌ لِعَدَالَتِهٖ

ترجمہ : بقیہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے والے تھے اور اس کو درست سمجھتے تھے اگر یہ بات صحیح ہے تو بقیہ کی عدالت ساقط ہے۔

اس پر امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہ تجزیہ پیش کیا ہے:

قُلْتُ نَعَمْ وَاللّٰهِ صَحَّ هٰذَا عَنْهُ. اَنَّهٗ يَفْعَلُهٗ وَصَحَّ عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ مُسْلِمٍ بَلْ وَعَنْ جَمَاعَةٍ كِبَارٍ فِعْلُهٗ وَهٰذِهٖ بَلِيَّةٌ مِّنْهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ فَعَلُوْا ذَالِكَ بِاِجْتِهَادٍ.

ترجمہ : میں کہتا ہوں، بقیہ کے بارے میں یہ بات صحیح ہے کہ وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے اور اس کو درست سمجھتے تھے یہ فعل ولید بن مسلم اور اکابر محدثین کی ایک جماعت سے بھی صحیح سند کے ساتھ منقول ہے یہ اُن کی طرف سے ایک قسم کی بلا ہے لیکن یہ ان کی اجتہادی خطاء ہے۔

حاصل کلام:

ناقدین حدیث کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ بقیہ مُدلّس تھے اور سب سے بڑی قسم کی تدلیس کے مرتکب تھے وہ مشہور راویوں سے نادر اور چٹخارے دار روایات نقل کرنے کے بڑے شوقین تھے وہ خرافات والی روایات کو نقل کرنے میں کوئی خوف نہیں کرتے تھے۔

سیر اعلام النبلاء کی روایت جس کو روافض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو مصیبت قرار نہیں دیا نیز ایک اسدی صحابی کی جانب یہ بات منسوب ہے کہ انھوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو آگ کا ایک انگارہ کہا، وہ روایت شاذ و نامقبول ہے۔

یہ بقیہ بن ولید کی اُن روایات میں سے ہے جو خرافات کے ضمن میں آتی ہیں اِس روایت کو بقیہ کے سوا کسی ثقہ راوی نے نقل نہیں کیا ہے یہ روایت بقیہ کا تفرد ہے اور بقیہ نمک مرچ لگی ہوئی اور چونکانے والی نادر روایت بھی کثرت سے بیان کیا کرتے تھے، جیسا کہ ناقدین حدیث کے اقوال آپ نے ملاحظہ کیے۔

محدثین کے اصول کے مطابق بقیہ کی یہ روایت ناقابل قبول ہے محدثین کا یہ اصول ہے کہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے والے راوی کی روایت اگر لفظ عَن سے ہو تو وہ ناقابل حجت ہوتی ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن الصلاح رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے :

وَالصَّحِيْحُ التَّفْصِيْلُ بَيْنَ مَا صَرَّحَ فِيْهِ بِالسَّمَاعِ فَيُقْبَلُ وَ بَيْنَ مَا اَتٰى فِيْهِ بِلَفْظٍ مُحْتَمِلٍ فَيُرَدُّ

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ مدلس اگر روایت میں سماع کی صراحت کرے تو روایت مقبول ہوگی اور اگر احتمال والے لفظ سے روایت کرے (مثلاً عَن، رُوِیَ، قَالَ وغیرہ) سے روایت کرے تو روایت نامقبول ہوگی۔ (الباعث الحثیث الیٰ اختصار علوم الحدیث 1 :/53)

سیر اعلام النبلاء کی جس روایت کو معترض نے پیش کیا ہے اس کا مرکزی راوی بقیہ بن ولید مدلس ہیں اور اُن کی یہ روایت بحیر بن سعد سے لفظ عَن سے مروی ہے، لہٰذا مقبول نہیں۔

بقیہ کی روایت پر ایک شبہ کا جواب

اگر کوئی کہے کہ بقیہ بن ولید کی یہ روایت مسند امام احمد میں لفظ "حَدَّثَنَا" کے ساتھ مروی ہے لہٰذا سماع کی صراحت ہونے کی وجہ سے مقبول ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ بقیہ سے اِس روایت کو نقل کرنے والے تین راوی ہیں۔

(۱) حَیْوَۃ بن شُرَیْح۔ (۲) محمد بن مُصَفّٰی (۳) عمرو بن عثمان بن سعید الحمصی

المعجم الکبیر میں امام طبرانی رحمہ اللہ نے اِس کی سند یہ ذکر کی ہے:

محمد بن مصفّٰی ثنا بقيّة عن بَجِير بن سعد

المعجم الکبیر ہی میں حیوہ بن شریح کی سند یوں ہے :

حيوه بن شُريح ثنا بقية بن الوليد عن بحير بن سعد.

سنن ابوداوٗد میں عمرو بن عثمان کی سند یوں ہے :

عمرو بن عثمان بن سعيد الحمصى حدثنا بقية عن بحير بن سعد.

مسند امام احمد میں سند یوں ہے :

حیوہ بن شریح نے بقیہ سے روایت کی بقیہ نے کہا : حدثنا بحیر بن سعد۔

بقیہ کی روایت معنعن ہونے کی وجہ سے نامقبول ہے:

بقیہ بن ولید سے روایت کرنے والے تین راویوں میں سے محمد بن مصفّٰی اور عمرو بن عثمان بن سعید الحمصی

نے بقیہ عَن بجیر کہہ کر روایت کیا ہے صرف تنہا حیوہ بن شریح نے لفظ حدثنا سے روایت نقل کی ہے اور المعجم الکبیر میں خود حیوہ بن شُریح کی روایت بھی لفظ حدثنا سے نہیں ہے بلکہ لفظ عَن سے ہے اس سے یہ ظاہر ہے کہ مسند احمد کی روایت میں لفظ حدثنا کا ذکر سہو ہے کیوں کہ خود حیوہ بن شریح نے اس کو لفظِ عَن سے روایت کیا ہے اور ان کے علاوہ دو راوی محمد بن مصفّٰی اور عمرو بن عثمان نے بھی لفظِ عَن سے روایت کیا ہے ثابت ہوا کہ بقیہ کی یہ روایت مُعَنعَن (عن والی) ہونے کی بنا پر نامقبول ہے جب یہ نامقبول ہے تو اِس روایت کو بنیاد بنا کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام رکھنا کیوں کر درست ہوگا کہ انھوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو مصیبت قرار نہیں دیا؟

سیر اعلام النبلاء کی روایت متناً مضطرب ہے

یہ روایت متناً بھی مضطرب ہے کیوں کہ یہ روایت مسند احمد اور طبرانی کبیر میں بَحِیر سے مروی ہے تو اِس میں ہے فَقَالَ لَہٗ مُعَاوِیَۃُ حضرت معاویہ نے حضرت مقدام سے کہا'' اور بحیر ہی سے یہی روایت سنن ابو داؤد میں ہے تو اس میں ہے فَقَالَ لَہٗ رجلٌ. اُس اَسدی آدمی نے کہا'' جب یہ روایت متناً بھی مضطرب وضعیف ہے تو نامقبول ہے اور اگر روایات میں ترجیح کی صورت اختیار کی جائے تو سنن ابو داؤد کی روایت کو مسند احمد اور طبرانی کی روایت پر ترجیح ہوگی تو بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی موت کو مصیبت قرار نہیں دیا۔

(منقول از مفتی رضا الحق اشرفی)

اعتراض:

کہانی نویس لکھاری کو جب اس حدیث کے ضعف کے بارے میں محدثین کرام کے اقوال بتائے گئے تو پھر طعنے دیتے ہوئے اپنی کتاب صلح امام حسن ص 145 پر لکھتا ہے۔

> دور حاضر میں بعض لوگوں نے اس معتدل طرز عمل سے ہٹ کر اس حدیث کی سند پر بہت ہی سخت جرح کر دی ہے اور تعدیل کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، ایسے لوگوں سے گذارش ہے کہ وہ ایسے غیر معتدل انداز سے گفتگو سے گریز فرمائیں ورنہ ایسے تعنت بھرے انداز سے بریلویت کا بالعموم اور بعض تنظیموں کا بالخصوص کچھ نہیں بچے گا شاید وہ یہ تصور کرتے ہیں کہ تعدیل کو نظر انداز کر کے صرف تجریح کی چھانٹی لگانا فقط ان کو آتا ہے اور کسی کو نہیں آتا؟

جواب:

واہ جناب کیا دھمکی آمیز تحریر لکھی ہے۔ جس میں مسلک اہل سنت بریلوی کو بالعموم لتاڑنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

(1) پہلی بات تو یہ کہ موصوف علم اسماء الرجال سے یا تو نابلد اور جاہل ہیں یا لوگوں کو دھوکا دینا ان کی عادت ہے۔ بقیہ بن ولید کے ضعف اور ثقاہت کی بحث تو ایک طرف ہے، موصوف نے جو حوالہ جات صلح امام حسن ص 144 پر بقیہ بن ولید کے ثقاہت پر نقل کیے ہیں، اس کو پیش کر کے موصوف خود یہ سمجھتے ہیں یا دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ روایت بھی صحیح ہو گئی، موصوف کو کیا یہ نہیں معلوم کہ مدلس راوی خاص طبقہ والا جب عن سے روایت کرتا ہے تو بظاہر ثقہ ہونے کے باوجود اس کی عن والی روایت کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے اور اگر راوی تدلیس التسویہ کا عادی ہو تو سماع کی تصریح اپنے استاد اور اپنے استاد کے استاد یعنی شیخ الشیخ سے بھی ضروری ہوتی ہے۔ جن محققین نے اس روایت پر اسنادہ صحیح کہا تو بظاہرا اس کی سند کو دیکھ کر حکم لگایا کیونکہ تدلیس ایک علت خفیہ قادحہ ہے اور جن محققین نے اس روایت کو ضعیف کہا انہوں نے اس روایت میں بقیہ بن الولید کی تدلیس اور تدلیس التسویہ جیسی علت خفیہ قادحہ کی وجہ سے ضعف کا حکم لگایا بقیہ بن ولید کو ان محققین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جس کو بطور استدلال موصوف نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ پیش کیا ہے یعنی کہ شعیب الارنوط عرب محقق شعیب الانووط نے سنن ابی داؤد کی تعلیق میں اس روایت کو بقیہ بن ولید کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

إسناده ضعيف لضعف بقية (حاشیہ سنن أبی داؤد، رقم 4131)

ایک دوسرے مقام پر شعیب الارنووط اور دکتور بشار العواد لکھتے ہیں۔

بل: ضعيف، لأنه كان يُدَلِّس تدليس التسوية

بلکہ بقیہ بن الولید ضعیف ہے اور یہ مدلس ہے اور تدلیس التسویہ کرتا ہے۔

(تحریر تقریب التہذیب رقم 734)

(2) موصوف کو ان کے طریقہ کار کے مطابق بھی سمجھاتے ہیں کہ یہ ان کے وضع کیے اصول کے مطابق کیسے ضعیف ہے؟ موصوف نے اپنی کتاب الاحادیث الموضوعہ میں متعدد مقامات پر منکر روایت کرنے والے کی روایات پر موضوع ہونے کا اطلاق کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، بقیہ بن الولید کے بارے میں فرماتے ہیں۔

له مناكير عن الثقات. یعنی ثقہ راویوں سے بھی منکر روایات ہیں۔
(ذیل دیوان الضعفاء والمتروکین، رقم 81)

محدث بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لا يحتج بما ينفرد به بقية. فكيف بما يخالف فيه
ترجمہ: یعنی جب کسی روایت میں منفرد ہو تو اس سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا اور اس وقت کیسے اس کی حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے جب کہ اس کی مخالفت ہو۔ (السنن الکبریٰ 9 : /256)

محدث بیہقی رحمہ اللہ نے تو واضح طور پر لکھا ہے کہ جب یہ کسی روایت میں منفرد ہو تو حجت نہیں ہوتا اس لیے موصوف کے پیش کردہ راوی کی توثیق سے اس روایت کی تصحیح نہیں ہوتی کیونکہ بقیہ بن الولید اس روایت میں منفرد ہے، اور امام بیہقی کے قول کے مطابق بقیہ بن الولید کی منفرد روایات قابل حجت نہیں اب جناب اپنی تحریر شدہ باتوں پر خود عمل کریں اور اس روایت کے موضوع ہونے کا اقرار کریں۔

(3) مزید یہ کہ موصوف نے جو بالعموم مسلک اہل سنت اور بعض کا تذکرہ کر کے تجریح کی چھانٹی لگانے کی بات کی ہے مگر موصوف کو شاید اپنی کتاب الاحادیث الموضوعہ کی تحریر یاد نہیں جس میں انہوں نے فیضان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کتاب پر تجریح کی چھانٹی لگائی اگر موصوف اس بات پر طنز کر رہے ہیں کہ مختلف کتابوں میں ضعیف اور موضوع روایات ہیں اور وہ ان کو پیش کر کے مسلک اہل سنت پر اعتراض کر سکتے ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں موصوف اگر اپنی تحریر کردہ کتب کو ہی دیکھ لیں تو اس میں تقریباً 50 سے زیادہ موضوع روایات اور ضعیف روایات کی تو بھر مار ہے موصوف اگر اپنی کتب کی ہی اصلاح فرمالیں تو بڑی بات ہوگی دوسرے پر الزام لگانے سے اپنی کتب میں موضوع روایات صحیح نہیں ہوسکتیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ جناب کے تمام الزامات غلط اور مردود ہیں اور ایسی روایات کو پیش کر کے صحابہ کرام کی ذات پر تنقید و طعن نہیں کیا جاسکتا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اطمینان کا الزام؟

موصوف نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اطمینان کا الزام لگایا ہے۔ صلح امام حسن ص 147 پر بحوالہ حیاۃ الحیوان 1 : /212 اور صلح امام حسن ص 149 پر بحوالہ مروج الذہب 3 / 8 سے دو روایات نقل کیں ہیں۔

موصوف صلح امام حسن ص 151 پر ان روایات کو قابل استدلال بنانے کے لیے ایک بہانہ تراشتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> بعض لوگ حیاۃ الحیوان وغیرہ کتب کو غیر معتبر کہہ کر اس واقعہ کو مسترد کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں لیکن انہیں یہ خیال بھی رہنا چاہیے کہ سنن ابی داؤد کی حدیث صحیح ہے اور حیاۃ الحیوان اور مروج الذہب وغیرہ کتب میں جو اس واقعہ کی تفصیل ہے یہ حدیث اس کے موئید ہے۔

جواب:

عرض یہ ہے کہ موصوف کو بھی یہ خیال ہونا چاہیے کہ کتاب کا معتبر ہونا یا نہ ہونا اہم نہیں بلکہ سند کا معتبر ہونا اہم ہے سنن ابی داؤد کی روایت میں امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خوشی کے الفاظ بھی ثابت نہیں اور یہ کہ وہ روایت بھی ثابت نہیں جس روایت پر موصوف کا انحصار تھا ان کے ممدوح محقق شعیب الارنووط ضعیف قرار دے چکے ہیں اور یہ اصول جناب کو معلوم ہونا چاہیے کہ مدعا صحیح سند و متن روایات سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ ایسی روایات سے جس کی سند ہی نہ ہو یا جس سند میں ضعیف، متروک اور کذاب راوی ہوں روایت کا کسی کتاب میں آنا حجت نہیں ہوتا بلکہ اس کی سند اس کو قابل استدلال یا قابل رد بناتی ہے۔

اول روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بحوالہ حیاۃ الحیوان 1 : /212 کی سند ہی نہیں ہے، اس لیے صحابہ کرام کے خلاف ایسی روایات مردود اور باطل ہیں۔

دوسری روایت بحوالہ مروج الذہب 3 : / 8 جو نقل کی ہے اس کی سند قارئین کرام کے سامنے پیش خدمت ہے

> وحدث محمد بن جرير الطبري، عن محمد بن حُمَيد الرَّازي، عن علي بن مجاهد، عن محمد بن إسحاق، عن الفضل بن عباس بن ربيعة، قال: وفد عبد الله بن العباس على معاوية

پیش کردہ روایات کی سند میں ایک راوی محمد بن حُمَید الرَّازی ضعیف ہے۔

(1) امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ فیہ نَظَرٌ. یعنی اس میں نظر ہے۔ (التاریخ الکبیر 1: /167)

(2) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عسقلانی لکھتے ہیں۔

لا یحتج بہ. یعنی اس سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔ (ہدیۃ الساری رقم 354)

اس روایت کا دوسرا راوی علی بن مجاھد کذاب اور متروک ہے۔

(2) علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عَلِیّ بن مُجَاهِد كَذَّاب تَرَاهُ: یعنی کذاب ہے۔ (المغنی فی الضعفاء رقم 4323)

(2) محدث ابن الضریس رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

علی بن مجاهد كذاب. یعنی علی بن مجاہد کذاب جھوٹا ہے۔ (الجرح والتعدیل رقم 1123)

(3) محدث محمد بن مہران ابا جعفر الجمال رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

کذاب. یعنی کذاب ہے۔ (الجرح والتعدیل رقم 1.123)

(4) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: متروك (تقریب التہذیب رقم 4790)

پیش کردہ روایت میں علی بن مجاہد یہ روایت ابن اسحاق سے روایت کر رہا ہے۔

محدث ابن الضریس رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

علی بن مجاهد لم یسمع من ابن اسحاق۔

یعنی علی بن مجاہد نے ابن اسحاق نے نہیں سنا۔ (الجرح والتعدیل، رقم 1123)

تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی واہیات روایات پیش کرنا مردود باطل ہے۔

ایسی متروک اور کذاب راویوں کی روایات پیش کرنے میں موصوف کو کچھ خیال نہیں چلے ہیں فیضان سنت اور فیضان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کرنے اور اپنی کتابوں میں موضوع، متروک اور سخت ضعیف روایات سے استدلال کیا ہے امیر اہل سنت نے ہمیشہ ادب اور نرمی کا درس دیا ہے وگرنہ موصوف کی کتب سے اگر آئینہ دکھایا تو شاید برا ہی نہ مان جائیں۔

چند غیر اہل سنت شخصیات کے حوالوں سے استدلال

کہانی نویس لکھاری نے صلح امام حسن ص 154,156 حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر طعن کرنے کے لیے غیر اہل سنت ابن الھادی سندھی غیر مقلد بحوالہ فتح الودود شرح سنن ابی داود 4/144، خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی بحوالہ بذل المجہود فی حل سنن ابی داؤد 17/14-15، اور غیر مقلد شمس الحق عظیم آبادی بحوالہ عون المعبود 11/191 اور نواب وحید الزمان تفضیلی غیر مقلد بحوالہ سنن ابی داؤد مترجم 3/197 سے اس حدیث کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کی عبارتیں نقل کیں ہیں۔

جواب:

اس بارے میں عرض ہے کہ اہل سنت پر ان غیر اہل سنت کے حوالہ جات کیوں پیش کیے گئے ہمارے نزدیک ان کی نہ کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی حجت ہے، جن کے یہ اکابر ہیں انہیں سے ان حوالہ جات کی حیثیت معلوم کرلیں تو بہتر ہوگا کیونکہ ان کے مسلک کے حامی علماء بھی اس موقف سے متفق نہیں اور اس کا رد بھی کرتے ہیں قاضی مظہر حسین دیوبندی نے ان کا جواب اپنی کتاب میں بھی دیا ہے اس لیے موصوف نے جو غیر اہل سنت کی عبارات نقل کیں ہیں اور وہ ہم پر حجت نہیں اس لیے بھولی بھالی عوام اہل سنت کو دھوکا دینا چھوڑیں کیونکہ یہ مردود عمل ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ کے علم حدیث پر طعن کی کوشش

موصوف سے جب اپنا مؤقف ثابت نہیں ہوتا تو وہ اکابرین پر طعن کرنا شروع کردیتے ہیں اور یہ ان جیسے لوگوں کا پرانا وطیرہ ہے موصوف لکھاری اسماء الرجال کے علم سے نابلد ہی نہیں بلکہ جاہل بھی معلوم ہوتے ہیں اس لیے سنن ابی داؤد کی ضعیف حدیث سے استدلال کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں اسی کوشش میں انہوں نے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی ذات کو ہدف تنقید کا نشانہ بنایا موصوف صلح امام حسن ص 157 لکھتے ہیں۔

شاید علامہ عبدالحی بن فخر الدین حسنی لکھنوی نے ان کی ایسی مشغولیات کی وجہ سے لکھا ہوگا وہ حدیث وتفسیر میں قلیل پونجی رکھتے تھے اعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام 8/1182 ہم علامہ لکھنوی کی بات کا برا نہیں مانتے، کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ انسان جب کسی ایک طرف زیادہ منہمک

ہو جاتا ہے تو دوسری طرف اس سے رہ جاتی ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث و تفسیر پر کوئی تصنیف نہیں ہے۔ لہٰذا علامہ لکھنوی کا تبصرہ حقیقت پر مبنی ہے۔

جواب:

موصوف نہ صرف علم حدیث اور علم اسماء الرجال سے نابلد و ناواقف ہیں بلکہ وہ عام تاریخی کتاب سے بھی ناواقف ہیں، مگر یہ بات ضرور کہیں گے کہ جناب کو یہ بھی نہیں معلوم کہ الاعلام بمن فی تاریخ الہند المعروف نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد علامہ عبدالحی حسنی لکھنوی مائل بہ غیر مقلدیت نے نہیں لکھی بلکہ ان کے بیٹے ابوالحسن ندوی نے بطور تکملہ لکھی، علامہ عبدالحی حسنی لکھنوی کے مسلک پر جو تحریر لکھی گئیں تو موصوف کو معلوم ہو جائے گا کہ علامہ لکھنوی غیر مقلدیت کی طرف مائل تھے۔ اور اگر اعلام بمن فی تاریخ الہند المعروف نزہۃ الخواطر" میں علماء اہل سنت پر جو افتراء اور الزام لگائے گئے اس بارے میں محقق علامہ عبدالحق انصاری صاحب کی کتاب" نزہۃ الخواطر کا علمی و تحقیقی جائزہ" کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ کتاب کے مولف نے علماء اہل سنت کے تراجم میں کتنی زیادتی اور تعصب کا ثبوت دیا ہے۔

جس شخص کو کتاب" الاعلام بمن فی تاریخ الہند" المعروف نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد کے مولف کا ہی نہیں معلوم تو اسے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی شان اور علم حدیث کا کیا معلوم ہوگا؟ اسی ایک بات سے معترض موصوف کی علمی استعداد کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

قارئین کرام کے لیے یہ بتانا ضروری ہوگا کہ صحاح ستہ کی تمام کتب پر اعلیٰ حضرت کا مفید اور علمی حاشیہ موجود ہے اسماء الرجال کی اہمت کتب تقریب التہذیب اور میزان الاعتدل پر ان کا بہت علمی اور قیمتی حاشیہ بھی موجود ہے ابن حجر عسقلانی کی تصنیف تقریب التہذیب کے محقق شیخ محقق عوامہ نے حب اعلیٰ حضرت کا حاشیہ تقریب التہذیب پڑھا تو بہت خوش ہوئے اور اس کی بہت تعریف کی (یہ بات فاضل مفتی حسان المدنی صاحب نے بتائی تھی) اصول حدیث میں ضعیف حدیث پر جو تصنیف لکھی اسکی علمی حیثیت تو مخالفین کو بھی مسلمہ ہے۔ دو نمازیں اکٹھی پڑھنے پر غیر مقلد نذیر حسین دہلوی کی کتاب معیار الکلام کا جو علمی جواب لکھا، وہ تحقیق کے میدان میں ایک اہم کتاب ہے۔ اس لیے موصوف کے طعن و تشنیع کی کوئی علمی و تحقیقی حیثیت اور نہ ہی وقعت ہے۔

صلح اور پسند میں کیا فرق؟

امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کو چند لوگ او رمصنف صلح امام حسن ص 167 پر مشرکین مکہ کے ساتھ معاہدہ پر قیاس مع الفارق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(1) صلح امام حسن رضی اللہ عنہ وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دونوں گروہوں کو مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کی بشارت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، اور پسندیدگی کا اظہار کیا، کیا صلح حدیبیہ پر دوسرے گروہوں کے بارے میں کوئی بشارت تھی؟

(2) صلح امام حسن وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کے جانبین مسلمان تھے، جب کہ صلح حدیبیہ میں ایک طرف مسلمان اور دوسری طرف کفار مکہ، جن کی مذمت میں آیات اور نصوص وارد ہوئے، دونوں کا تقابل کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

(3) صلح امام حسن وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہما میں مسلمانوں کے خون کی حرمت علت تھی، جب کہ صلح حدیبیہ سے اس طرح کی کوئی علت موجود نہیں تھی بلکہ بیعت رضوان تو لی ہی جہاد کی خاطر تھی، کیا مسلمان کے خون کی حرمت کا دفاع کرنا کوئی عظیم کام نہیں؟ امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں نے مسلمان کی حرمت کے خاطر پہلے صلح کی، اگر صلح کی پیش کرنے والا اجر عظیم کا مستحق ہے تو احادیث میں صلح کی پیش کش کو قبول کرنے والے کے بارے میں بھی اجر عظیم کے نصوص وارد ہیں۔

(4) صلح کے بارے میں کتاب صلح امام حسن ص 168 پر ایک بات کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین کے ساتھ تین شرطوں پر مصالحت فرمائی، اور موصوف نے یہ بھی لکھا کہ کیا اسکو یوں کہا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے دن مشرکین کے ساتھ تین شرطوں پر محبت فرمائی تھی؟ صلح اور پسند میں فرق نہ کرنا بڑی حماقت ہے، فسادی شخص یا فسادی افراد کے ساتھ نزاع کی صورت بن جائے تو صلح ناگواری کے ساتھ ہوتی ہے عرض یہ ہے کہ موصوف کی یہ منطق بڑی نرالی ہے کیونکہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کی بشارت احادیث نبویہ میں موجود ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کو مدنظر رکھا جائے تو تمام اعتراضات کا جواب تو خود ہی ہو جاتا ہے ساری منطق ہی غلط ثابت ہوجاتی ہے، جس عمل پر امام حسن رضی اللہ عنہ کو سیادت ملی، اس عمل میں ناگورای تو ہی نہیں سکتی، کیا ہی فائق استدلال ہے کہ ایک علم پر امام حسن رضی اللہ عنہ سیادت ملے، اور امام حسن رضی اللہ عنہ اسی عمل کو ناپسند کریں؟ جناب اپنی منطق اپنے پاس ہی رکھیں اور عوام الناس کو گمراہ کرنے کو کوشش نہ کریں۔

صلح کی وجوہات کیا تھیں؟

امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح کی وجوہات بیان کرنے کے لیے موصوف نے اتنے موقف جگہ جگہ تبدیل کیے کہ ان کا تذبذب آشکار ہوگیا

امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی درمیان ہونے والی صلح کے بارے میں موصوف لکھاری نے اتنی متضاد باتیں لکھیں کہ جن کو بیان کرنا بھی مشکل ہے۔

ایک مقام پر لکھتا ہے کہ

سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ تو اپنے بابا کریم رضی اللہ عنہ کے مشن کی تکمیل کے لیے بغاوت کو کچلنے کی خاطر اسی مسلح لشکر کو لے کر آئے تھے، جس کو ان کے بابا نے تیار کر رکھا تھا۔ صلح امام حسن ص 170۔

دوسرے مقام پر مزید آگے لکھتا ہے کہ

اس سلسلہ میں اکثر کتب تاریخ یہ بتاتی ہیں کہ امام پاک نے اپنے لوگوں کی زیادتیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے از خود صلح کی پیش کش کی تھی حتیٰ کہ کتب تاریخ میں یہاں تک مرقوم ہے کہ امام پاک نے معاویہ سے فقط صلح ہی نہیں چاہی تھی بلکہ اپنے لیے امان بھی مانگی تھی۔ صلح امام حسن ص 174

تیسرے مقام پر لکھتا ہے کہ

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس لشکر نے مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت کی تھی، امام حسن رضی اللہ عنہ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے تھے لیکن یہ لشکر ان کی رائے پر غالب آگیا تھا۔ صلح امام حسن ص 175

موصوف کو شاید یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ بغض معاویہ میں کیا لکھ رہے ہیں؟ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دور میں ہی واقعہ تحکیم ہوگیا تو پھر ان لشکر کی تیاری کرنا تاریخی نوعیت کا الگ رنگ ہے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جنگ صفین پر حرمت مسلم کی بات کی تھی اور پھر تحکیم کرنے کے لیے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا یہ امور بھی کتب میں موجود ہیں کہ خود امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو جنگ جمل اور جنگ صفین پر نہ جانے کو مشورہ دیا تھا کیا امام حسن رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایسی تھی کہ لشکر کے رائے ان پر غالب آجائے۔

چوتھے مقام پر موصوف لکھتا ہے کہ، اس دور کے بعض حاضرین کا یا بعد والے لوگوں کا یہ سمجھنا کہ امام پاک نے اپنے لشکر کی سرد مہری کی وجہ سے از خود صلح کی پیش کش فرمائی تھی یا معاویہ سے امان چاہی

تھی، سراسر غلط ہے صحیح بات یہ ہے جو کتب حدیث میں مذکور ہے بخاری شریف میں ہے کہ صلح کی پیش کش معاویہ کی طرف سے کی گئی تھی جسے امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے شرائط کے ساتھ قبول فرمایا تھا۔۔۔۔معاویہ کی طرف سے صلح کی یہ پیش کش امام پاک کے لشکر کی کثرت کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی تھی، صلح امام حسن ص 176

پانچویں مقام پر موصوف لکھتے ہیں کہ، بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام پاک نے بھی یہ پیش کش کسمپرسی کی حالت میں نہیں بلکہ ایسے ماحول میں قبول فرمائی تھی جب لشکر اور گردوپیش کا معاملہ ان کے کنٹرول میں تھا، صلح امام حسن ص 176

چھٹے مقام پر موصوف لکھتا ہے کہ، امام پاک نے دو اہم وجوہ کے پیش نظر جنگ سے اجتناب فرمایا۔

(1) اپنی فوج کی کمزوری کی وجہ سے مطلوبہ نتیجے کے حصول کا مشکوک ہونا۔
(2) جانبین سے بہت زیادہ خون بہہ جانا۔ (صلح امام حسن ص 178)

قارئین کرام کے سامنے موصوف کے ایک ہی معاملہ پر مختلف موقف لانے کی وجہ یہ تھی کہ اول تو ان میں خود اتنا تضاد ہے کہ موصوف لکھاری خود بھی متذبذب ہے دوم یہ کہ ان مختلف موقف کو جدھر اپنی مرضی ہو اس کو پیش کر دیتا ہے شاید اسی مردود و باطل طریقہ کو تحقیق کا نام دے دیا گیا ہے جس میں دھوکا ہی دھوکا اور عوام الناس کو گمراہ کرنا ہے۔

موصوف نے اپنی کتاب میں ہر جگہ عوام الناس کو صلح کے الفاظ تو استعمال کیے مگر اس صلح کے بعد جو امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، اس کا تذکرہ نہیں کیا، امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کا ذکر صحیح سند کے ساتھ کتب میں مرقوم ہے جس کو موصوف نے پوری کتاب میں ذکر کرنا بھی گوارا نہ سمجھا، موصوف کیا عوام الناس کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ ایسا کیوں کیا؟ شاید ان کو یہ معلوم ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنے والی روایت موصوف کے سارے باطل قیاس اور منطق پر پانی پھیر دے گی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ اور مقام معاویہ رضی اللہ عنہ

کہانی نویس لکھاری صلح امام حسن ص 184,185 پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کے بارے میں ایک خط نقل کیا اور اس کا ترجمہ غیر مقلد عالم اسحاق مدنی کی کتاب مقصد حسین ص 484 کے حوالہ سے نقل کیا۔ امام حسین کے خط سے جن الفاظ سے استدلال کیا وہ ملاحظہ کریں۔

> سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے لکھا: ۔۔۔اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ میں کسی فتنے میں نہ پڑ جاؤ تو میرے علم کے مطابق اس سے بڑا فتنہ کوئی نہیں ہے کہ تیرے جیسا آدمی اس امت کا سربراہ بن گیا ہے۔ مقصد حسین ص 484

آخری الفاظ کی عربی ملاحظہ فرمائیں۔

> ولا أعلم فتنة أعظم من ولايتك أمر الأمة.

البدایہ والنہایہ مترجم میں اس جملہ کا ترجمہ یوں ہے:

مجھے معلوم ہے کہ اس امت کی امارت پر آپ کے قابض ہونے سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہیں ۔ بحوالہ الطبقات الکبریٰ ابن سعد 6 /423، تاریخ دمشق 14 /206، سیر الاعلام النبلاء 3 /294

جواب:

موصوف نے امام حسین کے خط کا ترجمہ جو غیر مقلد اسحاق مدنی کی کتاب سے کیا تو یہ کسی مذاق سے کم نہیں کیونکہ مولانا اسحاق مدنی غیر مقلد کو انکی جماعت والے خود متروک سمجھتے ہیں اور اس کی تحقیق کو اہل سنت کے خلاف پیش کر دیا گیا لکھاری صاحب اپنی کتاب میں لکھی گئی روایات کو پیش کرتے ہی نہیں جبکہ دوسرے کی کتاب سے روایات پیش کرتے ہوئے بھی اسانید کی تحقیق نہیں کرتے موصوف لکھاری تو دعوت اسلامی کو نصیحت کرتے ہیں کہ اسانید پر تحقیق کیا کریں جبکہ خود میاں فصیحت کا کردار ادا کر رہے ہیں چلیں خیر موصوف لکھاری نے جس روایت سے استدلال کیا ہے، اس کا بنیادی ماخذ ابن سعد کی کتاب الطبقات الکبریٰ ہی ہے اور جتنے حوالے تخریج میں موصوف نے نقل کیے تقریباً سبھی نے ابن سعد کے طریق سے ہی اس روایت کو لکھا ہے اور ابن سعد نے یہ روایات جس طریق سے نقل کیں اس میں دیگر ضعف کے علاوہ سند میں محمد بن عمر الواقدی موجود ہے اور واقدی کے بارے میں کتاب میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ اس کی مرویات کا علماء کے نزدیک کیا مرتبہ ہے؟ اس لیے اس روایت کے متروک ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ۔

اس روایت کے متروک اور غلط ہونے پر دیگر قرائن وشاہد بھی موجود ہیں۔

❁ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

ووفد على معاوية وتوجه غازيا إلى القسطنطينية في الجيش

(تاریخ دمشق 14 : /111)

یعنی حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ قسطنطنیہ کی جنگ میں شامل تھے۔ جوکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی۔

اس تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جس طرح غیر مقلد اسحاق مدنی کی بات جھوٹی اور غلط تھی اسی طرح موصوف لکھاری کا استدلال بھی مردود و باطل ہے بلکہ اس کے برعکس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حسنین کریمین کی عزت وتکریم کرنا ثابت ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی تکریم کرنا

امام آجری حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا امام حسین رضی اللہ عنہ کی عزت وتکریم کرنے کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں۔

كَانَ مُعَاوِيَةُ رَحِمَهُ اللهُ إِذَا لَقِيَ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ،قَالَ مَرْحَبًا بِابْنِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ : امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملتے تو فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے! خوش آمدید۔ (الشریعۃ رقم 1959)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو انھوں نے فرمایا :

وَأَنْبَأَنَا ابْنُ نَاجِيَةَ أَيْضًا ،قَالَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مَهْدِيٍّ الْأُبُلِّيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَنْبَأَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ لَمَّا قُتِلَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَجَاءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِلَى مُعَاوِيَةَ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ : لَوْ لَمْ يَكُنْ لَكَ فَضْلٌ عَلَى يَزِيدَ إِلَّا أَنَّ أُمَّكَ امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ وَأُمَّهُ امْرَأَةٌ مِنْ كَلْبٍ لَكَانَ لَكَ عَلَيْهِ فَضْلٌ ،فَكَيْفَ وَأُمُّكَ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: آپ امام حسن رضی اللہ عنہ کو یزید کے مقابلے میں یہی فضیلت کافی ہوتی کہ آپ کی ماں قریشی ہے اور اس کی ماں بنوکلب کی عورت ہے مگر آپ کی اماں تو (قریشی ہونے کے ساتھ ساتھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاجزادی فاطمہ ہیں۔ (الشریعۃ للآجری رقم 1961)

اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھرانے کو اپنے اور اپنی آل اولاد سے افضل سمجھتے تھے۔

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی حدیبیہ والی صورت پیش آئی؟

لکھاری صاحب صلح امام حسن ص 189 پر ایک روایت لکھتے ہیں:

عن علقمة بن قيس قال قلت لعلي تجعل بينك وبين ابن أكلة الأكباد حكماً! قال إني كنت كاتب رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الحديبية. فكتب "هذا ما صالح عليه محمد رسول الله وسهيل بن عمرو" فقال سهيل لو علمنا أنه رسول الله ما قاتلناه. امحها. فقلت هو والله رسول الله وإن رغم أنفك. لا والله لا أمحها. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "أرني مكانها" فأريته فمحاها. وقال "أما إن لك مثلها ستأتيها وأنت مضطر"

ترجمہ: حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: کیا آپ نے اپنے اور ابن أكلة الأكباد کلیجہ چبانے والی کے بیٹے کے درمیان فیصل مقرر کر دیا ہے؟ انہیں نے فرمایا: حدیبیہ کی صلح میں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا.........اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الفاظ کی جگہ مجھے دکھاؤ، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جگہ دکھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مٹا دیا اور فرمایا: ایسا معاملہ تمہارے ساتھ بھی ہوگا اور عنقریب پیش آئے گا اور اس وقت تم مجبور ہوگے۔

بحوالہ السنن الکبری للنسائی 7: / 481، حدیث 8523، خصائص امیر المومنین علی بن ابی طالب ص 152 ص 186

جواب:

لکھاری موصوف کا یہ امتیاز ہے کہ وہ جب بھی کوئی روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ یا تو موضوع ہوتی ہے یا متروک یا سخت ضعیف ہوتی ہے اور موصوف بغیر سند کے روایت کو پیش کرنے میں ماسٹر

ہیں اس روایت کی سند پر جناب نے کچھ لکھا اور راویوں کی توثیق پیش کرنے کی کوشش کی مگر ایسی ضعیف روایت کی توثیق پر موصوف کو خود بھی تسلی نہیں قارئین کرام کے سامنے مذکورہ روایت کی سند امام نسائی سے پیش خدمت ہے۔

> أَخْبَرَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ هَاشِمٍ الْجَنْبِيُّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ: ..
> (السنن الکبریٰ، حدیث 8523)

(1) روایت کے پہلے راوی عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ صَالِح کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں کہ سچا تھا متقدمین کے مطابق محب اہل بیت تھا، بحوالہ تقریب التہذیب ص 955، مگر موصوف نے جو متقدمین کے مطابق محب اہل بیت لکھ کر اس کی تشیع کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔

❁ محدث موسیٰ بن ہارون رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> وكان يحدث بمثالب أَزْوَاجُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وأصحابه.
> یعنی وہ ازوج مطہرات اور صحابہ کرام کی شان کے خلاف مرویات بیان کرتا تھا۔

(تاریخ بغداد وذیولہ 10 : /260)

❁ ابن عدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> كان محترقا فيما كان فيه من التشيع.
> یعنی وہ محترق سخت جلا ہوا تھا تشیع میں۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال 5 : /515)

اب قارئین کرام خود نتیجہ اخذ کرلیں کہ وہ محب اہل بیت کے ساتھ صحابہ کرام کے طعن والی روایت بیان کرتا تھا:

(2) موصوف کی پیش کردہ روایت کے دوسرے راوی عَمْرُو بْنُ هَاشِمٍ الْجَنْبِي، کے ضعف کا اقرار خود جناب نے بھی بحوالہ تقریب التہذیب ص 747 کیا ہے قارئین کرام کے لیے چند مزید حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فيه نَظَر.
(التاریخ الکبیر 6: / 2702، التاریخ الصغیر: 2/ 248)

❁ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضعيفُ الحديث. (الکنی ص 100)

(3) موصوف کی پیش کردہ روایت کے تیسرے راوی مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ کو موصوف نے صلح امام حسن

ص 190 پر مدلس تسلیم بھی کیا مگر جناب نے عوام الناس سے یہ چھپا لیا کہ محمد بن اسحاق کو ابن حجر عسقلانی نے طبقات المدلسین ص 51 پر چوتھے طبقہ کے مدلسین میں ذکر کیا ہے اور اس طبقہ کے مدلسین راوی کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے اور جناب نے جو سند پیش کی ہے اس میں محمد بن اسحاق عن سے روایت کر رہا ہے جس کی وجہ سے روایت کا ضعف ثابت ہوتا ہے۔ ایک دوسری سند میں بریدہ بن سفیان جیسا رافضی راوی موجود ہے جس سے اس روایت کی نکارت مزید واضح ہوتی ہے۔

لکھاری موصوف نے صلح امام حسن ص 191 پر ایک اور روایت بطور استدلال اور تائید لکھی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر "اس وقت تم مجبور ہو گے" سے استدلال کا تحقیقی جائزہ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیا تھا:

وَأَمَّا قَوْلُكُمْ: مَحَا نَفْسَهُ مِنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا قُرَيْشًا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلَى أَنْ يَكْتُبَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ كِتَابًا، فَقَالَ: اكْتُبْ هٰذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ فَقَالُوا وَاللهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ مَا صَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَيْتِ وَلَا قَاتَلْنَاكَ وَلٰكِنِ اكْتُبْ: مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ " وَاللهُ إِنِّي لَرَسُولُ اللهِ حَقًّا وَإِنْ كَذَّبْتُمُونِي اكْتُبْ يَا عَلِيُّ: مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ " فَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَفْضَلَ مِنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ۔

رہ گیا تمہارا یہ قول کہ انہوں نے اپنی ذات سے امیر المومنین محو کر دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن قریش کو اس بات کی دعوت دی کہ آپ کے اور ان کے درمیان معاہدہ لکھا جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اے علی لکھ دو۔۔۔۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔

بحوالہ مصنف عبد الرزاق 10: /158، السنن الکبری للنسائی 7: /479، المستدرک 2: /150، الاحادیث المختارہ 10: /413، مجمع الزوائد 13: /575

جواب:

موصوف کی پیش کردہ روایت میں وہ استدلال نہیں جو انہوں نے کیا۔

اول: وقال "أما إن لك مثلها ستأتيها وأنت مضطر"

اور فرمایا: ایسا معاملہ تمہارے ساتھ بھی ہوگا اور عنقریب پیش آئے گا اور اس وقت تم مجبور ہوگے۔

دوم: آپ نے اپنے اور ابن أكلة الأكباد کلیجہ چبانے والی کے بیٹے کے درمیان فیصل مقرر کردیا ہے.

سوم: مذکورہ روایت میں حروریہ خارجیوں کے ساتھ بحث میں حضرت عبداللہ بن عباس نے ان کے استدلال کہ" امیر المومنین مٹا دیا ہے پس اگر وہ امیر المومنین نہیں تو امیر۔۔۔۔ ہیں (نعوذ باللہ من ذلک) پر جواب کے طور پر صلح حدیبیہ کا ذکر کیا. جس طرح کفار سے صلح سے نبی کا مرتبہ و رتبہ نہیں کم ہوتا اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا رتبہ. مرتبہ اور مقام کم نہیں ہوا۔

چہارم: صلح حدیبیہ کسی مجبوری کے طور پر نہیں بلکہ فتح کی بشارت کے سبب معاہدہ کیا جس کی تفصیل کتب احادیث اور تفسیر میں موجود ہے۔

اس لیے لکھاری موصوف کا اس روایت سے استدلال باطل اور مردود ہے اور امام زرقانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارات سے اس لیے مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اصل روایت ہی ضعیف و متروک ہے تو اس سے استدل کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے سے افضل. خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین مانا اور سمجھا بھی مگر ایک اجتہادی اختلاف کے صورت میں جو حالات درپیش آئے اس کے تناظر میں جو امور سرزد ہوئے اس کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مورد الزام ٹھہرانا غلط اور باطل ہے۔

* * *

شرائط صلح

امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح جن شرائط پر ہوئی ان کے بارے میں مختلف روایات کتب تاریخ میں موجود ہیں مگر تقریبا اکثریت کی اسنادی حیثیت محل نظر ہے، اور جن روایات کو بالفرض مان بھی لیا جائے تو اس کے معارض روایات بھی موجود ہیں اس لیے کسی شرط کو قطعی طور پر ماننا صحیح نہیں۔

ان شرائط کا تذکرہ لکھاری صاحب نے صلح امام حسن ص 194 تا ص 248 تک کیا اور اس کے اثبات اور اس پر عمل نہ کرنے کی مختلف متروک روایات کو ذکر کیا ہے۔

(1) خلافت پھر امام حسن رضی اللہ عنہ کو لوٹانے کی شرط

لکھاری صاحب صلح امام حسن ص 194,195 پر ایک روایات کچھ یوں نقل کرتے ہیں۔

> يبذل له تسليم الأمر إليه، عَلَى أن تكون له الخلافة بعده، وعلى أن لا يطلب أحدًا من أهل المدينة والحجاز والعراق بشيء مما كان أيام أبيه.

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ کو پیغام بھیجا کہ وہ اسے معاملہ سپرد کرتے ہیں اس شرط پر کہ اس کے بعد خلافت ان امام حسن کے لیے ہوگی اور یہ کہ اہل مدینہ، حجاز اور عراق میں سے کسی شخص سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا جو ان کے بابا کے دور میں تھی۔

بحوالہ الاستیعاب 1/ 230-231، اسد الغابۃ 2/ 18، تاریخ دمشق 13/ 261...

جواب:

صلح امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرائط میں پہلی شرط کے بارے میں جو روایت نقل کی

> ثنا عبد الوارث بن سفيان، قال: حدثنا قاسم بن أصبغ، قال حدثنا أحمد بن زُهَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، حَدَّثَنَا ضَمْرَةُ، عَنِ ابْنِ شَوْذَبٍ، قَالَ: لَمَّا قُتِلَ عَلِيٌّ سَارَ الْحَسَن.....

پیش کردہ روایت میں راوی ابْنِ شَوْذَبٍ کا امام حسن کا زمانہ پانا ہماری تحقیق کے مطابق ثابت نہیں اگر کسی محدث نے تصریح کی ہو تو اس پر رجوع کر لیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے الاصابہ 2 : /541 تہذیب التہذیب :2/53 پر جو روایت نقل کی اس میں بھی عمرو بن دینار کا سماع امام حسن رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں، اور اگر فتح الباری 13: /65 والی روایت بحوالہ کتاب الخوارج کی روایت (جس کو صلح حسن ص 199 پر نقل کیا گیا ہے) کی سند کو اگر بالفرض مان بھی لیا جائے تو اس کے متن کی نکارت دیگر صحیح روایات کے مقابلہ میں واضح ہو جاتا ہے۔

ابن سعد نے ایک روایت نقل کی ہے۔

> قال أخبرنا سليمان أبو داود الطيالسی قال خبرنا شعبة عن يزيد بن خمير قال سمعت عبد الرحمن بن جبير بن نفير الحضرمی يحدث عن أبيه قال قلت للحسن بن علی إن الناس يزعمون أنك تريد الخلافة؟ فقال كانت جماجم العرب بيدی يسالمون من سالمت ويحاربون من حاربت فتركتها ابتغاء وجه الله ثم أثيرها بأتياس أهل الحجاز.. (الجزء المتمم لطبقات ابن سعد 1 : /319)
>
> ترجمہ: حضرت جبیر بن نفیر فرماتے ہیں کہ میں امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا: کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو خلافت کی چاہت ہے امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عرب کے لوگ میری مٹھی میں تھے، جن سے میں صلح کرتا ان سے وہ صلح کرتے اور جن سے میں جنگ کرتا ان سے وہ بھی جنگ کرتے، لیکن میں نے اسے خلافت کو اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ دیا کیا میں پھر اسے اہل حجاز کے مردان کامل سے دوبارہ چھینوں گا؟

اس روایت کو امام حاکم نے المستدرک رقم 4795 پر اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اس روایت کے بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ علیٰ شرط البخاری ومسلم۔ اس کے علاوہ یہ روایت شرح اُصول اعتقاد أہل السنۃ والجماعۃ، رقم 2797، حلیۃ الأولیاء 2: /36,37، البدایۃ والنہایۃ 8 : /42 میں موجود ہے۔

❁ اس روایت میں امام حسن کے الفاظ" ثم أثيرها بأتياس أهل الحجاز "کیا میں پھر اسے اہل حجاز کے مردان کامل سے دوبارہ چھینوں گا؟ کے الفاظ پر غور کریں اور ان الفاظ کے اطلاق سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ مخالفین کے تمام دلائل کو رد کر دیتا ہے۔

❁ جب امام حسن رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح اور بیعت ہوگئی تو حضرت معاویہ بہت خوش ہوئے جسے ابن عبد البر نے الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب 1 : /385 پر بغیر کسی سند کے لکھا مگر ظاہر ہے کہ یہ خوشی ان کی طرف سے صلح کی پیش کش اور حرمت مسلمان کی خاطر ہی تھی۔

(2) کیا متبعین علی رضی اللہ عنہ کو کچھ کہا گیا؟

لکھاری صاحب نے صلح امام حسن ص 200 پر لکھا کہ

مذکورہ بالا عبارت (صلح کی پہلی شرط کے تحت) میں یہ دوسری شرط تھی. اس شرط پر امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے بطور خاص اس لیے زور دیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے تحکیم کے بعد ابن صخر نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں میں 37ھ 40. ھ کے درمیان مکہ. مدینہ اور یمن وغیرہ مقامات پر ناحق قتل کیا تھا۔۔۔ تفصیل کے لیے الاحادیث الموضوعۃ فی فضائل معاویہ میں بسر بن ابی ارطاۃ کے مظالم کا ذکر پڑھیے۔۔۔ معاویہ بن ابی سفیان نے اس شرط کو بھی دوسری شرائط کی طرح قبول تو کیا تھا مگر عملاً پورا نہیں کیا تھا چنانچہ سیدنا حجر بن عدی. ان کے رفقاء اور دوسرے متبعین مرتضی رضی اللہ عنہ پر جو مظالم ڈھائے گئے تھے۔

جواب:

موصوف نے جو اپنی کتاب میں من گھڑت اور متروک روایات اپنی کتاب الاحادیث الموضوعہ میں نقل کیں اس کا جواب راقم نے اپنی کتاب الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ میں. بہت تفصیل سے دیا ہے اگر کوئی علمی وقار ہوتا تو اپنے پیش کردہ روایات پر نظر ثانی کر کے اس کو اپنی کتاب سے حذف کرتے اور پھر اس کا تذکرہ نہ کرتے مگر موصوف جس ڈھٹائی سے متروک اور مردود روایات کو دوبارہ اپنی کتاب میں نقل اور تذکرہ کرتے ہیں یہ جناب ہی کا خاصہ ہے۔

(3) کتاب وسنت پر عمل کرنا ہو گا

عصر حاضر کے ریسرچ اسکالر صاحب نے صلح امام حسن ص 200 پر صلح کی تیسری شرط کے بارے میں لکھا کہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے سب سے بڑی. جامع اور اہم شرط یہ تھی کہ انہوں نے معاویہ سے عہد لیا تھا کہ اسے امور خلافت کتاب و سنت کے مطابق چلانا ہوں گے۔ بحوالہ شرح ابن بطال علی البخاری : 8/197. التوضیح لابن ملقن 17: /77. عمدۃ القاری 12 : /701. فتح الباری 16 : /530

جواب:

موصوف کی پیش کردہ شرط کے حوالہ جات سے یہ تو ثابت ہوا کہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی واضح یا صحیح روایات موجود نہیں ہے دگرنہ وہ روایت ضرور پیش کرتے بہر حال اگر یہ شرط ثابت ہوتی بھی تو اس

میں کتاب وسنت پر عمل کرنا بطور یاد دہانی ہے نہ کہ اس طور پر کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلاف کتاب وسنت کوئی کام صادر ہوا۔

(4) معاویہ رضی اللہ عنہ کسی کو اپنا ولی عہد نہیں بنائے گا

امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کی شرائط کے ذکر میں موصوف نے صلح امام حسن ص 201 پر چوتھی شرط لکھتے ہیں کہ

> بالخصوص یہ بھی مذکور ہے کہ معاویہ اپنے بعد کسی کو از خود اپنا ولی عہد نہیں بنائے گا بلکہ اہل اسلام کی مجلس شوری جس کو چاہے گی اسی کو امت پر خلیفہ بنائے گی. چنانچہ تردید روافض میں شہرت یافتہ معنف ابن حجر شافعی مکی اور علامہ ابن الصباغ مالکی مکی لکھتے ہیں ۔۔۔۔ یہ صلح نامہ جس پر حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ صلح کی ہے کہ وہ مسلمانوں کی حکومت انہیں سونپ دیں گے. اس شرط پر کہ وہ مسلمانوں میں کتاب الہٰی، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے اور معاویہ بن ابوسفیان کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ کسی سے اپنے بعد ولی عہدی کا معاہدہ کریں بلکہ یہ معاملہ ان کے بعد مسلمانوں کی مجلس شوری میں طے ہوگا۔

بحوالہ الصواعق المحرقہ ص 398-399 الفصول المہمہ فی معرفۃ احوال الائمہ 2/728

جواب:

موصوف نے جو چوتھی شرط الصواعق المحرقہ سے پیش کی یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جناب کو اس روایت کی سند دیگر کتب سے نہیں ملی وگرنہ وہ نقل کرتے۔ حیرانگی ہے کہ موصوف نے اپنی کتاب الاحادیث الموضوعہ میں امیر اہل سنت علامہ الیاس قادری مدظلہ العالی اور دعوت اسلامی پر روایات کی سند کی اہمیت کی آڑ میں جو تبراء اور بہتان بازی کی تھی. اس کتاب میں وہ اپنے ہی فتوی اور تبرے کی زد میں ہیں موصوف نے تو ایسی ایسی روایات سے استدلال کیا ہے. جس کی تو کتب حدیث تو کیا کتب تواریخ میں سند تک موجود نہیں ہیں۔ موصوف نے جو شرط نقل کی تو وہ گذشتہ بیان کی ہوئی شرط کے بھی مخالف ہے موصوف نے یہ لکھا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کا معاملہ دوبارہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو دیا جائے گا مگر جو چوتھی شرط بحوالہ الصواعق المحرقہ نقل کی اس میں تو خلافت کا معاملہ شوری کو دینے کا لکھا ہے اور یہ دونوں باتیں سنداً تو ثابت ہی نہیں بلکہ متضاد بھی ہیں۔

(5) خلفاء راشدین کے طریقے پر چلنا

صلح کی شرائط میں پانچویں شرط بھی ابن حجر مکی شافعی سے نقل کی موصوف صلح امام حسن ص 202 پر لکھتے ہیں:

> ابن حجر مکی کے کلام میں یہ شرط اس اہمیت کی حامل ہے کہ اس کا ذکر الگ عنوان سے کیا جائے کتاب وسنت پر چلنے کی شرط کے ساتھ ساتھ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا وسیرۃ الخلفاء الراشدین المھدیین کا جملہ بھی باقاعدہ شامل رکھنا بڑی باریک بینی کی دلیل ہے، کیونکہ سب لوگ قرآن وسنت کے علوم سے بہرہ ور نہیں ہوتے لیکن اکثر لوگ پیشرو حکمرانوں کے اچھے اور برے طرز حکومت سے ضرور باخبر ہوتے ہیں۔

جواب:

موصوف کی اس سادگی سے تو شاید لوگ متاثر ہوں مگر علمی و تحقیقی میدان میں دلائل کی بات ہوتی ہے لکھاری صاحب نے مختلف کتابوں پر اہل سنت کے علماء پر طعن و تشنیع کے نشتر چلائے اور ساتھ ہی ان کو ضعیف اور موضوع روایات نقل کرنے پر نشانہ تنقید بنایا اور سند کی اہمیت کے بارے میں جو جو نصیحت کی وہ بھی پڑھنے کے لائق ہیں مگر موصوف نے تو شاید میاں فصیحت بننے کی قسم اٹھائی ہوئی ہے موصوف ضعیف اور موضوع روایات سے ہی نہیں بلکہ بغیر اسانید کی روایات سے بھی استدلال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کچھ عار محسوس نہیں کرتے ابن حجر مکی کی پیش کردہ شرائط کی اگر کوئی سند موجود ہے تو پیش کریں وگرنہ ایسے استدلال اپنے حواریوں کو خوش کرنے کے لیے ہی لکھیں تحقیق کے میدان ایسی روایات کی کوئی حیثیت نہیں مزید یہ بات بھی اہم ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت پر عمل کرنے کا قول صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں جو کہ کتاب میں نقل کر دیے گئے ہیں اس مقام پر ایک حوالہ پیش خدمت ہے۔

محمد بن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شَاكِرٍ، قَالَ ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ. قَالَ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ مَعْمَرٍ. عَنِ الزُّهْرِيِّ. قَالَ: عَمِلَ مُعَاوِيَةُ بِسِيرَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ سِنِينَ لَا يَخْرِمُ مِنْهَا شَيْئًا.

ترجمہ: ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سالہا سال سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت پر یوں عمل کیا کہ اس میں ذرا برابر بھی کوتاہی نہیں کی''۔ (السنۃ لأبی بکر الخلال 2/444 رقم 683)

(6) معاویہ کے بعد معاملہ شوریٰ طے کرے گی

صلح کے بارے میں چھٹی شرط کے بارے میں صلح امام حسن ص 202,203 پر لکھا ہے۔

شوریٰ والی شرط بھی اہمیت کی حامل ہے لہٰذا اِسکا ذکر بھی الگ عنوان۔۔۔ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں اس شرط کو معاہدہ میں شامل کیا تھا۔ اور معاویہ بن ابوسفیان کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ کسی سے اپنے بعد ولی عہدی کا معاہدہ کریں بلکہ یہ معاملہ ان کے بعد مسلمانوں کی مجلس شوریٰ میں طے ہوگا۔

بحوالہ الصواعق المحرقہ ص 398,399 الفصول المہمہ فی معرفۃ احوال الائمہ 2/728

جواب:

لکھاری موصوف نے جس طرح بغیر سند کی روایت سے استدلال کیا ان سے ان کے حواری ہی خوش ہو سکتے ہیں مگر ان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ موصوف کی اپنی تحقیق کے مطابق سند کے بغیر کوئی بات قابل قبول نہیں ہوتی اور علماء نے اس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے۔ موصوف کی پیش کردہ چھٹی شرط بھی ان کی اپنے بیان کردہ پہلی شرط کے معاملہ خلافت امام حسن رضی اللہ عنہ کو سونپا جائے گا کے خلاف ہے بغیر سند اور تضاد والی شرائط کو پیش کرنے میں انہیں خود ہی عار محسوس کرنی چاہیے بجائے عار کے وہ عوام الناس کو دھوکا دینے کوشش میں لگے ہوئے ہیں، بہر حال قارئین کرام کے سامنے حقیقت پیش کی گئی ہے اس کا نتیجہ وہ با آسانی اخذ کر سکتے ہیں۔

(7) مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر سب وشتم نہیں کیا جائے گا

صلح امام حسن رضی اللہ عنہ وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرائط میں ساتویں شرط کو موصوف صلح امام حسن ص 203 پر کچھ یوں لکھتے ہیں۔

''۔۔۔ اس لائق وفائق اور ہادی ومہدی انسان کے ساتھ باقاعدہ ایک شرط یہ بھی طے کرنا ناگزیر سمجھا گیا تھا کہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر سب وشتم سے باز آجائے گا، چنانچہ علامہ قلقشندی لکھتے ہیں۔۔۔۔ اور اس پر یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو برا نہیں کہے گا۔ ماثر الانافۃ فی

معالم الخلافہ 1 / 108 ۔ امام ابن اثیر جزری اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں۔

وَأَنْ لَا يَشْتُمَ عَلِيًّا. فَلَمْ يُجِبْهُ عَنِ الْكَفِّ عَنْ شَتْمِ عَلِيٍّ. فَطَلَبَ أَنْ لَا يَشْتُمَ وَهُوَ يَسْمَعُ. فَأَجَابَهُ إِلَى ذَٰلِكَ ثُمَّ لَمْ يَفِ لَهُ بِهِ أَيْضًا.

اور یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو برا نہیں کہا جائے گا تو انہوں نے شتم علی سے باز رہنے کی شرط کو قبول نہ کیا، پھر امام صاحب نے فرمایا کہ جب وہ سن رہے ہوں تو انہیں برا نہ کہا جائے تو اس بات کو معاویہ نے قبول کرلیا، پھر اس کو بھی پورا نہ کیا۔

بحوالہ الکامل فی التاریخ 3 / 6 ، تاریخ دمشق 13 / 264

جواب:

موصوف جو علم اسماء الرجال کی اہمیت کی نصیحت دوسروں کو دیتے ہیں اگر خود عمل بھی کرلیں تو بہت بہتر ہوگا علامہ قلقشندی کے قول سے صلح کی شرائط بیان کی جارہی ہیں جو کہ ابن حجر عسقلانی کے شاگردوں کے معاصر ہیں، امام ابن اثیر جزری نے الکامل فی التاریخ 3 /6 پر اس روایت کی کوئی سند نقل نہیں کی، ابن عساکر کی اس روایت کی سند جو نقل کی ہے اس کو ملاحظہ کریں۔

اخبرنا أبو بكر محمد بن عبد الباقي أنا الحسن بن علي أنا محمد بن العباس أنا احمد بن معروف نا الحسين بن محمد بن سعد أنا أبو عبيد عن مجالد عن الشعبي وعن يونس بن أبي إسحاق عن أبيه وعن أبي السفر وغيرهم قالوا بايع أهل العراق...
(تاریخ دمشق 13: /264)

ابن عساکر کی روایت ضعیف و منقطع ہونے کے ساتھ متن میں نکارت کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

(1) ابن عساکر نے یہ روایت ابن سعد سے نقل کی ہے اس روایت میں ابوعبید کا تعین کرنا ضروری ہے۔

(2) روایت میں مجالد راوی ضعیف ہے، جس پر کتاب میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

(3) یونس بن ابی اسحاق نے اپنے والد سے ان کے اختلاط کے بعد سماع کیا۔

(4) ابن ابی السفر کے طرق میں انقطاع ہے۔

(5) دکتور خالد الغیث نے اپنی کتاب میں مرویات خلافہ میں یہ بات ثابت کی ہے کہ زمانہ الفترۃ تک حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مدینہ پاک میں موجود نہیں تھے۔

اس لیے پیش کردہ روایت کے مرسل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور اس کے متن میں نکارت بھی ہے، اس لیے ایسی روایات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(8) کچھ مالی شرائط

صلح امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرائط کی آٹھویں شرط بیان کرتے ہوئے موصوف صلح امام حسن ص 204 پر لکھتے ہیں۔

اکثر کتب میں اس موقع پر بعض مالی شرائط کا ذکر بھی کیا گیا ہے، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

فَاشْتَرَطَ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْكُوفَةِ خَمْسَةَ آلَافِ أَلْفِ دِرْهَمٍ. وأن يكون خراج دار أبجرد لَهُ. وَأَنْ لَا يُسَبَّ عَلِيٌّ وَهُوَ يَسْمَعُ. فَإِذَا فُعِلَ ذَلِكَ نَزَلَ عَنِ الْإِمْرَةِ لِمُعَاوِيَةَ. وَيَحْقِنُ الدِّمَاءَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ.

امام حسن رضی اللہ عنہ نے شرائط عائد فرمائیں کہ وہ کوفہ کے بیت المال سے پانچ لاکھ درہم لیں گے اور دارا بجرد ان کے لیے ہوگا اور یہ کہ جب وہ سن رہے ہوں تو سیدنا علی کو سب وشتم نہیں کیا جائے گا۔ پس جب یہ شرائط قبول کی جائیں گی تو وہ معاویہ کے لیے اتر جائیں گے اور مسلمانوں کے خون کو محفوظ پائیں گے۔ بحوالہ البدایہ والنہایہ 8: /17

جواب:

موصوف نے جو روایت نقل کی اس کی سند تاریخ طبری میں موجود ہے مگر اس کو نقل نہیں کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی سند میں ضعف اور متن میں نکارت ہے۔

وحدّثني موسى بن عبد الرحمن المسروقيّ. قال حدّثنا عثمان بن عبد الحميد أو ابن عبد الرحمن الحرّانيّ الخزاعيّ أبو عبد الرحمن. قال حدّثنا إسماعيل بن راشد. قال بايع الناسُ الحسنَ بن عليّ عليه السلام بالخلافة.

(تاریخ الطبری 15 : /159)

تاریخ طبری کی روایت میں اسماعیل بن راشد مجہول راوی ہے اور اس کا امام حسن رضی اللہ عنہ سے سماع بھی ثابت نہیں، اس لیے ایسی ضعیف اور منقطع روایت سے استدلال کرنا غلط ہے روایت کے متن کے بعض الفاظ بہت ہی منکر ہیں جو کہ دیگر صحیح مرویات کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔ موصوف کے پیش کردہ روایات میں بیان کردہ شرائط یا تو ثابت نہیں یا پھر اس کے تعارض میں دیگر صحیح مرویات موجود ہیں۔

صلح کی شرائط پر عمل کتنا ہوا؟

لکھاری موصوف نے صلح امام حسن ص 205 تا ص 263 تک صلح کی شرائط پر عمل نہ ہونے اور ان کی دھجیاں اڑانے کا شور و غوغا مچانے کی کوشش کی ہے۔

جواب:

اصحاب فکر و تحقیق کے لیے اتنی گذارش ہے کہ جب ان میں سے کوئی شرط صحیح سند کے ساتھ ثابت ہی نہیں تو اس صلح کی عہد شکنی کیسے ثابت ہوگئی؟ صلح کی اکثر شرائط کی تو اسانید ہی موجود نہیں تو اس بغیر سند کے اقوال پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ لطف کی بات تو یہ ہے کہ جیسے صلح کی شرائط متاخر علماء کی کتب سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی، اسی طرح متاخرین علماء کے اکثر غیر مستند اقوال سے ان شرائط کی دھجیاں اڑانے کا شور بھی مچایا گیا تا کہ روایات اور اصول سے لوگوں کی توجہ ہٹے اور اس شور میں عوام الناس بغیر سند کے اقوال کو ہی سچ سمجھ جائیں ذرا اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی شرط کی دھجیاں کیسے اڑائی گئیں؟

صلح امام حسن ص 205 پر موصوف لکھاری نے ابن عبد البر سے پہلی شرط کے بارے میں لکھا۔

وكان معاوية قد أشار بالبيعة إلى يزيد في حياة الحسن، وعرض بها، ولكنه لم يكشفها، ولا عزم عليها إلا بعد موت الحسن.

معاویہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی حیات میں ہی یزید کی بیعت کی طرف اشاروں سے کام لیتا تھا لیکن اس نے اس پر عمل امام حسن کی شہادت کے بعد کیا تھا۔

الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب 1/ 391

جواب:

گذارش ہے کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اشاروں کے علم کے بارے میں کوئی صحیح روایات موجود ہیں؟ جب کہ اس بارے میں کوئی صحیح روایت ہی نہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابن عبد البر کے زمانے میں بہت فرق ہے۔ اس لیے ایسے الزامات قبول نہیں کیے جاسکتے ہیں جبکہ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

دوسری شرط کا حشر ونشر

موصوف نے صلح امام حسن ص 206 پر دوسری شرط کے تحت لکھا ہے

علاوہ ازیں موصوف کے دور میں سود، شراب، قتل ناحق، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یمن وغیرہ پر ناحق چڑھائی کی گئی اور مسلم خواتین تک کو لونڈی بنایا گیا کیا یہ کتاب وسنت پر عمل ہے؟

جواب:

موصوف نے جتنے الزامات لگائے اس کی ایک ایک جزء کا جواب تفصیل کے ساتھ راقم نے اپنی کتاب الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ میں دے دیا ہے۔ شاید موصوف سے اس کتاب کا کوئی جواب نہیں بنتا اس لیے وہی مردود اور متروک روایات دوبارہ پیش کر دیتا ہے، کوئی روایت صحیح موجود نہیں اس لیے جناب پہلے ان الزامات کو صحیح ثابت کریں اور پھر اس کو ذکر کریں صحابہ کرام اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے اس دور میں قرآن وسنت پر عمل کی تصریح کی ہے جس کا مختصر ذکر اس کتاب میں بھی ہے اس لیے موصوف کے تمام بیان کردہ الزامات غلط اور باطل ہیں۔

تیسری شرط کا ستیاناس

موصوف صلح امام حسن ص 206 پر لکھتے ہیں۔

شرط سوم یہ تھی کہ خلفاء راشدین کے طریقہ پر چلنا ہوگا۔ موصوف نے اپنے شرابی، زانی اور نالائق بیٹے کو اپنا ولی عہد بنا گئے۔

جواب:

اس ولی عہدی کے بارے میں علماء کرام نے بہت تفصیل سے لکھا ہے مگر اس امر کو کسی نے بھی خلفاء راشدین کے طریقہ سے روگردانی اور صلح کی شرائط سے انحراف میں نہیں لکھا جبکہ الاحکام السلطانیہ میں اس کے جواز پر تصریحات موجود ہیں اس لیے موصوف کی کہانی نویسی، علماء کی تصریحات کے سامنے باطل ومردود ہے موصوف کی یہ عادت ہے کہ اپنا استدلال غلط ہوتا ہے اور اعتراضات دیگر علماء اہل سنت پر

کرتے پھرتے ہیں اور کبھی ابن حجر مکی، کبھی علامہ پرہاروی اور کبھی حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب پہ عامیانہ جملے کسے ہیں۔

شوریٰ کی شرط کا کیا حشر ہوا؟

موصوف صلح امام حسن ص 218 پر لکھتے ہیں۔

سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے چوتھی شرط یہ لکھوائی تھی، معاویہ کے بعد خلافت کا معاملہ شوریٰ طے کرے گی، اس شرط کا جو ستیاناس کیا گیا....

جواب:

موصوف جو شرائط پیش کر رہے ہیں ان کی نہ اسانید اور نہ اس کا متن ثابت۔ بلکہ جو شرائط موصوف پیش کر رہے ہیں اس میں ہی تضاد ہے ایک جگہ امر خلافت کا امام حسن رضی اللہ عنہ کو سونپنا اور دوسری طرف امر خلافت مجلس شوریٰ سے طے کرنے کی تحریر ارباب اہل علم اس تضاد سے بخوبی واقف ہیں موصوف نے جو روایت امام حسن بصری سے احنف بن قیس کے بارے میں سچ بولنے سے ڈر کا جو قول بحوالہ طبقات الکبریٰ ابن سعد 9: /94، تاریخ دمشق 24 : / 327 پر لکھا اس کا جواب راقم نے کتاب الاحادیث الراویہ میں تفصیل کے ساتھ دیا ہے، اگر کسی نے تفصیل ملاحظہ کرنی ہو تو الاحادیث الراویہ کا مطالعہ کرے۔

مشورہ کی بجائے دھمکی اور کذب بیانی

کہانی نویس موصوف نے صلح امام حسن ص 220 پر لکھا کہ

ابن صخر نے ان پر اپنا سپاہی کھڑا کر دیا اور اس کو کہا کہ اب میں ایک اعلان کرنے والا ہوں، ان میں سے کوئی بھی شخص میرے کسی جملہ کو مسترد کرنے کی کوشش کرے تو اس کی گردن اڑا دینا پھر کھڑے ہو کر اپنی طرف سے ہی جھوٹا اعلان کر دیا کہ ان بزرگوں نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی ہے۔

بحوالہ ما ثابت بالسنۃ ص 38، 37، تاریخ خلیفہ بن خیاط 214، 213، الاوائل ابی ہلال ص 236، 235

لکھاری کی موشگافیاں

لکھاری صاحب نے جو روایت نقل کی اس کی سند میں نعمان بن راشد متروک راوی ہے۔

(۱) خلیفہ بن خیاط نے اس کی پہلی سند جو نقل کی ہے وہ ملاحظہ کریں۔

حَدَّثَنَا وھب بْن جریر بْن حَازِم قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ نا النُّعْمَان بْن رَاشد عَن الزُّهْرِيّ عَن ذكْوَان مولى عَائِشَة قَالَ لما أجمع مُعَاوِيَة أَن يُبَايع لِابْنِهِ يَزِيد۔۔۔۔ بحوالہ تاریخ خلیفہ بن خیاط ص 213

اس سند میں نعمان بن راشد کے بارے میں موصوف لکھاری صلح امام حسن ص 220،221 پر بہت نرالی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

کہ ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا اور ابن معین کے ایک قول کے مطابق ثقہ کہا لیکن اکثر علماء کے نزدیک یہ ضعیف ہے تاہم اس پر وضع اور کذب کا الزام نہیں۔۔۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ ابن راشد کے بارے میں توثیق وتضعیف دونوں اقوال ملتے ہیں، گویا یہ مختلف فیہ راوی ہیں اور محدثین کرام نے لکھا کہ جب کوئی راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث قابل اعتبار ہوتی ہے۔

جواب:

موصوف کی اسماء الرجال میں یہ عجب تماشہ دیکھ کر بہت تعجب ہوتا ہے کیونکہ موصوف اسماء الرجال کے علم سے کافی نابلد معلوم ہوتے ہیں مختلف فیہ راوی کا تعلق ایسے امور سے ہے جدھر ترجیح نہ ہو سکے کہ یہ راوی ضعیف ہے یا ثقہ، جب خود تسلیم کرتے ہیں کہ نعمان بن راشد کو اکثر محدثین کرام نے ضعیف کہا ہے تو پھر راجح موقف تو موصوف کے نزدیک بھی نعمان بن راشد کے ضعف کا ہونا چاہیے تھا۔

❁ کہانی نویس نے ایک بات دلچسپ لکھی کہ نعمان بن راشد پر وضع اور کذب کا الزام نہیں ہے مگر کیا موصوف کو اپنی کتاب الاحادیث الموضوعہ فی فضائل معاویہ کی تحریر شاید یاد نہیں کہ وہ راوی کی منکر روایات پر موضوع کا اطلاق کرتے ہیں نعمان بن راشد کی زہری سے روایات تو خاص طور پر منکر ہوتی ہیں۔

محدث ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

فِي الْقَلْبِ مِنَ النُّعْمَانِ بْنِ رَاشِدٍ فَإِنَّ فِي حَدِيثِهِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ تَخْلِيطٌ كَثِيرٌ.

یعنی نعمان بن راشد کی زہری سے روایات میں کثیر غلطیاں ہوتی ہیں ۔ (صحیح ابن خزیمہ رقم 1422)

اس لیے نعمان بن راشد کے مختلف فیہ ہونے سے بھی موصوف کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نعمان بن راشد کی زہری سے روایات میں کثیر اغلاط ہوتی ہیں اس لیے موصوف نے اس کی دوسری سند تاریخ خلیفہ بن خیاط سے پیش کی۔

(2) موصوف نے صلح امام حسن ص 222 پر دوسری سند یوں نقل کی۔

> وهب بن جرير قال حدثني جويرية بن اسماء قال سمعت أشياخ اهل المدينة يحدثون أن معاوية لما كان قريبا من مكة.

بحوالہ تاریخ خلیفہ بن خیاط ص 215

۞ موصوف نے اس سند کے صرف دو راویوں کی توثیق پیش کی اور سمعت أشياخ اهل المدينة کے بارے عوام الناس کو یہ نہیں بتایا کہ یہ اشیاخ اہل مدینہ مجہول ہیں اور ان مجہول لوگوں کا سماع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا ہونا اور سماع کا ہونا بھی ثابت نہیں اس لیے پہلے دو راویوں کی توثیق ثابت کر کے اور دیگر مجہول راویوں کو چھپانا عوام الناس کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔

(3) موصوف نے صلح امام حسن ص 222 پر اس کی تیسری سند یوں نقل کی ہے۔

> أخبرنا أبو أحمد، عن الجوهري، عن أبي زيد، عن سعيد بن عامر، عن جويرية بن أسماء قال: لما أراد البيعة ليزيد. بحوالہ الأوائل ص 235

۞ موصوف نے اس سند کے راویوں کی توثیق پیش کرنے کی کوشش کی مگر اس کی سند میں وہی علت موجود ہے جو کہ دوسری سند میں تھی، اس سند میں راوی جویریہ بن أسماء نے کس سے یہ بات سنی؟ اس کا روایت میں کوئی ذکر موجود نہیں اور نہ ہی جویریہ بن أسماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور پایا ہے اس لیے یہ روایت منقطع ہے ایسی روایت سے استدلال کرنا اور صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کرنا باطل اور مردود ہے۔

۞ اس کے بعد موصوف نے صلح امام حسن ص 224 تا ص 267 تک مختلف غیر اہل سنت علماء جیسے ابو الکلام آزاد اور دیگر کے اقوال خلافت اور حکومت کے فرق پر نقل کیے ہیں جو کہ خلط مبحث ہیں اور یہ حوالہ جات اہل سنت پر کوئی حجت نہیں ہیں ان کا جواب وہی لوگ دیں جن کے وہ اکابر ہیں، نہ کہ ہمارے ذمہ داری ہے اور نہ ہی ہم پر حجت۔

دربار معاویہ میں سخاوت کا پول

کہانی نویس موصوف کتاب صلح امام حسن ص 268 پر لکھتا ہے۔

"علماء سیر نے ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ معاویہ نے بنو ہاشم کی جانب متوجہ ہو کر کہا: اے بنو ہاشم، میری عطا تمہارے لیے مسلسل ہے اور میرا دروازہ تم پر کھلا ہوا ہے۔۔۔۔اس پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تیرا مال کبھی بھی ہمیں اس وقت تک نہیں ملا جب تک ہم نے مطالبہ نہیں کیا اور تیرا دروازہ ہم پر اس وقت تک نہیں کھلا جب تک کہ ہم نے دستک نہیں دی۔۔۔۔کتاب الٰہی کی رو سے ہمارے لیے مال میں دو حق ہیں ایک غنیمت کا حق اور دوسرا مال فیئ کا حق، پس مال غنیمت میں ہم پر غلبہ پا لیا گیا اور مال فیئ کو ہم نے لیا نہیں، پس اب صورت حال یہ ہے کہ کسی بھی طریقہ سے ہمیں تمہاری طرف سے کوئی چیز پہنچتی ہے تو ہم لے لیتے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتے ہیں...

بحوالہ انساب الاشراف للبلاذری 5/ 120.121

جواب:

موصوف نے جو روایت مورخ بلاذری کی کتاب الانساب الاشراف 5/ 120 سے نقل کی خود اس میں ہے کہ علماء سیر نے ذکر کیا، اب بات یہ ہے کہ مورخ بلاذری نے یہ بات کن علماء سیر سے نقل کی اور کس سند سے نقل کی؟ اور علماء سیر نے یہ بات کس کس سے اور کس سے بیان کی؟ کیا بغیر سند کی ایسی روایت پر موصوف تحقیق کے نئے باب رقم کرنے چلے ہیں؟ ارباب اہل علم وعقل اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ بغیر سند کے اقوال سے صحابہ کرام پر طعن وتشنیع پر استدلال کرنا باطل اور مردود ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تحائف دینا

❁ محدث ابن عساکر رحمہ اللہ ایک روایت نقل کرتے ہیں:

أخبرنا أبو نصر محمد بن حمد بن عبد الله الكبريتي أنا أبو مسلم محمد بن علي بن محمد النحوي أنا أبو بكر بن المقرء نا أبو عروبة الحسين بن أبي معشر الحراني نا أبو الحسين الرهاوي نا زيد بن الحباب حدثني حسين بن واقد عن عبد الله بن

بریدة قال دخل الحسن بن علی علی معاویة فقال لأجیزنك بجائزة لم یجز بها أحد کان قبلی فأعطاه أربع مائة ألف ألف. (تاریخ دمشق 59/ 192)

ترجمہ: حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا: میں آپ کو ایسا عطیہ دوں گا جو مجھ سے پہلے کسی نے نہ دیا ہو گا چنانچہ انہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو چالیس لاکھ درہم دیے۔

❁ محدث ابن عساکر رحمہ اللہ ایک دوسری روایت لکھتے ہیں۔

أخبرنا أبو القاسم العلوی أخبرنی أبو علی الحسن بن علی بن إبراهیم المقرء أنا عبد الوهاب بن جعفر المیدانی حدثنی أبو عبد الله محمد بن إبراهیم القرشی نا عمرو بن دحیم نا محمد بن إبراهیم البغدادی نا الحسن بن الربیع نا إسحاق بن عیسی البلخی الحافظ عن الحسین بن واقد عن عبد الله بن بریدة قال دخل الحسن والحسین علی معاویة فأمر لهما فی وقته بمائتی ألف درهم وقال خذاها وأنا ابن هند ما أعطاها أحد قبلی ولا یعطیها أحد بعدی.

(تاریخ دمشق 59 : /193)

ترجمہ: ایک مرتبہ امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما دونوں ان کے پاس آئے تو انہیں بیس بیس لاکھ درہم دیے۔

ان روایات سے قارئین کرام بآسانی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں جس سے وہ حقیقت کا ادارک کر سکتے ہیں۔

انصار سے ترجیحی سلوک کا الزام

کہانی نویس صاحب صلح امام حسن ص 269,270 پر لکھتے ہیں۔

نہ صرف یہ کہ بنو ہاشم کو ان کے مکمل حصہ سے محروم رکھتے تھے بلکہ انصار کو بھی ان کے اصل حق سے محروم رکھتے تھے اور ان پر دوسرے طلقاء اور بنو امیہ کو ترجیح دیتے تھے چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو پہلے ہی آگاہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ"

عنقریب تمہیں میرے بعد ترجیحی سلوک کا سامنا کروگے، لہٰذا مجھ سے ملاقات تک صبر کرنا اور ہمارے تمہارے ملنے کی جگہ حوض ہے۔ بحوالہ بخاری حدیث 3793

علامہ ابن سید الناس یعمری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَكَانَتْ زَمَنَ مُعَاوِيَةَ

عنقریب تم کو میرے بعد ترجیحی سلوک کا سامنا کروگے، تو یہ ترجیح معاویہ کے زمانے میں تھی۔

بحوالہ عیون الاثر 2/376

جواب:

موصوف نے جس حدیث کے ایک حصہ کو نقل کیا اگر اس کا شان ورود بھی بیان کر دیتے تو سارا معاملہ واضح ہو جاتا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي كَمَا اسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا قَالَ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أُثْرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ.

ترجمہ: حضرت اسید بن حضیر سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ایک انصاری آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! آپ مجھے عامل مقرر نہیں کرتے جیسا کہ فلاں آدمی کو عامل بنایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے بعد تمہیں ترجیح کا سامنا کرنا پڑے گا (تم پر دوسرے لوگوں کو ترجیح دی جائے

گی)، لہٰذا صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرو۔ (صحیح بخاری، رقم 1845)

❁ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس روایت کو اپنی سند سے مزید تفصیل کے ساتھ بھی بیان کیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَلَا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي كَمَا اسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا، فَقَالَ »إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ۔

ترجمہ: محمد بن جعفر نے ہمیں شعبہ سے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا، وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کر رہے تھے، انہوں نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک انصاری نے تنہائی میں رسول اللہ ﷺ سے بات کی اور عرض کی: کیا جس طرح آپ نے فلاں شخص کو عامل بنایا ہے مجھے عامل نہیں بنائیں گے؟ آپ نے فرمایا: میرے بعد تم خود کو ترجیح دیکھو گے تم اس پر صبر کرتے رہنا، یہاں تک کہ حوض پر مجھ سے آن ملو۔ (صحیح مسلم، رقم 1845)

ان مذکورہ روایت سے یہ بات واضح ہوئی کہ ایک انصاری صحابی نے عامل بنانے کی درخواست کی تو اس معاملہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مشورہ دیا اور اس کا تعلق حکمرانی کے امور سے ہے کیونکہ انصار صحابہ متعدد امور پر اپنے آپ کو حق دار سمجھتے تھے جیسے خلافت اور حکمرانی۔

❁ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا شانِ ورود پر مالِ حنین کے بارے میں ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے جس کے متن کا ایک حصہ اگر الزامی طور پر موصوف لکھاری کو پیش کیا جائے تو کیسا رہے گا؟

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ نَاسٌ مِنَ الْأَنْصَارِ حِينَ أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَفَاءَ مِنْ أَمْوَالِ هَوَازِنَ فَطَفِقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي رِجَالًا الْمِائَةَ مِنَ الْإِبِلِ فَقَالُوا يَغْفِرُ اللهُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي قُرَيْشًا وَيَتْرُكُنَا وَسُيُوفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ قَالَ أَنَسٌ فَحُدِّثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَقَالَتِهِمْ فَأَرْسَلَ إِلَى الْأَنْصَارِ فَجَمَعَهُمْ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ وَلَمْ يَدْعُ مَعَهُمْ غَيْرَهُمْ فَلَمَّا اجْتَمَعُوا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَقَالَ مَا حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكُمْ فَقَالَ فُقَهَاءُ الْأَنْصَارِ أَمَّا رُؤَسَاؤُنَا يَا رَسُولَ اللهِ فَلَمْ يَقُولُوا شَيْئًا وَأَمَّا نَاسٌ مِنَّا حَدِيثَةٌ أَسْنَانُهُمْ فَقَالُوا يَغْفِرُ اللهُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي قُرَيْشًا وَيَتْرُكُنَا وَسُيُوفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّي أُعْطِي رِجَالًا حَدِيثِي عَهْدٍ بِكُفْرٍ أَتَأَلَّفُهُمْ أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالْأَمْوَالِ وَتَذْهَبُونَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رِحَالِكُمْ فَوَاللهِ لَمَا تَنْقَلِبُونَ بِهِ خَيْرٌ مِمَّا يَنْقَلِبُونَ بِهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ رَضِينَا فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَجِدُونَ أُثْرَةً شَدِيدَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوُا اللهَ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّي عَلَى الْحَوْضِ قَالَ أَنَسٌ فَلَمْ يَصْبِرُوا

ترجمہ: زہری نے بیان کیا اور انہیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی، بیان کیا کہ جب قبیلہ ہوازن کے مال میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو دینا تھا وہ دیا تو انصار کے کچھ لوگوں کو رنج ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سو سو اونٹ دے دئے تھے کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ اپنے رسول کی مغفرت کرے، قریش کو تو آپ عنایت فرما رہے ہیں اور ہم کو آپ نے چھوڑ دیا ہے حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انصار کی یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں آئی تو آپ نے انہیں بلا بھیجا اور چمڑے کے ایک خیمے میں انہیں جمع کیا، ان کے ساتھ ان کے علاوہ کسی کو بھی آپ نے نہیں بلایا تھا، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا تمہاری جو بات مجھے معلوم ہوئی ہے کیا وہ صحیح ہے؟ انصار کے جو سمجھدار لوگ تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو لوگ ہمارے معزز اور سردار ہیں، انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے البتہ ہمارے کچھ لوگ جو ابھی نو عمر ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کرے، قریش کو آپ دے رہے ہیں اور ہمیں آپ نے چھوڑ دیا ہے حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا میں ایسے لوگوں کو دیتا ہوں جو ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، اس طرح میں ان کی دل جوئی کرتا ہوں کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ دوسرے لوگ تو مال و دولت لے جائیں اور تم نبی کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤ خدا کی قسم کہ جو چیز تم اپنے ساتھ لے جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو وہ

لے جا رہے ہیں انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تم دیکھو گے کہ تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی اس وقت صبر کرنا، یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول اسے آملو میں حوض کوثر پر ملوں گا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا لیکن انصار نے صبر نہیں کیا۔ (صحیح بخاری، رقم 4331)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس فرمان پر بھی غور فرمائیں:

قَالَ أَنَسٌ فَلَمْ يَصْبِرُوا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مگر ہم نے صبر نہ کیا۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ موصوف نے جس روایت کا حصہ نقل کیا وہ خلط مبحث ہے بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو متعدد انصاری صحابہ کرام کو اپنا عامل، گورنر اور مختلف اہم عہدوں پر مقرر کیا جس کی تفصیل راقم کی کتاب "الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ" ملاحظہ کریں۔

حب دنیا میں مبتلا تھے؟

موصوف صلح امام حسن ص 275 پر لکھتے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

كان من العلماء الكبار من أصحاب النبي (صلى الله عليه وسلم) ولكن ابتلى بحب الدنيا.

وہ اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر علماء میں سے تھے لیکن دنیا کی محبت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بحوالہ تاریخ دمشق 59: /213

جواب:

موصوف نے جو روایت نقل کی اگر اس کی سند پر بھی کلام کرتے تو قارئین کے علم میں مزید وسعت ہوتی، محدث ابن عساکر نے اس قول کی سند کچھ یوں نقل کی ہے۔

أحمد بن علي بن الحسين بن علي ابن مهدي الكراعي أنا أبي أبو الحسن علي بن الحسين الكراعي أنا أبو النضر الخلقاني يعني محمد بن أحمد بن النضر نا ابن قهزاد يعني محمد بن عبد الله نا إبراهيم بن الأشعث قال ما سمعت الفضيل...

اس روایت کی سند میں حضرت فضیل بن عیاض کے بارے میں علماء نے آراء ذکر کی ہیں۔

❁ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقال ابن حبان یغرب وینفرد فیخطئ ویخالف۔
یعنی ابن حبان نے کہا کہ تفرد اور خطائیں اور مخالف روایات نقل کرتا ہے۔

(لسان المیزان 1: /121)

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وابراهیم روایه عن فضیل ضعیف۔ (لسان المیزان رقم 5738)
یعنی ابراہیم جب حضرت فضیل سے روایت کرنے میں ضعیف ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ابراہیم کے تفرد اور صحابہ کرام پر مثالب کی وجہ سے یہ روایت قابل استدلال نہیں۔

کیا صحابی بھی حب دنیا میں مبتلا ہو سکتا ہے؟

لکھاری موصوف صلح امام حسن ص 276 پر لکھتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے ان کے دنیا میں مبتلا ہونے کا خدشہ یوں ظاہر فرمایا تھا:

مجھے تم پر یہ خدشہ نہیں کہ شرک کرو گے لیکن مجھے تم پر دینا کا خدشہ ہے کہ تم اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔ بحوالہ بخاری حدیث 4042

اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں صحابہ کو ہی خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ
بعض تم میں سے طلبگار ہیں دنیا کے اور بعض تم میں سے طلب گار ہیں آخرت کے۔ آل عمران 152

امام سیوطی رحمہ اللہ نے سند صحیح کے ساتھ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

مَا كنت أرى أن أحدا من أصحاب رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يُرِيد الدُّنْيَا حَتَّى نزلت فِينَا يَوْم أحد {مِنكُم من يُرِيد الدُّنْيَا ومنكم من يُرِيد الْآخِرَة}
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو نہیں سمجھتا تھا کہ وہ دنیا کا ارداہ رکھتا

ہے، حتیٰ کہ احد کے دن ہمارے بارے میں نازل ہوا بعض تم میں سے طلبگار ہیں دنیا کے اور بعض تم میں سے طلب گار ہیں آخرت کے۔ بحوالہ الدرالمنثور لسیوطی: 4/70

سو اگر کسی شخص کو قرآن و حدیث کی تصریح کے مطابق سابقین صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے بعض صحابہ کا حب دنیا میں مبتلا ہونا تسلیم ہو تو پھر اسے یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ بعض طلقاء اور مولفۃ القلوب بدرجہ اتم حب دنیا میں مبتلا تھے اور سونا چاندی کے دلدادہ تھے۔

جواب:

کہانی نویس نے صحابہ کرام پر حب دنیا کے الزامات لگاتے ہوئے جن دلائل سے استدلال کیا ہے اس کی جواب بالترتیب ملاحظہ کریں۔

صحیح بخاری کی روایت میں جو دنیا کا خدشہ ہے کہ تم اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کروگے، سے مراد یہ نہیں کہ تمام صحابہ کرام میں دنیا کی محبت تھی بلکہ اس حدیث سے مراد وعید ہے جس سے صحابہ کرام کو ایسے معاملات پر آگاہی دینی مقصود تھی صحابہ کرام کے بارے میں اجماع اہل سنت ہے کہ ان کا کوئی عمل حقیقتاً دنیا کی محبت میں نہ تھا بلکہ ان کے دلوں میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی، آگے یہ تفصیل آرہی ہے کہ دنیا دار ہونے کے باوجود بھی رب کریم نے مومن کہا مال غنیمت میں جلدی کرنا ایک عمل ہے، جس کی وجہ سے ان کے اخلاص اور نیت کے خالص ہونے پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

موصوف نے آل عمران 152 کی جو آیت استدلال میں پیش کی وہ بھی نامکمل پیش کی، قرآن کی اس آیت کا اطلاق غزوہ احد کے شریک صحابہ کرام پر ہے، تو کیا موصوف اس آیت سے سابقین الاولین صحابہ کرام پر کرنا جائز سمجھتے ہیں؟ کیا وہ سابقین الاولین صحابہ کو دنیا دار سمجھتے ہیں؟ کیا وہ اس آیت کا اطلاق خلفاء راشدین پر بھی کرنا جائز سمجھتے ہیں؟ مگر موصوف نے آیت کا ایک حصہ خیانت کرکے نہ لکھا تاکہ حقیقت آشکار نہ ہوسکے۔

مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔ آل عمران 152

ترجمہ: کوئی چاہتا تھا تم میں دنیا (مال غنیمت جلد ملے) اور کوئی تم میں سے چاہتا تھا آخرت پھر تم کو پھیر دیا ان پر سے تاکہ پھر تم کو آزمائے اور بے شک اس نے تم کو (جلدی کرنے والوں کو) معاف کردیا اور اللہ مومنین پر فضل کرنے والا ہے۔

اب اگر اس آیت کا غور سے مطالعہ کریں تو جن کو رب کریم نے مال غنیمت ملنے کی جلدی کرنے پر دنیا دار سے خطاب کیا انہیں بھی آیت کے آخر میں مومنین کہا اس آیت سے تو یہ واضح ہوا کہ صحابہ کرام پر دنیا دار ہونے کا اطلاق ان کا مال غنیمت پر جلدی کرنے پر ہوا مگر رب کریم نے ان دونوں گروہوں کے صحابہ کرام کو مومن کہا اب اگر اس آیت کی آڑ لے کر صحابہ کرام کو دنیا دار کہے تو وہ باطل و مردود ہے۔

اعتراض:

موصوف نے صلح امام حسن ص 277 پر جو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔

مَا كنت أرى أَن أحدا من أَصْحَاب رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يُرِيد الدُّنْيَا حَتَّى نزلت فِينَا يَوْم أحد {مِنْكُم من يُرِيد الدُّنْيَا ومنكم من يُرِيد الْآخِرَة}

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو نہیں سمجھتا تھا کہ وہ دنیا کا ارادہ رکھتا ہے، حتیٰ کہ احد کے دن ہمارے بارے میں نازل ہوا بعض تم میں سے طلبگار ہیں دنیا کے اور بعض تم میں سے طلب گار ہیں آخرت کے۔

جواب:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ اس کی سند ضعیف و منقطع ہے اور موصوف کو یہ اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ ضعیف اور منقطع روایت سے صحابہ کرام پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ بالفرض بالفرض اس روایت کو مان بھی لیا جائے تو اس روایت میں غزوہ احد کا ذکر ہے اور غزوہ احد میں سابقین الاولین شامل تھے اور مال غنیمت میں جلدی کرنے والے صحابہ کرام پر بھی رب کریم مومنین کا اطلاق کرتا ہے۔ جبکہ لکھاری موصوف حب دنیا کے لفظ دکھا کر بھولے بھالے عوام الناس کے سامنے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ صحابہ کرام کا حب دنیا کسی لالچ کے طور پر تھا مگر صحابہ کرام کسی بھی لالچ سے بری الذمہ تھے موصوف کی چالاکی دیکھیں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی بات ہو تو سابقین الاولین کے فضائل کو مد مقابل میں لا کر صحابہ میں تقابل کر کے ان کی فضیلت مطلقہ پر طعن کرتا ہے مگر خود اسی مقام پر سابقین الاولین پر دنیا دار کے فتویٰ بھی صادر کر رہا ہے اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرام حب دنیا سے بری ہیں نہ تو سابقین الاولین اور نہ ہی فتح کے بعد اسلام لانے والوں میں کوئی ایسا صحابی تھا جس میں حب دنیا کی لالچ رہی ہو اس لیے موصوف کا استدلال باطل اور مردود ہے۔

موصوف صلح امام حسن ص 282 پر حضرت مقدام کی روایت جس گھر میں حرام اشیاء کا ذکر ہے کی تشریح خلیل احمد سہارنپوری بذا المجہود فی حل سنن ابی داؤد 13 : /161 سے پیش کرتا ہے مگر اس روایت اور غیر اہل سنت کے استدلالات کا تفصیلی جواب راقم کی کتاب الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ میں دیا ہے۔

◆ ◆ ◆

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مسلمانوں کے مال میں سے زیادہ حصہ رکھنے پر اعتراض

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک الزام یہ بھی لگایا کہ وہ مسلمانوں کے مال سے اپنے لیے زیادہ رکھتے تھے۔ معاصر لکھاری صلح امام حسن ص 283,284 لکھتا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ زیادہ اپنے لیے رکھ لینے اور تھوڑا بہت مسلمانوں کو دینے پر بھی وہ اپنا احسان سمجھتے تھے چنانچہ علامہ بلاذری لکھتے ہیں۔

قَالَ مُعَاوِيَةُ الأَرْضُ للهِ وَأَنَا خَلِيفَةُ اللهِ فَمَا أَخَذْتُ فَلِي. وَمَا تَرَكْتُهُ لِلنَّاسِ فَبِالْفَضْلِ مِنِّي، فَقَالَ صَعْصَعَةُ بْنُ صُوحَانَ مَا أَنْتَ وَأَقْصَى الأُمَّةِ فِي ذَالِكَ إِلا سَوَاءٌ. وَلَكِنْ مَنْ مَلَكَ اسْتَأْثَرَ. فَغَضِبَ مُعَاوِيَةُ وَقَالَ لَهَمَمْتُ. قَالَ صَعْصَعَةُ مَا كُلُّ مَنْ هَمَّ فَعَلَ. قَالَ وَمَنْ يَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ ذَلِكَ؛ قال الذی یحول بین المرء وقلبه.

زمین اللہ کی ہے اور میں اللہ کا خلیفہ ہوں، سو جو میں نے لے لیا تو وہ میرا ہے اور جسے میں نے لوگوں کے لیے چھوڑ دیا تو وہ میرا احسان ہے اس پر سیدنا صعصعہ بن صوحان رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اور ایک اجنبی ترین امتی اس معاملہ میں برابر ہیں لیکن جو بادشاہ بنتا ہے تو اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے اس پر معاویہ نے غضبناک ہو کر کہا میں چاہتا ہوں، اس پر صعصعہ بولے: ہر شخص جو چاہتا ہے کر نہیں گذرتا معاویہ نے کہا: میرے اور اس چاہت کے درمیان کیا رکاوٹ ہے؟ انہوں نے کہا: وہی ذات رکاوٹ ہے جو انسان اور اس کے قلب کے مابین رکاوٹ ہے۔ بحوالہ انساب الاشراف للبلاذری 5: /27,28

جواب:

کہانی نویس صاحب نے جو کہانی لکھنی شروع کی ہے اس میں جو روایت انہیں کسی بھی قسم کی روایت اور کسی بھی کتاب سے ملے تو وہ فوراً لیک کر صحابہ کرام کے خلاف پیش کرتے ہیں کیونکہ عوام الناس کو ان کتابوں تک دسترس نہیں بلکہ اکثر علماء کرام کو بھی دیگر مشاغل کی وجہ سے اصل مصادر دیکھنے کا وقت تک

نہیں ملتا۔ جس کا فائدہ اٹھا کر نام نہاد لکھاری دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں، موصوف نے جو روایت پیش کی اس کی سند نہیں لکھی تا کہ حقیقت آشکارنہ ہو سکے موصوف کے الانساب الاشراف 5/ 27 کی پیش کردہ روایت کی سند امام بلاذری نے یوں ذکر کی ہے۔

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الْوَاقِدِيِّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ، قَالَ مُعَاوِيَةُ .....

موصوف کے پیش کردہ سند میں واقدی کے متروک ہونے پر تو کتاب میں تفصیل سے بحث آگئی ہے پیش کردہ روایت کی سند میں دوسرا راوی یزید بن عیاض بن جُعد بہ ہے اس راوی کو محدثین کرام نے متروک اور کذاب کہا ہے۔

۞ امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں :منکر الحدیث۔ (التاریخ الکبیر :8/ 3296)

۞ ا.مام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ منکر الحدیث۔ (الکنی : ص 27)

۞ امام ابن معین فرماتے ہیں۔من أکذب أھل المدینة. (سوالات البرذعی 2 :/ 411)

دوسرے قول میں لکھتے ہیں۔متروکٌ. (العلل 4 :/65)

۞ امام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔متروك (التاریخ 2 :/670 رقم 699)

۞ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں أکذب وأکذب (المعرفۃ والتاریخ 1 :/699)

۞ امام یعقوب بن سفیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَسَمَهُ مالك بالكذب. (المعرفۃ والتاریخ :3/54)

۞ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ضَعِيفٌ عند أهل الحديث. (جامع الترمذی رقم 645)

۞ امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں لین الحدیث۔ (کشف الأستار رقم 1404)

۞ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں متروك الحديث۔ (الضعفاء والمتروکون رقم 678)

۞ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ضعیفٌ متروكٌ. (السنن دارقطنی :3/ 90)

اپنے دوسرے قول میں فرماتے ہیں۔کان یکذب (تاریخ بغداد :14/ 331 رقم 695)

محدثین کرام کے اقوال سے ثابت ہوا کہ یزید بن عیاض متروک وکذاب راوی ہے مزید یہ کہ یزید بن عیاض کا سماع بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں اس لیے یہ روایت منقطع بھی ہے موصوف کا ایسی روایت کو پیش کر کے عوام الناس کو دھوکا دینا باطل ومردود ہے۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کافر، فاسق، ظالم، جائر، غاصب اور جابر تھے؟

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے صلح امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ لکھا تھا کہ

> اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ العیاذ باللہ کافر یا فاسق یا ظالم جائر تھے یا غاصب جابر تھے تو وہ الزام امام حسن رضی اللہ عنہ پر آتا ہے کہ انہوں نے کاروبار مسلمین وانتظام شرع دین باختیار خود ایسے شخص کو تفویض فرمادیا اور خیر خواہی اسلام کو معاذ اللہ کام نہ فرمایا۔ (فتاویٰ رضویہ 29 : /378)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی اس تحریر پر موصوف معترض لکھتے ہیں:

> امام حسن رضی اللہ عنہ بھی موصوف کی ان تمام خرابیوں سے آگاہ تھے مگر وہ مجبور تھے. انہوں نے باختیار خود ایسے شخص کو ملک تفویض نہیں فرمایا کہ ان پر یہ الزام آئے. (صلح امام حسن ص 285)

جواب:

معترض کا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر اعتراض کرنا ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا عظیم لشکر تھا کہ جو مخالفین کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس عظیم لشکر موجود تھی اور ان کو مجبور کہنا ان کی شان میں گستاخی ہے امام حسن رضی اللہ عنہ تو جنگ جمل سے ہی ان لڑائیوں کو پسند نہ کرتے تھے. اور جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو بیعت ہی دو شرائط پر لی. اول بیعت خلافت اور دوسری شرط یہ تھی کہ جس سے وہ لڑائی کریں ان کی بیعت کرنے والے ان سے لڑیں گے اور جن سے امام حسن رضی اللہ عنہ صلح کریں تو ان سے بیعت کرنے والے اس شخصیت سے صلح کریں گے اس بیعت کی تفصیل کتب احادیث میں موجود ہے اور اس کتاب میں درج بھی کیا گیا ہے اس لیے امام حسن رضی اللہ عنہ کو مجبور کہنا کسی طور پر صحیح نہیں ہے بلکہ مسئلہ کو گڈمڈ کرنے کی ایک کوشش ضرور ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امام البغاۃ اور فاسق کہنا

صلح امام حسن ص 285 پر موصوف لکھتے ہیں:

> ائمہ سے معاویہ بن ابی سفیان اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں یہ لفظ ثابت ہیں. سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لاَ تَقُولُوا كَفَرَ أَهْلُ الشَّامِ وَلَكِنْ قُولُوا فَسَقُوا أَوْ ظَلَمُوا

یہ نہ کہو کہ اہل شام نے کفر کیا لیکن یہ کہو کہ انہوں نے فسق یا ظلم کیا۔

بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ 21/407، حدیث 38997، 38998، السنن الکبریٰ 8/174، حدیث 16721

جواب:

موصوف کی پیش کردہ روایات کے متعدد جوابات ہیں۔

(1) حوالہ جات میں ابن ابی شیبہ اور السنن الکبری کی روایت میں عَبْدِ اللهِ بْنِ دَبَّاج مجہول راوی ہے۔

(2) ابن ابی شیبہ کی روایت میں عَنْ شَيْخٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ کی تصریح بھی موجود نہیں ہے۔

(3) بالفرض اس روایت کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو روایت میں لفظ فسق اور ظلم کو اس کے اصطلاحی معنوں میں بیان کرنا ہی علمی خیانت ہے اس روایت میں فسق اور ظلم کے الفاظ لغوی طور پر مستعمل ہیں نہ کہ اصطلاحی۔

لسان العرب 10 : /308 پر فسق کے معنی ہیں :وھو الخروج عن الطاعة والامر یعنی امام کی اطاعت اور حکم سے خروج کرنا یعنی امام کی اطاعت نہ کرنے پر لغوی طور پر فسق بولا جاتا ہے اور یہ لغوی فسق ایسا نہیں جس پر حکمی فاسق کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور ظلم کا لفظ امام سے خروج پر اطلاق کیا گیا ہے فاسق اور ظالم کا اطلاق لغوی طور پر امام کی اطاعت نہ ماننے والے پر کیا گیا ہے۔ اس سے عرفی یا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں اور یہ مفہوم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی دیگر روایات سے بھی ثابت ہے۔

(4) جب یہ معلوم ہوا کہ امام سے خروج پر ظالم اور فاسق کا اطلاق ہوا ہے تو اس نکتہ کے طرف بھی دھیان رہے کہ علماء کرام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر امام سے خروج کا اطلاق بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لڑائی تک ہی محدود رکھا ہے حتیٰ کہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلمان کا امام اور حکمران قرار دیا ہے اور ایسے لفظوں کا اطلاق صلح کے بعد نہیں کیا۔

علامہ جرجانی کی عبارت کا جواب

موصوف صلح امام حسن ص 286 پر لکھتے ہیں:

والذی علیه الجمهور من الأمة هو أن المخطیء قتلة عثمان ومحاربو علی لأنهما إمامان فیحرم القتال والمخالفة قطعا إلا ان بعضه كالقاضی أبی بكر ذهب

إلى أن هذه التخطئة لا تبلغ إلى حد التفسيق ومنهم من ذهب إلى التفسيق كالشيعة و كثير من أصحابنا ۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے خطار کار تھے، کیونکہ وہ دونوں امام برحق تھے، پس ان کا قتل اور ان کی مخالفت قطعاً حرام ہے مگر بعض اہل جیسے کہ قاضی ابو بکر مالکی اس طرف گئے ہیں کہ یہ خطاء حد فسق کو نہیں پہنچتی اور بعض کا مذہب یہ ہے کہ یہ خطاء فسق کو پہنچتی ہے جیسا کہ تمام شیعہ اور ہمارے کثیر اہل سنت۔

بحوالہ شرح المواقف 8/406

جواب:

اس حوالہ پر زیادہ تبصرہ کرنے سے بہتر ہے کہ ایک علمی نکتہ کی طرف دھیان مبذول کیا جائے کہ وہ کون سے کثیر علماء اہل سنت علامہ جرجانی سے قبل کے ہیں جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فاسق قرار دیا ہے اگر معترض موصوف اس کی طرف کچھ نشاندہی اور حوالہ جات پیش کریں تو معاملہ عوام الناس کے سامنے واضح ہو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ علماء اہل سنت کے محققین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فاسق کا فتویٰ لگانے سے منع کیا ہے اس لیے بلا دلیل دعویٰ مقبول نہیں ہوتا۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی عبارات کا جائزہ

موصوف معترض صلح امام حسن ص 287 پر لکھتے ہیں:

اور علو درجہ ایمان حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا اور بہشتی ہونا ان کا اور لائق خلافت پیغمبر کے ہونا از روئے احادیث بلکہ آیات قطعیہ متواترہ سے ثابت ہے پس منکر ان امور کا کافر ہوگا، اور لڑنا ان سے از راہ شامت نفس یا محبت مرتبہ اور جاہ کے یا از راہ تاویل باطل اور شبہ فاسدہ کے، فسق عملی یا فسق اعتقادی ہے یعنی بد عملی اور بد اعتقادی ہے نہ کہ کفر۔ بحوالہ تحفہ اثناء عشریہ ص 814

جواب:

موصوف نے جو یک طرفہ کاروائی کر کے عوام الناس کو جو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے وہ ایک مردود عمل ہے اس عبارت سے قبل جو شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے فسق اعتقادی کے بارے میں لکھا اس کو بیان نہیں کیا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> اول آنکہ انکار معنی نص و مدلول آں بنا بر تاویل فاسد کفر نیست بلکہ نوعی است از فسق اعتقادی کہ آنرا در عرف اہل سنت خطاء اجتہادی نامند۔

کہ فسق اعتقادی کا جو اس مقام پر ذکر ہے اس کو عرف اہل سنت میں خطاء اجتہادی کہا جاتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے جنہوں نے لڑائی کی ان کے بارے میں جو فسق اعتقادی اور فسق عملی کا اطلاق کیا گیا ہے اس کا معنی خطائے اجتہادی ہے اور خطاء اجتہادی کرنے والے پر فاسق کا اطلاق عرف اہل سنت میں نہیں ہوتا۔

موصوف معترض کو مشورہ ہے کہ ایسی عبارات کو پیش کر کے عوام الناس کو گمراہ نہ کیا کریں اور تحقیق کے نام پر یک طرفہ کاروئی پر نظر ثانی ضرور فرمائیں۔

امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ سے امام البغاۃ اور ظلم کا انتساب

معترض موصوف صلح امام حسن ص 287 پر امام محمد بن الحسن الشیبانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

> سَمِعت عمی سمعنَا أَبَا سُلَيْمَان الْجوزجَانی سَمِعت مُحَمَّد بن الْحسن يَقُول لَو لم يُقَاتل مُعَاوِيَة عليا ظَالِما لَهُ مُتَعَدِّيا بَاغِيا كُنَّا لَا نهتدی لِقِتَال أهل الْبَغْی.

میں نے اپنے چچا علی بن موسیٰ قمی سے سنا، انہوں نے فرمایا ہم نے ابوسلیمان جوزجانی سے سنا، انہوں نے کہا کہ ہم نے امام بن حسن الشیبانی کو یہ فرماتے سنا کہ اگر معاویہ ظلم کرتے ہوئے، حد سے بڑھتے ہوئے اور بغاوت کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ نہ کرتا تو ہم اہل بغاوت کے ساتھ جنگ کی ہدایت نہ پاتے۔ بحوالہ الجواہر المضیہ للقرشی الحنفی 3/70

جواب:

مذکورہ حوالہ میں علامہ عبدالقادر القرشی رحمہ اللہ سے "مُحَمَّد بن أَحْمد بن مُوسَى بن البرزالی" تک سند مجہول اور نامعلوم ہے موصوف لکھاری کو چاہیے کہ اس قول کی مکمل سند پیش کرکے راویوں کی توثیق کرے ایسی مجہول اور منقطع سند سے استدلال کرنا علمی میدان میں باطل اور مردود ہے اس لیے ایسے حوالہ جات سے اپنے حواریوں کو ہی خوش کریں، مگر ایسے حوالہ جات سے علماء کو دھوکا دینے کی کوشش مردود ہے۔

عبدالقاہر بغدادی کے حوالہ سے باغی اور ظالم کا انتساب؟

موصوف اپنی کتاب صلح امام حسن ص 288 پر لکھتے ہیں:

وقالوا أيضا بأن الذين قاتلوه بغاة ظالمون له ولكن لا يجوز تكفيرهم ببغيهم
نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جنہوں نے ان کے ساتھ جنگ کی وہ باغی ظالم تھے لیکن ان کی بغاوت کی وجہ سے ان کی تکفیر جائز نہیں۔

بحوالہ التذکرہ للقرطبی 2 / 626، الفرق بین الفرق للاسفرائینی ص 272. فیض القدیر 12 / 3636.

جواب:

موصوف نے جو عبارت نقل کی وہ دراصل عبدالقاہر بغدادی کی کتاب الامامہ سے عبارت نقل کی ہے جس کو نامکمل طور پر نقل در نقل کتابوں میں درج کیا گیا ہے موصوف کو چاہیے کہ وہ کتاب سے مکمل عبارت نقل کرے تاکہ حقیقت واضح اور آشکار ہو سکے مزید یہ کہ محققین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فسق کے اطلاق کی ممانعت کی ہے چہ جائیکہ ان پر ظالم کے لفظ کا استعمال۔ لفظ ظالم پر تحقیق پیش کر دی گئی تھی کہ اس سے مراد اصطلاحی نہیں بلکہ لغوی ہے جو کہ امام کی اطاعت سے خروج پر استعمال ہوتا ہے لفظ ظالم سے وہ عرفی معنی نہیں جو کہ عوام الناس کے ذہن میں متشدد، اور ناانصاف شخصیت پر بولا جاتا ہے اس لیے لفظ باغی اور ظالم کے لفظ چند حوالہ جات سے دکھا کر عوام الناس کو دھوکا دینا باطل و مردود ہے موصوف نے مناقب ابی حنیفہ للموفق المکی: 2/ 84، مناقب ابی حنیفہ للکردی 2 : / 72 سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں عدل کے لفظ ثابت کیے اور لکھا کہ عدل کی ضد ظلم ہے مگر اسی مقام پر بھی وہی دھوکا دیا کہ ظلم کو عرفی معنوں میں بیان کرنے کی ناکام کوشش کی جب کہ یہ واضح ہے کہ ظلم لفظ کا استعمال لغوی طور پر کیا گیا ہے نہ عرفی اصلاحی طور پر کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام برحق کی اطاعت اپنے اجتہاد و فہم سے ایک خاص شرط کے پورا ہونے تک موخر رکھی اس لیے صرف اس پر باغی یا ظلم جیسے لفظ کا لغوی طور پر استعمال ہوا۔

قارئین کرام کے سامنے اس نکتہ کی وضاحت بھی اہم ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے باغی جیسے لغوی الفاظ کا استعمال بھی صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لڑائیوں تک رکھا اور بعد صلح امام حسن اس لفظ کا اطلاق کو مناسب نہ سمجھا جمہور متکلمین و محققین نے حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر کسی طرح کے اعتراض کرنے سے منع کرنے کا لکھا ہے۔ جس کے حوالہ جات بہت سارے موجود ہیں اس لیے شاذ اقوال سے نہ تو موقف ثابت ہوتا ہے اور نہ مسلک۔

کیا امام حسن رضی اللہ عنہ نے کہا خوارج سے جنگ سے بہتر معاویہ سے لڑنا؟

نام نہاد لکھاری صلح امام حسن ص 291 پر لکھتا ہے:

ثم خرج الحسن يريد المدينة. فوجه إليه معاوية وقد تجاوز فى طريقه يسأله أن يكون المتولى لمحاربتهم. فقال الحسن: والله لقد كففت عنك لحقن دماء المسلمين، ولا أحسب ذلك يسعني، أفأقاتل عنك قوماً أنت والله أولى بالقتال منهم.

پھر امام حسن عازم مدینہ ہوئے تو معاویہ ان کے پیچھے گئے اور امام پاک کافی راستہ طے کر چکے تھے انہوں نے امام پاک سے درخواست کی کہ وہ خوارج کے خلاف جنگ کے سپہ سالار بنیں تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خدا کی قسم میں نے تجھ سے بھی فقط مسلمانوں کے خون کی وجہ سے ہاتھ روکا ہے۔ میں اس کام کو مناسب نہیں سمجھتا، کیا میں تیری خاطر ایک قوم سے قتال کروں؟ اللہ کی قسم، ان کی بہ نسبت تجھ سے جنگ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

بحوالہ الکامل فی اللغۃ والادب ص 577، العقد الفرید 1 / 181

معترض موصوف مزید لکھتے ہیں۔

اسی بات کو ابن اثیر جزری نے۔۔۔۔ معاویہ کے خلاف لشکر کشی کی تو معاویہ نے امام حسن مجتبیٰ کو درخواست کی وہ خوارج کے خلاف جنگ کے لیے نکلیں وہ لکھتے ہیں۔

فَكَتَبَ إِلَيْهِ مُعَاوِيَةُ يَدْعُوهُ إِلَى قِتَالِ فَرْوَةَ. فَلَحِقَهُ رَسُولُهُ بِالْقَادِسِيَّةِ أَوْ قَرِيبًا مِنْهَا. فَلَمْ يَرْجِعْ وَ كَتَبَ إِلَى مُعَاوِيَةَ: لَوْ آثَرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ لَبَدَأْتُ بِقِتَالِكَ. فَإِنِّي تَرَكْتُكَ لِصَلَاحِ الْأُمَّةِ وَحَقْنِ دِمَائِهَا.

پس معاویہ نے امام پاک رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا، انہیں فروہ کی طرف جنگ کے لیے بلایا تو اس کے قاصد نے امام پاک کو قادسیہ یا اس کے قریب جا کر پالیا تو امام پاک واپس تشریف نہ لائے اور معاویہ کی طرف لکھ بھیجا اگر میں ترجیح دیتا کہ اہل قبلہ میں سے کسی کے خلاف جنگ کروں تو میں جنگ کا آغاز تجھ سے کرتا، میں نے تجھے امت کی بھلائی اور ان کے خون کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ بحوالہ الکامل فی التاریخ 3 / 9

اب بھی اگر کسی شخص کو حالات کی سنگینی اور امام پاک کی مجبوری سمجھ نہ آئی ہو تو پھر خدا حافظ ہے، مذہبی تعصب

میں مبتلا شخص کو یہ حقیقت سمجھ آئے یا نہ آئے، لیکن محلہ کا عام آدمی بھی سمجھتا ہے کہ صلح اور سمجھوتہ دفع مصیبت کے لیے ہوتا ہے جبکہ اہلیت کا تعلق انتخاب اور حصول مفاد سے ہوتا ہے۔

جواب:

تحقیقی میدان میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ پیش کردہ روایات کی استنادی حیثیت مستند ہو، مگر عصر حاضر کے محققین نے تحقیق کے نام پر جو دھوکا عوام الناس کو دینا شروع کیا ہے، اس پر ان لوگوں کو شرمسار ضرور ہونا چاہیے خاص کر فیضی صاحب کو اپنی کتاب الاحادیث الموضوعہ کے ابتدائی صفحات کا مطالعہ کر کے سوچنا چاہیے کہ کل اللہ رب العزت کی بارگاہ میں بھی پیش ہونا ہے۔

۞ موصوف نے جو روایات بحوالہ الکامل فی اللغۃ والادب ص 577 اور الکامل فی التاریخ 3/9 سے نقل کیں ہیں، اس کی اسنادی حیثیت یہ ہے کہ ان دونوں حوالہ جات کی کوئی سند ہی موجود نہیں ہے۔ واہی اور متروک اسانید تو موصوف پیش کرنے کے ماہر ہیں مگر کتاب میں ان کو کوئی موقع ملے تو بغیر سند کے بھی اقوال ایسے نقل کرتے ہیں جیسے کہ کوئی مسلمہ بات پیش کرنے جا رہے ہوں موصوف اپنی سابقہ تصانیف کی طرح اس کتاب صلح امام حسن رضی اللہ عنہ میں بھی جھوٹی اور بغیر سند کی روایات کو پیش کرنے کی کوشش میں سرگرم رہے ہیں۔

۞ موصوف کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ صلح تو مسلمانوں کی خون کی حفاظت کی خاطر کی گئی مگر وہ کیا یہ نہیں جانتے کہ صلح کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ نے بیعت کس وجہ سے کی تھی؟ ساری کتاب میں صلح پر موصوف نے بیان بازی کی مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت حکومت پر ان کو سکوت طاری ہو جاتا ہے۔

۞ معترض نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں مجبوری کے الفاظ لکھ کر بھی عوام الناس کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس جو فوج اور سپاہی اور حالات تھے ان کا حالات پر مکمل کنٹرول تھا، اور ان کی فوج بڑی سے بڑی فوج کا مقابلہ کر سکتی تھی اور حالات بھی اس کے لیے سازگار تھے مگر کیونکہ شروع ہی سے امام حسن رضی اللہ عنہ اس آپس کی لڑائی کے مخالف تھے اس لیے صلح کو ترجیح دی، ایک اور نکتہ قابل غور یہ ہے کہ مجبوری میں صلح اس وقت ہوتی ہے جب کسی کا اپنا دل نہ ہو اور دیگر حالات کی نزاکت کی وجہ سے وہ وقتی طور پر مخالف سے صلح کرے مگر امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح میں ان کی اپنی مرضی بھی شامل تھی اور حالات بھی ان کے اپنے کنٹرول میں تھے اور اس کے بارے میں وہ بشارت بھی تھی جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔

❁ موصوف نے صلح کے پس منظر کو بیان کر کے محلہ کے ایک آدمی کے فہم کو حجت بنایا کہ وہ بھی صلح کے بارے میں جانتا ہے مگر موصوف شاید یہ بھول گئے کہ عام بندہ یہ بھی سوچتا ہے کہ صلح میں ہمیشہ دفع مصیبت کار فرما نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی رضا کے لیے بھی صلح وصفائی کی جاتی ہے اور محلہ کا عام شخص یہ آپ سے ضرور پوچھے گا کہ اگر صلح کسی مجبوری کے تحت کی گئی تھی مگر بیعت کیوں کی تھی؟

❁ امام حسن رضی اللہ عنہ نے صلح اگر مجبوری اور خون مسلمان کی حرمت کے لیے کی تھی تو ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے تحکیم والی صلح کرنی چاہیے تھی، اس تحکیم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم عراق اور اس کے ساتھ کے علاقوں کے خلیفہ مقرر ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام اور اس کے ساتھ کے علاقوں کے حاکم مقرر ہوئے اور اس واقعہ تحکیم کو تو خود معترض موصوف تسلیم کرتے ہیں اگر امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ہی طرح اس واقعہ تحکیم پر کارفرما ہوتے تو مسلمانوں کی خون کی حرمت قائم رہتی۔

❁ امام حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں کاروبار مسلمین و انتظام شرع دین کی اہلیت تھی، اس لیے ان سے بیعت کی اگر یہ شرائط نہ ہوتیں تو کبھی بھی ان سے بیعت نہ کرتے۔

❁ ایک عام آدمی یہ بھی ضرور سوچے گا کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں حکومت کرنے کی صلاحیت اور اہلیت نہ ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ ان کو دمشق کا حکمران نہ بناتے، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان کو برقرار نہ رکھتے اور آنے والے وقت نے یہ ثابت کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ واقعی زیرک حکمران تھے تبھی تو 22 لاکھ مربع میل کے رقبے کی اسلامی سلطنت کو 64 لاکھ 65 ہزار مربع میل تک پہنچایا موصوف نے جو عنوان طلقاء منصب کے اہل نہیں تھے کے تحت جتنے اقوال پیش کیے ہیں اس کی استنادی حیثیت کو کتاب میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ان روایات سے استدلال باطل وغلط ہے پاک وہند کے سنی علماء نے وہ ہی بیان کیا جو اکابرین سے صحیح سند سے منقول تھا اب کوئی پاک وہند علماء کی صحیح سند سے ثابت شدہ اقوال کو تسلیم کرے؟ یا پھر کسی عصر حاضر کے قاری یا مفتی کی پیش کردہ بغیر سند اور واہی روایات کو؟

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ موصوف قاری صاحب کے تمام استدلال باطل اور مردود ہیں۔

کیا بعض علماء ہند کی معلومات محدود تھیں؟

کہانی نویس صاحب سے جب کوئی بات بن نہیں پاتی تو بعض علماء ہند پر اپنا غصہ اتارنے کی کوشش کرتے ہیں، موصوف نے کتاب میں جگہ جگہ بعض متاخرین ہند کے الفاظ لکھ لکھ کر اپنی علمی شکست کو تسلیم کیا ہے چنانچہ اپنی کتاب صلح امام حسن ص 293 پر لکھتے ہیں، ابن صخر کے بارے میں بعض علماء ہند کی معلومات محدود تھیں اور وہ اس مسئلہ پر متقدمین فقہاء اور متکلمین کرام کے اقوال سے خاطر خواہ آگاہ نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم سے ایسے سخت ترین اقوال صادر ہوئے جن کی زد سے اسلاف کرام بھی محفوظ نہیں رہ سکے مثلاً وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> فراق مراتب بے شمار اور حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کار فجار فتاوٰی رضویہ 10 : / 201 طعن سے اعلیٰ حضرت کی کیا مراد ہے؟ یقیناً جن صفات ذمیمہ سے موصوف ابن صخر کو پاک سمجھتے تھے، اُن صفات سے انہیں متصف سمجھنا ہی ان کے نزدیک طعن ہوگا اور چند سطور قبل لکھا جا چکا ہے کہ وہ معاویہ بن ابی سفیان کو فسق، ظلم، اور جور وغیرہ کی نسبت کی ہے وہ تو فاجر قرار پائیں گے، لامحالہ اس فتوٰی کی زد سے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، امام اعظم ابوحنیفہ، امام محمد بن حسن الشیبانی اور امام ابو یوسف بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔

جواب:

موصوف جو الزام متاخرین ہند پر لگا رہے ہیں پہلے خود یہ تو بتائیں کہ باغی، ظالم اور جائر کہنا ان کے نزدیک طعن ہے یا نہیں؟ پہلے اپنی بات کو واضح کریں پھر دوسروں کی رائے جاننے کی کوشش کریں۔

جن اکابرین کے حوالہ جات موصوف نے دیے پہلے اس کو ثابت تو کریں، بغیر اسانید اور واہی روایات سے اپنا موقف و مدعا ثابت کرنے چلے ہیں ایسی کمزور روایت کے بل بوتے وہ اکابرین اہل سنت پر بار بار طعن کرنے میں مصروف ہیں جناب پہلے اپنی پیش کردہ روایات کی اسانید تو اصول حدیث و اسماء الرجال سے ثابت کریں پھر اکابرین پر الزام لگانے کا شوق بھی پورا کر لیجیے گا۔

❁ جناب عوام الناس کو جس ڈگر پر لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں کہیں خود اس میں نہ پھنس جائیے گا احادیث و روایات میں صحابہ کرام نے ایک دوسرے کے بارے میں بہت سارے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں مگر صحابہ کرام کے ایک دوسرے کے بارے میں بولے گئے ایسے الفاظ کا غیر صحابہ کے

لیے مشروع نہیں، اگر کوئی روایات سے صحابہ کرام کے کسی عمل کو دوسرے صحابی سے بدعت کا لفظ نکال کر اس صحابی کو بدعتی کہے تو کیا ایسا کرنا آپ کسی غیر صحابی کے لیے جائز سمجھتے ہیں؟

❁ موصوف نے صلح امام حسن ص 295 پر متعدد فقہاء احناف کے نام درج کیے ہیں جن کو لکھنے کا مقصد ان فقہاء کرام سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ضلالت، بدعت، بغاوت، ظلم، فسق، جور، خطا اور فساد جیسے طعن کو ثابت کرنا تھا ان اقوال کے تفصیلی جواب تو باغی گروہ کی حقیقت، کتاب میں ملاحظہ کیجیے گا مگر اس مقام پر اس بات کی تصریح ضروری ہے کہ موصوف کے لکھے ہوئے ناموں کی فہرست میں 80 فیصد اقوال تو صرف نقل در نقل صاحب ہدایہ کا قول ہی ہے اگر صاحب ہدایہ کے قول پر اکابرین کی تصریحات پیش نہ کیں جائیں اور ایک الزامی عبارت موصوف کو پیش کر دی جائے تو پھر قارئین کرام دیکھیے گا کہ موصوف کس طرح سے صاحب ہدایہ کی تسامح چن چن کر پیش کرتے ہیں، کیونکہ موصوف نے صرف عوام الناس کو دھوکا دینا ہے اس لیے ایسے الفاظ جو کہ لغوی طور پر استعمال ہوئے ان کو عوام الناس کے سامنے اصطلاحی بنا کر پیش کیا گیا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتاب سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک فسق اعتقادی سے مراد خطاء اجتہادی ہے، اور ملا علی قاری نے سب صحابہ کی تعظیم کرنے کا لکھا جو موصوف نے بیان نہیں کیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر زبردستی خلافت پر قابض ہونے کا الزام

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أخبرني محمد بن أبي هارون ومحمد بن أبي جعفر أن أبا الحارث حدثهم قال وجهنا رقعة إلى أبي عبدالله ما تقول رحمك الله فيمن قال لا أقول إن معاوية كاتب الوحي ولا أقول أنه خال المؤمنين فإنه أخذها بالسيف غصبا قال أبو عبدالله هذا قول سوء ردىء يجانبون هؤلاء القوم ولا يجالسون ونبين أمرهم للناس.

ترجمہ: جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ کاتب وحی اور مومنوں کے ماموں نہیں تھے اور سیدنا معاویہ نے تلوار کے زور پر خلافت غصب کی، ان کی یہ بری بات پھینک دینے کے قابل ہے، ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی نہیں چاہیے۔ (السنۃ للخلال 2 : / 434، رقم 659)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے فتویٰ سے یہ واضح ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر خلافت کو زبردستی چھینے کا الزام غلط اور باطل ہے۔

متکلمین اہل سنت اور لفظ باغی کا اطلاق

لفظ باغی کے اطلاق پر متکلمین اہل سنت کے دو موقف ہیں۔

اول: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر باغی کا اطلاق کرنا جائز نہیں۔

دوم: باغی کا اطلاق کیا مگر فاسق کہنے سے منع فرمایا۔

نوٹ:

باغی کا اطلاق بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لڑائی سے لے کر صلح امام حسن رضی اللہ عنہ تک ہے صلح امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد تو ان متکلمین نے بھی اس کا اطلاق ممنوع لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے امام نسفی ماتریدی کی کتاب تبصرۃ الادلۃ 2 / 1173 کا مطالعہ کریں۔

باغی کا اطلاق کس معنی میں؟

جن علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لفظ باغی کا اطلاق کیا وہ فقہی اصطلاحی کے طور پر استعمال کیا کیونکہ فقہاء کرام کے نزدیک امام برحق کے خلاف خروج کو بغاوت کہا جاتا ہے، فقہاء کرام کا کسی کو باغی کہنا اس کو فاسق سمجھنے کو مستلزم نہیں، فقہاء کرام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو لفظ باغی استعمال کیا اس سے مراد امام برحق سے خروج پر کیا، جس سے مذمت یا طعن ثابت نہیں ہوتی۔

❁ اور موصوف کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ بعض متاخرین ہند کا فقہ میں وسیع مطالعہ کے معترف تو ان کے مخالفین بھی ہیں، فقہاء کی عبارات پر دسترس کا انکار تو ان کے بڑے سے بڑا مخالف نہ کرسکا تو پھر موصوف کی کیا حیثیت؟

امام ابن الہمام رحمہ اللہ کی تصریح

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلطان جائر ہونے کی تشریح میں امام ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

> **هذا تصريح بجور معاويه، والمراد في خروجه لا في اقضيته**
> یعنی: یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جور (خطاء) کی تشریح ہے، اور اس سے مراد ان کا (علی رضی اللہ عنہ سے) خروج ہے نہ کے ان کے فیصلے۔

قول ہے یہ ثابت ہوا کہ لفظ جور سے مراد خروج اور خطاء اجتہادی ہے نہ کہ ظالم اور باطل اور ناحق ہونا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ کی تصریح

علامہ عینی رحمہ اللہ ہدایہ کی عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

هوعند أهل السنة رَحِمَهُمُ اللهُ، معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كان باغيا فى نوبة على رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وبعده إلى زمان ترك أمير المؤمنين حسن رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الخلافة إليه فانعقد الإجماع على خلافة معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بعده

ترجمہ۔ اہل سنت کے نزدیک معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں باغی تھے اور اس دور تک جب تک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت ان کے حوالے کر دی تھی، اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہوگیا تھا۔ (ہدایہ کی شرح البنایہ 8 : /15)

فقہاء احناف کی ان واضح عبارات کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطاء پر ہونا اور باغی ہونا بھی صرف سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دور تک تھا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی تصریح

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اپنی مکتوبات میں لکھتے ہیں:

جو بعض فقہاء نے اپنی عبارات میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں لفظ "جور" استعمال کیا ہے اور کہا ہے کان معاویه اماما جائر (معاویہ جور کرنے والے امام تھے) تو اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے حق دار نہیں تھے، نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق وضلالت ہے (یہ توجیہ اس لئے ہے) تا کہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو جائے اس کے باوجود استقامت والے حضرات ایسے الفاظ سے اجتناب کرتے ہیں جن سے مقصود کے خلاف وہم پیدا ہوتا ہو اور "خطاء" سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جور کرنے والے کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ صحیح طور پر تحقیق ہو چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ دوم ص 188، 189)

علامہ عبداللطیف سندھی رحمہ اللہ کی تصریح

علامہ عبداللطیف سندھی رحمہ اللہ نے معین ٹھٹھوی کے جواب میں بھی یہ لکھا کہ

> ان پر بغاوت اور جور کے لفظ کا اطلاق جو بعض الائمہ کرام کے کلام میں آیا ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے سیدنا آدم علیہ السلام کے فعل پر عصیان اور غوی کا اطلاق قرآن مجید میں آیا ہے۔
>
> (ذب ذبابات الدراسات ص 261)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ بعض عبارت میں جو لفظ جور یا ظلم استعمال ہوا ہے اس سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے جو کہ درست نہیں تھی، اس لفظ جور یا ظلم سے مراد فسق وگمراہی ہرگز نہیں ہے۔

لفظ باغی کا اطلاق اس دور میں جائز نہیں

کیونکہ فقہاء کرام نے اپنے زمانے کے لحاظ سے لفظ باغی کا اطلاق کیا وہ بھی بایں معنی کہ خلافت سے خروج مگر کیونکہ عرف عام میں اب لفظ باغی کا اطلاق سرکش اور فاسق کے مترادف کے طور پر ہوتا ہے، اور عوام الناس کے ذہنوں میں اس کا برا مطلب ہی آتا ہے، اس لیے فی زمانہ اس کا اطلاق کسی صحابی پر جائز نہیں مزید تفصیل کے لیے شائع ہونے والی کتب میں ملاحظہ کیجیے گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بہتر عبداللہ بن مبارک کے قول پر اعتراض

کہانی نویس لکھاری نے صلح امام حسن ص 298 حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مشہور قول کے بارے میں اعتراض کرنے کی ناکام کوشش کی اور لکھا۔

> حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر پر سوار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شریک جہاد ہوئے اس گھوڑے کی ٹاپ سے اڑ کر جو غبار گھوڑے کی نتھنوں میں داخل ہوا ہے وہ بدرجہا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بہتر ہے۔
>
> (فضائل حضرت معاویہ للقاضی غلام محمود ہزاروی ص 62)

امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو کسی معین شخص کا یہ ثواب اور درجہ کیسے معلوم ہوگیا؟ نام لے کر دو شخصوں

میں تقابل کرنا اور ان میں وثوق کے ساتھ اس قدر تفاوت بیان کرنا تو نبی کا مقام ہے، کسی امتی کو کیا خبر کہ معلوم شخصوں کے درجات میں کتنا فرق ہے؟ ہاں اگر وہ نام زد کیے بغیر مطلقاً کسی صحابی اور غیر صحابی کے مابین ایسا فرق بیان کرتے تو قابل فہم ہوتا۔

جواب:

معترض نے صرف اعتراض برائے اعتراض کیا ہے، اگر وہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ سے پوچھے سوال کو ہی پڑھ لیتے تو ان کو حقیقت واضح ہو جاتی۔

(1) امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ شَهْرَيَارَ الْبَلْخِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْوَهَّابِ الْوَرَّاقُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا بِمَرْوَ قَالَ لِابْنِ الْمُبَارَكِ مُعَاوِيَةُ خَيْرٌ أَوْ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ؟ قَالَ فَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ تُرَابٌ دَخَلَ فِي أَنْفِ مُعَاوِيَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرٌ أَوْ أَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ۔

مفہوم: حضرت عبداللہ بن مبارک سے ایک شخص نے پوچھا کہ معاویہ بہتر ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز؟ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شریک جہاد ہوئے اس گھوڑے کی ٹاپ سے اُڑ کر جو غبار گھوڑے کی نتھنوں میں داخل ہوا ہے وہ بدرجہا حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بہتر ہے۔

(الشریعة للآجری 5 : / 2466، رقم 1955)

❁ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھنے والے نے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے درمیان تقابل پر سوال پوچھا جب سوال ہی تقابل پر مبنی ہوگا تو جواب بھی اسی تقابل کے تحت ہوگا نہ کہ کسی ایرے غیرے کے ذہن کے مطابق، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ساتھ علت بھی واضح کر دی کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت" جس سے عام سے عام شخص کو بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ افضل اور بہتر کی علت صحابیت ہے۔

(2) محدث ابن عساکر رحمہ اللہ ایک روایت نقل کرتے ہیں:

أخبرنا أبو بكر اللفتواني أنا أحمد بن عبد الغفار بن أشتة بقراءتي عليه أنا محمد

بن محمد بن سليمان أنا عبد الله بن محمد بن جعفر نا أحمد بن محمد البزاز نا إبراهيم بن عيسى نا أحمد الدوري نا محمد بن يحيى بن سعيد قال سئل ابن المبارك عن معاوية فقيل له ما تقول فيه قال ما أقول فی رجل قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) سمع الله لمن حمده فقال معاوية من خلفه ربنا ولك الحمد فقيل له ما تقول فی معاوية هو عندك أفضل أم عمر بن عبد العزيز فقال لتراب فی منخری معاوية مع رسول الله (صلى الله عليه وسلم) خير أو أفضل من عمر بن عبد العزيز. (تاریخ دمشق 59 : /207)

ترجمہ: امام محمد بن یحیی بن سعید القطان نے ابن المبارک سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ تو ابن مبارک نے کہا میں کیا کہوں ایسے شخص کے بارے میں جب کہ رسول اللہ ﷺ نے سمع اللہ لمن حمدہ، فرمایا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ربنا لک الحمد، کہا، اس کے بعد اور بڑا افضل وشرف کیا ہوگا اور کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لگی دھول بھی حضرت عمر بن عبد العزیز سے خیر یا افضل ہے۔

مذکورہ روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور خیریت کی علت نبی کریم ﷺ کے ساتھ اور صحابی کو قرار دیا، شاید موصوف کے فہم میں ایک صحابی اور غیر صحابی کے مابین فرق آچکا ہو لیکن جب بغض صحابہ دماغ میں بیٹھ چکا ہو تو یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

(3) محدث ابن عساکر رحمہ اللہ محدث الفضل بن عنبسہ رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں

أخبرنا أبو بكر بن كرتيلا أنا أبو بكر محمد بن علی أنا أبو الحسين أحمد بن عبد الله أنا أحمد بن علی بن محمد الكاتب حدثنی أبی حدثنی محمد بن مروان حدثنی أبی نا عيسى بن خليفة الحذاء قال كان الفضل بن عنبسة جالسا عندی فی الحانوت فسئل معاوية أفضل أم عمر بن عبد العزيز فعجب من ذلك وقال سبحان الله أأجعل من رأى رسول الله (صلى الله عليه وسلم) كمن لم يره قالها ثلاثا.

(تاریخ دمشق 59/208)

ترجمہ: الفضل بن عنبسۃ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیز؟ تو حضرت الفضل بن عنبسہ اس پر بہت تعجب کیا، اور کہا سبحان اللہ، کیا ایک مقام ہے

جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور جس نے نہیں دیکھا، اور انہوں نے یہ بات تین مرتبہ کہی۔

(4) محدث ابن عبد البر رحمہ اللہ اپنی کتاب میں جلیل القدر امام حماد بن اسامہ رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ سَمِعْتُهُ وَقِيلَ لَهُ: أَيُّمَا أَفْضَلُ مُعَاوِيَةُ أَوْ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ؟ فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقَاسُ بِهِمْ أَحَدٌ.

ترجمہ: حضرت ابو اسامہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز میں سے کون افضل ہے؟ تو حضرت ابو اسامہ نے فرمایا: اصحاب رسول ﷺ پر کسی بھی شخص کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ 2: / 227، الشریعۃ 5 / 2465 رقم 1954)

(5) امام الآجری رحمہ اللہ اسی طرح کا ایک قول محدث اور امام معافی بن عمران کا قول نقل کرتے ہیں:

وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ شَهْرَيَارَ قَالَ حَدَّثَنَا فَضْلُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَبَاحُ بْنُ الْجَرَّاحِ الْمَوْصِلِيُّ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا ،يَسْأَلُ الْمُعَافَى بْنَ عِمْرَانَ فَقَالَ يَا أَبَا مَسْعُودٍ ،أَيْنَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ مِنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ؟ فَرَأَيْتُهُ غَضِبَ غَضَبًا شَدِيدًا وَقَالَ: لَا يُقَاسُ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ.

ترجمہ: حضرت رباح بن الجراح الموصلی نے کہا کہ میں نے سنا کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبد العزیز اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا، تو میں نے دیکھا کہ حضرت معافی بن عمران سخت غضبناک ہوئے اور کہا کہ صحابہ پر کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا (یعنی کہ کسی کو برابر نہیں کہا جاسکتا)۔ (الشریعہ 5 : / 2466 رقم 1956)

ان تمام اقوال سے یہ ثابت ہوا کہ محدثین وعلماء کسی بھی صحابی کے ساتھ غیر صحابی کو برابر کہنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے ان اقوال کے بارے میں موصوف شاید یہ تاویل کریں کہ ان علماء کو شریعت کا کیا معلوم؟ انہوں نے اپنی طرف سے ہی یہ قول کیا ہوگا موصوف کے اس بہانہ کے بطلان کی وضاحت کے لیے اس امت کے جلیل القدر مجتہد کا قول پیش کرتے ہیں، تاکہ موصوف آئندہ پھر یہ بہانہ نہ بنا سکیں؟

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک افضل کون؟

(۶) محدث ابن خلال رحمہ اللہ روایت نقل کرتے ہیں:

وَأَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ الْمَرُّوذِيُّ، قَالَ قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ مُعَاوِيَةُ أَوْ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ؟ فَقَالَ: مُعَاوِيَةُ أَفْضَلُ، لَسْنَا نَقِيسُ بِأَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدًا (السنۃ الخلال 2: /434، رقم 660)

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ؟ تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں، ہم اصحاب رسول ﷺ کے برابر کسی کو بھی نہیں سمجھتے۔

(7) محدث ابو بکر الخلال رحمہ اللہ ایک دوسرا قول نقل کرتے ہیں۔

أَخْبَرَنِي عِصْمَةُ بْنُ عَاصِمٍ، قَالَ: ثَنَا حَنْبَلٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ وَسُئِلَ مَنْ أَفْضَلُ مُعَاوِيَةُ أَوْ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ؟ قَالَ مَنْ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (السنۃ الخلال 2: /434، رقم 661)

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ؟ تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا، جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا (وہ افضل ہے)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اقوال سے موصوف کو اب شاید کچھ تفاوت سمجھ آ گئی ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو غیر عادل کہنے کی جسارت

کہانی نویس نے صلح امام حسن ص 298،299 پر لکھتے ہیں:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عادل ہونے پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے اور معاویہ بن ابی سفیان کو صحابہ، تابعین وفقہاء اور علماء کلام نے امام ضلالۃ، غیر عادل، ظالم، جائر، قاتل اور فاسق کہا۔۔۔۔ سو آپ ہی بتائیے کہ عادل اور غیر عادل کا کوئی موازنہ بنتا ہے؟ اور یہ بھی بتائیے کہ کوئی غیر صحابی شخص سراپا عدل وانصاف پر مبنی حکومت کرنے میں کامیاب ہو جائے اور صحابی کہلانے والا شخص کامیاب نہ ہو سکے تو پھر اس کے لیے صحابیت وبال ہوئی یا کمال؟

جواب:

موصوف کے صحابہ کرام کے ان دل آزار جملے کے جواب میں زیادہ بات کرنے سے بہتر ہے کہ قارئین

کرام کے ساتھ مجتہد اہل سنت امام احمد بن حنبل کا فتویٰ نقل کر دیا جائے جنہوں نے شریعت اور دین کی خاطر حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے سے بھی گریز نہیں کیا کیونکہ چند لوگ اپنی تقاریر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ محدثین اہل سنت اور علماء اہل سنت حکمرانوں کے سامنے سچ بات کرنے سے گھبراتے تھے، اگرچہ ان کی یہ بات علی الاطلاق غلط ہے، مگر وہ یہ اعتراض امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں ہرگز نہیں کر سکتے اس لیے قارئین کرام امام احمد بن حنبل کا قول پڑھیں اور خود یہ نتیجہ اخذ کریں۔

امام احمد کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی بھی غیر صحابی کی فضیلت پر ناراضگی

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی بھی غیر صحابی کی فضیلت پر ناراضگی کا اظہار کیا، اس قول کو محدث ابن الخلال اپنی سند سے نقل کرتے ہیں۔

أَخْبَرَنِي يُوسُفُ بْنُ مُوسَى، وَأَحْمَدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ حَسَّانَ، أَنَّ أَبَا عَبْدِ اللهِ، قِيلَ لَهُ هَلْ يُقَاسُ بِأَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ؟ قَالَ: مَعَاذَ اللهِ، قِيلَ فَمُعَاوِيَةُ أَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ؟ قَالَ: إِي لَعَمْرِي.

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا اصحاب رسول ﷺ کے برابر یا قیاس کر سکتے ہیں؟ امام احمد بن حنبل نے کہا: معاذ اللہ، اللہ کی پناہ ایسے قول سے، کہا مجھے اپنی عمر کی قسم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے۔

(السنۃ للخلال 2 : /435، رقم 662)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے قول کو پڑھ کر بھی کسی کو سمجھ نہیں آتی تو اپنے عقیدہ کی حفاظت کی دعا کرے۔

کیا خلفاء راشدین کے علاوہ حکمران برائی کی طرف جلدی کرنے والے تھے؟ سفیان ثوری کے قول کی تحقیق

کہانی نویس موصوف نے صلح امام حسن ص 299 پر حضرت سفیان ثوری کا قول نقل کرتے ہوئے استدلال کیا کہ انہوں نے فرمایا:

الْأَئِمَّةُ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُمْ مُنْتَزُونَ.

ائمہ: حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنھم ہیں اور جو ان کے ماسواء ہیں وہ برائی میں جلدی کرنے والے ہیں۔ بحوالہ جامع بیان العلم وفضلہ 2/1173

جواب:

جناب نے جو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول بحوالہ جامع بیان العلم وفضلہ 2/1173 نقل کیا ہے، اگر اس کی سند بھی پیش کر دیتے تو عوام الناس کے سامنے اس قول کی حقیقت واضح ہو جاتی:
امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس کی سند کچھ یوں نقل کی ہے

أَجَازَهُ لَنَا عَبْدُ بْنُ أَحْمَدَ. قَالَ أنا أَبُو حَكِيمٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ السَّرِيِّ الدَّارِمِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي، ثنا قَبِيصَةُ. قَالَ: سَمِعْتُ عَبَّادًا السَّمَّاكَ. قَالَ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ. يَقُولُ........

ابن عبد البر کی اس روایت کی سند میں راوی، عباد السماك مجہول ہے۔

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عباد السماك عن الثوری مجهول۔ (تقریب التہذیب 1: /291)

❁ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں۔

هٰذَا بَاطِل: یعنی یہ قول درست نہیں ہے۔ (السنۃ للخلال 2: /436، رقم 666)

معلوم ہوا کہ معترض کے اس قول کی سند ضعیف ہے اور صحابہ کرام پر طعن و اعتراض ایسی روایات سے کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مُنْتَزِونَ یعنی برائی میں جلدی کرنے والا جیسے الفاظ ثابت نہیں اور نہ اس کا اطلاق علماء محققین نے جائز قرار دیا ہے۔

معترض موصوف امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے جس غیر ثابت شدہ قول سے استدلال کر رہے ہیں ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس قول میں تو امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا نام مبارک بھی شامل نہیں؟ تو کیا امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے اس غیر ثابت شدہ قول سے وہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ پہ اس کا اطلاق کرنے کی جسارت کریں گے؟ اسی لیے تو امام احمد بن حنبل نے اس قول کے بطلان کا حکم دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ؟

موصوف لکھاری صاحب اپنی تحریری جملوں اور جگت بازی انداز میں صلح امام حسن ص 300 پر لکھتے ہیں.

ان وجوہات کو جاننے کی کوشش کریں جن کے باعث سائل کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ سیدنا عمر بن عبد العزیز افضل یا معاویہ؟۔۔۔ ایک طرف تو سیدنا عمر بن عبد العزیز کو معاویہ کے گھوڑے کی ٹاپ سے اٹھنے والی گرد وغبار سے بھی کمتر سمجھتے ہیں اور دوسری طرف وہ سیدنا عمر بن عبد العزیز کو تو خلفاء راشدین میں شمار کرتے ہیں لیکن معاویہ کو خلفاء راشدین میں سے نہیں سمجھتے۔

جواب:

موصوف نے جو لفظوں کا کھیل کھیلا وہ حیران کن ہے شاید ان کو یہ نہیں معلوم کہ کسی کا تذکرہ کرنے سے اس کے غیر کی نفی نہیں ہوتی، عدم ذکر، نفی ذکر کو متلزم نہیں۔

جناب نے جن الفاظوں کے ساتھ کھیلا، کیا انہیں متقدمین کے عبارات میں امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا نام مبارک لکھا ہوا دیکھا؟ تو کیا ان حوالوں سے امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ کوئی خلیفہ راشد کا انکار کر سکتا ہے؟ اس کو جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ راشد ہونے میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ عادل نہ شمار کہنے پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں۔

هٰذَا بَاطِلٌ. یعنی یہ قول درست نہیں ہے۔ (السنۃ للخلال 2: /436، رقم 666)

امام اعمش کے نزدیک تقابل مابین حضرت معاویہ ؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیز ؓ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ عادل ہونے کے بارے میں امام اعمش فرماتے ہیں۔

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: ثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْأَثْرَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَوَّاسٍ أَبُو عَاصِمٍ الْحَنَفِيُّ، قَالَ: ثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْمُكْتِبُ حُبَابٌ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ الْأَعْمَشِ فَذَكَرُوا عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَعَدْلِهِ، فَقَالَ الْأَعْمَشُ: " فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكْتُمْ مُعَاوِيَةَ؟ قَالُوا: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ يَعْنِي فِي حِلْمِهِ؟ قَالَ: لَا وَاللهِ، أَلَا بَلْ فِي عَدْلِهِ.

(السنۃ للخلال 2 : /437، رقم 667)

محدث المکتب حباب فرماتے ہیں کہ ہم نے محدث الاعمش کے نزدیک حضرت عمر بن عبد العزیز اور ان کے عدل کا تذکرہ کیا، تو امام اعمش نے کہا: اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ دیکھ لیتے تو

تمھیں معلوم ہوتا کہ حکمرانی اور انصاف کیا چیز ہوتی ہے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ ان کے حلم کی بات کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ خدا کی قسم ان کے عدل کی بات کہہ رہا ہو۔

محدث اعمش رحمہ اللہ کے اس قول کے بعد موصوف کے اعتراض کی بنیاد خود بخود نہیں رہتی مگر موصوف کے طبع نازک کے لیے محدث محمد بن شہاب الزہری کا حوالہ بھی پیش خدمت ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمرانی کے بارے میں محمد بن شہاب زہری فرماتے ہیں۔

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شَاكِرٍ. قَالَ: ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ. قَالَ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: عَمِلَ مُعَاوِيَةُ بِسِيرَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ سِنِينَ لَا يَخْرِمُ مِنْهَا شَيْئًا. (السنۃ لأبی بکر الخلال 2 : / 444 رقم 683)

ترجمہ: "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سالہاسال سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت پر یوں عمل کیا کہ اس میں ذرا برابر بھی کوتاہی نہیں کی"۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت پر عمل کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عادل ہونے میں کیا شک وشبہ رہ جاتا ہے؟

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا نظریہ

موصوف نے اپنی کتاب میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتب سے استدلال کر کے چند حوالہ جات پیش کیے ہیں، اس لیے موصوف کی خدمت میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا ایک حوالہ پیش خدمت ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> کہ اس سے خلافت نبوت مراد ہے تو وہ تیس برس میں گذر گئی اور اس میں خلیفہ ہوئے اور اگر خلافت سے مراد عدل و دیانت کا دور ہے تو یہ 12 خلفاء کے دور میں تھا۔۔۔ چار تو خلفاء راشدین ہیں اور حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر، عبدالملک اور ان کی اولاد سے چار اور حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ (تاویل الاحادیث ص 156)

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت سے یہ واضح کہ

(1) انہوں نے خلافت نبوت میں چاروں خلفاء کو شمار کیا ہے۔

(2) عدل اور دیانت کی خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ شمار کیا ہے۔

(3) حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کوئی فوقیت نہیں دی۔

اس حوالہ پر موصوف کو اپنی تحریر میں نظر ثانی ضرور کرنی چاہیے۔ باقی جو بھی معترضین نقل کرتے ہیں اس کی اسانید اور متن متروک اور واہی ہیں جس سے استدلال باطل و مردود ہے اس تحقیق سے قارئین کرام پر یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ متقدمین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اور عادل حکمران کہا۔

سادات کی تنقیص کرنے کی جرأت

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سادات میں سے سید ہاشمی میاں نے اپنی کتاب میں خلیفہ راشد ثابت کیا تو ان کے سید ہونے کا لحاظ بھی نہیں کیا موصوف اپنی دیگر کتب میں سادات کی عظمت و شان کا دوسروں کو درس دیتے ہوئے مخالفین پر طنز و تشنیع کا کوئی موقع نہیں جانے دیتے، مگر موصوف اپنی کتاب صلح امام حسن ص 303 پر ایک دل آزار جملہ لکھتے ہیں۔

"بعض غیر ملکی مداریوں نے "حضرت معاویہ خلیفہ راشد" کے نام سے ایک کتاب لکھ ماری۔"

صلح امام حسن ص 303

اب اس مذکورہ دل آزار جملہ علامہ سید میاں جو کہ سادات میں سے ہیں، کے بارے میں لکھنے پر موصوف کو معافی کا طلب گار اور شرمسار ضرور ہونا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ پر ضعیف حدیث سے استدلال کا اعتراض

موصوف قاری صاحب صلح امام حسن ص 308،307 پر لکھتے ہیں۔

فاضل بریلی نے درج ذیل حدیث بھی معاویہ کی شان اور دفاع میں پیش کی۔۔۔
قریب ہے کہ جو میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہو گی جسے اللہ بخش دے گا، اس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے..... اصل بات یہ ہے کہ پہلے تو یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے اور اس سے استدلال درست نہیں۔

جواب:

اعلیٰ حضرت فاضل بریلی علیہ الرحمہ نے جو روایت لکھی اس کی سند کتاب الفتن ابی نعیم 1 / 82 میں یوں ہے:

حدثنا ابن المبارك عن ابن لهيعة عن يزيد بن أبي حبيب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم .

مگر موصوف کو فاضل بریلی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنی لکھی ہوئی تحریر کو بھی پڑھ لینا چاہیے تھا جناب۔ جس روایت پر اعتراض کر رہے ہیں، اس سند کے راویوں کی توثیق صلح امام حسن ص 63 تا 66 عنوان "اقتدار کے لیے معاویہ کی تیاریاں اور کوششیں" کے تحت کی ہے۔

بلکہ موصوف صلح امام حسن ص 66 پر لکھتے ہیں۔

"چونکہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ یا صدوق ہیں۔"

شاید ایسے عمل کو میٹھا میٹھا ہپ ہپ کہتے ہیں۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ اور حجر بن عدی کے قاتل

کہانی نویس صاحب امام حسن بصری کا قول اپنی کتاب صلح امام حسن ص 327 پر لکھتے ہیں۔

امام حسن بصری وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ سیدنا حجر بن عدی کے قاتل کے لیے ہلاکت ہوگی، چنانچہ امام ابن عبد البر اور دوسرے حضرات مبارک بن فضالہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ وَقَدْ ذَكَرَ مُعَاوِيَةَ وَقَتْلَهُ حُجْرًا وَأَصْحَابَهُ: وَيْلٌ لِمَنْ قَتَلَ حُجْرًا وَأَصْحَابَ حُجْرٍ

میں نے حسن بصری رحمہ اللہ کو سنا، جبکہ انہوں نے معاویہ کے تذکرہ میں اس کا حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا بیان کیا تو فرمایا: حجر بن عدی اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہ کے قاتل کے لیے ہلاکت ہے۔

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب 1/ 199، بغیۃ الطلب 5/ 2111، انساب 5/ 273

جواب:

امام حسن بصری رحمہ اللہ کے قول کی اسانید کو نہ لکھنے میں ہی معترض نے عافیت سمجھی بہر حال عوام الناس کے لیے امام حسن بصری رحمہ اللہ کے قول کی اسانید کی تحقیق پیش خدمت ہے تاکہ حقیقت کا ادراک ہو سکے۔

ابن عبد البر نے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب 1:/199 اور ابن العدیم نے بغیۃ الطلب

2111/5 میں اس کی سند کچھ یوں درج کی ہے

قَالَ أَحْمَدُ وَحَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ الْوَاسِطِيُّ وَأَثْنَى عَلَيْهِ خَيْرًا، قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ، قَالَ حَدَّثَنَا مُبَارَكُ بْنُ فُضَالَةَ، قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ.......

اس سند کے ایک راوی، عثمان بن الھیثم کے بارے میں محدثین کرام لکھتے ہیں۔

❁ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ تغير فصار يتلقن. (تقریب التھذیب :1/ 387)

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ صدوق، كثير الخطأ. (سوالات حاکم رقم 408)

❁ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

كان صدوقاً غير أنه بأخرة كان يتلقن ما يلقن. (الجرح والتعدیل 6 : /172)

❁ محدث ابن الکیال رحمہ اللہ نے راوی کو مختلط راویوں میں نقل کیا ہے۔

(الکواکب النیرات فی معرفة من الرواة الثقات ص488)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عدالت کے لحاظ سے عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ صدوق ہے مگر حافظہ خراب ہونے کی وجہ سے اس کی وہ روایات ضعیف ہوتی ہیں جو حافظہ خراب ہونے کے بعد بیان کی جائیں۔

معترض موصوف کی پیش کردہ روایت میں دوسرا راوی "مبارك بن فضالة" ہے، اس راوی کے بارے میں محدثین کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں۔

❁ امام دارقطنی فرماتے ہیں۔ لين كثير الخطأ، بصري، يعتبر به. (سوالات البَرقانی رقم 477)

❁ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ضعیف۔ (الضعفاء والمتروکون رقم 602)

❁ محدث العقیلی رحمہ اللہ، محدث ابن الجارود رحمہ اللہ، محدث البلخی رحمہ اللہ، محدث أبو العرب رحمہ اللہ اور البرقی رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔ (إكمال تہذیب الکمال فی أسماء الرجال 11 : /58)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت ضعیف اور ناقابل استدلال ہے۔

اب انساب الاشراف کی سند کے بارے میں کچھ تحقیق پیش خدمت ہے۔

حَدَّثَنِي شیبان بن فروخ عَنْ عثمان البری قَالَ كان الحسن.......

انساب الاشراب کی سند میں عثمان البری محدثین کرام کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ تتركه يحيى وابن المبارك. (الضعفاء الصغیر رقم 251)

یعنی امام یحییٰ رحمہ اللہ اور ابن عبد المبارک رحمہ اللہ نے اس سے روایات لینا ترک کر دیا۔

- امام ابوزرعہ الرازی نے اسے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔ (أسامی الضعفاء رقم 226)
- امام ابو داوٗد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، قَدَرِيٌّ مُعْتَزِلی. (سوالات الآجری 5: / 5)
- امام فسوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ضعيفٌ متروكٌ. تركه ابن المبارك ويحيى بن سعيد والناس.
> یعنی عثمان البری متروک ضعیف ہے، ابن المبارک، یحییٰ بن سعید اور دیگر محدثین نے اس کی روایت لینا ترک کر دیا تھا۔ (المعرفہ والتاریخ 2 : /123)

- امام ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں۔ ضعيفُ الحديث. (علل الحدیث رقم 2367)
- امام نسائی فرماتے ہیں۔ متروكُ الحديث. (الضعفاء والمتروکون رقم 440)
- محدث دار قطنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ ضعيف (العلل 1 : /239)

اس تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ عثمان البری ضعیف اور متروک راوی ہے اور ایسے راویوں کی روایت سے استدلال کر کے صحابہ کرام پر تنقید کرنا مردود و باطل ہے۔

امام حسن بصری کے ایک قول "چار باتیں معاویہ میں" کی تحقیق

موصوف معترض نے صلح امام حسن ص 328 پر امام حسن بصری رحمہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ

> چار باتیں معاویہ میں تھیں، اگر ان میں سے فقط کوئی ایک بات بھی ان میں ہوتی تو وہ ان کی ہلاکت کے لیے کافی ہوتی۔ بحوالہ تاریخ الطبری 279/5

جواب:

اس روایت کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اس روایت کے مردود و باطل ہونے کی لیے یہ ہی علت بہت ہے کہ اس میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ موجود ہے اس لیے ایسی روایت سے استدلال کر کے صحابہ کرام پر طعن کرنا جہالت ہے۔

امام عالی مقام کی بے خبری

لکھاری صاحب اپنی کتاب صلح امام حسن ص 331 پر لکھتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سیدنا حجر بن عدی۔۔۔۔فرمایا: خدا کی قسم، وہ حجت قائم کر گیا۔

جواب:

اس قول کی سند محدث ابن عساکر کچھ یوں لکھتے ہیں:

قال ونبأنا عبد الله حدثني عبد الله بن مطيع بن هشيم بن مطيع عن بعض اشياخه أن الحسن بن علي ……

- اس سند میں عبد الله بن مطيع بن هشيم کی توثیق راقم کے مطالعہ میں نہیں، اگر ان کی توثیق پیش کی جائے تو اس پر نظر ثانی کی جائے گی۔
- پیش کردہ سند میں عن بعض اشیاخه مجہول اور نامعلوم ہیں۔

اس لیے ایسی مجہول اور نامعلوم راویوں کی اسانید سے استدلال کرنا تحقیق کے میدان میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا، اس لیے ایسی روایات کو پیش کرکے اپنی جہالت کا مزید ثبوت نہ دیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حجر بن عدی کے قاتل

کہانی نویس صاحب صلح امام حسن ص 332 پر لکھتے ہیں۔

متعدد محدثین کرام وعلماء کرام لکھتے ہیں:

عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ :دَخَلَ مُعَاوِيَةُ عَلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ :مَا حَمَلَكَ على قتل أهل عذراء، حجرا وَأَصْحَابِهِ؛ فَقَالَ :يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ إِنِّي رَأَيْتُ في قتلهم صلاحا للأمة، وفي مقامهم فسادا للأمة. فقالت سمعت رسول الله يَقُولُ:سَيُقْتَلُ بِعَذْرَاءَ أُنَاسٌ يَغْضَبُ اللهُ لَهُمْ وَأَهْلُ السَّمَاءِ۔

حضرت ابو الاسود بیان کرتے ہیں کہ معاویہ، اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حاضر ہوا؟ انہوں نے فرمایا: تمہیں کس بات نے اہل عذراء حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل پر ابھارا؟ اس نے عرض کیا: یا ام المومنین میں نے ان کے قتل میں امت کی اصلاح اور ان کی

بقاء میں امت کا فساد سمجھا تھا، ام المومنین نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا: عنقریب عذراء کے مقام پر کچھ لوگ قتل کیے جائیں گے ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اہل آسمان غضب ناک ہوں گے۔ بحوالہ المعرفہ والتاریخ للفسوی 3/ 417، دلائل النبوۃ للبیہقی 6/ 457، تاریخ دمشق 12/ 227، البدایۃ والنہایۃ 9/ 226.

جواب:

لکھاری صاحب کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ روایات کی اسانید پیش کرنے سے گریز کرتے ہیں، اور وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کی یک طرفہ کاروائی کا عوام الناس کو معلوم نہ ہو سکے اس کی سند یوں نقل کی ہے۔

وقال يعقوب بن سفيان حدثنا حرملة ثنا ابن وهب أخبرني ابن لهيعة عن أبي الأسود قال دخل معاوية على عائشة.......

کہانی نویس لکھاری نے البدایہ والنہایہ کا حوالہ تو دیا مگر حافظ ابن کثیر کا اس حدیث کے بارے میں حکم نقل نہ کیا۔

❁ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وَهَذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ مُنْقَطِعٌ. (البدایۃ والنہایۃ 9/ 226)

یعنی اس روایت کی سند ضعیف اور منقطع ہے۔

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فی سنده انقطاع. یعنی اس روایت کی سند منقطع ہے۔ (الاصابہ 1: /314)

پیش کردہ روایت میں محدثین کرام نے منقطع ہونے کے ساتھ اس کے ضعیف ہونے کی صراحت بھی کی ہے اور اس سند کے راوی ابن لهيعة پر تفصیل سے کلام کتاب میں پیش کر دیا گیا ہے۔ عجیب صورت حال ہے کہ عوام الناس کے عقائد ایسی مردود و باطل روایات سے خراب کیا جا رہا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حجر بن عدی کے قاتل

ایک روایت لکھاری صاحب نے اپنی کتاب صلح امام حسن ص 332,333 پر لکھی۔

عبداللہ بن رزین غافقی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ سَيُقْتَلُ مِنْكُمْ سَبْعَةُ نَفَرٍ بِعَذْرَاءَ، مَثَلُهُمْ

كمثل أصحاب الأخدود قال :يقتل حُجْرٌ وَأَصْحَابُهُ

میں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا، اے اہل عراق عنقریب تم میں سے سات افراد کو عذراء کے مقام پر قتل کیا جائے گا، ان کی مثال ایسی ہے جیسے اصحاب الاخدود کی، پس سیدنا حجر بن عدی اور ان کے ساتھی قتل کیے گئے۔

بحوالہ المعرفۃ التاریخ للفسوی 2/416، تاریخ دمشق 12/227

جواب:

موصوف کی اس پیش کردہ روایت کی سند محدث فسوی نے جو درج کی ہے وہ ملاحظہ کریں۔

حَدَّثَنِي ابْنُ لَهِيعَةَ حَدَّثَنِي الْحَارِثُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ عبد الله بن رزين الْغَافِقِيِّ۔ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ....:

❁ اس روایت کے راوی عبداللہ بن رزين الْغَافِقِي۔ کی توثیق نامعلوم ہے بلکہ امام دار قطنی نے اس کو مجہول کہا ہے۔ (السنن دار قطنی 1 :/198)

❁ روایت کے دوسرے راوی ابْنُ لَهِيعَةَ پر تفصیل سے کتاب میں محدثین کرام کے اقوال نقل کردیے ہیں جو کہ ابْنُ لَهِيعَةَ کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ موصوف کی پیش کردہ یہ روایت بھی مجہول اور ضعیف راویوں پر مشتمل ہے۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں جھوٹی تعریف ہوتی تھی؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجلس میں ان کی جھوٹی تعریف ثابت کرنے کے لیے موصوف لکھاری صاحب نے صلح امام حسن ص 343 پر ایک روایت نقل کی ہے۔

كَانَ عُبَادَةُ بنُ الصَّامِتِ مَعَ مُعَاوِيَةَ، فَأَذَّنَ يَوماً، فَقَامَ خَطِيبٌ يَمْدَحُ مُعَاوِيَةَ، وَيُثْنِي عَلَيْهِ فَقَامَ عُبَادَةُ بِتُرَابٍ فِي يَدِهِ فَحَشَاهُ فِي فَمِ الْخَطِيبِ، فَغَضِبَ مُعَاوِيَةُ، فَقَالَ لَهُ عُبَادَةُ إِنَّكَ لَمْ تَكُنْ مَعَنَا حِينَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَقَبَةِ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا، وَمَكْرَهِنَا، وَمَكْسَلِنَا، وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَأَلاَّ نُنَازِعَ الأَمْرَ أَهْلَهُ، وَأَنْ نَقُومَ بِالْحَقِّ حَيْثُ كُنَّا، لاَ نَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لاَئِمٍ، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِينَ، فَاحْثُوا فِي

أَفْوَاهِهِمُ التُّرَابَ۔
سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، معاویہ بن ابی سفیان کے لشکر میں تھے کہ ایک دن انہوں نے اذان کہی تو ایک خطیب نے کھڑے ہو کر معاویہ کی شان و تعریف کرنے لگا حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور خاک کی ایک مٹھی بھر کر خطیب کے منہ پر پھینک دی، اس پر معاویہ غضبناک ہوا۔ بحوالہ تاریخ دمشق 26/196، سیر اعلام النبلاء 2/7

جواب :

تاریخ دمشق کی روایت میں متن میں نکارت موجود ہے، جو کہ دیگر روایات کی روشنی میں ظاہر ہے مگر پیش کردہ روایت کی تاریخ دمشق کی سند یوں نقل کی گئی ہے۔

أخبرنا أبو القاسم تميم بن أبي سعيد بن أبي العباس أنا محمد بن عبد الله بن عمر العمري نا أبو محمد بن أبي شريح نا يحيى بن محمد بن صاعد نا محمد بن عبد الملك بن زنجوية نا إسماعيل بن أبي أويس حدثني أبي عن أبي منيع الوليد بن داود بن محمد بن عبادة بن الصامت عن ابن عمه عبادة بن الوليد ولم يذكر في الإسناد عن الوليد بن عبادة وقال كان عبادة بن الصامت مع معاوية بن أبي سفيان.....

اس پیش کردہ سند میں اَبِی منیع الولید بن داود کی توثیق کسی محدث سے ثابت نہیں ہے۔ روایت میں إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْس راوی پر بھی محدثین کرام کی سخت جروحات موجود ہیں اگر دیگر محدثین کرام کی جروحات پیش کی جائیں تو شاید لکھاری موصوف ان کو ناصبی کہنے سے دریغ نہ کریں مگر موصوف کے تسلیم کردہ محب اہل بیت محدث امام نسائی علیہ الرحمہ کا پیش خدمت ہے۔

❁ امام نسائی رحمہ اللہ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْس کے بارے میں فرماتے ہیں:
ضعیف۔
(الضعفاء والمتروکین ص 152)

اس لیے یہ روایت اَبِی منیع الولید بن داود کے مجہول اور إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْس کی وجہ سے ضعیف اور غیر ثابت ہے اور ایسی روایات سے استدلال باطل و مردود ہے۔

لَا تَذْکُرُوا مُعَاوِیَۃَ إِلَّا بِخَیْرٍ، کے شانِ نزول پر اعتراض

لکھاری نے سنن ترمذی کی روایت لَا تَذْکُرُوا مُعَاوِیَۃَ إِلَّا بِخَیْرٍ کے بارے میں صلح امام حسن ص 345 تا352 تک جو کچھ لکھا اس کا جواب علامہ مفتی غلام حسین قادری صاحب کی کتاب الصورم الحمید ریہ کا مطالعہ کریں، اس روایت کے شان ورود کے جھوٹے ہونے پر موصوف نے جس روایت سے استدلال کیا ہے اس کی وضاحت ضروری ہے۔

اس بات کی تحقیق میں اختلاف ضرور ہے کہ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے معزول کیا یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یا کہ معزول ہی نہیں ہوئے متعدد آثار اس پر شاہد ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے معزول کیا اور متعدد روایات ایسی ہیں کہ جس میں حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کی بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق ہیں جیسا کہ خلیفہ بن خیاط اور محدث زہری نے بیان کیا۔

بہر حال ایسے اختلاف کو جھوٹ نہیں بلکہ اختلاف کہتے ہیں احادیث اور اصول کی بہت ساری ایسی روایات ہیں جس میں کسی راوی سے نام یا متن کے کسی الفاظ میں غلطی ہو جاتی ہے جس کو جھوٹا کہنا غلط اور مردود ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں قول سے استدلال کا جائزہ

کہانی نویس صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حمص کا والی مقرر کرنے کے سلسلہ میں سنن ترمذی کی روایت کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ایک روایت نقل کی ہے موصوف صلح امام حسن ص 348 پر لکھتے ہیں۔

> کوئی۔۔۔۔۔۔ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ پر معاویہ کو لگایا تھا۔۔۔ سر دست اتنا سمجھ لیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ اس قدر پسند تھے کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی مثل کچھ اور بھی قابل حضرات ہوتے تو ان سے مسلمانوں کی بہبود کا کام لیا جاتا چنانچہ متعدد علماء کرام لکھتے ہیں۔
>
> وكان عمر يقول وددت أن لی رجلا مثل عمير أستعين به على أعمال المسلمين۔ بحوالہ تاریخ دمشق 46/485

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے عمیر بن سعد جیسے کچھ اور حضرات بھی مل جاتے تو میں ان سے مسلمانوں کے کاموں میں مدد حاصل کرتا۔

جواب:

گذارش ہے کہ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی شان و عظمت مسلمہ ہے اور اس پر دیگر قرائن شاہد ہیں، مگر جناب نے جو تاریخ دمشق 46: / 485 کا حوالہ دیا ہے وہ واقدی کا قول ہے مگر اس روایت کی سند معجم الکبیر الطبرانی 17 : /51 پر موجود ہے جس کی سند امام طبرانی نے یوں نقل کی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الروبَالِ الْأَدْمِيُّ الشِّيرَازِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَكِيمٍ الشِّيرَازِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَكِيمٍ الرَّازِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ هَارُونَ بْنِ عَنْتَرَةَ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ بَعَثَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عُمَيْرَ بْنَ سَعْدٍ عَامِلًا عَلَى حِمْصَ ......

❁ امام طبرانیؒ نے جو روایت نقل کی اس کی سند میں "عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ هَارُونَ بْنِ عَنْتَرَةَ" کو محدثین کرام نے متروک اور کذاب لکھا ہے۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

متروكٌ يكذبُ. یعنی متروک اور جھوٹ بولتا تھا۔ (سوالات البرقانی رقم 252)

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مُنكر الحديث. (التاریخ الکبیر 5: /1423)

امام بخاری رحمہ اللہ کا منکر الحدیث کہنے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اس سے معترض بخوبی آگاہ ہوگا۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ موصوف نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ واہی اور متروک ہے۔

قارئین کرام کے سامنے کہانی نویس لکھاری کے تمام استدلال کردہ روایات کی استنادی حیثیت پیش کر دی گئی ہے، اب یہ عوام الناس کی ذمہ داری ہے کہ نام نہاد ریسرچ اسکالر جیسے لوگوں سے ان کی پیش کردہ روایات کی اسانید اور اس کی ثقاہت ضرور پوچھا کریں۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ضعیف اور متروک روایات سے صحابہ کرام کے بارے طعن ثابت نہیں ہوتے، اور نہ قبول کیے جاتے ہیں جو لوگ ضعیف اور متروک روایات کو فضائل میں قبول ہونے کی بات عوام الناس کو بتا کر صحابہ کرام پر طعن کرتے ہیں، وہ بھولے بھالے عوام الناس کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب ان کی مرویات کی اسنادی و فنی حیثیت مخالفین کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو

فضول ولغو قسم کے جوابات دینے کی کوشش کرتے ہیں جیسے کہ" لو جناب اب ساری مرویات ضعیف ہوگئیں"۔ جب ان کی پیش کردہ مرویات کی اسنادی حیثیت واضح کی جاتی ہے تو تاریخ کی باطل ومردود مرویات پیش کرنے لگ جاتے ہیں، حالانکہ ایسی روایات کے لغو ہونے کا معلوم بھی ہوتا ہے مگر عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے سامنے ایسی تاریخی روایات پیش کی جاتیں ہیں۔

کچھ لوگ تو عوام الناس کو اس بات سے بھی دھوکا دیتے ہیں کہ دیکھو جناب اتنے بڑے محدث یا امام یا سنی عالم نے اس روایت کو اپنے کتاب میں درج کیا ہے اگر روایت صحیح نہ ہوتی یا اس سے اختلاف ہوتا تو اپنی کتاب میں کیوں نقل کرتے؟ اس بابت گذارش ہے کہ کسی بھی محدث یا امام کی کتاب میں روایت آنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ قابل استدلال ہوگی، علماء کرام کا اپنی کتب میں کسی روایت کو مطلقاً نقل کردینا اس کی تصحیح کو متلزم نہیں ہوتا، ان کا کسی بھی روایت کو نقل کرنا مختلف وجوہات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ روایات کی اسانید ومتون کے ضبط پر ہی احادیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے اور اس کو بھی دیگر دلائل کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے اور پھر اس سے معاملات پر رائے دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اہلِ بیت سے محبت اور صحابہ کرام کی عظمت وشان کا بیان واقرار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

◆ ◆ ◆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى

''اور سب صحابہ سے اللہ تعالیٰ جنت کا وعدہ فرما چکا ہے۔''(القرآن)

تتمہ

- سورۃ الحدید ۱۰ پر ظہور احمد فیضی کے اشکالات کے جوابات
- سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ پر اشکال کے جوابات

اضافہ

- عبید اللہ بن جحش پر نصرانی ہونے کا الزام
- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں صحابہ کرام پر الزامات کا جائزہ

مصنف

علامہ سجاد علی فیضی صاحب

مدرس و ناظم تعلیمات دار العلوم جامعہ فیضیہ
تاندلیانوالہ (فیصل آباد پاکستان)

﴿اہم نوٹ﴾

اس کتاب یا گذشتہ کتب و تحاریر میں کوئی ایسی بات جو جمہور اہلسنّت و جماعت کے موقف یا مسلّمات کے خلاف نقل ہوگئی ہو یا بغیر سبب کسی کی دل آزاری ہوئی ہو، تو اس سے پیشگی اعلانِ برأت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دل، دماغ، نگاہ اور زبان و قلم کو خطا سے محفوظ رکھے۔

سورۃ الحدید ۱۰ پر فیضی کے اشکالات کے جوابات

قاری ظہور احمد فیضی کے باطل استدلال کے کو مفتی سجاد احمد فیضی صاحب نے تار عنکبوت کی طرح تار تار کر کے حقیقت واضح کی۔ علامہ مفتی سجاد احمد فیضی کی کتاب تمام صحابہ قطعی جنتی [ص 93 تا ص 255 مطبوع] سے چند اقتباس ارباب اہل ذوق کے پیش نظر ہے۔

چونکہ موصوف نے سورۃ حدید کی آیت نمبر ۱۰ کی من چاہی اور فاسد تشریح و توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے مناسب ہوتا ہے کہ اولاً اس آیت کریمہ کی مختصراً تفسیر عرض کر دی جائے تاکہ قارئین بآسانی سمجھ سکیں کہ آیت ہذا کا صحیح معنیٰ و مفہوم کیا ہے۔

رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑩

"تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا، اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔"

"الحسنیٰ" سے مراد جنت ہے:

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور لفظ "الحسنیٰ" سے مراد جنت ہے۔

جلالین شریف میں ہے:

وكلا من الفريقين... "وعد الله الحسنى" الجنة

"اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں گروہوں میں سے ہر ایک سے رب تعالیٰ الحسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ فرما چکا ہے۔"

(ص ۴۴۹، مزید دیکھئے تفسیر صاوی ج ۶، ۲۱۰۴، تفسیر مدارک ج ۳، ص ۴۳۵، تفسیر بغوی ج ۴، ص ۳۲۴، تفسیر کبیر ج ۱۰، ص ۴۵۳، تفسیر ابی سعود ج ۶، ص ۲۰۲، تفسیر ماوردی ج ۵، ۴۷۱، تفسیر قرطبی جزء ۲۷، ج ۱۷،

ص ۲۰۷، تفسیر روح المعانی ج ۱۴، ص ۲۶۴، تفسیر روح البیان ج ۹، ص ۴۲۴، تفسیر جمالین ج ۲، ص ۳۱۷، تفسیر ملا علی قاری ج ۵، ص ۱۰۷، تفسیر ابن عباس ص ۵۳۸، تفسیر در منثور ج ۸، ص ۵۰، غیرہا)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے اول تا آخر جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ عام از یں کہ انہوں نے فتح مکہ سے قبل کلمہ پڑھا ہو یا بعد میں، ہاں مگر ان میں سے وہ صحابہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے کلمہ پڑھا، خرچ کیا اور جہاد کیا ان کا رتبہ ان سے بہت بلند ہے۔ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد کلمہ پڑھا۔ مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔

آیت ہذا کے ضمن میں پیش کردہ قاری ظہور کے دلائل اور اشکالات کا رد:

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بابت ایک سوال کیا گیا جس کے جواب میں آپ نے سورہ حدید کی درج بالا آیت کریمہ سے جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قطعی جنتی ہونے پر استدلال کیا۔ جس سے موصوف کو بڑی شدید تکلیف ہوئی اور اپنے تائیں کچھ دلائل ناقصہ قائم کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ نہ تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں اور نہ ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے تحت داخل ہیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس استدلال کی تردید وتغلیط میں بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ آئیے سب سے پہلے وہ مکمل فتویٰ ملاحظہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد موصوف کی بھونگیوں کا رد کیا جائے گا۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قطعی جنتی ہونے پہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

"مسئلہ:" حضرت ہادی و رہنمائے سالکاں قبلہ دو جہاں دام فیضہ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، مسائل ذیل میں حضرت کیا فرماتے ہیں

(۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک روز خفا ہوئے اور روافض کہتے ہیں یہی وجہ ہے باغی ہونے کی پھر ایک کتاب مولانا حاجی صاحب کی تصنیف اعتقاد نامہ ہے جو بچوں کو پڑھایا جاتا ہے اس میں یہ شعر بھی درج ہے:

حق در آنجا بدست حیدر بود ۔
جنگ با او خطا و منکر بود

"حق وہاں حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اس کے ساتھ جنگ غلط اور ناپسندیدہ تھی"

(۲) امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تھی واسطے دفع جنگ کے۔

الجواب:

(۱) روافض کا قول کذب محض ہے۔ عقائد نامہ میں "خطاو منکر بود" نہیں ہے بلکہ خطائے منکر بود ہے، اہل سنت کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا خطاء اجتہادی تھی۔ اجتہاد پر طعن جائز نہیں، خطاء اجتہادی دو قسم ہے، مقرر و منکر، مقرر وہ جس کے صاحب کو اس پر برقرار رکھا جائے گا، اس سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ جیسے حنفیہ کے نزدیک شافعی المذہب مقتدی کا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا اور منکر وہ ہے جس پر انکار کیا جائے گا۔ جبکہ اس کے سبب کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہو جیسے اجلۂ اصحاب جمل رضی اللہ عنہم کہ قطعی جنتی ہیں اور ان کی خطا یقیناً اجتہادی جس میں کسی نام سنیت لینے والے کو محل لب کشائی نہیں، بایں ہمہ اس پر انکار لازم تھا جیسا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کیا باقی مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مداخلت حرام ہے۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا ذکر اصحابی فامسکوا! "جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان روکو۔"

دوسری حدیث میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ستکون لاصحابی بعدی زلة غفرها الله لهم لسابقتهم ثم یاتی من بعدهم قوم یکبهم الله علی مناخرهم فی النار

"قریب ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہوگی جسے اللہ بخش دے گا اس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے، پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ ناک کے بل جہنم میں اوندھا کر دے گا۔"

یہ وہ ہیں جو ان لغزشوں کے سبب صحابہ پر طعن کریں گے۔ اللہ عزوجل نے تمام صحابہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن عظیم میں دو (۲) قسم کیا، مومنین قبل فتح مکہ و مومنین بعد فتح مکہ اول کو دوم پر تفضیل دی اور صاف فرمادیا:

"وکلا وعد الله الحسنیٰ "سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمادیا، والله بما تعملون خبیر اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو۔ بایں ہمہ وہ تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا پھر دوسرا کون ہے کہ ان میں سے کسی کی بات پر طعن کرے۔ واللہ الہادی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) بے شک امام مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد فرمائی اور اس سے صلح و بندش جنگ مقصود تھی اور یہ صلح وتفویض خلافت اللہ و رسول کی پسند سے ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسن کو گود میں لے کر فرمایا تھا۔

ان ابنی ھذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔

"میرا یہ بیٹا سید ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ اس کے سبب سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔"

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگر خلافت کے اہل نہ ہوئے تو امام مجتبیٰ ہرگز انہیں تفویض نہ فرماتے نہ اللہ و رسول اسے جائز رکھتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۹، ص ۳۳۵ تا ۳۳۷، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

امیر معاویہ اس آیت میں شامل نہیں (قاری ظہور):

موصف اپنی بحث کو "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ سے استدلال کا جائزہ" کے عنوان سے شروع کرتے ہوئے پہلی دلیل یوں قائم کرتے ہیں:

"فاضل بریلوی نے بعض طلقاء کو "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" میں بھی شامل کر دیا ہے لیکن ان کا یہ استدلال مردود و باطل ہے۔ کیونکہ سورۃ الحدید فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ یہ اختلاف بھی ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی بعض نے کہا ہے کہ اس کا کچھ حصہ مکی ہے اور کچھ حصہ مدنی ہے۔ بہر حال یہ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی تھی اور معاویہ بن ابی سفیان فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لائے تھے۔"

(صلح الامام الحسن ص ۳۱۰)

یونہی اس کتاب میں ایک اور مقام پر حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی تردید کرتے ہوئے لکھا:

"ہمارے حکیم الامت نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جن صاحب (معاویہ) کا نام لیا ہے ان کے لئے قرآن و سنت میں میں قطعاً ایسی کوئی دلیل نہیں آئی حتیٰ کہ باقی دلائل تو کجا انہیں سورۃ الحدید کی مشہور آیت وکلا اعد اللہ الحسنیٰ میں شامل سمجھنا درست نہیں۔ کیوکہ یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی تھی اور اس میں جن حضرات کے لئے وعدہ حسنیٰ کا ذکر ہے وہ وہ ہیں جو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان مسلمان ہوئے اور پھر یہ آیت ہے ہی جملہ خبریہ لہٰذا اس میں وہ لوگ کیونکر شامل سمجھے جا

سکتے ہیں جو فتح مکہ سے قبل کافر تھے۔" (ایضاً ص ۱۰۰)

جواب نمبر: ۱ حضرت امیر معاویہ ؓ فتح مکہ سے پہلے کلمہ پڑھ چکے تھے اس لئے اس آیت میں شامل ہیں:

موصوف کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی اور امیر معاویہ ؓ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اس لئے وہ اس آیت میں شامل نہیں۔ گویا موصوف کا خود ساختہ ضابطہ یہ ٹھہرا کہ اس وعدہ حسنیٰ کا صرف وہی مصداق ہے جو فتح مکہ سے قبل مسلمان ہو چکا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت امیر معاویہ ؓ نے فتح مکہ سے پہلے کلمہ پڑھ لیا تھا تو آپ بلا شبہ اس آیت "و کلا وعد اللہ الحسنیٰ" میں شامل ہوں گے۔

تو آئیے ہم اس کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ آپ ؓ فتح مکہ سے پہلے کلمہ پڑھ چکے تھے۔

الاصابہ فی تمیز الصحابہ و مختصر تاریخ دمشق میں ہے:

انه اسلم بعد الحديبية و كتم اسلامه حتى اظهره عام الفتح وانه كان فى عمرة القضاء مسلما

"بلا شبہ آپ ؓ حدیبیہ کے بعد مسلمان ہو چکے تھے اور اپنا اسلام چھپائے رکھا یہاں تک کہ فتح مکہ والے دن ظاہر کیا اور بے شک آپ عمرۃ القضاء کے وقت مسلمان تھے۔"

(الاصابہ ج ۳ ص ۱۸۵۵ ، مختصر تاریخ دمشق ۲۴ / ۳۰۲)

امام ابن حجر عسقلانی ؒ تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں:

صحابی یشتهر اسلم قبل الفح و کتب الوحی

حضرت امیر معاویہ ؓ صحابی مشہور ہیں۔ آپ نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا اور آپ نے وحی کی کتابت کی۔ (ص ۴۵۰ ، ترجمہ نمبر ۲۹۲۱ ، مطبوعہ دار العاصمہ بتحقیق صغیر احمد شاغف)

حضرت امام ابن حجر ہیثمی ؒ فرماتے ہیں:

"واقدی کی روایت کے مطابق صلح حدیبیہ کے بعد آپ ؓ اسلام لائے اور آپ کے علاوہ کا موقف یہ ہے کہ حدیبیہ کے دن ہی مشرف باسلام ہوئے تھے اور اپنے والدین سے اپنے اسلام کو چھپا کر

رکھا تھا حتیٰ کہ فتح مکہ کے دن اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا۔" [سخت ضعیف روایت] آپ رضی اللہ عنہ اس عمرہ کے وقت مسلمان تھے، اس کی تائید اس روایت سے بھی ملتی ہے کہ امام احمد نے دوسرے طریقہ سے جس کی روایت فرمائی کہ محمد بن باقر بن علی زین العابدین بن الحسین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے مقام مروہ میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک لئے (قصر کا لفظ عربی زبان میں بال کاٹنے کے لئے استعمال ہوتا ہے)۔ (تطہیر الجنان مترجم ص ١٩،١ اکبر بک سیلر)

موصوف قاری کے استاد، شارح صحیحین مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مشہور قول یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے۔ علامہ واقدی نے یہ حکایت کی ہے کہ حضرت معاویہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لے آئے تھے اور انہوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا حتیٰ کہ فتح مکہ کے سال انہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا اور یہ عمرۃ القضاء میں مسلمان تھے لیکن یہ قول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث کے معارض ہے کہ ہم نے حج کے مہینوں میں عمرہ کیا اور اس وقت یہ کافر تھے۔ تاہم اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ قول حضرت معاویہ کے ظاہر حال پر محمول ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اسلام کو چھپایا ہوا تھا۔" (نعمۃ الباری شرح بخاری ج ٦ ص ٩١۔ ٨٩٠)

ان تصریحات سے جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قبل اسلام لا چکے تھے تو یہ بھی ثابت ہوا کہ قاری موصوف کے خود ساختہ ضابطے کی روشنی میں بھی آپ رضی اللہ عنہ "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" میں شامل ہیں۔

جواب نمبر: ٢ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دوسرے گروہ کے تحت اس آیت میں شامل ہیں:

موصوف کا یہ استدلال اس لئے بھی باطل ومردود ہے کہ اگر ان کی اس بات کہ "اس میں جن حضرات کے لئے وعدہ حسنیٰ کا ذکر ہے وہ وہ ہیں جو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان مسلمان ہوئے" تو اس وعدے کے مصداق لوگ ایک ہی گروہ ثابت ہوں گے۔ حالانکہ ہم کئی تفاسیر کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ اس کے مصداق دو گروہ ہیں جیسا کہ جلالین کی شہادت "وکلا من الفریقین" اس پہ صاف طور پر دلالت کر رہی ہے اور یہ تفسیر بھی

درست قرار پاتی ہے کہ اگر صحابہ کے دو گروہ (۱) قبل فتح مکہ کلمہ پڑھنے والے (۲) بعد فتح مکہ کلمہ پڑھنے والے تسلیم کئے جائیں۔

جواب نمبر: ۳۔ آپ رضی اللہ عنہ صحابی ہونے کے ناطے اس آیت میں شامل ہیں:

اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ والے دن ہی کلمہ پڑھا تھا تو بھی آپ اس وعدے کے مصداق ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ یہ وعدہ جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہے چاہے وہ فتح مکہ سے پہلے والے ہوں یا اس کے بعد والے اور آپ کا صحابی رسول ہونا قطعی اور اجماعی ہے۔ آئیے اس پہ چند ایک شواہد ملاحظہ کرتے ہیں۔

(۱) پہلے جواب کے تحت نقل کی گئی تصریحات آپ کی صحابیت کو روز روشن کی طرح واضح کر رہی ہیں۔

(۲) کسی نے حضرت معافیٰ بن عمران سے یہ پوچھا کہ اے ابومسعود! عمر بن عبدالعزیز کا معاویہ بن ابی سفیان کے سامنے کیا مقام ہے؟

(یہ سن کر) وہ سخت غصے میں آ گئے اور فرمایا:

لا یقاس باصحاب رسول اللہ ﷺ احد معاویة صاحبه و صهره کاتبه و امینه علی وحی اللہ

"نبی کریم ﷺ کے صحابہ پر کسی کو بھی قیاس نہ کرو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے صحابی، سسرالی رشتہ دار کاتب اور وحی خدا کے امین ہیں۔ (پھر یہ حدیث بیان کی کہ) نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

دعوا لی اصحابی و اصهاری فمن سبهم فعلیه لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین۔

"میرے صحابہ اور سسرالی رشتہ داروں کو میرے لئے چھوڑ دو پس جو بھی انہیں برا بھلا کہے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی۔"

(شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ ج ۸ ص ۳۵۳)

(۳) بخاری شریف کی مشہور حدیث پاک ہے کہ جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے متعلق فرماتے ہیں:

انہ فقیه "بے شک آپ مجتہد ہیں۔" (بخاری حدیث نمبر ۳۷۶۵)

دوسری روایت میں ہے:

فانہ صحب رسول اللہ ﷺ " بے شک آپ نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں۔" (بخاری حدیث نمبر ۳۷۶۴)

(۴) حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

معاویۃ رضی اللہ عنہ فھو من العدول الفضلاء والصحابۃ النجباء رضی اللہ عنہم
"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل اور منتخب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔"

(شرح صحیح مسلم ج ۲، ص ۲۷۲)

(۵۔۶) اسی مضمون کی تصریحات حضرت امام طیبی اور حضرت امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی پائی جاتی ہیں، ان ائمہ کی بالترتیب صراحت ملاحظہ ہو:

"معاویۃ فھو من العدول الفضلاء ومن الصحابۃ الخیار" "معاویۃ فھو من العدول الفضلاء والصحابۃ الاخیار"

(طیبی شرح مشکوۃ ج ۱۲، ص ۸۶۰، مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱۱، ص ۱۵۱)

(۷) سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا خود موصوف قاری کو بھی تسلیم ہے، اس کی عبارات ملاحظہ ہوں:

موصوف حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
"بہرکیف یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور اگرچہ یہ سابقین اولین کی طرح سراپا ایمان نہ تھے۔"

(شرح خصائص علی ص ۹۳۸)

اسی کتاب میں آگے جا کر لکھا:

"حضرت معاویہ کے نام کے ساتھ ہمیشہ کے لئے کاتب وحی کا لفظ نتھی کر دیا گیا۔ حالانکہ انہیں صحبت نبوی ﷺ کے فقط آخری دو سال میسر آئے تھے۔" (ایضا ص ۹۴۸)

تنبیہ:

موصوف نے جو یہ کہا کہ "اگرچہ یہ (معاویہ و عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما) سابقین اولین کی طرح سراپا ایمان نہ تھے یہ بھی انکے گمراہ کن آلودہ ذہن کی اختراع ہے ورنہ باوجود فرق مراتب کے تمام کے تمام صحابہ سراپا ایمان اور کامل ایمان والے تھے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان:

اولئک ھم المومنون حقا (یہی سچے مسلمان ہیں)۔" (سورۃ انفال، آیت ۴)
کے اولین و حقیقی مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انما المومنون انما الکاملوا الایمان "سوائے اس کے نہیں کہ کامل ایمان والے۔"

پھر کہا:

اولئك هم المومنون حقا ای اولئك هم المومنون ایمانا حقا
"یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو حقیقی ایمان والے ہیں۔"

(تفسیر مدارک ج ۱ ص ۶۰۳ قدیمی کتب خانہ)

جواب نمبر :۵ موصوف سے ایک اہم مطالبہ:

اگر ان تمام حقائق کے باوجود بھی قاری صاحب اپنے ڈیٹھ پن اور "میں نہ مانوں" کی روش پہ قائم رہیں تو ہمارا ان سے یہ مطالبہ ہے کہ کوئی ایسی آیت یا حدیث صحیح تو صحیح ضعیف ہی پیش کریں جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت کی نفی ہو۔ یا آپ کے جنتی ہونے کی نفی کی گئی ہو۔

یونہی کسی صحابی، تابعی اور معتبر امام کا کوئی ایک ایسا مستند قول ہی پیش کر دیں جس میں یہ وضاحت ہو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے تحت شامل نہیں ہیں اور اگر یہ مطالبہ پورا نہیں کر سکتے بلکہ بالیقین نہیں کر سکتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے ایسی ہفوات بک کر اپنی آخرت تباہ نہ کریں۔ کیونکہ یہ بات تو آپ خود بھی لکھ چکے ہیں کہ:

"تمام لوگوں کی کیا مجال کہ وہ کسی صحابی کے بارے رائے زنی کریں، اس سلسلہ میں مکمل احتیاط نہ کی جائے تو انسان کی آخرت برباد ہو سکتی ہے۔" (صلح الامام الحسن ص ۱۱۷)

جواب نمبر :۶۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاری ظہور کے مسلمہ تفسیری قواعد کی روشنی میں بھی آیت ہذا میں شامل ہونا:

موصوف قاری ایک مقام پر ایک تفسیری قاعدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہوئے ہیں:

"اہل علم کے نزدیک اصول یہ ہے کہ اگر کسی آیت میں حکم، نہی، مدح یا ذم کا بیان ہو اور اس کی شان نزول معین ہو تو ایسے ہر حکم ہر نہی ہر مدح اور ہر دم کا اطلاق اس شخص پر بھی ہو گا جس کے بارے میں وہ آیت نازل ہوئی اور اس کی مانند دوسرے اشخاص پر بھی ہو گا چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اور امام سیوطی لکھتے ہیں:

والآیة التی لها سبب معین ان کانت امر منهیا فهی متناولة لذلك ولغیره ممن
کان بمنزلته و ان کانت خبرا بمدح اوذم فهی متناولة لذلك الشخص وغیره ممن
کان بمنزلته ایضًا

"وہ آیت جس کی شان نزول معین ہو، اگر وہ امر اور نہی پر مبنی ہو تو وہ اس شخص اور اس کی طرح دوسرے لوگوں کو بھی شامل ہوگی اور اگر وہ مدح یا ذم کی خبر ہو تو تب بھی وہ اس شخص اور اس کی مانند دوسرے لوگوں کو بھی شامل ہوگی۔" (اہل کساء کا مقام، حقائق واوہام ص ۱۲، ۱۳)

ہم کہتے ہیں اگر بفرض تسلیم یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ آیت صرف اور صرف صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان والے لوگوں کے لئے نازل ہوئی ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پھر بھی اس آیت کے تحت شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ نفس صحابیت میں (یعنی صحابی ہونے کی حیثیت سے) آپ بھی ان دوسرے صحابہ کی مانند ہیں جن کے لئے یہ "وعدۂ حسنیٰ"، نازل ہوا اور یہ بات تو خود موصوف بھی مانتے ہیں کہ اگر کسی آیت میں مدح کی خبر ہو اور اس کی شان نزول معین ہو تو اس مدح کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوگا جس کے بارے میں وہ آیت نازل ہوئی اور اس کی مانند دوسرے اشخاص پر بھی ہوگا، چونکہ اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح کے طور پر ان کے جنتی ہونے کی خبر دی گئی ہے لہٰذا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اس آیت کا اطلاق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی ہوگا۔

پھر دوسرا قاعدہ بیان کرتے ہوئے لکھا:

"فقط یہ بھی نہیں کہ دوسرے لوگ اس شخص کے برابر ہو سکتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ بھی سکتے ہیں۔"

(اہل کساء کا مقام صاحب ۱۳)

موصوف نے پھر اس کے تحت کچھ مثالیں بھی ذکر کیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ:

"وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ" (النساء ۶۹:)

"اگر چہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے لئے نازل ہوئی ہے مگر اس خبر مدح میں ان سے افضل صحابہ بھی شامل ہیں۔"

یونہی آیت کریمہ:

"وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ" (الاحزاب ۳۷:)

"اگر چہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لئے نازل ہوئی ہے۔ مگر اس فقہی مسئلہ میں ان سے افضل صحابہ

بھی شامل ہیں:۔"

ہم کہتے ہیں کہ جب ادنیٰ کے بارے نازل شدہ خبر مدح کے تحت اعلیٰ شامل ہو سکتا ہے تو پھر اعلیٰ کے بارے نازل شدہ خبر مدح کے تحت بلحاظ فرق مراتب کے ادنیٰ بھی شامل ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہماری اس بات کی تائید موصوف کی پیش کردہ تیسری مثال بھی کر رہی ہے کہ آیت کریمہ :

وسیجنبها الاتقی (اللیل ۱۷:)

اگرچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے نازل ہوئی اور آپ کی افضلیت کی بہترین دلیل ہے مگر راہ خدا میں خرچ کرنے والے کے لئے رضائے الٰہی کے ملنے کی خبر مدح میں ہر وہ شخص بھی شامل ہوگا جو آپ سے ادنیٰ ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ بفرض تسلیم اگر زیر بحث آیت کو حدیبیہ و فتح مکہ کے درمیان والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے مانا جائے تو بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آیت حدید میں شامل ہوں گے۔

تنبیہ:

ہم نے جو اعلیٰ و ادنیٰ کے الفاظ کہے یہ افضل و مفضول ہونے کے معنیٰ میں ہیں ورنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی اعلیٰ ہیں ان میں کوئی بھی ادنیٰ نہیں۔

نوٹ:

اگر موصوف قاری یا اس کا کوئی حمایتی یہ کہے کہ آپ کا یہ بعد والا استدلال درست نہیں بلکہ ان مثالوں میں تو صرف افضل ہونے یا نہ ہونے کی وضاحت کی جا رہی ہے تو ہم کہیں گے کہ آپ کا یہ عذر نامعقول ہے۔ اس لئے کہ یہ جزیات جس قاعدے کے تحت بیان کی جا رہی ہیں وہ شمولیت و عدم شمولیت کے بارے ہے نہ کہ افضلیت و عدم افضلیت کے ثبوت کے بارے۔ اس پہ مزید دلیل یہ ہے کہ موصوف نے ان جزئیات کو بیان کرنے سے قبل ان کا ما قبل بیان کردہ قاعدہ سے ربط کرتے ہوئے خود یوں لکھا ہے:

"فقط یہ بھی نہیں کہ دوسرے (شامل ہونے والے راقم) لوگ اس شخص کے برابر ہو سکتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ بھی سکتے ہیں۔"

اس فتح سے فتح مکہ نہیں بلکہ صلح حدیبیہ مراد ہے (قاری ظہور):

موصوف اپنے مؤقف پہ دوسری دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سورۃ الحدید کی اس آیت میں جو لفظ "الفتح" آیا ہے اس کی تفسیر معلوم کرنے کے لئے اگر آپ کتب تفسیر کو کھنگالنا شروع کر دیں تو آپ کو نقل در نقل کے طور پر فتح مکہ کے قائلین کی تعداد زیادہ ملے گی مگر اہل تحقیق مفسرین نے اس سے فتح مکہ نہیں بلکہ صلح حدیبیہ کی فتح مراد لی ہے اور اسی کو صحت کے قریب اور راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فتح مکہ اور فتح حدیبیہ دونوں کے بارے میں تفسیری اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

واولی الاقوال فی ذلك عندی ان یقال معنی ذٰلك لایستوی منکم ایها الناس من انفق فی سبیل الله من قبل الفتح الحدیبة للذی ذکرنا من الخبر عن رسول اللهﷺ الذی رویناه عن ابی سعید الخدری عنه

"اور میرے نزدیک ان اقوال میں سے صحیح یہ کہ اس آیت کا معنی یوں کیا جائے اے لوگو! تم ان کے برابر نہیں ہو جنہوں نے تم میں سے فتح حدیبیہ سے قبل راہ الٰہی میں خرچ کیا ہے، اس لئے کہ ہم اس کی دلیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ ارشاد نقل کر چکے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔" (جامع البیان ج ۱۲، ص ۳۹۵)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے قبل جو حدیث نبوی نقل فرمائی ہے وہ یہ ہے:

عن ابی سعید الخدری قال :قال لنا رسول اللهﷺ عام الحدیبیه یوشك ان یاتی قوم تحقرون اعمالکم مع اعمالکم قلنا :من هم یا رسول الله! قریش هم؛ قال: لا. ولکن اهل الیمن ارق افئدة والین قلوبا. فقلنا هم خیر امنا یا رسول الله، فقال لو کان لاحدهم جبل من ذهب فانفقه. ما ادرك مد احدکم ولا نصیفه الا ان هذا فصل ما بیننا و بین الناس لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل. الی قوله :والله بما تعملون خبیر

"سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ کے سال ارشاد فرمایا: عنقریب تمہارے پاس ایک قوم آئے گی جن کے اعمال کے مقابلہ میں تم اپنے اعمال کو حقیر سمجھو

گے۔ ہم نے عرض کیا : یارسول اللہ! وہ کون ہیں کیا قریش ہیں وہ؟ فرمایا نہیں لیکن وہ اہل یمن جو بہت زیادہ رقیق القلب اور نرم خو ہیں۔ ہم نے پھر عرض کیا یارسول اللہ! کیا وہ ہم سے بہتر ہیں؟ فرمایا : اگر ان میں سے کسی کے پاس سونے کا پہاڑ ہو پھر وہ اس کو خرچ کر دے تو وہ تمہارے ایک اور آدھے مُد کا مقابلہ بھی نہیں کرسکتا۔ سنو! ہمارے اور ان کے لوگوں کے درمیان یہ آیت حد فاصل ہے تم میں سے کوئی برابری نہیں کرسکتا۔ ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی انکا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی اور سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے بخوبی خبردار ہیں۔"

(جامع البیان ج ۲۲ ص ۳۹۴، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۱۰، ص ۳۳۳۶)

اس روائت کے راویوں پہ بحث کرنے کے بعد مزید لکھا:

امام سیوطی نے سورۃ الفتح کی تفسیر میں محدث عبد بن حمید سے اس سے بھی زیادہ واضح حدیث نقل فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

عن عامر الشعبی. ان رجلا سئل النبی ﷺ یوم ال. الحدیبیة أفتح هذا؛ قال : و انزلت علیه انا فتحنا لك فتحنا مبینا فقال النبی ﷺ :نعم :عظیم. قال :وکان فصل مابین الهجرتین فتح الحدیبة. فقال : لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل"

"حضرت عامر شعبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیبیہ کے دن دریافت کیا : کیا یہ فتح ہے؟ راوی کہتے ہیں : اور آپ پر یہ آیت انا فتحنا لك فتحا مبینا' نازل کی گئی تھی۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ہاں عظیم فتح ہے۔ فرمایا دو ہجرتوں کے درمیان فرق حدیبیہ کی فتح ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی "لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قائل "(الدرالمنثور ج ۱۳، ص ۴۶۱)۔ (صلح الامام الحسن ص ۳۱۰ تا ۳۱۲)

جواب نمبر: ۱۔ امت کے کثیر اور اجلہ مفسرین نے اس فتح سے فتح مکہ مراد لی ہے:

موصوف نے یہ لکھ کر کہ ”سورۃ الحدید کی اس آیت میں جو لفظ ”الفتح“ ہے اس کی تفسیر معلوم کرنے کے لئے اگر آپ کتب تفسیر کھنگالنا شروع کریں گے تو آپ کو نقل در نقل کے طور پر فتح مکہ کے قائلین کی تعداد زیادہ ملے گی۔ مگر اہل تحقیق مفسرین اس فتح سے فتح مکہ نہیں بلکہ صلح حدیبیہ کی فتح مراد لی ہے۔“ بڑی چالاکی سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جن مفسرین نے اس سے صلح حدیبیہ مراد لی ہے اہل تحقیق تو صرف وہی ہیں، باقی تمام تو نہ صرف یہ کہ غیر اہل تحقیق ہیں بلکہ مکھی پر مکھی مارتے آئے ہیں۔ انہیں ذرا بھی سمجھ نہ آسکی کہ اس آیت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

لیکن اس حقیقت سے موصوف بھی نہ انکار کر سکے کہ فتح مکہ کے قائلین کی تعداد زیادہ ہے، آئیے ہم ان تفاسیر میں سے کچھ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جن میں ”فتح مکہ“ مراد لی گئی ہے اور فیصلہ اپنے قارئین پہ چھوڑتے ہیں کہ آیا ان کے مصنفین بھی اہل تحقیق شمار ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ ان کی تفسیر بھی معتبر و مقبول سمجھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ ملاحظہ ہو:

تفسیر خازن جزء ۲۷، ص ۲۷، تفسیر جلالین ص ۴۴۹، تفسیر مدارک ج ۳، ص ۴۳۵، تفسیر بغوی ج ۴، ص ۳۲۳، تفسیر ماوردی ج ۵، ص ۴۷۱، تفسیر ابن عباس ص ۵۳۸، تفسیر کبیر ج ۱۰، ص ۴۵۲، تفسیر مظہری ج ۷، ص ۲۸، تفسیر ابی سعود ج ۶، ص ۲۰۱، تفسیر روح المعانی ج ۱۴، ص ۲۶۳، تفسیر قرطبی، ج ۱۷، ص ۲۰۵، تفسیر صاوی ج ۶، ص ۲۱۰۶، تفسیر روح البیان ج ۹، ص ۴۲۲، تفسیر جمالین ج ۲، ص ۳۷۰، تفسیر ماتریدی ج ۹، ص ۵۱۹، تفسیر البحر المحیط ج ۸، ص ۳۰۹، احکام القرآن للجصاص ج ۳، ص ۶۲۲، ابن کثیر مترجم ج ۵، ص ۲۴۳، کشاف ص ۱۳۵۴، تفسیر ضیاء القرآن ج ۵، ص ۶۲۲، تفسیر رضوی ج ۴، ص ۱۸۲، تفسیر نور العرفان ص ۸۴۰، تفسیر تبیان القرآن ج ۱۱، ص ۷۱۸، تفسیر صراط الجنان ج ۹، ص ۷۳۳)

درج تفاسیر میں بھی یہ تفسیر مراد لی گئی ہے:

”تفسیر سمرقندی، تفسیر التحریر والتنویر، تفسیر بیضاوی، تفسیر لطائف الاشارات تفسیر کبیر للطبرانی، تفسیر جیلانی، تفسیر ثعلبی، تفسیر تذکرۃ الاریب لابن جوزی، تفسیر صنعانی وغیرہا۔“

جواب نمبر: ۲۔ تفسیر طبری اور تفسیر در منثور کے حوالاجات موصوف کے مؤید نہیں ہیں:

موصوف نے صلح حدیبیہ کی فتح مراد لینے پہ تائیداً جو پہلی نقل پیش کی ہے وہ تفسیر ابن جریر سے ہے کہ:

واولی الاقوال فی ذلك بالصواب عندی...

”یعنی امام طبری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ان اقوال سے صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ (خلاصہ)“

اس نقل کے بارے پہلی گزارش تو یہ کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے موصوف قاری کی طرح فتح مکہ کے قائلین کو غیر اہل تحقیق اور مکھی پہ مکھی مارنے والا قرار نہیں دیا بلکہ اولاً اس کے بارے اختلاف کو بایں الفاظ بیان کیا۔

اختلف اهل التاويل فی تاويل ذلك فقال بعضهم :معناه لا يستوی منكم ايها الناس من امن قبل وهاجر و قال آخرون عنی بالفتح فتح :مكة وبالنفقة فی جهاد المشركين قال آخرون :عنی بالفتح فی هذا الموضع صلح الحديبية

”مفسرین کا اس (فتح) کی تفسیر میں اختلاف ہے، ان میں سے بعض کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اے لوگو تم میں سے وہ لوگ برابر نہیں جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور ہجرت کی اور دوسرے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ ہے اور خرچ سے مراد مشرکین کے خلاف جہاد میں خرچ کرنا ہے اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس جگہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔“

(تفسیر طبری ج ۱ ص ۲۲۲)

اس کے بعد اپنی رائے دی اور اسے بھی ”عندی“ (میرے نزدیک) سے مقید کر دیا: اس قید سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ آپ کی رائے ہے، مگر اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ یہ قول علی الاطلاق ”اولی الاقوال“ ہے ورنہ آپ بھی ”عندی“ کی قید نہ لگاتے جبکہ فتح مکہ کے قائل مفسرین کی ایسی عبارات ملتی ہیں کہ جن میں سے فتح مکہ مراد ہونا مطلقاً اولیٰ اور ارجح قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم اس پر باحوالہ گفتگو کریں گے۔

جہاں تک موصوف کی دوسری نقل کا تعلق ہے جس کو بایں الفاظ بڑے طمطراق سے پیش کیا گیا ہے کہ:

”امام سیوطی نے سورۃ الفتح کی تفسیر میں محدث عبد بن حمید سے اس سے بھی زیادہ واضح حدیث نقل فرمائی ہے۔“

تو اس کا جواب یہ ہے کہ موصوف کو یہ نقل بھی ذرا بھر مفید نہیں، بلکہ ان کے مخالف اور ہمارے موافق ومؤید ہے،

وہ اس لئے کہ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر درمنثور میں صرف اور صرف اس بات کا التزام کیا ہے کہ کسی بھی آیت کے متعلق جو احادیث و آثار آئے ہیں ان کو اس کے تحت درج کر دیا جائے، قطع نظر اس کے کہ وہاں فیصلہ کن تفسیر کون سی ہوگی۔ جبکہ اس کے برعکس تفسیر جلالین میں ان اقوال کو لانے کا التزام کیا گیا جو فیصلہ کن، معتمد اور ارجح ہیں جیسا کہ تفسیر جلالین کے مقدمہ میں فرمایا:

والاعتماد علی ارجح الاقوال "اور ارجح اقوال پر اعتماد کیا گیا ہے" (تفسیر جلالین ص ۴)

اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہلسنت فرماتے ہیں:

"مطلب اصح جس کے مطالعہ کو جلالین کہ اصح الاقوال پر اقتصار کا جن کو التزام ہے سر دست بس ہے، ہاتھ سے نہ جائے۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۲۶، ص ۶۵۷)

اس تفسیر جلالین میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث آیت میں مذکور "الفتح" سے فتح مکہ ہی مراد لی ہے۔

جلالین کے الفاظ یہ ہیں من قبل الفتح لمکۃ۔ "یعنی فتح مکہ سے پہلے۔" (ص ۴۴۹)

ثابت ہوا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے منصب محدث کے پیش نظر وہ حدیث درمنثور میں تو نقل کر دی ہے لیکن جہاں تک اس بابت ان کا اپنا نظریہ ہے تو وہ خود اس سے "فتح مکہ" کو بطورِ ارجح الاقوال لیتے ہیں۔

قارئین کرام:

۔ تفسیر جلالین چونکہ مدارس دینیہ میں بطور درسی کتاب کے پڑھائی جاتی ہے اور اس بارے ہماری نقل کردہ تحقیق علم تفسیر کے اول درجے کے طلباء بھی جانتے ہیں۔ مگر یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ جس چیز کو ابتدائی طلباء تو جانتے ہوں مگر خود ساختہ "ریسرچ اسکالر" نہ جانتا ہو!

ہمیں نہیں معلوم کہ بایں وجہ موصوف کو علم تفسیر سے جاہل سمجھا جائے یا پھر خائن و دھوکے باز۔

اصل فتح صلح حدیبیہ ہے، قول محقق (ظہور فیضی):

موصوف درج بالا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

اس تفسیر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی ابہام باقی نہ ہو رہا کہ سورۃ الحدید کی آیت نمبر دس "لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل" میں جس فتح کا ذکر ہے، اب اس سلسلہ میں اگرچہ تفسیری اقوال نقل کرنے کی حاجت نہیں تاہم بعض لوگوں کی تسلی کے لئے چند حوالات پیش کرتا ہوں امام ابوحیان اندلسی نے اس قسم کے دلائل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو قول جمہور قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وقال الجمهور هو فتح الحديبية قاله السدى والشعبى والزهرى قال ابن عطية وهو الصحيح

"جمہور نے کہا یہ فتح حدیبیہ ہے اور یہی سدی، شعبی اور زہری کا قول ہے ابن عطیہ نے کہا: یہی صحیح ہے۔

(البحر المحیط ج ۸، ص ۸۹)

علامہ محمود آلوسی حنفی نے اس مقام پر تفصیلی کلام کیا اور فرمایا ہے کہ قبل از فتح اور بعد از فتح سے مراد صلح حدیبیہ کے بعد ہے پہلے انہوں نے مشہور حدیث "لاتسبوا اصحابی" درج فرمائی ہے۔ اس میں حضرت عبدالرحمان بن عوف اور خالد بن ولید کے تنازع کا ذکر ہے۔ ان میں اول الذکر قدیم الاسلام میں اور مؤخر الذکر صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے آیت میں جو لفظ "اولئک اعظم" درجہ آیا ہے اس سے انہوں نے حدیبیہ سے پہلے والے قدیم الاسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مراد لیا ہے اور "من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا" سے صلح حدیبیہ سے بعد والوں کو مراد لیا ہے۔ پھر انہوں نے نتیجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

ثم فی الحديث تائيد مالكون اولئك هم الذين انفقوا قبل الحديبية إلا ان اسلامه رضى الله عنه كان بين الحديبية و فتح مكة كما فى التقريب وغيره والزمخشرى فسر الفتح بفتح مكة. فلا تغفل

"پھر حدیث (لاتسبوا) میں اس بات کی تائید ہے کہ "اعظم درجة" میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے کیونکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں اسلام لائے تھے جیسا کہ تقریب التہذیب وغیرہ کتب میں ہے اور علامہ زمخشری نے الفتح کی تفسیر فتح سے کی ہے۔ لہٰذا غفلت کا شکار نہ ہونا۔" (روح المعانی ج ۲۴، ص ۴۱۲)

پیر محمد کرم الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق سورۃ الحدید کا نزول ہی فتح مکہ سے پہلے ہوا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ اس کی آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول غزوہ احد اور صلح حدیبیہ کے درمیان عرصہ میں ہوا۔ (ضیاء القرآن ج ۵، ص ۱۰۴)، اس فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ (ضیاء القرآن ج ۵، ص ۵۳۱)

مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ الفتح کی پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اکثر مفسرین فتح سے صلح حدیبیہ مراد لیتے ہیں۔" (خزائن العرفان ص ۵۲۰)

اس کے بعد نواب صدیق حسن کا حوالہ پیش کیا۔

جواب نمبر: ۱۔ موصوف کی دھوکہ دہی اور ان کے نقل کردہ تفسیری شواہد کی حقیقت:

موصوف نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس فتح سے فتح حدیبیہ ہونا ہی محقق و ارجح ہے، اپنے ماہرانہ تبصرہ کے ساتھ ساتھ چند تفسیری شواہد بھی پیش کئے ہیں، ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے بارے منصفانہ کلام کریں تا کہ ہمارے قارئین ان کی حقیقت سے آگاہ ہو سکیں۔

پہلی شہادت تفسیر "البحر المحیط" سے نقل کی گئی ہے، جس میں "قول جمہور" کا قول کیا گیا۔ مگر راقم نے جب تفسیر "البحر المحیط" کا یہ مطلوبہ مقام دیکھا تو حیران رہ گیا کہ امام ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ حدید کی اس آیت کی تفسیر موصوف قاری کے مؤقف کے بالکل برعکس کی ہے ان کی اصل عبارت یوں ہے:

والفتح مکة وهو المشهور وهو قول قتادة وزيد بن اسلم و مجاهد فقال ابو السعيد والشعبی وهو فتح الحديبية وقد تقدم فی اول سورة الفتح كونه فتحا

اس آیت میں (مذکور) فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور یہی مشہور قول ہے اور یہی قتادہ، زید بن اسلم اور مجاہد کا قول ہے اور ابو السعید اور شعبی کہتے ہیں اس سے مراد فتح حدیبیہ ہے اور سورۂ فتح کے شروع میں اس کے فتح ہونے کے بارے گفتگو گزر چکی ہے۔ (تفسیر البحر المحط ج۸.ص۳۰۹)

موصوف کی اس چوری کو علمی خیانت کہا جائے یا دھوکہ دہی؟ اس کا فیصلہ ہم قارئین پہ چھوڑتے ہیں مگر ہم ایسی ریسرچ اسکالری کو ست سلام کہتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

ممکن ہے موصوف یا ان کا کوئی چاہنے والا یہ کہے کہ جی یہاں کوئی دھوکہ دہی نہیں ہے بلکہ امام ابو حیان کی یہ عبارت سورۂ فتح کی ابتدائی آیات کے تحت سے لی گئی ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ آپ کی یہ بات "عذرِ گناہ بدتر گناہ" کی مصداق ہے، اس لئے کہ تصنیف کی انصافی حدود کا تقاضا یہ تھا کہ اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے یہ وضاحت کی جاتی کہ یہ تفسیر سورۂ حدید کی آیت نمبر دس کی نہیں بلکہ سورۂ فتح کی ابتدائی آیات کی ہے۔ کیونکہ موصوف اپنی اس بحث کو یہ عنوان خود دے چکے ہیں:

"وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" سے استدلال کا جائزہ":

"مگر موصوف ایسا کرتے بھی کیوں، ایسا کرنا تو گویا ان کے لئے زہر کا پیالہ پینے کے مترادف تھا۔" اس لئے کہ امام حیان رحمۃ اللہ علیہ سورہ حدید کی زیر بحث آیت کی تفسیر میں دوٹوک الفاظ میں اپنا یہ فیصلہ دے چکے

یں کہ: "والفتح مکۃ وھو المشھور"

جہاں تک سورۂ فتح کی ابتدائی آیات کا تعلق ہے تو موصوف قاری کے نقل کردہ قول کے باوجود حضرت امام اندلسی لکھتے ہیں: "والظاھر ان ھذا الفتح ھو فتح مکۃ" اور ظاہر ہے کہ اس فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔"

(تفسیر البحر المحیط ج ۸، ص ۱۲۵)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نقل موصوف قاری کی مؤید نہیں ہے بلکہ ایک دم ان کے مخالف اور ہماری مؤید ہے۔ جہاں تک "قال الجمھور" کا معاملہ ہے تو ان شاء اللہ آگے چل کر اس پر بھی کلام کیا جائے گا۔ یونہی تفسیر روح المعانی کی شہادت بھی موصوف کو ذرہ بھر مفید نہیں ہے بلکہ ان کے مؤقف کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی مؤقف بھی یہی ہے کہ زیر بحث آیت میں مذکور "الفتح" ے مراد فتح مکہ ہے۔ بلکہ آپ نے بھی اسے ہی مشہور قول قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں "والفتح فتح مکۃ علی ماروی عن قتادۃ زید بن اسلم و مجاھد وھو المشھور... وقال الشعبی ھو فتح الحدیبیۃ...... اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے اس بنیاد پر کہ یہ حضرت قتادہ، زید بن اسلم اور مجاہد سے مروی ہے اور یہی مشہور قول ہے...... اور شعبی فرماتے ہیں کہ یہ فتح حدیبیہ ہے۔

(تفسیر روح المعانی جزء ۲۷، ج ۱۴، ص ۲۶۳)

موصوف نے جو روح المعانی سے حدیث نقل کی وہ بھی اس کے مخالف مؤقف کو ثابت کرتی ہے اس لئے کہ موصوف تو اپنے اس عقیدے کے حامی ہیں کہ "لاتسبوا اصحابی" سے صرف اور صرف سابقین اولین صحابہ ہیں۔ (دیکھئے الاحادیث الموضوعہ ص ۱۶۴) اور یہ کہ تمام صحابہ جنتی نہیں ہیں۔ (دیکھئے صلح الامام الحسن ص ۱۰۴) جبکہ حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث "لاتسبوا اصحابی" سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کے لئے استدلال کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں:

اقول: شاع الاستدلال بھذا الحدیث علی فضل الصحابۃ مطلقاً بناء علی ماقالوا: ان اضافۃ الجمع تفید الاستغراق۔

"میں کہتا ہوں کہ اس حدیث مبارکہ کے ذریعے مطلقاً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر استدلال کرنا مشہور و معروف ہے۔ اس قانون کی بنیاد پر جو علماء نے بیان کیا ہے کہ جمع کی اضافت استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ (جیسا کہ حدیث میں اصحاب جمع کی اضافت ہے یاء ضمیر متکلم کی طرف، راقم)

(روح المعانی جزء ۲۷، ج ۱۴، ص ۲۶۵)

ان حقائق کی روشنی میں ہم یہ کہنے پہ مجبور ہیں کہ موصوف کی آنکھوں پر عشقِ گمراہیت کی ایسی سیاہ پٹی بندھ چکی ہے کہ انہیں سفید بھی سیاہ دکھائی دیتا ہے۔ کسی نے ٹھیک کہا تھا ؎

عشق میں ہر نقش اُلٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

موصوف نے حسب عادت ضیاء القرآن کی نقل میں بھی دھوکہ دہی سے کام لیا ہے کیونکہ ضیاء القرآن میں بھی زیر بحث آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فتح مکہ مراد لی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"فتح سے مراد فتح مکہ ہے. بعض نے صلح حدیبیہ بھی مراد لیا ہے۔" (ضیاء القرآن ج ۵. ص ۱۱۳)

راقم کہتا ہے کہ موصوف کو ضیاء القرآن سے حوالہ نقل کرنا "موت کو ماسی" کہنے کے مترادف ہے کیونکہ صاحب ضیاء القرآن نے اپنی تفسیر میں جا بجا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عادل. متقی. مغفور. اور قطعی جنتی ہونا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی پہ بھی طعن کرنے والے کی ٹھیک ٹھاک ٹھکائی کی ہے۔

ملاحظہ ہو:

ج ۵. ص ۱۱۴. زیر آیت واللہ بما تعملون خبیر حدید ۱۰:
ج ۲. ص ۱۷۰. آیت نمبر ۷۴. سورہ انفال
ج ۱. ص ۲۵۹ـ ۲۶۰. سورہ العمران آیت نمبر ۱۰۳، وغیرہا

اور ادھر حال یہ ہے کہ موصوف نہ صرف یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کھلے بندو سب وشتم کرتے ہیں بلکہ تمام صحابہ کے جنتی ہونے سے بھی انکاری ہیں۔ یونہی موصوف نے تفسیر خزائن العرفان کی شہادت نقل کرنے میں بھی مغالطہ آفرینی سے کام لیا ہے۔ اس لئے کہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث آیت کی تفسیر قطعاً وہ نہیں فرمائی جو موصوف نے نقل کی ہے۔ بلکہ آپ نے بھی اس آیت کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

"یعنی پہلے خرچ کرنے والوں سے بھی اور فتح کے بعد خرچ کرنے والوں سے بھی۔"

(خزائن العرفان ص ۹۹۴ تحت آیت ۱۰ : سورہ حدید)

چونکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث آیت کے ترجمہ میں "فتح مکہ" مراد لیا اور حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک بھی اس سے مراد "فتح مکہ" ہے۔ مگر موصوف نے یہاں پہ بھی کمال چالاکی کے ساتھ سورۂ حدید کی آیت ۱۰ کی یہ تفسیر چھوڑ کر سورۂ فتح کی ابتدائی آیات کی تفسیرِ اٹھا کر نقل کر دی۔ حالانکہ آغاز بحث میں وہ اپنا عنوان یوں قائم کر چکے تھے۔

"وکلا وعد اللہ الحسنیٰ سے استدلال کا جائزہ"

ایسی شان تحقیق وتصنیف کو داد دیتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ

ناخن نہ دے خدا تجھے اے پنجۂ جنوں
دے گا تمام عقل کے بخیے ادھیڑ تو

نوٹ:

اس بابت جو اغیار کا حوالہ پیش کیا گیا چونکہ وہ ہمارے مسلمات سے نہیں اس لئے اس سے صرف نظر کیا جا رہا ہے۔

جواب نمبر :۲۔ اس سے مراد "فتح مکہ" کے ارجح واصح ہونے پہ دس (۱۰) دلائل:

بفضلہ تعالیٰ ہم نے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا کہ نہ ہی موصوف کا دعویٰ درست ہے اور نہ ان کی پیش کردہ تفسیری شہادتیں ان کے دعوے سے میل کھاتی ہیں۔ اب اس بات پر دلائل پیش کئے جاتے ہیں کہ اس فتح سے "فتح مکہ" کا ہونا ہی ارجح اور اصح ہے۔

دلیل نمبر:۱

تفسیر جلالین میں فتح مکہ ہی سے تفسیر کی گئی ہے جو اس کے ارجح ہونے کی واضح ترین دلیل ہے کیونکہ اس میں ارجح اقوال لانے کا التزام کیا گیا ہے۔ تفسیر جلالین کے مقدمے میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

والاعتماد علی ارجح الاقوال "یعنی ارجح اقوال پر اعتماد کیا جائے گا۔" (ص ۴)

دلیل نمبر:۲

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس بابت دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

المراد لهذا الفتح فتح مكة لان اطلاق لفظ الفتح فی التعارف يصرف اليه. قال عليه السلام لا هجرة بعد الفتح

"اس فتح سے مراد "فتح مکہ" ہے کیونکہ لفظ فتح کا مطلقاً استعمال ہونا عرف میں اسی معنیٰ کی طرف پھیرا

جاتا ہے (جیسا کہ اس حدیث نبوی میں فتح مطلق سے "فتح مکہ" مراد ہے) آپ فرماتے ہیں فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے۔" (تفسیر کبیر ج ۱۰، ص ۴۵۲)

ثابت ہوا جب بھی لفظ فتح بولا جاتا ہے عرفِ میں اس سے فتح مکہ ہی مراد ہوتی ہے۔

دلیل نمبر: ۳

کئی معتبر تفاسیر میں اسے اکثر مفسرین کا قول قرار دیا گیا ہے جیسا کہ: تفسیر البحر المحیط میں ہے:

والفتح مكة وهو المشهور
"اس سے مراد فتح مکہ ہے اور یہی مشہور قول ہے۔" (ج ۸، ص ۳۰۹)

تفسیر خازن میں ہے کہ تفسیر قرطبی اور ثعلبی میں ہے:

يعني فتح مكه في قول اكثر المفسرين
"اکثر مفسرین کے قول کے مطابق اس سے فتح مکہ مراد ہے۔" (جزء ۲۷، ص ۲۷، تحت آیت ۱۰ حدید)

تفسیر روح المعانی میں ہے: وهو المشهور "یعنی فتح مکہ ہونا ہی مشہور ہے۔"

دلیل نمبر: ۴

کئی تفاسیر میں اسے جمہور کا قول بھی قرار دیا گیا۔ تفسیر التحریر والتنویر، تفسیر بغوی اور تفسیر مظہری میں ہے:

وهذا قول جمهور المفسرين
"اور یہ جمہور مفسرین کا قول ہے۔" (التحریر والتنویر، بغوی ج ۴، ص ۳۲۳، مظہری ج ۷، ص ۲۸)

تفسیر روح البیان میں ہے:

وهذا قول الجمهور "اور یہ جمہور کا قول ہے۔" (ج ۱۴، ص ۲۶۳)

یونہی ابن کثیر میں ہے:

والجمهور على ان المراد بالفتح ههنا: فتح مكة
"جمہور مفسرین کے نزدیک اس جگہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔" (تحت آیت لا يستوى منكم)

دلیل نمبر: ۵

یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جیسا کہ تفسیر ماوردی میں فرمایا گیا ہے کہ:

لایستوی منکم.. فیہ قولان : احدهما : لا یستوی من اسلم من قبل فتح مکة قاتل ومن اسلم بعد فتحها وقاتل قاله ابن عباس و مجاهد

(تفسیر ماوردی ج ۵ ص ۴۷۱)

اور حضرت بن عباس رضی اللہ عنہ کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے بڑے دس (۱۰) مفسر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔" (دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن ج ۲،ص ۳۸۲)

آپ ہی کو "خبر الامۃ اور ترجمان القرآن کہا جاتا ہے۔

آپ کے مقام تفسیر کے بارے مزید تفصیل موصوف قاری ہی کے قلم سے ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:

"سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے سینہ مبارک سے لگایا اور دعا فرمائی۔ "اللهم علمه الکتاب" اے اللہ! اس کو قرآن سکھا دے۔"

(بخاری رقم ۷۵ـ۷۲۷، مسند احمد ج ۳،ص ۴۲۸، رقم ۳۳۷۹)

ایک اور مقام میں ہے:

اللهم علمه الحکمة . 'اے اللہ! اس کو حکمت سکھا دے۔"

(بخاری رقم ۳۷۵۶، سنن الترمذی ۳۸۲۴، الاحاد والمثانی رقم ۳۷۵)

بعض روایات میں "تاویل الکتاب" کا اضافہ ہے یعنی اسے قرآن سے معانی نکالنا سکھا۔

(سنن ابن ماجہ رقم ۱۶۶، الطبقات الکبریٰ لابن سورج ۲،ص ۲۶۸)

(ایک اور مقام پر یوں دعا فرمائی:

اللهم فقهه فی الدین وعلمه التاویل

"اے اللہ! اس کو دین میں فقہ عطا فرما اور قرآن کی تاویل سکھا۔"

(مسند احمد رقم ۳۰۳۳، ۳۱۰۲، بخاری رقم ۱۴۳، صحیح ابن حبان رقم ۷۰۵۵، المعجم الاوسط رقم ۱۴۴۴، ۳۳۸۰، المعجم الکبیر ج ۱۰،ص ۳۲۰ وج ۱۱ص ۱۱۰، ج ۱۲،ص ۱۰۷۰، المستدرک ج ۳،ص ۵۳۴، وط ج ۳ ص ۶۱۵، رقم ۶۲۸۰، المصنف لا بن شیبہ ج ۱۲،ص ۱۱۲، وط : ج ۱۷،ص ۱۸۸، رقم ۳۲۸۸۷، الاحاد دالمثانی رقم ۳۸۰، الطبقات الکبریٰ لا بن سعد ج ۲،ص ۲۷۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی:

اللهم بارك فیه وانشر منه "اے اللہ! اس میں برکت رکھ دے اور اس سے علم پھیلا۔"

(مختصر ابن عساکر ج ۱۲، ص ۲۹۹،، کتاب الاربعین للطائی ج ۹۶، الکامل لابن عدی ج ۳، ص ۵۵۰.
حلیۃ الاولیاء ج ۱، ص ۳۹۰، الاستیعاب ج ۳، ص ۶۷، الاصابہ ج ۴، ص ۱۲۵، الاتقان ج ۲،
ص ۴۶۷، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۱، ص ۱۲۱، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵، ص ۱۴۰)

(انوار العرفان فی اسماء القرآن ص ۶۲۵ تا ۶۲۸)

ایک مقام پر قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن کی تردید کرتے ہوئے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کو باطل قرار دینا فیضانِ مصطفیٰ کی تکذیب ہے۔ موصوف کی عبارت یہ ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں صاحبان نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تفسیر کو باطل ٹھہرا کر فیضان مصطفیٰ ﷺ کی تکذیب کی ہے۔" (انوار القرآن ص ۶۲۵)

اسی کتاب کے صفحہ ۶۳۳ پر لکھا:

"نبی کریم ﷺ کی تفسیر کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کا مقام ہے۔"

(خلاصہ عبارت ص ۶۳۳)

ایسے عظیم اور جلیل القدر صحابی رسول مفسر سے اس تفسیر (یعنی فتح سے فتح مکہ مراد ہونا) کا منقول ہونا اس کے ارجح ہونے کی دلیل بین ہے۔

دلیل نمبر: ۶

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لائق ترین شاگرد حضرت امام مجاہد سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ جو اس کے اصح ہونے کی واضح ترین دلیل ہے اور آپ کا بھی مقام علم تفسیر یہ ہے کہ آپ خود فرمایا کرتے:

عرضت القرآن علی ابن عباس ثلاثین مرۃ
"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حضور میں نے تیس (۳۰) بار قرآن مجید پیش کیا ہے (یعنی آپ سے تیس بار مکمل قرآن مجید کی تفسیر پڑھی ہے۔)" (الاتقان ج ۲، ص ۳۷۶)

آپ کے متعلق حضرت امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

اذا جاءك التفسير عن مجاهد فحسبك به
"جب تیرے پاس حضرت امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی تفسیر آجائے تو تجھے وہی کافی ہے۔"

(ایضاً ص ۳۷۷)

دلیل نمبر: ۷

یہ تفسیر مفسرین مکہ سے مروی ہے اور مکہ والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دیگر کی نسبت اعلم التفسیر (تفسیر کے سب سے بڑے عالم) تھے۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اعلم الناس بالتفسیر اهل مکة لانهم اصحاب ابن عباس کمجاهد

"لوگوں میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم مکہ والے ہیں، کیونکہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اصحاب ہیں جیسا کہ حضرت امام مجاہد۔ (ایضاً ص ۳۷۷) اور یہ تفسیر بھی مکی مفسرین سے مروی ہے:

دلیل نمبر: ۸

اس فتح سے صلح حدیبیہ کا مراد ہونا کچھ مفسرین کے سوا تقریباً سبھی نے صیغہ تمریض "قیل" سے ذکر کیا ہے یا پھر قول جمہور و اکثر کے ساتھ ذکر کیا ہے، یا پھر اولاً فتح مکہ کا قول مراد لے کر اسے ثانیاً ذکر کیا ہے جیسا کہ ہمارے نقل کردہ تفسیری شواہد کی تفصیل میں جا کر دیکھا جا سکتا ہے اور یہ ساری صورت حال بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ "فتح مکہ" کا مراد ہونا ہی ارجح اور اصح ہے۔

دلیل نمبر: ۹

اس سے فتح مکہ کا مراد ہونا صحابی رسول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عظیم تابعی حضرت امام مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جبکہ "صلح حدیبیہ" کا مراد ہونا امام شعبی اور امام زہری وغیرہ سے مروی ہے۔ اور اسماء الرجال سے شغف رکھنے والا ہر صاحب علم بخوبی جانتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تفسیر میں شعبی و زہری سے بے حد درجہ بلند ہیں۔ مع ہذا آپ شرف صحابیت سے بھی مشرف ہیں۔ یونہی امام مجاہد بھی ان دونوں بزرگوں (شعبی و زہری) سے کہیں اونچے درجے کے مفسر ہیں۔ جس کی وجہ و جیز کی طرف ہم اشارہ کر چکے یہ تقابل بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ فتح مکہ کا مراد ہونا ارجح ہو۔

دلیل نمبر: ۱۰

اس سے فتح مکہ کا مراد ہونا "فرقہ زیدیہ" سے بھی ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو "تفسیر الاعقم" میں ہے

قیل :فتح مکه کہا گیا ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ (تحت لا یستوی)

قرین قیاس بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ تفسیر اہلبیت کے چشم و چراغ امام زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ

سے مروی ہے۔ جیسا کہ حضرت امام ابو یوسف یا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی مسئلے کا منقول ہونا یہی ثابت کرتا ہے کہ یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اور امام زید شہید رضی اللہ عنہ کے قول کی کیا حیثیت ہے وہ موصوف قاری کے قلم سے ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

> ”یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بعد میں جتنے علماء اسلام نے ضخیم تفاسیر لکھی ہیں انہوں نے سیدنا امام زید بن علی رضی اللہ عنہم کے اقوال تفسیریہ کو امام التفسیر کے طور پر نقل کیا ہے۔“

(تفسیر غریب القرآن ص ۴۰)

توجب ان کے تفسیری اقوال کا یہ رتبہ ہے تو لازمی ٹھہرا کہ اس سے فتح مکہ مراد ہونا ارجح قرار پائے۔

تلک عشرۃ کاملۃ

نوٹ:

موصوف اس فرقہ زیدیہ سے اس قدر متاثر ہیں کہ انہیں ”زیدی غالی شیعہ“ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ ہم نے اسی لئے دلیل نمبر ۱۰ ”فرقہ زیدیہ“ کی تفسیر سے اخذ کی۔

مصنف کی طرف سے تلبیس الحق بالباطل کا بدترین مظاہرہ:

موصوف لکھتے ہیں:

> ”فقہ اور عقائد میں ہم میں اور ”زیدیہ“ میں ۹۵ فیصد اتفاق ہے۔“

(خلاصہ عبارت، تفسیر غریب القرآن ص ۵۲۔۹۵)

موصوف کا کہنا کہ ”ہم میں اور زیدیہ میں ۹۵ فیصد اتفاق ہے“۔ یہ تلبیس الحق بالباطل کا بدترین مظاہرہ اور ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ صرف یہ نہیں کہ زیدیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلفاء ثلثہ پر تفضیل دیتے ہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے عقائد و مسائل ہیں جو ہمارے اور اُن کے درمیان قطعی مختلف ہیں۔ اس کے لئے ذیل کی بحث پڑھئے:

امام شہرستانی ”فرقہ زیدیہ“ کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

> ”بعد اس کے کہ جب مفضول کی امامت کا قول کیا۔ زیدیہ کی اکثریت امامیہ کی طرح صحابہ کرام [پر] طعن کی طرف مال ہوگئی۔ اور ان کی تین اقسام ہیں۔ جارودیہ، سلیمانیہ اور بتریہ

انہیں صالحیہ بھی کہا جاتا ہے۔" (الملل والنحل ص ۱۹۰)

اس کے محشی لکھتے ہیں:

الجارویۃ :اصحاب ابی الجارود. قالوا بالنص علی علی رضی الله عنه والصحابة كفروا بمخالفته

"ابو الجارود کے ساتھیوں کو جارودیہ کہا جاتا ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر نص آئی ہے اور اس کی مخالفت کی وجہ سے تمام صحابہ کافر ہو گئے تھے۔" (ایضاً حاشیہ نمبر ۳)

شہرستانی کہتے ہیں:

"حضرت زید رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کے قائل نہیں تھے۔" (ایضاً ص ۱۹۱)

سلیمانیہ:

"تو یہ حضرت عثمان، حضرت عائشہ، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دیتے ہیں۔" (ایضاً ص ۱۹۳)

بتریہ (یا صالحیہ)

حسن بن صالح بن حی کے ساتھیوں کو صالحیہ کہا جاتا ہے اور کثیر نوی ابتر ے ساتھیوں کو بتریہ کہا جاتا ہے۔ یہ مذہب اور امامت کے معاملے میں سلیمانیہ ہی کی طرح ہیں۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مومن یا کفر کہنے کے معاملے میں توقف کرتے ہیں۔" (ایضاً ص ۱۹۵، خلاصہ)

قارئین کرام! اندازہ لگائیں ہم نے صرف دیگ میں سے ایک دانہ چیک کروایا ہے۔ اس سب کے باوجود بھی اگر کوئی ۹۵ فیصد کے اتحاد کی بات کرے تو اسے چاہئے کہ اپنے نظریہ و عقل پر ماتم کرے۔"

موصوف کے زیدی غالی شیعہ ہونے کا ثبوت:

ہم نے جو یہ کہا کہ قاری ظہور "زیدی غالی شیعہ" ہے تو اس کی یہ بھی دلیل ہے کہ اس نے "ابو خالد واسطی" کی نہ صرف یہ کہ تحسین و تعریف کی ہے بلکہ اس کے لئے رحمت و رضا کی دعا بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو: لکھتے ہیں:

"یہ تفسیر (غریب القرآن) باقاعدہ امام پاک (زید) کی زبان سے اداشدہ الفاظ پر مشتمل ہے جسے ان کے شاگرد حضرت ابو خالد عمرو بن خالد واسطی رضی اللہ عنہ نے قلمبند کیا تھا۔"

پھر لکھا:

"ہمارے علماء اسماء الرجال کی کتب میں حضرت ابو خالد واسطی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں ایک جملہ بھی خیر د تعدیل کا نہیں ملتا۔" (ایضاً)

اور واسطی کے بارے الملل والنحل میں یوں لکھا ہے:

ومن اصحاب ابی الجارود فضل الرسان وابو خالد الواسطی

"اور ابوالجارود کے ساتھیوں میں سے فضل رسان اور ابو خالد واسطی بھی ہیں۔" (ص ۱۹۳)

اور فرقہ زیدیہ جارودیہ کے عقائد کی بابت پہلے لکھا جا چکا ہے۔

(۱) مسئلہ تفضیل کے بارے لکھتے ہوئے کہا:

"اس مقام پر سیدنا زید بن علی رضی اللہ عنہ کی بات (یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلٰثہ سے بھی افضل ہیں) زیادہ صحیح ہے۔ (حقیقۃ التفضیل ص ۳۴۳)

دوسری جگہ لکھا:

"فقہ اور عقائد میں ہم میں اور "زیدیہ" میں ۹۵ فیصد اتفاق ہے۔"

(خلاصہ عبارت، تفسیر غریب القرآن ص ۵۲۔ ۹۵)

مزید برآں ان کی وہ تمام عبارات بھی اس پر دلیل بین ہیں کہ جن میں اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وشتم کرتے ہوئے ان کی توہین وتنقیص کی۔

جواب نمبر: ۳۔ تفسیر البحر المحیط" کی شہادت "قال الجمہور" اور موصوف کی دھوکہ دہی:

موصوف نے حسب عادت اس نقل میں بھی دھوکہ دہی اور فریب کاری سے کام لیا ہے کیونکہ موصوف نے جو حضرت امام حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ نقل کئے ہیں یہ سورۃ حدید کی آیت ۱۰ کی تفسیر نہیں ہیں بلکہ سورۃ فتح کی ابتدائی آیات کے ہیں۔ حضرت امام اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری زیر بحث آیت کی کیا تفسیر کی آئیے ملاحظہ کرتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

والفتح مكة وهو المشهور وقول قتادہ و زيد بن اسلم و مجاهد و قال ابو سعيد الخدري والشعبي هو فتح الحديبية قد تقدم في اول سورة الفتح كو نه فتحا

"اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور یہی مشہور اور قتادہ زید بن اسلم اور مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابوسعید خدری

اور شعبی فرماتے ہیں اس سے مراد فتح حدیبیہ ہے اور حدیبیہ کے فتح ہونے پہ سورۂ فتح کے شروع میں کلام گزر چکا ہے۔" (تفسیر البحر المحیط ج۸ ص۳۰۹)

قارئین کرام! آپ اندازہ لگائیں کہ موصوف دین دشمنی اور اپنی ہوس پرستی میں اس قدر اندھے ہو چکے ہیں کہ دن کو رات اور رات کو دن ثابت کرنے پہ تُلے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ جو عظیم مفسر باقاعدہ طور پر نہ صرف یہ کہ خود "فتح مکہ" کے قائل ہیں بلکہ اس کو ہی مشہور قول قرار دیتے ہیں، موصوف انہی کی جانب ان کے موقف کے خلاف قول کو منسوب کر رہے ہیں پھر بے شرمی کی حد دیکھیں کہ اپنی اس دھوکہ دہی کا سہارا لیتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا ہے: اصل فتح صلح حدیبیہ ہے قول محقق۔ (صلح الامام الحسن)

موصوف کا اجلہ اور کثیر مفسرین کی تردید و تغلیط کرتے ہوئے انہیں مفاد پرست قرار دینا:

قارئین کو یہ پڑھ کر بہت حیرت اور افسوس ہوگا کہ ہر ہر وہ مفسر کہ جس کی تحقیق اور رائے موصوف کے مؤقف کے خلاف پائی گئی ہے۔ وہ حضرت کے زہر آلود قلم سے چشم زدن میں غیر محقق، غرض مند اور مفاد پرست قرار پایا ہے۔ اس بابت گل افشانی کرتے ہوئے لکھا:

> "حدیبیہ کی بجائے فتح مکہ کیوں مشہور ہوگئی۔" یوں محسوس ہوتا ہے کہ بعض غرض مندوں نے اس آیت کی تفسیر میں فتح مکہ کو اس قدر شہرت دی کہ عام لوگوں نے اسی کو ہی اصل فتح سمجھ لیا۔

(صلح الامام الحسن ص ۳۱۵)

الفتح سے فتح مکہ مراد لینے والے کثیر و عظیم مفسرین:

موصوف نے جن عالی قدر مفسرین کو غرض مند کہہ کر غیر معتبر قرار دینے کی سعی مذموم کی آئیے ذرا دیکھیں کہ وہ ہیں کون کون؟ فتح مکہ مراد لینے والے درج ذیل مفسرین کرام ہیں جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں متعلقہ تفاسیر کی باحوالہ نشاندہی کر چکے ہیں۔

۱۔ ترجمان القرآن صحابی رسول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
۲۔ جلیل القدر تابعی حضرت امام مجاہد رضی اللہ عنہ
۳۔ حضرت امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ حضرت امام زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ محبوب سبحانی حضور سیدنا غوث اعظم علیہ رحمۃ اللہ
۶۔ حضرت امام علی بن محمد بن خازن علیہ رحمۃ اللہ
۷۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ
۸۔ حضرت امام ابوعبداللہ احمد قرطبی علیہ رحمۃ اللہ
۹۔ حضرت امام فخر الدین رازی علیہ رحمۃ اللہ
۱۰۔ حضرت علامہ سعود محمد عمادی علیہ رحمۃ اللہ
۱۱۔ حضرت امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی علیہ رحمۃ اللہ
۱۲۔ حضرت امام محی الدین بن مسعود بغوی علیہ رحمۃ اللہ
۱۳۔ حضرت امام ابوالحسن علی بن محمد ماوردی علیہ رحمۃ اللہ
۱۴۔ حضرت امام قاضی ثناءاللہ پانی پتی علیہ رحمۃ اللہ
۱۵۔ حضرت امام سید محمود آلوسی علیہ رحمۃ اللہ
۱۶۔ حضرت امام احمد بن محمد صاوی علیہ رحمۃ اللہ
۱۷۔ حضرت امام اسمٰعیل حقی علیہ رحمۃ اللہ
۱۸۔ حضرت امام ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ
۱۹۔ حضرت امام ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی علیہ رحمۃ اللہ
۲۰۔ حافظ ابوالوفاء عماد الدین ابن کثیر علیہ رحمۃ اللہ
۲۱۔ حضرت امام ابوبکر جصاص رازی علیہ رحمۃ اللہ
۲۲۔ جاراللہ زمخشری معتزلی
۲۳۔ حضرت امام محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی علیہ رحمۃ اللہ
۲۴۔ امام اہلسنت حضرت امام ابومنصور محمد بن محمود ماتریدی علیہ رحمۃ اللہ
۲۵۔ حضرت امام نصر بن محمد سمرقندی علیہ رحمۃ اللہ
۲۶۔ علامہ طاہر بن عاشور علیہ رحمۃ اللہ
۲۷۔ حضرت امام قاضی ناصر الدین بن عبداللہ بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ
۲۸۔ حضرت امام احمد بن محمد ثعلبی علیہ رحمۃ اللہ

۲۹۔ حضرت امام عبدالکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ
۳۰۔ حضرت ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ
۳۱۔ محدث ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی
۳۲۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ
۳۴۔ صدرالافاضل حضرت نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۳۵۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
۳۶۔ علامہ حشمت علی خان رضوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۷۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری
۳۸۔ مفتی محمد قاسم المدنی صاحب وغیرہ

نوٹ:

فتح مکہ کے قائل مفسرین کے یہ وہ اسماء گرامی ہیں جو راقم کے مطالعہ میں آئے اگر مزید تتبع کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ درجنوں نام اور بھی سامنے نہ آئیں۔

قارئین کرام! یہ تھے وہ جلیل القدر مفسرین جن کو موصوف غیر اہل تحقیق اور غرض مند قرار دے رہے تھے۔ مزید برآں کہ ان کی تفسیر پر اعتماد کرنے والے سبھی مسلمانوں کو عامی اور ان پڑھ قرار دیا گیا۔ بالفاظ دیگر موصوف کی نظر میں ان مفسرین کو آیت ہذا کے معنی و مفہوم اور تفسیر کی صحیح سمجھ ہی نہیں آسکی۔ العیاذ باللہ

مگر ہم کہتے ہیں یہ مفسرین کرام نہ ہی مفاد پرست تھے اور نہ کم فہم و غیر معتبر بلکہ موصوف کی چھوڑی گئی یہ یاوہ گوئی ہی مردود و باطل ہے۔ کیونکہ یہ اصول تو وہ خود لکھ چکے ہیں کہ:

"ایسی تشریح جو ائمہ کرام کی کم فہمی ثابت کرے وہ مردود ہوتی ہے۔"

(خلاصہ عبارت شرح خصائص علی ص ۳۱۱)

بلکہ موصوف نے اس تفسیر کو باطل ٹھہرا کر فیضان نبوی کی تکذیب کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ یہ موصوف کا اپنا کہا ہوا ہے کہ:

"حضرت ابن عباس کی تفسیر کو باطل قرار دینا فیضان نبوی کی تکذیب ہے۔"

(خلاصہ عبارت۔ انوار العرفان ص ۶۲۵)

قدیم الاسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک "صلح حدیبیہ" ہی اصل فتح ہے۔ (قاری ظہور)

موصوف نے اپنے مؤقف پہ کچھ حدیثی دلائل بھی پیش کیے۔ ہم ان کا خلاصہ نقل کرتے ہیں پھر ان کا جواب عرض کیا جائے گا۔ قاری صاحب لکھتے ہیں:

"قدیم الاسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک صلح حدیبیہ اصل فتح تھی۔ چنانچہ امام بخاری حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

تعدون انتم الفتح فتح مکة وقد کان فتح مکة فتحا ونحن نعد الفتح بیعة الرضوان یوم الحدیبیة

"تم لوگ فتح مکہ کو فتح سمجھتے ہوئے بیشک فتح مکہ بھی فتح تھی۔ جبکہ ہم حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کو فتح سمجھتے ہیں۔"

(بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ ص۵۶۷، حدیث ۱۴۵۰، تاریخ الاسلام ج۱، ص ۳۷۴ ....)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ کی فتح ہے۔ چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ رماتے ہیں:

"سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے سورۃ الفتح کی پہلی آیت تلاوت کی پھر فرمایا یہ حدیبیہ کی فتح ہے۔"

(بخاری: کتاب التفسیر باب سورۃ الفتح ص ۶۸۵، حدیث ۴۸۳۴، دلائل النبوۃ ج ۴، ص ۱۵۴)

اور اوپر ہم سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کر چکے ہیں کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کی صلح کو فتح فرمایا ہے:

اسی طرح حضرت مجمع بن جاریہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ صلح حدیبیہ فتح ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۴، ص ۱۵۷)

نیز حضرت عروہ نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ لوگوں نے حدیبیہ کے دن کہا ہمیں مکہ جانے سے روک دیا گیا۔ لہٰذا صلح حدیبیہ کوئی فتح نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بئس الکلام! ھذا عظیم الفتح "بری بات یہ عظیم ترین فتح ہے۔"

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۴، ص ۱۶۰، تاریخ اسلام للذہبی ج ۱، ص ۳۹۷، الدر المنثور ج ۱۳، ص ۴۵۹)

امام صالحی شامی لکھتے ہیں:

وکان ابو بکر رضی الله عنه یقول ما کان فتح فی الاسلام اعظم من صلح الحدیبیة
"سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اسلام میں صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں۔"

(سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵، ص ۶۴)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تو صلح حدیبیہ کے علاوہ فتح کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ چنانچہ امام ابو منصور ماتریدی حنفی اور امام ابن جریر طبری وغیرہما لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم یوم حدیبیہ کے علاوہ کسی چیز کو فتح شمار ہی نہیں کرتے تھے۔ (تاویلات اہل السنۃ للماتریدی ج ۹، ص ۲۹۱، جامع البیان ج ۲۱، ص ۲۴۲، تفسیر ابن کثیر ج ۷، ص ۳۲۵)

غور کیا جائے تو درحقیقت یہ تفسیر قرآن بالقرآن ہے، چنانچہ علامہ ابن عاشور کے درج ذیل کلام سے بھی اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔ وہ سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۱۰ کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"ایک قول یہ ہے کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے اور یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ زہری، شعبی اور عامر بن سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور امام ابن جریر طبری نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اس تفسیر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو امام طبری نے از ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت حدیبیہ کے سال تلاوت فرمائی اور یہ تفسیر اس بات سے بھی مناسبت رکھتی ہے کہ اس سورت کا کچھ حصہ مکی ہے اور کچھ حصہ مدنی، پھر اس کا مدنی ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی مکہ مکرمہ میں مدت اقامت کے قریب کے دور میں نازل ہوئی اور صلح حدیبیہ پر فتح کا اطلاق اس ارشاد الٰہی میں بھی وارد ہوتا ہے۔ ""بیشک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح عطا فرما دی۔"

(صلح الامام الحسن ص ۳۱۵ تا ۳۱۷)

جواب نمبر ۱۔ موصوف کی نقل کردہ تمام احادیث آیاتِ سورۂ فتح کے متعلقہ ہیں نہ کہ آیتِ سورۂ حدید کے:

اس ساری بحث سے بھی موصوف کے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ اس لئے کہ یہ ساری کی ساری تصریحات سورۂ فتح کی آیت نمبر ۱ کے متعلقہ ہیں۔ جبکہ ہماری گفتگو سورۂ حدید کی آیت نمبر ۱۰ کے بارے ہے۔ اس لئے ہم

کہتے ہیں کہ نہ تو ہمیں صلح حدیبیہ کے فتح، یا فتح مبین و عظیم ہونے سے انکار ہے اور نہ ہی ان احادیث سے، ہمارا مطالبہ تو بس اتنا ہے کہ آپ کوئی ایک ایسی مستند تفسیری شہادت یا حدیث پیش کریں۔ جس میں تخصیص کے ساتھ سورۃ حدید کی زیر بحث آیت کی تفسیر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہو کہ اس آیت میں "الفتح" سے مراد صرف اور صرف صلح حدیبیہ ہے نہ کہ فتح مکہ مع ہذا ہمارے نقل کردہ تفسیری شواہد کا جواب بھی دیجئے۔

آپ پر یہ مطالبہ پورا کرنا اس لئے بھی لازم ہے کہ آپ نے اس بحث کا عنوان خود ہی یہ قائم تھا:

"وکلا وعد اللہ الحسنیٰ سے استدلال کا جائزہ"۔ (صلح الامام الحسن ص ۳۱۰)

عجیب تماشہ ہے کہ بحث تو آپ سورۃ حدید کی آیت نمبر ۱۰ کی کر رہے ہیں اور تفسیری شواہد و احادیث وغیرہ وہ نقل کر رہے جو سورۃ فتح کی آیت نمبر ۱ کے بارے وارد ہوئے ہیں۔ ہم نے جو کہا کہ ان تمام شواہد کا تعلق آیت فتح سے ہے نہ کہ آیت حدید سے اس کے ثبوت ملاحظہ ہو: "حضرت براء کی حدیث کی شرح میں حافظ فرماتے ہیں:

قولہ: ونحن نعد الفتح بیعة الرضوان

"یعنی قول تعالیٰ: انا فتحنا لك فتحا مبینا آپ کا یہ فرمان کہ ہم بیعة الرضوان کو فتح شمار کرتے تھے، آپ کی مراد رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: انا فتحنا لك فتحا مبینا

(فتح الباری ج ۷، ص ۵۶۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو باقاعدہ یہ صراحت ہے کہ:

"آپ نے سورۃ فتح کی پہلی آیت تلاوت فرمائی:

"یونہی حضرت ابو بکر، حضرت مجمع، حضرت عروہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی تمام احادیث سے صرف اور صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کی فتح بھی۔ فتح عظیم و فتح مبین ہے۔ ان تمام میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے کہ جو جس سے یہ ثابت ہو کہ سورۃ حدید کی آیت سے صرف اور صرف صلح حدیبیہ ہی مراد ہے۔ بفرض محال اگر کوئی یہی معنی ثابت کرنا چاہے تو اس سے بدر و حنین وغیرہ تمام فتوحات کا انکار لازم آئے گا۔ جو بداہتہً باطل ہے۔

جواب نمبر: ۲۔ قرآن مجید کی ہر فتح سے مراد صلح حدیبیہ نہیں ہے:

اگر اس شاطرانہ حرکت سے آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید میں بیان کردہ ہر فتح سے مراد صرف اور صرف صلح حدیبیہ ہے تو یہ بھی آپ کی خام خیالی و باطل گمانی ہے۔ جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہم کثیر د

مستند تفاسیر سے ثابت کر چکے ہیں کہ سورہ حدید کی آیت میں مذکور "الفتح" سے مراد فتح مکہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکور "الفتح" سے مراد صلح حدیبیہ کے سوا اور فتح مراد ہونا بھی واقع ہوا ہے۔ جیسا اذا جاء نصر اللہ والفتح (اور جب اللہ کی مدد اور فتح آئے۔ (ترجمہ کنزالایمان) (سورۃ نصر آیت نمبر ۱) میں مذکور "الفتح" سے بھی بالاتفاق فتح مکہ مراد ہے۔ ملاحظہ ہو آپ کے بھی مسلم امام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فالمراد به فتح مكة بالاتفاق

"بالاتفاق اس سے فتح مکہ مراد ہے۔ (فتح الباری ج ۷، ص ۵۶۰)

جواب نمبر: ۳۔ علامہ ابن عاشور کا حوالہ اور موصوف کی خیانت:

جہاں تک علامہ ابن عاشور کے حوالے کا تعلق ہے تو اس بارے ہم اتنا ہی کہنا چاہیں گے کہ موصوف کو یہ حوالہ نقل کر کے یہ نظریہ ان کی طرف منسوب کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے تھی۔ اس لئے کہ علامہ ابن عاشور کا نہ تو یہ نظریہ ہے اور نہ ہی وہ موصوف کے مؤید ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اس سے فتح مکہ مراد ہونے کو نہ صرف یہ کہ اپنی رائے قرار دیا ہے بلکہ اسے ہی جمہور کا قول قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو آپ آیت حدید کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ظاهر لفظ الفتح انه فتح مكة... وهذا قول جمهور المفسرين

"اور ظاہر یہی ہے کہ لفظ "فتح" سے مراد بلاشبہ "فتح" مکہ ہے......اور جمہور مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔"

(تفسیر التحریر والتنویر یذ زیر آیت لا یستوی منکم الخ حدید ۱۰۔)

ادھر موصوف قاری صاحب کی حرکت دیکھیں کہ اس فیصلہ کن اور مکمل عبارت کو کمال مہارت سے چھٹی کا دودھ سمجھ کر ہضم کر گئے اور ہٹ دھرمی کی حد یہ ہے کہ علامہ ابن عاشور نے جس بات کو صیغہ تمریض "قیل" سے ذکر کیا ہے اسے ہی تفسیر القرآن بالقرآن قرار دے کر ان کی جانب منسوب کر دیا۔ دعویٰ پھر بھی "ریسرچ اسکالر" ہونے کا ہے۔

کار شیطاں میکند نامش ولی
گر ولی آنست لعنت بر ولی

اس سے فتح مکہ مراد لینے والے عدم تدبر کا شکار ہیں :(قاری ظہور):

موصوف نے اپنی خیانتوں سے لبریز اور بے سروپا دلائل کے بعد حضرت امیر معاویہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے کے چکر میں ساری امت کے مفسرین کو ہی عدم تدبر کا شکار قرار دے دیا لکھتے ہیں:

"سو جب اصل صلح حدیبیہ کی فتح ہے تو پھر آیت میں جن لوگوں کی فضیلت کا ذکر ہے ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حدیبیہ کی صلح سے قبل اور فتح مکہ سے پہلے راہِ الٰہی میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ لہٰذا اس فضیلت میں فتح مکہ کے بعد مجبوراً مسلمان ہونے والے لوگوں کو شامل سمجھنا عدم تدبر کا نتیجہ اور حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ کے مترادف ہے۔" (صلح الامام الحسن ص ۲۰۔۳۱۹)

جواب نمبر :۱۔ اس سے فتح مکہ مراد لینے والے عدم تدبر کا شکار نہیں بلکہ آپ ہی گمراہی کے بخار میں مبتلا ہو چکے ہیں:

موصوف إِذَا ذَهَبَ الْحَيَاءُ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ (جب حیا ہی چلا جائے تو جو چاہے کر) کے پورے پورے مصداق نظر آتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم کئی براہین و دلائل سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اس فتح سے فتح مکہ مراد ہے جب فتح مکہ مراد ہے تو لا محالہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام از یں کہ فتح مکہ سے پہلے والے ہوں یا بعد والے اس فضیلت میں شامل ہوں گے۔ ثابت ہوا کہ اس سے فتح مکہ مراد مراد لینے والے ساری امت کے مفسرین عدم تدبر کا شکار نہیں بلکہ آپ خود گمراہی کے موذی اور دائمی بخار میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ وہ مفسرین حلوائی کی دوکان پہ نانا جی کی فاتحہ نہیں پڑھنے والے۔

لاکھ پردوں میں بیٹھو پھر بھی چھپ نہیں سکتے
وہاں تک کر ہی لیتے ہیں رسائی دیکھنے والے

جواب نمبر :۲۔ آیتِ حدید میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے شامل ہونے پہ زبردست و ناقابل تردید تفسیری شواہد:

اولاً تو ہماری سابقہ تحقیق نے کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی۔ لیکن پھر بھی ہم ایک ایسی تفسیری شہادت نقل کر رہے ہیں جو موصوف کے چودہ طبق روشن کر دے گی۔

بحرالعلوم حضرت امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ زیر بحث آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هذا التفضيل لجميع اصحابه رضی اللہ عنہم۔
"یہ فضلیت (یعنی وعدۂ حسنیٰ میں شامل ہونا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہے۔"
(تفسیر سمرقندی، تحت آیت لایستوی منکم، سورہ حدید آیت ۱۰)

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وقوله: وكلا وعد الله الحسنىٰ يعنى المنفقين قبل الفتح و بعده كلهم لهم ثواب على ما عملوا و ان كان بينهم تفاوت فى تفاضل الجزاء
"یعنی فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد خرچ کرنے والے ان کے اعمال کے مطابق ان سب کے لئے ثواب ہے۔ اگرچہ ان کے مابین جزاء کی فضیلتوں میں تفاوت ہے۔"
(تفسیر ابن کثیر، تحت آیت وکلا وعد اللہ الحسنیٰ)

امام ابن عادل دمشقی فرماتے ہیں:

ومعنى الآيت: ان المتقدمين السابقين والمتاخرين اللاحقين وعدهم الله جميعا الجنة مع تفاوت الدرجات
"اس آیت کا معنی یہ ہے کہ متقدمین سابقین اور متاخرین لاحقین (یعنی بعد میں ملنے والے) ان میں درجات کے تفاوت کے باوجود ان سب سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔"
(تفسیر اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۸، ص ۴۶۵، بیروت)

علامہ اسمٰعیل حقی فرماتے ہیں:

وكلا اى كل واحد من الفريقين... وعد الله الحسنىٰ اى التوبة الحسنى وهى الجنة لا الاولين فقط ولكن الدرجات متفاوتة
"اور سب سے یعنی دونوں گروہوں میں سے ہر ایک سے ...... اللہ نے اچھے ٹھکانے یعنی حسنیٰ (جنت) کا وعدہ فرمایا ہے نہ کہ صرف اولین سے لیکن درجات میں تفاوت ہے۔"
(تفسیر روح البیان ج ۹، ص ۳۵۷)

آگے سے مجدد صاحب کا حوالہ حضرت امام قاضی ابوالمحاسن یوسف بن موسیٰ:

وکلا وعد اللہ الحسنی پس اس وعدے میں تمام صحابہ داخل ہیں
(المعتصر من المختصر من مشکل الآثار ج ۲، ص ۳۳۳)

امام کورانی علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

من المنفقین السابقین واللاحقین موعود بالجنۃ و ان تفاوت حالھم

"(فتح مکہ سے) پہلے اور بعد میں خرچ کرنے والے تمام حضرات صحابہ سے جنت کا وعدہ کیا جاچکا ہے۔ اگرچہ ان کے مراتب میں تفاوت ہے۔" (غایۃ الامانی فی تفسیر الکلام الربانی ص ۹۴)

جواب نمبر: ۳۔ اگر اس سے صلح حدیبیہ ہو تو بھی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس "وعدۂ حسنیٰ" کے مصداق قرار پاتے ہیں:

اولاً تو ارجح اور اصح قول کے مطابق اس سے مراد ہی فتح مکہ ہے اور اگر بفرض تسلیم اس سے صلح حدیبیہ بھی مراد ہو تو بھی ہرگز ہرگز کسی ایک صحابی کا بھی اس وعدۂ حسنیٰ سے استثناء ثابت نہیں ہوتا، بلکہ پھر بھی اس شرفِ عظیم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مستحق قرار پاتے ہیں۔

دلیل ملاحظہ ہو، حضرت امام صاوی علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"لایستوی" والاستواء لا یکون الا بین شئین فحذف المقابل لوضوحه والتقدیر. من انفق بعد الفتح وهو صادق بکل من اٰمن وانفق من بعد الفتح الی یوم القیامة

"لایستوی" اور برابری نہیں ہوتی مگر دو چیزوں کے درمیان پس (اس مقام پر) واضح ہونے کی وجہ اس کے مقابل کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کی تقدیری عبارت یوں کی ہوگی اور وہ کہ جس نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا درانحالیکہ وہ تمام ایمانیات میں سچا ہو اور ہر وہ کہ جس نے فتح مکہ کے بعد تا صبح قیامت خرچ کیا۔" (تفسیر صاوی ج ۶ ص ۲۱۰۴)

پھر آیت کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمعنیٰ ان کلا من اٰمن وانفق قبل الفتح و من اٰمن وانفق بعده ومات علی الایمان وعد الله الحسنیٰ ای الجنة

آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے ایمان قبول کیا اور خرچ کیا اور (یونہی) وہ تمام کہ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد ایمان قبول کیا اور خرچ کیا اور ایمان پر ہی خاتمہ پایا۔ ان سب سے رب تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ (ایضاً)

جی جناب بندہ! اب بتائیے آپ تو فتح مکہ کے بعد والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس وعدہ میں شمولیت کا انکار کر رہے تھے۔ علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ فتح مکہ کے بعد والے صحابہ کو بھی اس میں شامل قرار دیا ہے۔ بلکہ قیامت تک کے مخلص مومنین کو بھی اس کا مصداق ٹھہرایا ہے۔

اس سب کے باوجود بھی اگر کوئی بد بخت اس وعدۂ حسنیٰ سے کسی بھی صحابی کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ براہ راست قرآن مجید کا انکار کرتے ہوئے رب تعالیٰ کی تکذیب کر رہا ہے۔ اس لئے جب یہ وعدہ قیامت تک کے تمام مخلص مومنین کو شامل ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو بدرجہ اولیٰ اس کے مصداق ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ ایمان واخلاص کے اس اعلیٰ درجے پہ فائز ہیں کہ ان کے سوا قیامت تک کے تمام مومنین (بشمول تمام اولیاء کاملین کے) کسی ایک صحابی کی گرد راہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

موصوف قاری کے مسلّم مفسر پیر کرم شاہ الازہری صاحب بھی اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "واللہ بما تعملون خبیر یہ فرما کر اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ فتح مکہ کے بعد جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں مالی اور جانی قربانیاں دیں، وہ رائگاں ہرگز ہرگز نہیں گئیں۔ بلکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ ان کو بھی مدارج عالیہ پر فائز کرے گا۔ احسن نیت کے مطابق ان کے اعمال کا انہیں ثواب ملے گا۔ کسی کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ واللہ بما تعملون خبیر فرما کر قیامت تک آنے والے مخلصین کی دل جوئی فرمادی۔ (ضیاء القرآن ج ۵، ص ۱۱۴)

نوٹ:

اگرچہ بعض مفسرین نے اس سے صلح حدیبیہ مراد لی ہے مگر ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا مفسر نہیں ہے جس نے موصوف قاری کی طرح فتح مکہ کے قائلین کی ان کی طرح تردید وتغلیط کرتے ہوئے انہیں عدم تدبر کا شکار قرار دیا ہو اور اپنی اس تاویل کی بنیاد پر کسی ایک صحابی کو بھی اس وعدۂ حسنیٰ سے خارج قرار دیا ہو۔ اگر تو موصوف کے پاس ایسا کوئی مستند حوالہ ہو تو پیش کرے، ورنہ ہمارا خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ اپنے اس گندے عقیدے سے تائب ہو کر اہلسنّت کے اس پاکیزہ عقیدہ پہ قائم ہو جائیں کہ "ہر صحابی نبی جنتی جنتی"۔

جواب نمبر: ۴۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کا ازل میں ہی وعدۂ ربانی ہو چکا

قارئین کرام! آیت کریمہ "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" میں کلمہ وَعَدَ ماضی مطلق کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جس

کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے یہ ازل سے ہی وعدہ فرما رکھا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنت عطا فرمائے گا۔ اسی لئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے ہم معنیٰ آیت کریمہ "ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ" (بے شک جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی ہو چکا، انبیاء آیت ۱۰۱:) کے تحت فرماتے ہیں۔ المراد من سبق ذلك تقديره فی الازل

"اس وعدہ بھلائی کے سابق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ وعدہ ازل میں ہی ہو چکا ہے۔"

(تفسیر روح المعانی ج ۹، ص ۱۷، ص ۱۴۵)

اور یہ بات بھی قطعی ہے کہ رب تعالیٰ اپنے وعدے کی مخالفت نہیں کرتا ہے، اس کا اپنا اعلان ہے۔

ان اللہ لا یخلف المیعاد۔ (العمران ۹:) "بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی مخالفت نہیں کرتا۔"

اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی بدطینت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنتی نہیں مانتا تو گویا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے وعدے کی مخالفت کر دی۔ العیاذ باللہ

اعلیٰ حضرت کی تفسیر بے دھیانی کا نتیجہ مردود اور کتاب و سنت کے منافی ہے۔ (قاری ظہور):

ہم یہ بات پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ موصوف کو وہ شخص زہر قاتل دکھائی دیتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت بیان کرتا نظر آتا ہے۔ موصوف کی نگاہ بد میں اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ بھی یہی ہے۔ کیونکہ آپ نے بھی قرآنی آیات سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جنتی ہونا ثابت کیا ہے۔ موصوف آپ کی تفسیر پہ جاہلانہ اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وکلا وعد اللہ الحسنیٰ کی حیران کن تفسیر"

بعض علماء ہند لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن عظیم میں دو قسم کیا مومنین قبل فتح و مومنین بعد فتح، اول کو دوم پر تفضیل دی اور صاف فرما دیا۔ "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرما لیا......

پھر لکھا:

"بعض علماء ہند سطور بالا سے قبل یہ بھی لکھ چکے ہیں: "پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ ناک کے بل جہنم میں اوندھا کر دے گا یہ وہ ہیں جو ان لغزشوں کے سبب صحابہ پر طعن

کریں گے۔" یہ سب کچھ وہ بے دھیانی میں لکھ گئے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ جن صاحب (معاویہ) کا دفاع کر رہے ہیں۔ ان پر قطعی جنتی ہستیاں بھی طعن فرچکی ہیں...... فی الجملہ یہ کہ فاضل بریلوی کا درج ذیل جملہ: "سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرما۔ لیا......" کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ سورۃ الحدید فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی اور اگر اس کا نزول فتح مکہ کے بعد ہی مان لیا جائے تو بھی آٹھ (۸) ہجری سے لے کر کم از کم ساٹھ (۶۰) ہجری تک سب صحابہ کرام کہلانے والوں کو جنتی ماننا ہوگا اور ان سے گزشتہ صدی میں جو کچھ ہوتا رہا سب معاف ماننا ہوگا۔ (صلح الامام الحسن ص ۳۲۰ تا ۳۲۲)

پھر لکھا:

"کتاب وسنت کے منافی تفسیر۔" یادرکھئے گا کسی بھی غزوہ میں خرچ کرنے جہاد کرنے مقتول یا غازی یا نہ شان سے گھر لوٹ آنے والوں کو مطلقاً مغفور نہیں فرمایا گیا۔ ماسواء غزوہ بدر کے غازیوں کے بعض علماء نے تو بعض بدری صحابہ پر بھی نفاق کی تہمت لگا دی ہے۔ جیسا کہ معتب بن قشیر انصاری، لہٰذا جو لوگ "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" سے استدلال کرتے ہوئے قبل از فتح اور بعد از فتح کے تمام صحابہ کو جنتی قرار دیتے ہیں وہ کتاب وسنت پر جرأت کرتے ہیں۔

(صلح الامام الحسن ص ۳۲۴)

پھر کہا: "تفسیر رضوی سے اکابر صحابہ وتابعین کی بے خبری۔"

معاویہ بن صخر کی بیجا حمایت میں بعض متاخرین ہند نے سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۱۰ کی جو یوں تفسیر کی ہے۔

"سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمالیا......"

اس تفسیر کو پڑھنے کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ اکابر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم فہم قرآن سے محروم تھے۔

(بمرجع سابق ص ۳۲۶)

مع ہذا پھر موصوف (قاری ظہور) نے حسب عادت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کردی۔

پھر آگے جا کر لکھا:

"بعض علماء ہند نے اس جملہ (واللہ بما تعملون خبیر) کی جو تفسیر کی ہے وہ غلط ہی نہیں بلکہ سراسر باطل ہے کیونکہ وہ کتاب وسنت کے خلاف ہے۔" (ایضاً ص ۳۳۴)

جواب: موصوف کے یہ اعتراضات اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پر نہیں بلکہ امت کے اجلہ وکثیر مفسرین کی تفاسیر پر ہیں:

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں موصوف نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کی تردید وتغلیط میں کیسے کیسے بے ہودہ جملے استعمال کئے ہیں۔

(۱) حیران کن (۲) بے دھیانی کا نتیجہ (۳) کتاب وسنت کے خلاف (۴) کتاب وسنت پہ جرأت (۵) اکابر صحابہ وتابعین کو فہم قرآن سے محروم ثابت کرنے والی (۶) غلط ہی نہیں سراسر باطل وغیرہ۔

مگر ہم کہتے ہیں آپ نے یہ جتنے بھی مذموم الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہ صرف اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے لئے نہیں ہیں بلکہ ساری امت کے مفسرین کی تفاسیر کے لئے کئے ہیں، کیونکہ ان مفسرین نے بھی زیر بحث آیت سے فتح مکہ ہی مراد لی ہے، جیسا کہ ہم ان میں سے بشمول صحابہ وتابعین چالیس (۴۰) مفسرین کے حوالا جات بھی پیش کر چکے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام صحابہ جنتی ہیں۔

لہٰذا تمہاری اس یاوہ گوئی کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان سب کی تفاسیر بھی۔ حیران کن، بے دھیانی کا نتیجہ، کتاب و سنت پہ جرأت، کتاب سنت کے منافی، اکابر صحابہ وتابعین کو فہم قرآن سے محروم ثابت کرنے والی غلط وسراسر باطل وغیرہا ہیں۔ العیاذ باللہ، امت کے ان کثیر اور اجلہ مفسرین کے متعلق ایسا گمان بھی کرنے سے ہزارہا درجہ بہتر اور درست ہے کہ آپ کی اس غلیظ فکر کو ہی سراسر باطل و مردود اور غوایت و سفاہت قرار دیا جائے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو آپ نے اس تفسیر کو باطل قرار دے کر فیضان نبوی کی تکذیب کی ہے۔ اس لئے کہ یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بقول آپ کے آپ رضی اللہ عنہ کی تفسیر کو باطل کہنے والا فیضان نبوی کا مکذب ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے نواب صدیق حسن اور قاضی شوکانی کی تردید میں یہ خود قانون لکھا ہے کہ:

> ”حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں صاحبان نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تفسیر کو باطل ٹھہرا کر فیضان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی ہے۔“ (انوار العرفان ص ۶۲۵)

بلکہ آپ نے یہ رائے قائم کر کے اپنی آواز کو قرآن اور خدا اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند کیا ہے، کیونکہ یہ ضابطہ آپ نے خود بیان کیا ہے کہ:

> ”علماء اسلام نے قرآن وسنت کی روشنی میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

فرمان کے خلاف اپنی رائے قائم کرے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے آپ کی آواز پر آواز بلند کی اور جو شخص آپ کی آواز پر اپنی آواز بلند کرے اس کے تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔"

(بمرجع سابق ص ۲۷۱ـ ۵۷۲)

پھر اسی کتاب کے اگلے صفحہ پہ لکھا:

"ظاہر ہے ذاتی نظریات و افکار کو احادیث مبارکہ پر ترجیح دینا آپ کی آواز پر آواز بلند کرنے سے زیادہ برا ہے۔ آواز بلند کرنے پر جب اعمال ضائع ہو جاتے ہیں تو آپ کے فرمان پر ترجیح دینا بطریق اولیٰ اعمال کو ضائع ہونے کا موجب ہے۔" (ایضاً ص ۵۷۳)

ثابت ہوا کہ آپ اس جرم عظیم (قرآن، صاحب قرآن اور رب تعالیٰ کی آواز پر آواز بلند کرنے) کے مرتکب ہو چکے ہیں، اس لئے کہ قرآن و حدیث کی کئی نصوص میں اول تا آخر جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنتی قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں نقل کر چکے ہیں اور آپ اس کے منکر ہیں۔ اب بتائیے کہ اس جرم کی پاداش میں آپ کے اعمال ضائع ہو گئے یا بچ گئے؟؟؟ یہ بھی بتائیے گا کہ اگر حدیث کے مخالف رائے قائم کی جائے تو اس کا کیا نتیجہ ہے اور اگر کوئی قرآنی آیات کے مخالف رائے قائم کرے تو اس کا کیا انجام ہوگا؟

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے جال میں صیاد آ گیا

بلکہ آپ ہی کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ نص کے مقابلے میں رائے قائم کرنا کفر ہے۔ یہ آپ ہی کی عبارت ہے نا؟ "نص کے مقابلہ میں رائے کا حکم"۔ اگر کسی زمانے میں کوئی بھی انسان نص کے مقابلے میں اپنی رائے پیش کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہ جاننے کے لئے ہم آپ کو تردید روافض میں بعض مشہور ترین علماء کے ہاں لے چلتے ہیں علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

معارضة اقوال الانبياء بآراء الرجال وتقديم ذلك عليها هو من فعل المكذبين للرسل، بل هو جماع كل كفر...

"انبیاء کرام علیہم السلام کے ارشادت کے مقابلہ میں شخصی آراء کو لانا اور ان پر مقدم کرنا یہ رسولوں کو جھٹلانے والوں کا کام ہے بلکہ ہر لحاظ سے کفر ہے۔" (صلح الامام الحسن ص ۱۲۸)

جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کی یہ ذاتی رائے (کہ تمام صحابہ جنتی نہیں ہیں) نصوصِ قرآن و سنت کے مخالف ہیں تو آپ پہ کیا فتویٰ لگے گا، آپ کی یہ ذاتی رائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہی ہے کہ نہیں، اس سے کفر

لازم آیا کہ نہیں؟ ان سوالات کے آپ ہی جوابات عنائیت فرما دیجئے آخر کو آپ بھی تو ٹھہرے "ریسرچ اسکالر" ویسے بھی

جواب نمبر: ۲۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کتاب وسنت کے منافی نہیں ہے بلکہ "تفسیر القرآن بالقرآن" کے قبیل ہے:

پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ اعلیٰ حضرت کی یہ تفسیر نہ ہی بے دھیانی میں لکھی گئی ہے اور نہ ہی کتاب و سنت کے منافی ہے۔ بلکہ پوری بیدار مغزی اور مستند وکثیر تفاسیر کے ترجمان کے طور پہ لکھی گئی ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو آپ کی یہ تفسیر، "تفسیر القرآن بالقرآن" کے قبیل ہے۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جس مقام پر زیر بحث آیت سے تمام صحابہ کے جنتی ہونے پر استدلال کیا ہے اس کے ساتھ ہی سورۂ انبیاء کی آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۳ کو نقل کرتے ہوئے لکھا:

> "اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے ان کے حق میں فرماتا ہے :اولئك عنها مبعدون وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔ لایسمعون حسیسها وہ جہنم کی بھنک تک نہ سنیں گے۔" وهم فی ما اشتهت انفسهم خالدون" وہ ہمیشہ اپنی من مانتی مرادوں میں رہیں گے "لایحزنهم الفزع الاکبر" قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی۔" وتتلقاهم الملائکه" فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔" هذا یومکم الذی کنتم توعدون" یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔"

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۸، ص ۲۴۲، امام احمد رضا اکیڈمی انڈیا)

مگر ایک آپ ہیں جو اس کو شیر مادر سمجھ کر بے ڈکار لئے ہضم کر گئے۔ اب بتائیے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر غلط و باطل ہے یا تمہارے یہ تمام اعتراضات از خود باطل؟؟

جواب نمبر: ۳۔ تفسیر صاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہا میں قیامت تک کے تمام مخلص مومنین کو "وعدۂ حسنیٰ" میں شامل قرار دیا گیا ہے:

گزشتہ صفحات میں ہم تفسیر صاوی اور ضیاء القرآن کی وہ تصریحات باحوالہ نقل کر چکے ہیں جس میں قیامت تک

کے تمام مخلص مومنین کو بھی ”وکلا وعد اللہ الحسنیٰ“ میں شامل قرار دیا گیا ہے۔ آنکھوں سے ذرا تعصب والا پردہ ہٹا کر تو دیکھیں۔ آپ تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پر صرف اس لئے سیخ پا ہو رہے تھے کہ انہوں نے فتح مکہ کے بعد والے صحابہ کو بھی اس وعدۂ حسنیٰ میں شامل قرار دیا، علامہ صاوی اور آپ کے مسلم مفسر پیر کرم شاہ نے تو اس وعدے میں قیامت تک کے مخلص مومنین کو بھی شامل قرار دے دیا ہے۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی اگر نگاہِ حیاء نہ کھلے تو پھر ائمہ دین کو کوسنے کی بجائے اپنے عقل و شعور پہ ماتم کیجئے۔

آنکھ ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ رضویہ والے اور کنز الایمان والے ترجمہ میں یکسانیت نہیں ہے (قاری ظہور):

موصوف نے اپنے تائیں یہ بڑا زوردار اعتراض کیا ہے کہ زیرِ بحث آیت کے ضمن میں جو آپ نے فتاویٰ رضویہ میں ترجمہ کیا ہے وہ آپ کے ترجمہ القرآن کنز الایمان والے ترجمہ کے ساتھ یکسانیت نہیں رکھتا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا فتاویٰ رضویہ والا ترجمہ غلط ہے۔

موصوف کی عبارت یہ ہے:

> ”قارئین کرام! خدا گواہ ہے کہ میں یہ سطور انتہائی کرب و اضطراب کے ساتھ لکھ رہا ہوں، میں انتہائی معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے معاویہ بن ابی سفیان کے مستقبل پر لکیر کھینچ کر اسے جنتی قرار دینے کی خاطر فتاویٰ رضویہ میں آیت کے ترجمہ کو جو مستقبل کے ساتھ خاص کیا ہے، یہ ان کا زا تحکم ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں بعض طلقاء کی خاطر انہوں نے ”واللہ بما تعملون خبیر“ کا ترجمہ یوں کیا: ”اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو۔“
>
> جبکہ کنز الایمان میں اس جملہ کا ترجمہ انہوں نے ایسا شاندار کیا ہے کہ اس میں ماضی، حال اور مستقبل کی کوئی قید ہی نظر نہیں آتی۔ وہ لکھتے ہیں: ”اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔“
>
> ایک اور مقام پر اس لفظ کا ترجمہ یوں کیا ہے:
>
> ”اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔“ (العمران ۱۱۰:)
>
> جب ان مقامات پر ترجمہ کو مستقبل کے ساتھ خاص نہیں کیا تو فتاویٰ رضویہ میں کیوں کیا؟ اس

کی حکمت کسی پاسبان مسلک رضا سے ضرور معلوم کیجئے گا۔"

(صلح الامام الحسن ص۳۳۷-۳۸، خلاصۃً)

جواب نمبر: ۱۔ یہ اعتراض نہیں بلکہ عدم تدبر کا نتیجہ ہے:

موصوف نے اگر ادنیٰ سا بھی تدبر صحیح کیا ہوتا تو یہ بیجا اعتراض کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔ اس لئے کہ فتاویٰ رضویہ شریف میں آپ نے زیر بحث آیت کا صرف ترجمہ بطور ترجمہ نہیں کیا بلکہ آپ کا یہ ترجمہ تفسیر کے طور پر ہے اور یہ بات آپ کو خود بھی تسلیم ہے تبھی تو آپ نے اعلیٰ حضرت کے اس فتویٰ پر تبصرہ کرنے کے لئے درج ذیل عنوان قائم کیا ہے:

"وکلا وعد اللہ الحسنیٰ سے استدلال کا جائزہ۔" (صلح الامام الحسن ص ۳۲۰)

جبکہ کنز الایمان والا ترجمہ بطور ترجمۃ القرآن کے ہے اور یہ بات تو مبادیات کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ ترجمہ اور تفسیر میں فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ ترجمہ میں اجمال اور تفسیر میں تفصیل مطلوب ہوتی ہے۔ اسی حکمت کے پیش نظر ان دو مقامات کے ترجمہ میں فرق کیا گیا۔

جواب نمبر: ۲۔ فتاویٰ رضویہ کے ترجمہ میں مستقبل کی قید حدیث نبوی کے پیش نظر لگائی گئی ہے:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے جو فتاویٰ رضویہ میں زیر بحث آیت کے ترجمہ میں مستقبل کی قید لگائی ہے وہ اس حدیث مبارک کے پیش نظر لگائی ہے۔

ستکون لاصحابی بعدی زلۃ یغفرھا اللہ لسابقتھم

قریب ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہوگی جسے اللہ بخش دے گا اس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے۔

اس پر دلیل ہے یہ کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فتاویٰ رضویہ کے جس مقام پر زیر بحث آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ اس مقام پر یہ حدیث مبارکہ بھی نقل کی ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ رضویہ ج ۲۹، ص ۳۳۷)

گویا آپ کا فتاویٰ رضویہ والا ترجمہ تفسیر القرآن بالحدیث کے قبیل سے ہے۔ نیز فتاویٰ رضویہ والے ترجمے کا بطور تفسیر کے ہونا خود موصوف قاری کو بھی تسلیم ہے، وہ خود لکھتے ہیں:

واللہ بما تعملون خبیر کی صحیح تفسیر:

"بعض علماء ہند نے اس جملہ کی جو تفسیر کی ہے۔" (صلح الامام الحسن ص ۳۳۴)

راقم الحروف کوئی ماہر رضویات یا بڑا نامی گرامی پاسبان مسلک رضا تو نہیں البتہ گلستان عرفانِ رضا کا ادنیٰ سا خوشہ چین ضرور ہے۔ امید ہے فقیر کے ان جوابات سے موصوف کو سمجھ آگئی ہو گی کہ ان دونوں ترجموں میں فرق کیوں کیا گیا۔

جواب نمبر: ۳

ترجمے میں فرق کرنا اگر غلطی ہے تو یہ غلطی موصوف سے بھی سرزد ہو چکی ہے:

موصوف اگر پھر بھی "میں نہ مانوں" کی ضد پہ قائم ہوں اور ان کے نزدیک ترجمے میں فرق کا ہونا اصالۃً ہی غلط ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ غلط اور قابل اعتراض ہے تو پھر اس غلطی کا ارتکاب آپ بھی کیے بیٹھے ہیں، اس لئے کہ آپ نے بھی حدیث "انما فاطمۃ بضعۃ منی" کے ترجمہ میں فرق کیا ہے، کیونکہ ایک جگہ آپ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔" (مناقب زہرہ ص ۶۳)

اور دوسرے مقام پہ یوں ترجمہ کیا ہے:

"فاطمہ میری جان کا ٹکڑا ہے۔" (بمرجع سابق ص ۶۰)

اب بتائیے ان دونوں مقامات میں ترجمے کا فرق کیوں حالانکہ جسم الگ چیز ہے اور جان چیز دیگر است؟

فائدہ مہمہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا اصولی جواب:

موصوف نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پر اعتراض کے ضمن میں اجمالی طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہ طعن کرتے ہوئے لکھا:

"(اعلیٰ حضرت) یہ سب کچھ بے دھیانی میں لکھ گئے انہیں معلوم نہیں کہ جن صاحب (امیر معاویہ) کا وہ دفاع کر رہے ہیں ان پر قطعی جنتی ہستیاں بھی طعن فرما چکی ہیں۔"

(صلح الامام الحسن ص ۳۲۱_۳۲۰)

ہم کہتے ہیں اولاً تو یہ اعتراض والزام نہ ہی معتبر ہیں اور نہ ان کو مشتمل روایات پایہ صحت کو پہنچتی ہیں، بلکہ ضعیف

مردود اور ناقابل استدلال ہیں اور اگر ان میں کوئی روایات صحیح وقابل استدلال ہو بھی تو ائمہ کرام نے اسے اچھے مفہوم اور بہترین محمل پہ محمول کرنا واجب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ نیز حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمر بن عاص وغیرہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کے لئے درج ذیل دلائل کافی ووافی ہیں۔

۱۔ سورہ حدید کی آیت نمبر ۱۰ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنتی قرار دیا گیا اور یہ حضرات بھی صحابہ ہیں اور ان کا صحابی ہونا موصوف قاری کو بھی تسلیم ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں باحوالہ کلام ہو چکا۔ اس لئے یہ بھی جنتی ہیں۔

۲۔ سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۱۰۱ سبقت لھم منا الحسنیٰ میں الحسنیٰ کی تفسیر اطاعت الٰہی سے بھی کی گئی ہے۔ حوالاجات ملاحظہ ہوں:

(تفسیر ماتریدی ج ۷، ص ۳۷۹، تفسیر ماوردی ج ۳، ص ۴۲۱، ابی سعود ج ۴، ص ۳۸۹، ملا علی قاری ج ۳، ص ۳۵۹، بغوی ج ۳، ص ۳۸۹، مدارک ج ۲، ص ۴۲۱، کبیر ج ۸، ص ۱۸۹، روح المعانی ج ۹، ص ۱۴۵، جمل ج ۵، ص ۱۶۴)

چونکہ یہ وعدہ ازل میں ہی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمالیا گیا تھا کہ وہ اپنے اعمال وعقائد میں رب تعالیٰ کی اطاعت کریں گے (یعنی انہیں توفیق الٰہی میسر آئے گی) اسی لئے ائمہ دین نے فرمایا ہے کہ جنگ جمل و صفین میں شریک تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجتہد اور عادل ہیں۔ اگرچہ حق حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور حضرت امیر معاویہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اجتہادی خطا سرزد ہوئی تھی۔ اس کی تصریحات ہم نقل کر چکے ہیں۔

۳۔ یونہی اس "الحسنیٰ" کی تفسیر توبہ سے بھی کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو: تفسیر ماوردی ج ۳، ص ۴۸۳)

اس تفسیر کی روشنی میں آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ رب تعالیٰ نے جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ازل میں ہی وعدہ فرمالیا تھا کہ ان کو قبولیت توبہ کے شرف سے نوازا جائے گا۔

۴۔ اسلام میں ندامت واستغفار کرنے والے کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ حدیث نبوی ہے۔

التائب من الذنب کمن لاذنب لہ

"گناہوں سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے۔ جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔"

(ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر التوبہ، رقم الحدیث ۴۲۵۰)

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے آخری ایام میں توبہ و استغفار کرنا باقاعدہ ثابت ہے۔

حضرت محمد بن سرین سے روایت ہے کہ:

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جب وقت وصال آیا تو آپ روتے ہوئے اپنے رب کے حضور یوں استغفار کر رہے تھے:

اللهم انك قلت فى كتابك :ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر مادون ذلك لمن يشاء اللهم فاجعلنى من تشاء ان تغفر له

"اے اللہ! بے شک تو اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ اللہ شرک کرنے والے کو نہیں بخشتا۔ اس کے علاوہ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اے اللہ! تو مجھے اس سے کر دے جن کو تو بخشنا چاہتا ہے۔"

یونہی اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

ستكون بعدى لاصحابى زلة يغفرها الله لهم لسابقتهم

"قریب ہے کہ میرے اصحاب سے میرے بعد کچھ لغزش ہوگی۔ جسے اللہ بخش دے گا اس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے۔"

(المعجم الاوسط حدیث نمبر ۳۲۴۳، مجمع الزوائد ج ۷، ص ۲۳۴)

ثابت ہوا کہ بتقاضائے بشریت ان سے جو کوئی بھی لغزش صادر ہوئی وہ رب تعالیٰ نے صحبت نبوی کی برکت اور ان کے توبہ و استغفار کی وجہ سے معاف فرما دی۔

اس لئے حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اگر کسی صحابی سے امور فسق میں سے کوئی کوئی عمل ثابت ہوتا ہے تو اس کے قطعاً یہ معنی نہیں کہ وہ اسی پر فوت ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت اور ان اوصاف کے سبب جو اللہ تعالیٰ نے انکے بیان فرمائے ہیں وہ اس (یعنی فسق) پر قائم نہیں رہتے اور اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔" (روح المعانی ۲۶/۱۳۳)

پھر فرمایا:

انه مامات من ابتلى فهم بفسق الا تائبا عدلا ببركة نور الصحبة

"ان میں سے جس سے بھی کوئی لغزش ہوئی وہ نور صحبت کی برکت سے اس وقت تک اس دنیا سے رخصت نہیں ہوا جب تک کہ وہ توبہ کر کے پاک وصاف نہ ہو گیا ہو۔" (المرجع سابق)

۵۔ بلکہ یہ بات تو موصوف کو بھی لکھنی پڑی ہے وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے ایک روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہے:

> ”خیر یہ ایک معاصرانہ یا زمانہ جاہلیت کے باہمی تفاخر کی وجہ سے بیشک (رنجش) تھی جو ایسے عظیم الشان حضرات کے دل میں ہمیشہ نہیں رہتی، حضرت خالد بن ولید h عظیم الشان صحابی تھے۔ لہٰذا ان کے دل پر ایسی قساوت جو ایمان کے بھی منافی ہو قائم نہیں رہ سکتی، یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے یہ میل صاف فرمادیا ہوگا۔ (شرح خصائص علی ص ۵۲۸)

ہم کہتے ہیں کہ جب یہ قاعدہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے ثابت و مسلم ہے تو پھر حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما وغیرہا کے لئے کیوں نہیں؟؟؟ حالانکہ یہ بھی صحابی ہیں اور ان کا صحابی ہونا موصوف کو بھی مسلم جیسا کہ وہ خود اپنی کتاب شرح خصائص علی کے ص ۹۴۸ اور ص ۹۳۸ پر اس کی تصریح کر چکے ہیں۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر، وہی بات کہیں ننگ

آٹھ ہجری سے لے کر ساٹھ (۶۰) ہجری تک کے تمام صحابہ جنتی نہیں ہیں (قاری ظہور)

موصوف، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پہ ناراضگی اور بغض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اس حد تک آگے گزر چکے ہیں کہ آٹھ (۸) ہجری سے کر ساٹھ (۶۰) ہجری تک کے جمیع صحابہ کے جنتی ہونے کا ہی انکار کر ڈالا، العیاذ باللہ۔ لکھتے ہیں:

> ”(اعلیٰ حضرت کی تفسیر) کتاب و سنت دونوں کے خلاف ہے، اس لئے کہ سورۃ الحدید فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی اور اگر اس کا نزول فتح مکہ کے بعد ہی مان لیا جائے تو تب بھی آٹھ (۸) ہجری سے لے کر کم از کم ساٹھ (۶۰) ہجری تک سب صحابہ کہلانے والوں کو جنتی ماننا ہوگا اور ان سے گزشتہ نصف صدی میں جو کچھ ہوتا رہا معاف ماننا ہوگا۔“ (صلح الامام الحسن ص ۳۲۱)

جواب: ان تمام صحابہ کے جنتی ہونے میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے:

جہاں تک اعلیٰ حضرت کی تفسیر کے صحیح ہونے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لغزشوں کے معاف ہونے کا تعلق ہے تو

اس کو ہم دلائل و براہین سے ثابت کر چکے ہیں اور یہ جو موصوف نے کہا ہے کہ اس صورت میں آٹھ ہجری سے لے کر ساٹھ ہجری تک کے تمام صحابہ کو جنتی ماننا پڑے گا۔ تو اس میں کوئی شک وشبہ ہی کب ہے، بھئی سیدھی سی بات ہے کہ صحابہ کرام کے جنتی ہونے کے لئے صحابیت کا سرٹیفکیٹ اور قرآن وحدیث کی شہادتیں ہی کافی ہیں۔ اگر آپ کے پاس قرآن وسنت کی کوئی ایسی دلیل صحیح موجود ہو کہ جس میں یہ صراحت کی گئی ہو کہ آٹھ ہجری سے لے کر ساٹھ ہجری تک کے صحابہ جنتی نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی لغزشیں معاف کی گئی ہیں تو وہ پیش کریں؟

فان لم یفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی اعدت للکافرین

صحابہ رسول عبد الرحمان بن عدیس اور ابو الغایہ جہنی جنتی نہیں ہیں (قاری ظہور):

کسی بھی چیز کی حد درجے کی محبت ہو یا نفرت انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ موصوف بھی بغض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اس قدر اندھے ہو چکے ہیں کہ انہیں سمجھ ہی نہیں آ رہی کہ اس پاداش میں ان کا قلم کیسے کیسے گل کھلا رہا ہے۔ پہلے تو اجمالی طور پر آٹھ سے ساٹھ ہجری تک کے صحابہ کے جنتی ہونے کا انکار کیا تھا۔ اب نام بنام دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عبد الرحمان بن عدیس اور حضرت ابو الغادیہ جہنی رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کا انکار کر دیا۔

لکھتے ہیں:

> ''اس صورت (یعنی اعلیٰ حضرت کی تفسیر درست ماننے کی صورت میں) حضرت عثمان غنیh کے قاتلین میں سے بعض سرغنوں کو بھی جنتی ماننا ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں سے تھے بلکہ بعض تو بیعت رضوان میں بھی شامل تھے۔ جیسا کہ عبد الرحمان بن عدیس اسی طرح سیدنا عمار بن یاسرi کا قاتل ابو الغادیہ جہنی بھی صحابی تھا اسے بھی جنتی ماننا ہوگا حالانکہ صحیح حدیث میں ہے۔ ''عمار کا قاتل اور اس کا سامان لوٹنے والا آگ میں ہے۔

(صلح الامام الحسن ص ۲۲۔۳۲۱)

جواب نمبر ۱: یہ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما بھی بلاشک وشبہ جنتی ہیں:

حضرت عبد الرحمان بن عدیس اور حضرت ابو الغادیہ جہنی رضی اللہ عنہ دونوں ہی شرف صحابیت سے مشرف ہیں، بالترتیب دونوں کی صحابیت پہ تصریحات ملاحظہ ہوں:

الاصابہ میں ہے: قال ابن سعد: صحب النبی ﷺ و سمع منہ وشھد فتح مصر
ابن سعد فرماتے ہیں! عبدالرحمان بن عدیس کو نبی کریم ﷺ کی صحبت میسر آئی، انہوں نے آپ ﷺ کی احادیث سنیں اور فتح مصر میں شریک ہوئے تھے۔

ابن برقی اور بغوی وغیرہ فرماتے ہیں: کان ممن بایع تحت الشجرۃ
"یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔"

ابن ابی حاتم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہا: لہ صحبۃ ان کے لئے شرفِ صحابیت ثابت ہے۔
یہی قول عبدالغنی بن سعید، ابوعلی بن سکن اور ابوحیان کا ہے۔

ابو یونس کہتے ہیں: بایع تحت الشجرۃ وشھد فتح مصر
"انہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور فتح مصر میں شریک ہوئے تھے۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ کو جب فارس بن عدیس شہید کرنے لگا تو آپ نے اس کے سامنے اپنی صحابیت کا یوں اظہار فرمایا تھا:

ویحك! اتق اللہ فی دمی، فانی من اصحاب الشجرۃ
"تجھ پہ افسوس! میرے خون بہانے کے معاملے میں خدا سے ڈر، کیونکہ میں اصحاب شجرہ (یعنی بیعت رضوان) والوں میں سے ہوں۔ (اصابہ ج ۲، ص ۱۱۷۶)

الجرح والتعدیل وغیرہ میں ہے: لہ صحبۃ وشھد بیعۃ الرضوان و بایع فیھا
ان کے لئے صحابیت ثابت ہے۔ آپ بیعت رضوان میں حاضر ہوئے تھے اور اس میں بیعت کی تھی۔
(الجرح والتعدیل ج ۵، ص ۲۴۸، اسد الغابہ ج ۳، ص ۴۶۹، الثقات ج ۳، ص ۲۵۵)

حضرت ابو الغادیہ ؓ کے بارے اصابہ میں ہے:
امام بخاری اور ابوحاتم فرماتے ہیں۔ الجھنی لہ صحبۃ "جہنی کے لئے صحابیت ثابت ہے۔"
یونہی ابن سمیع اور حضرت امام مسلم نے فرمایا ہے۔ (ج ۴ ص ۲۳۲۲)
اسد الغابہ میں ہے: بایع النبی ﷺ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بیعت کی تھی۔ (ج ۶، ص ۲۳۱)
علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

من وجوہ العرب و فرسان اھل الشام یقال شھد الحدیبیۃ ولہ احادیث مسندۃ
حضرت ابو الغادیہ ؓ عرب کے بڑے افراد اور اہل شام کے گھڑسواروں میں سے تھے۔ کہا گیا

ہے کہ آپ صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے اور ان سے کئی مسند احادیث مروی ہیں۔

(ج ۲ ص ۵۴۲)

جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ دونوں ہی صحابی ہیں بلکہ ان کا صحابی ہونا موصوف کو بھی تسلیم ہے۔ لہٰذا ان کے جنتی ہونے کے لئے یہ کافی ہے۔

جواب نمبر: ۲

یہ دونوں صحابی موصوف کی تحقیق وضوابط کی روشنی میں بھی جنتی قرار پاتے ہیں:

یہ دونوں صحابہ موصوف کی تحقیق اور ضوابط کی روشنی میں بھی جنتی قرار پاتے ہیں، اس لئے کہ ان کی رائے میں آیت کریمہ "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" اصحاب صلح حدیبیہ کو شامل ہے۔ کیونکہ وہ خود لکھ چکے ہیں۔

"اہل تحقیق مفسرین نے اس فتح سے فتح مکہ نہیں بلکہ صلح حدیبیہ کی فتح مراد لی ہے۔"

(صلح الامام الحسن ص ۳۱۰)

لہٰذا ان کی اس رائے کے مطابق اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا۔ تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح حدیبیہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا۔ وہ مرتبہ میں ان سے بڑے نہیں جنہوں نے بعد فتح حدیبیہ کے خرچ کیا اور جہاد کیا اور ان سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا ہے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ یہ تو بدیہی سی بات ہے کہ جب یہ آیت صلح حدیبیہ سے پہلے اور بعد والوں کو شامل ہے تو صلح حدیبیہ والوں کو بھی شامل ہوگی۔ اور یہ دونوں صحابہ بھی اصحاب صلح حدیبیہ سے، جیسا کہ انہوں نے خود بھی تسلیم کیا تو لازم ٹھہرا کہ یہ "وعدۂ حسنیٰ" ان کو بھی شامل ہو۔

جواب نمبر: ۳۔ ان دونوں صحابہ کے جنتی ہونے پہ نصوص قرآن وحدیث:

جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ دونوں صحابہ کرام بیعت رضوان والوں میں سے ہیں تو یہ بھی یاد رکھئے کہ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی روشنی میں بیعت رضوان والوں کو باقاعدہ طور پر جنت کا مژدہ جانفزا بھی مل چکا ہے۔ ملاحظہ ہو، رب تعالیٰ بیعت رضوان والوں کی شان میں فرماتا ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ وَاَثَابَہُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۝۱۸ وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَہَا ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۝۱۹ وَعَدَکُمُ اللّٰہُ مَغَانِمَ کَثِیْرَۃً تَاْخُذُوْنَہَا فَعَجَّلَ لَکُمْ ہٰذِہٖ وَکَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ

عَنۡكُمۡ ۚ وَلِتَكُوۡنَ اٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَيَهۡدِيَكُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۙ﴿۲۰﴾

"بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔ اور بہت سی غنیمتیں جن کو لیں، اور اللہ عزت و حکمت والا ہے، اور اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے، بہت سی غنیمتوں کا کہ تم لوگے تو تمہیں یہ جلد عطا فرمادی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے اور اس لیے کہ ایمان والوں کے لیے نشانی ہو اور تمہیں سیدھی راہ دکھائے۔" (ترجمہ کنزالایمان، الفتح ۱۸: تا ۲۰)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"چونکہ حدیبیہ میں بیعت کرنے والوں کو رضائے الٰہی کا تمغہ عنائیت ہوا۔ اس لئے اسے بیعت الرضوان کہتے ہیں...... اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔

ایک یہ کہ بیعت رضوان والے سارے ہی مخلص مومن ہیں کہ انہیں رب نے بلا تخصیص مومن فرمایا۔ دوسرے یہ کہ ان سب سے اللہ راضی ہو چکا۔ تیسرے یہ کہ اس خصوصی رضا کا سبب یہ بیعت ہے۔......

"(فانزل السكينة عليهم) اس طرح کہ نہ انہیں کفار مکہ کا خوف رہا نہ خرابی خاتمہ کا اندیشہ جب رب نے بازو پکڑ لئے پھر وہ کیسے گر سکتے ہیں، نہ انہیں آئندہ فسق و فجور کا اندیشہ وہ ہمیشہ کے لئے متقی مومن ہو چکے قرآن گواہ ہے۔" (تفسیر نور العرفان ص ۹۶۸)

ان عالی قدر صحابہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

انی لارجو ان لايدخل النار ان شاء الله احد شهد بدرا والحديبية

"بے شک مجھے امید ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو بدر و حدیبیہ میں حاضر ہونے والوں میں کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔" (مشکوۃ مع مرقاۃ، ج ۱۱ ص ۳۶۸)

ایک اور روایت میں ہے:

لايدخل النار ان شاء الله ومن اصحاب الشجرة احد الذين بايعوا تحتها

"اگر اللہ نے چاہا تو درخت کے نیچے بیعت کرنے والے اصحاب شجرہ میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔" (بمرجع سابق)

قارئین کرام!

آپ غور فرمائیں کہ اللہ اور اس کا رسول تو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا میں ہی اپنی رضا اور جنت کی

بشارتیں دے رہا ہے۔ مگر ایک موصوف ہیں جو بھونگے اور بے تکے دلائل کے ذریعے ان صحابہ کو دوزخی قرار دینے پہ تلے ہوئے ہیں۔" اب اس کا بندہ کیا تبصرہ کرے، چلو ہم یوں کرتے ہیں کہ موصوف ہی کے الفاظ انہیں کے لئے ہی نقل کر دیتے ہیں:

"ایمان وانصاف سے بتائیے! یہاں کیا کیا جا سکتا ہے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ اور تو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا ماسوا حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلام کے۔"

زمن بر صوفی و ملا سلامی
کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں، در حیرت انداخت
خدا و جبریل و مصطفیٰ را

میری طرف سے صوفی وملا پر سلام ہو، کیونکہ وہ ہمیں خدا کا پیغام سنا ا ہے، لیکن اس کی تاویل نے حیرت میں ڈال دیا ہے۔ خدا کو، جبریل علیہ السلام کو اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ (حقیقۃ التفضیل ص ۱۳۳۔ ۱۳۲)

جواب نمبر: ۴۔ صحبت نبوی کی برکت سے ان کی لغزشیں معاف ہو چکی ہیں:

تاریخ وروایات میں اگرچہ یہ بات ملتی ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عدیس حضرت عثمان غنی اور حضرت ابو الغادیہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کے قاتلوں میں شمار ہوتے ہیں، مگر یہ بات بھی یاد رہے کہ ان کی یہ لغزشیں صحبت نبوی کی برکت سے معاف ہو چکی جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں وضاحت کر چکے۔

دوسری توجیہہ یہ ہے کہ ان کا یہ عمل اجتہادی خطا پہ مبنی تھا جو قابل گرفت نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کے آخر میں اسی بات کی وضاحت فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

والظن بالصحابة فی تلك الحروب انهم كانوا فيها متأولين و للمجتهد المخطئ اجر
واذا ثبت هذا فی حق احاد الناس فثبوته للصحابة بالطريق اولیٰ

"ان جنگوں کے متعلق صحابہ کے بارے میں یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ وہ تمام تاویل کرنے والے تھے اور غلطی کرنے والے مجتہد کے لئے ایک درجہ اجر ہے۔ جب یہ عام مجتہدین کے لئے ثابت ہے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے اس کا ثبوت بدرجہ اولیٰ ہوگا۔" (الاصابہ ج ۴، ص ۲۳۲۳)

نوٹ:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل کون ہے؟ اس بارے اختلاف ہے۔ بلکہ ایک قول کے مطابق حضرت ابو الغادیہ کے سوا کسی اور کا ہونا زیادہ مشہور ہے۔

اسد الغابہ میں ہے: وقیل ان الذی قتل عمارا غیرہ وھذا اشھر (ج ۴، ص ۲۳۲)

جواب نمبر: ۵۔ حدیث "قَاتِلُ عَمَّارٍ وَسَالِبُوْهُ فِي النَّار" کا صحیح معنیٰ ومفہوم:

موصوف نے جو حدیث "قاتل عمار وسالبه فی النار" نقل کی ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اولاً اس کے قریب المضمون ایک اور حدیث مبارکہ کی وضاحت کر دی جائے تاکہ اس کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے، بخاری شریف میں ہے کہ ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا:

ویح! عمار تقتله الفئتة الباغية يدعوهم الي الجنة ويدعونه الى النار

"اللہ تعالیٰ عمار پر رحم فرمائے، اسے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ درانحالیکہ یہ انہیں جنت کی طرف بلا رہے ہوں گے اور وہ اسے نار کی طرف بلا رہے ہوں گے۔" (بخاری، حدیث نمبر ۴۴۷، ۲۸۱۲)

❁ حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فان قيل كان قتله بصفين وهو مع علي والذين قتلوه مع معاوية و كان معه جماعة من الصحابة فكيف يجوز عليهم الدعاء الى النار؟ فالجواب انهم كانوا ظانين انهم يدعون الى الجنة وهم مجتهدون لا لوم عليهم فى اتباع ظنونهم. فالمراد بالدعاء الى الجنة الدعاء الى سببها وهو طاعة الامام. اذ ذلك كان عمار يدعوهم الى طاعة على وهو الامام الواجب الطاعة اذ ذك وكانوهم يدعون الى خلاف ذلك لكنهم معذورون لتاويل الذى ظهر لهم

ترجمہ: "پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں جنگ صفین میں ہوئی تھی اور وہ لوگ جنہوں نے آپ کو شہید کیا وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے اور ان کے ساتھ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی تو ان کے لئے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ نار کی طرف بلانے والے ہوں۔" اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک وہ اس گمان میں تھے کہ وہ جنت کی طرف بلانے والے ہیں، درانحالیکہ وہ مجتہد تھے تو ان

کے اپنے اس گمان کی اتباع کرنے کی وجہ سے ان پر کوئی ملامت (طعن) نہیں کی جائے گی۔ اور جنت کی طرف بلانے سے مراد اس کے سبب کی طرف بلانا ہے اور وہ ہے امام کی اطاعت کرنا (یعنی وہ امام کی اطاعت کی طرف بلا رہے تھے) اور اسی طرح حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی طرف بلا رہے تھے۔ کیونکہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی واجب الاطاعۃ امام تھے اور وہ (یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی) ان کو اس کے برخلاف کی طرف بلا رہے تھے۔ لیکن وہ اپنی اس تاویل کی وجہ سے معذور ہیں جو ان کے لئے ظاہر ہوئی تھی۔ (فتح الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۱۳ے)

❁ حضرت امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

والجواب الصحیح فی ھذا انھم کانو مجتھدین ظانین انھم یدعونہ الی الجنۃ ان کان فی نفس الامر خلاف ذلك فلا لوم علیھم فی اتباع ظنونھم، فان قلت المجتھد اذا اصاب فلہ اجران و اذا اخطا فلہ اجر فکیف الامر ھھنا؟ قلت: الذی قلنا جواب اقناعی فلا یلیق ان یذکر فی حق الصحابۃ خلاف ذلك لان اللہ تعالیٰ اثنی علیھم وشھدلھم بالفضل بقولہ: کنتم خیرامۃ اخرجت للناس. (العمران:۱۱۰) قال المفسرون! ھم اصحاب محمد ﷺ

"اس بارے صحیح جواب یہ ہے کہ وہ سبھی مجتہد تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ وہ انہیں جنت کی طرف بلا رہے ہیں۔ حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس تھا (اس جملہ کا وہی معنی ہے جو فتح الباری سے گزرا۔ راقم) پس انکے اپنے اس گمان کی اتباع کرنے کی وجہ سے ان پر کوئی ملامت نہیں کی جائے گی۔" پھر اگر تو یہ سوال کرے کہ مجتہد اگر درستگی کو پہنچے تو اس کے لئے دوگنا اجر ہے اور اگر خطا کرے تو اس کے لئے ایک گنا اجر ہے، تو یہاں معاملہ کیسے ہوگا؟ تو میں کہتا ہوں کہ جو ہم نے جواب دیا وہی ہمارے دل کی آواز ہے۔ پس صحابہ کرام ؓ کے حق میں اس کے برخلاف ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی) سے ان کی تعریف کی اور ان کی فضیلت کی گواہی دی ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۰۸)

ائمہ کرام کی ان تشریحات سے درج ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱۔ حضرت امیر معاویہ اور ان کے تمام ساتھی ؓ مجتہد تھے۔

۲۔ حضرت امیر معاویہ کے ساتھ بھی صحابہ کی ایک جماعت تھی۔

۳۔ حضرت عمار کو شہید کرنے والے صحابی بھی مجتہد ہیں۔

۴۔ اس اجتہادی خطا کی وجہ سے ان میں سے کسی پر طعن کرنا جائز نہیں۔

۵۔ نار کی طرف بلانے سے مراد ہے غیر واجب الاطاعۃ امام کی طرف بلانا۔

۶۔ رب تعالیٰ نے خود صحابہ کی تعریف کی اور ان کی فضیلت کی گواہی دی ہے۔

۷۔ مگر وہ اپنی اس تاویل میں معذور ہیں (یعنی قابل گرفت نہیں ہیں)

۸۔ ان میں کسی بھی صحابی کو برائی سے یاد کرنا مناسب نہیں ہے۔

۹۔ ثابت ہوا کہ حضرت ابو الغادیہ ؓ ہوں یا حضرت عبدالرحمان بن عدیس ؓ یہ سب امور ان کے لئے بھی ثابت ہیں۔ لہٰذا ان پہ طعن و تشنیع کرنا یا ان کے جنتی ہونے کا انکار کرنا بہت بڑی جسارت اور اللہ اور اس کے رسول کو چیلنج کرنے والی بات ہے۔

جواب نمبر :۶۔ یہ حدیث ضعیف اور نا قابل استدلال ہے:

اگر اس حدیث کی سند پہ غور کیا جائے تو ثابت ہوتا کہ یہ ضعیف اور نا قابل استدلال ہے۔ اس لئے کہ روایت کی مختلف کتب میں چار اسناد بیان ہوئی ہیں، جو سب کی سب قابل جرح ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

لیث بن ابی سلیم عن مجاھد عن عبداللہ بن عمرو بن العاص

"اس میں لیث بن ابی سلیم ہے جو جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔"

(دیکھئے زوائد ابن ماجہ ۲۳۰/۲۰۸)

- ابن ملقن نے بھی یونہی فرمایا ہے۔ (خلاصۃ البدر المنیر)
- امام نسائی فرماتے ہیں :ضعیف کوفی (کتاب الضعفاء ۵۱۱ :)

۲۔ المعتمر بن سلمان التیمی عن ابیه عن مجاھد عن عبداللہ بن عمر

"اس میں سلیمان تیمی طبقۂ ثالثہ کا مدلس ہے۔ (کتاب المدلسین لابی زرعۃ ابن العراقی، ص ۲۴)

۳۔ ابو حفص و کلثوم عن ابی غادیہ قال...... فقیل...... اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس روایت کا راوی

"فقیل" کا فاعل ہے جو نامعلوم (مجہول) ہے۔

حضرت امام ذہبی اس روایت کی پوری سند ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اسنادہ فی انقطاع "اس کی سند میں انقطاع ہے۔" (سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۵۴۴)

۴۔ القاسم بن اللیث الرسعنی تبنیس و عبد الصمد بن عبد اللہ الدمشقی قال حدثنا هشام بن عمار سعید بن یحییٰ حدثنا الحسن بن دینار عن کلثوم بن حبر المرادی...

"اس سند میں مذکور راوی "حسن بن دینار" سخت ضعیف ہے۔ اس کے بارے امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں۔" متروك الحديث: (العلل لابن ابی حاتم ج ۶، ص ۲۳۳)

امام ابن حبان نے کئی محدثین کے اقوال ذکر کئے ہیں۔ جو اسے مردود قرار دیتے ہیں۔

(الضعفاء للعقیلی ج ۱، ص ۲۷۱)

تمام صحابہ کلیۃ مغفور نہیں ہیں، جیسا کہ کرکرہ اور مدعم صحابہ رسول کی بابت احادیث اس پر دلالت بھی کرتی ہیں (قاری موصوف):

محسوس ہوتا ہے کہ موصوف بغض صحابہ کی شدت کی وجہ سے ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔ اسی لئے تو جس صحابی کو چاہتے ہیں۔ زمرۂ صحابہ سے نکال دیتے ہیں۔ جسے چاہتے دوزخی قرار دے دیتے ہیں جیسا کہ ان کی درج ذیل عبارت اس مضمون کی عکاسی کر رہی ہے: لکھتے ہیں:

> "جو لوگ" وکلا وعد اللہ الحسنیٰ "سے استدلال کرتے ہوئے قبل از فتح اور بعد از فتح تمام صحابہ کو جنتی قرار دیتے ہیں وہ کتاب وسنت پر جرأت کرتے ہیں۔ یہاں ہم چند احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن میں غور فرما کر آپ خود ہی یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ واقعی یہ جسارت ہے۔"
>
> امام بخاری حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامان پر معین تھا۔ اسے کرکرہ کہا جاتا تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ آگ میں ہے، لوگوں نے جا کر اس کو غور سے دیکھا تو انہیں ایک چادر ملی جو اس نے چرائی تھی۔" (بخاری کتاب الجہاد والسیر، باب الغلول، ص ۴۱۵، حدیث ۳۰۷۴)
>
> خیال رہے کہ اس حدیث میں اس شخص کے کافر ہونے کا ذکر نہیں چنانچہ اس سے پہلی حدیث

میں ہے کہ آقائے کائنات ﷺ نے تمام صحابہ کرام ؓ کو فرمایا:

"مجھے تمہارا اس حال میں ملنا پسند نہیں کہ تم میں سے کسی کی گردن پر بکری میماتی ہوئی سوار ہو یا گھوڑا اگردن پر سوار ہو اور وہ مجھ سے عرض کرے۔"

یارسول الله! اغثنی فاقول لا املك لك شيئا قد ابلغتك

یارسول اللہ! میری مدد فرمایئے تو میں کہوں گا میں تیرے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔ (بخاری کتاب الجہاد و السیر باب الغلول ص ۴۱۵، حدیث ۳۰۷۳)

ایک اور حدیث میں ہے:

"غزوہ خیبر کے بعد جب وادیٔ قریٰ میں پہنچے تو ایک صحابی جس کو مدعم کہا جاتا تھا، اسے کہیں سے ایک تیر آلگا تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا ھنیئا له الشهادة (اس کو شہادت مبارک) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے بلکہ جو چادر اس نے خیبر کے روز مال غنیمت سے تقسیم کے بغیر لے لی تھی وہ اس پر آگ بن کر بھڑکے گی۔"

(بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ خیبر حدیث ۴۲۳۴)

اس حدیث میں صاف ظاہر ہے کہ وہ شخص مسلمان اور صحابی تھا، اگر وہ مسلمان نہ ہوتا تو صحابہ کرام اس کے حق میں هنيأ له الشهادة کے الفاظ استعمال نہ فرماتے اور اگر وہ مسلمان نہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ بھی اس بات کی وضاحت فرما دیتے"...... (صلح الامام الحسن ص ۳۲۴ تا ۳۲۵)

پھر لکھا:

"سو جب قبل از فتح والوں کے لئے کلیۃ مغفور ہونے کا قول احادیث کے منافی ہے تو پھر بعد از فتح والوں کے لئے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ جب ایک چادر کی چوری صحابی کو جہنم میں لے گئی تو پھر قتل ناحق اور مسلسل بیس برس تک شاہانہ اونچ نیچ کا کوئی حساب نہیں ہوگا؟" (ایضاً ص ۳۲۶)

جواب نمبر: ۱۔ مدعم اور کرکرہ کے بارے تحقیقی جواب:

جواب سے قبل ایک انتہائی اہم اور تمہیدی و اصولی بات سمجھئے کہ:

ہمارا یہ ایمان اور دعویٰ ہے کہ ہر وہ خوش نصیب شخص جو "صحابیٔ شرعی" کے عنوان کے تحت داخل ہے وہ قطعی جنتی ہے۔ اور اگر ایسے کسی شخص سے بتقاضائے بشریت کوئی لغزش سرزد ہو بھی جائے تو رب تعالیٰ اپنے فضل

اور صحبت نبوی کی برکت سے معاف فرما دیتا ہے۔ اگر کسی روایت میں کسی ایسے شخص کو دوزخی قرار دیا گیا ہو کہ جس کے لئے لفظ صحابی کا اطلاق کیا گیا ہو تو لا محالہ وہ "صحابی لغوی" کے طور پر ہوگا۔ نہ کہ شرعی واصطلاحی طور پر۔ جیسا کہ بعض احادیث میں بعض منافقین کے لئے اس لفظ کا استعمال کیا گیا جیسا کہ قزمان بن حارث وغیرہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قزمان بن حارث اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا مگر تھا منافق۔ الاصابہ میں ہے:

قزمان بن الحارث حليف بن ظفر صاحب القصة يوم احد قيل مات كافرا فان بعض طريق قصته أنه صرح بالكفر وهذا مبنى على ان القصة واحدة وقعت لواحد وقيل انها تعددت. قال ابن قتيبة فى "المعارف قتل نفسه وكان منافقا. وفيه قال النبى صلى الله عليه وسلم ان الله يويد هذا الدين بالرجل الفاجر

وذكر ابن اسحاق والواقدى قصته. وأنه كان عزيزا فى بنى ظفر و كان لايدرى من اين اصله قال الواقدى و كان حافظا لبنى ظفر و محبالهم و كان مقلا لاولدله ولا زوجة و كان شجاعا يعرف بذلك فى حروبهم التى كانت بين الاوس والخزرج. فلماَ كان يوم احد قاتل قتالا شديدا فقتل ستة او سبعة حتى اصابته الجراحة. فقيل له :هنيا لك الجنة يا ابا الغيداق. قال جنة من حرمل. والله ما قاتلنا الا على الاحساب. وقيل انه قتل نفسه وقيل :بل مات من الجراح ولم يقتل نفسه. وفى صحيح البخارى. من رواية ابى حازم. عن سهل بن سعد. ان النبى صلى الله عليه وسلم التقى هوو المشركون... فذكر الحديث وفيه :و فى اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم رجل لا يدع شاذة ولا فازة الا اتبعها يضربها بسيفه. فقالوا. ما اجزاعنا احد كما اجزاء فلان فقال النبى صلى الله عليه وسلم. اما انه من اهل النار فقال رجل من القوم :انا اصاحبه. فخرج معه. قال :فجرح جرحا شديدا فاستعجل الموت. فوضع نصل سيفه بالارض ثم تحامل على سيفه. فقتل نفسه. الحديث و فى آخره ان الرجل ليعمل بعمل اهل الجنة فيما يبدو للناس وهو من اهل النار (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ۳۳۵ / ۵، رقم ۷۱۲۳)

"یعنی قزمان بن حارث بنو ظفر کے حلیف میں سے تھا، اُحد کے دن اس کا واقعہ پیش آیا، بعض کا قول ہے کہ حالت کفر میں مرا۔ بعض طرق میں اس کا قصہ ہے جس سے اس کے کفر کی تصریح ہوتی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے اور ایک شخص کے ساتھ پیش آیا، بعض کا قول ہے اس
میں تعدد ہے۔

ابن قتیبہ نے "المعارف" کے اندر فرمایا:
اس نے اپنے آپ کو مار ڈالا، وہ منافق تھا، اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ
اس دین کی مدد فاسق شخص سے بھی کرتا ہے...... جب احد کا دن ہوا تو اس نے بہت شدید جنگ لڑی
چھ یا سات لوگوں کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ یہ زخمی ہوگیا، اس سے کہا گیا : اے ابو غیداق تمہیں جنت
کی خوشخبری ہو۔ اس نے کہا حرمل کی جنت، اللہ کی قسم ہم نے حسب کی وجہ سے جنگ لڑی۔
بعض کا قول ہے کہ اس نے اپنے آپ کو قتل کر دیا تھا۔ بعض نے کہا کہ اس نے اپنے آپ کو قتل
نہیں کیا تھا بلکہ وہ زخموں کی وجہ سے مرا تھا۔

صحیح بخاری میں ابو حازم کی بحوالہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا دشمنوں
سے مقابلہ ہوا...... پھر حدیث ذکر کی۔ اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں ایسا
شخص تھا کہ کسی اکیلے اور تنہا شخص کے پیچھے پہنچ کر اسے اپنی تلوار سے مار ڈالتا۔ جتنا اس شخص نے ہمارا
ہاتھ بٹایا کسی اور نے نہیں بٹایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا : سنو! یہ شخص جہنمی ہے۔
(صحیح بخاری، رقم ۴۲۰۷، صحیح مسلم، رقم ۱۷۹، مسند امام احمد بن حنبل ۴/۱۳۵)

لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا : میں اس کے ساتھ رہوں گا۔ وہ اس کے ساتھ نکلا، وہ شخص
بہت زیادہ زخمی تھا۔ اس نے اپنے آپ کو مارنے میں جلدی کی، اس نے تلوار کی دھار کو زمین
پر رکھا اور اپنے آپ کو مار ڈالا۔

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ایک شخص لوگوں کی نظر میں اہل جنت جیسے کام کرتا ہے حالانکہ وہ
دوزخی ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ بعض منافقین کے لئے بھی لفظ صحابی استعمال کیا گیا۔ اس
لئے ہم کہتے ہیں، قرآن و حدیث کی ان نصوص قاطعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جو بھی صحابی شرعی
ہے وہ دوزخی نہیں ہوسکتا اور جو دوزخی ہو وہ صحابی شرعی نہیں ہوسکتا۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ
موصوف قاری کا روایت مذکورہ کا سہارا لیتے ہوئے یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ:
"اس حدیث میں صاف ظاہر ہے کہ وہ شخص مسلمان اور صحابی تھا۔ اگر وہ مسلمان نہ ہوتا تو صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم اس کے حق میں هنيأ له الشهادة کے الفاظ استعمال نہ فرماتے اور اگر وہ

مسلمان نہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ بھی اس بات کی وضاحت فرما دیتے۔"

(صلح الامام الحسن ص ۳۲۵)

اس لئے کہ روایت میں ایسے قرائن موجود ہیں جو ان کے صحابی شرعی ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو اس شخص کے بارے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

صلوا علی صاحبکم

"تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔" (ج ۲، ص ۲۳، حدیث نمبر ۲۷۱۰، اس کی مزید تخریج دیکھئے!) سنن نسائی الجنائز ۶۶ (۱۹۶۱) ابن ماجہ، الجہاد، ۳۴، (۲۸۴۸) مؤطا امام مالک الجہاد ۱۳، (۲۳) مسند احمد (۱۱۴/ ۴، ۱۹۲/ ۵، تحفۃ الاشراف ۳۷۶۷)

یونہی جب صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ھنیأ الشھادۃ، کہا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کلا والذی نفسی بیدہ

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ہرگز نہیں۔" (بمرجع سابق)

بلکہ ترمذی میں تو یہ الفاظ بھی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

قم یا عمر منادأ انہ لا یدخل الجنۃ الا المؤمنون ثلاثا

"اے عمر کھڑا ہو اور تین بار اعلان کر کہ جنت میں صرف مومنین ہی داخل ہوں گے۔"

(ج ۱، ص ۱۹۱، باب ماجاء فی الغلول)

سو نبی کریم ﷺ کا نماز جنازہ نہ پڑھانا، ھنیئا لہ الشھادۃ کے جواب میں کلا والذی نفسی بیدہ" کے ذریعے ردع فرمانا، اور تین بار یہ اعلان کروانا کہ "لا یدخل الجنۃ الا المومنون" ثابت کرتا ہے کہ وہ صحابی شرعی نہیں تھے۔ موصوف نے انتہائی چالاکی سے دو نکات بیان کئے، اول: صحابہ کرام کا اس کے حق میں ھنیاء لہ الشھادۃ فرمایا۔ دوم: اگر مسلمان نہ ہوتے تو نبی کریم ﷺ اس کی وضاحت فرما دیتے۔ موصوف نے پہلے نکتے سے جو استدلال کیا ہے اس سے خود بھی مطمئن نہیں۔ کیونکہ اگر ان الفاظ سے استدلال تام ہوتا تو نکتہ ثانی کی طرف نہ جاتے، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ متعدد ایسی روایات ہیں کہ صحابہ کرام نے کسی شخص کے لئے شہادت کی مبارکباد دی مگر نبی کریم ﷺ نے اس کے غیر مسلم یا منافق ہونے کا حکم جاری فرمایا۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔ اور نکتہ دوم کے بارے بطور جواب کے ہمارے نقل کردہ قرائن کفایت کرتے ہیں۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ مدعم اور کرکرہ کا صحابی شرعی ہونا قطعیت سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے ذریعے جمیع صحابہ کے جنتی ہونے کی نفی پر استدلال کرنا بھی درست نہیں ہے۔

جواب نمبر: ۲۔ مدعم اور کرکرہ کے بارے الزامی جواب:

اگر قطعی دلائل سے ثابت ہو جائے کہ مدعم اور کرکرہ مسلمان اور صحابی شرعی تھے جیسا کہ ظہور فیضی صاحب کی تمنا اور اصرار ہے تو پھر بھی ہمیں مضر نہیں اور انہیں مفید نہیں۔ کیونکہ اس بنیاد پر ان کا جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ موصوف کے بھی کئی مسلم ائمہ نے زیر بحث روایات کی تشریح کرتے ہوئے "ھو فی النار" (وہ دوزخ میں ہے) اور تشتغل علیہ نارا کا ایک ایسا احتمال بیان فرمایا ہے جو واضح کرتا ہے کہ یہ کلمات اپنے ظاہر پر نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ وہ جنتی ہیں۔ ملاحظہ ہو،

❁ امام عینی ابن تین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں

> یحتمل ان یکون ھذا جزاءہ الا ان یعفو اللہ
>
> "اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کی یہ سزا تھی مگر یہ کہ اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔"

(عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱۵ ص ۱۲)

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> او المراد ھو فی النار ان لم یعف اللہ عنہ
>
> "یا یہ مراد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے معاف نہ کرتا تو وہ آگ میں ہوتا۔"

(فتح الباری، شرح بخاری ج ۶ ص ۲۳۱)

یہ احتمال زرقانی علی المؤطا ج ۳ ص ۴۶، نعمۃ الباری شرح بخاری ج ۵ ص ۹۷۳، میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

چادر کے اشتعالِ نار کے حوالے سے محدثین فرماتے ہیں:

> یحتمل ان یکون اشتعال النار حقیقۃ بأن تصیر الشملۃ بعینھا نارا فیعذب بھا ویحتمل ان یکون المراد انھا سبب العذاب النار
>
> "اس میں یہ احتمال ہے کہ آگ کا مشتعل ہونا حقیقتاً ہو، بایں طور کہ وہ چادر بعینہٖ آگ بن چکی ہو اور انہیں (دنیا میں ہی اس کی سزا مل گئی یا پھر یہ مراد ہے کہ یہ فعل عذاب کا سبب ہے)

(عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۳۴۰، فتح الباری ج ۷ ص ۶۲۳، زرقانی ج ۳ ص ۴۶)

❁ حضرت امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ان لم یعف اللہ

"یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہ کرتا (تو ان کی یہ سزا ہوتی)" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج، ص ۱۷)

❁ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے ایک فقہی مسئلہ اخذ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مال غنیمت میں قبل از تقسیم چوری کرنا شہادت کے نام کے اطلاق کو منع کرتا ہے۔ اس شخص پر جو مال غنیمت میں قبل از تقسیم چوری کرے اور اسی حالت میں قتل کر دیا جائے۔

(خلاصہ شرح مسلم از نووی ج ۲، ص ۱۳۰)

❁ حضرت امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت وفیه بحث لا دلالة فی الحدیث علی نفی شهادة کیف و قتل فی سبیل اللہ و خدمة رسول اللہ ﷺ ولا یشترط فی الشهید ان لا یکون علیه ذنب او دین بالاجماع

میں کہتا ہوں۔ اس میں بحث ہے کیونکہ حدیث میں اس کی شہادت کی نفی پر کوئی دلیل نہیں ہے اور شہادت کی نفی ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھا اور شہید ہونے میں بالاجماع یہ شرط نہیں ہے کہ اس پر کوئی گناہ یا قرض نہ ہو۔

(مرقاۃ ج ۷، ص ۵۱۸)

فائدہ:

یاد رہے موصوف نے ملا علی قاری کا فقیہ و محدث ہونا تسلیم کیا ہے۔ الاحادیث الموضوعۃ میں لکھتے ہیں:

"ایسے ہی مشہور حنفی فقیہ اور محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (ص ۱۹)

اور امام عینی کی تحسین و تعریف کرتے ہوئے لکھا: "امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت عشق"۔

"علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام محبت مصطفیٰ ﷺ سے لبریز ہے۔ لفظ لفظ سے محبت جھلکتی نظر آتی ہے۔"

(لطافت جسد مصطفیٰ ﷺ ص ۱۹۰)

پھر لکھا:

"محب کو محبوب کی برائی نظر آتی ہے اور نہ ہی وہ اسے سن سکتا ہے۔ یہی کیفیت امام بدرالدین عینی حنفی قدس سرہ العزیز کی ہے۔" (ایضاً)

نوٹ:

بعض علماء نے مدعم اور کرکرہ کو الگ الگ دو افراد شمار کیا ہے، لیکن بعض اہل علم نے دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

شیخ بدرالدین محمد بن ابی بکر مخزومی لکھتے ہیں:

مدعم :بکسر المیم وفتح العین المهملة وقیل اسمه کرکرة

مدعم میم کے کسرہ اور عین کے فتحہ کے ساتھ کہا گیا ہے کہ اس کا نام کرکرہ ہے۔

(مصابیح الجامع ج ۸، ص ۷۶)

امام صالحی فرماتے ہیں: مدعم... قیل اسمه کرکره (سبل الهدیٰ والرشاد ج ۱۱ ص ۴۰۹)

"اسی بنیاد پر، ہم نے دونوں طرح کی روایات کے جوابات ایک ہی انداز سے دیئے ہیں۔"

جواب نمبر: ۳۔ موصوف کا خوارج و دیابنہ کی روش پہ چلنا:

موصوف رفض کی سیاہ گھاٹیوں میں چلتے چلتے اچانک خوارج و دیابنہ کی روش پہ چل نکلے اور حدیث نبوی: "فاقول لا املك لك شیئا قد بلغتك" کو بغیر صحیح وضاحت بیان کئے چل نکلے اور ان کا، مطلقاً ذکر کرنا، یہ تاثر قائم کرنا ہے کہ نبی کریم ﷺ تو صحابہ کو بھی کچھ فائدہ پہنچانے کے مالک نہیں ہیں۔ حالانکہ اس حدیث کا مقصد تعلیم امت اور بیان توبیخ ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں:

هذا مبالغة فی الزجر وتغلیظ فی الوعید والا فهو صاحب الشفاعة فی مذنبی الامة یوم القیامة

"یہ زجر و وعید میں مبالغہ و تغلیظ ہے ورنہ آپ ﷺ قیامت کے روز امت کے گنہگاروں کے حق میں شفاعت کرنے والے ہوں گے۔"

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۱۰، اسی کی مثل فتح الباری، ج ۴، ص ۲۱۹، میں فرمایا)

تو نبی کریم ﷺ کی شفاعت جب عام امتیوں کے لئے ثابت ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ بلکہ موصوف قاری نے خود بھی حدیث "یا فاطمة بنت محمد! انقذی نفسك من النار. فانی لا املك لكم من الله شیئا" (اے فاطمہ! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ بیشک میں تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا) کے تحت ایسا کلام کیا ہے جو مکمل طور پر ہماری تائید کرتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"علاوہ ازیں حضور ﷺ کے قرابت داروں کو بہت سی احادیث میں ایسا واضح اور دو ٹوک انداز میں خطاب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضور ﷺ کی قرابت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا واقعی ان حضرات کو قرابت نبوی ﷺ سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔"

جواباً عرض ہے کہ اگر انسان ان احادیث کے ان ہی جملوں تک محدود رہے اور اگلے استثنائی جملوں سے نگاہیں پھیرے اور دوسری احادیث کو سامنے رکھنے کی زحمت بھی گوارہ نہ کرے تو پھر یہی سمجھ آتا ہے کہ قرابت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور بہت سے منفی ذہنیت کے لوگوں کا وطیرہ یہی ہے کہ وہ آیات و احادیث کے ایسے ہی جملوں تک محدود رہتے ہیں۔ نہ آگے بڑھتے ہیں اور نہ آگے پڑھتے ہیں ..... مثلاً وہ اتنا تو پڑھتے ہیں "من ذالذی یشفع عندہ" (کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے) اور آگے الا باذنہ (مگر اس کی اجازت سے) نہیں پڑھتے اور وہ یہ تو پڑھتے ہیں :قال لا املك لنفسی نفعا وضراً (آپ فرمائیے میں اپنے لئے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں) لیکن آگے الا ماشاء اللہ (مگر جو اللہ چاہے۔ الاعراف ۱۸۸:) نہیں پڑھتے یہ تو بعینہٖ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص "لا تقربوا الصلوٰۃ" (نماز کے قریب نہ جاؤ) کی رٹ لگاتا ہے اور آگے "وانتم سکاری" (جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو۔ النساء ۴۳:) کو نہ پڑھے۔ لیکن اگر اگلے الفاظ پڑھیں جائیں تو نرے منفی رجحان کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ (مناقب زہرہ ص ۶۶۔۲۶۵)

موصوف کی اس ساری تقریر سے ہم کلیۃً اتفاق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ساری کی ساری تقریر آپ کے خلاف بھی جاتی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے آپ نے بھی وہی روش اختیار کی ہے جو خارجی حضرات، درجہ بالا حدیث پڑھ کر کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ بھی "لا املك لك شیئا قد بلغتك" تک ہی محدود رہے۔ آپ نے بھی "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" جیسی آیات اور "لا تمس النار مسلما رانی" جیسی احادیث کو مد نظر نہ رکھا ورنہ آپ کے اس منفی رجحان اور بدعقیدگی کی بھی کمر ٹوٹ جاتی۔

اگر تمام صحابہ حساب وکتاب سے مستثنیٰ ہیں تو پھر امہات المومنین کو یضاعف لہا العذاب ضعفین کیوں فرمایا گیا۔ (قاری ظہور):

موصوف اس مقام پر بھی ایک اور علمی ٹھوکر کھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کے علاوہ اگر دوسرے صحابہ بھی یکسر حساب و کتاب سے مستثنیٰ ہوتے تو پھر امہات المومنین کو یضاعف لها العذاب ضعفين اور نؤتها اجرها مرتين (الاحزاب ۳۱:۳۰) آیات کیوں سنائی جاتیں؟" (صلح الامام الحسن ص ۳۲۶)

جواب: یہ قرآنی جملہ بر سبیل فرض کے ہے اس لئے اس سے استدلال کرنا موصوف کو مفید نہیں ہے:

یہ قرآنی فرمان چونکہ بر سبیل فرض کے ہے جس سے استدلالاً سوال قائم کرنا مفید نہیں ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے یہ آیات مکمل نقل کر کے ان کی تفسیر نقل کر دی جائے تاکہ ہمارے قارئین بآسانی مقصود تک پہنچ سکیں۔

رب تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝۳۱ (الاحزاب ۳۰:۔۳۱)

"اے نبی کی بیبیو! جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرأت کرے اس پر اوروں سے دُونا عذاب ہوگا اور یہ اللہ کو آسان ہے، اور جو تم میں فرمانبردار رہے اللہ اور رسول کی اور اچھا کام کرے ہم اسے اوروں سے دُونا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔" (ترجمہ کنز الایمان)

ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیویوں کو یہ بتایا جائے کہ تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو، بلکہ بہت بلند مرتبت اور عظمت نشان ہو۔ اس لئے انہیں ترہیباً فرمایا کہ اگر بالفرض تم میں سے کوئی صریح حیا کے خلاف جرأت کرے گی تو اسے دگنا عذاب ہوگا اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالاتے ہوئے اچھا کام کرے گی تو ڈبل ثواب عطا کیا جائے گا۔

آیت کریمہ میں "من یات منکن بفاحشة مبینة یضاعف لها العذاب ضعفين" بر سبیل فرض کے ہے۔ جس کا وقوع قطعی طور پر نہیں ہوا، اس پر تفسیری شواہد ملاحظہ ہوں:

❁ تفسیر صاوی اور تفسیر جمل میں ہے:

هذا على سبيل الفرض والتقدير على حد لئن اشركت ليحبطن عملك والانساء

النبی مطہرات مصونات من الفواحش
”یہ آیت کریمہ بر سبیل فرض اور تقدیر کے ہے (اور یہ اس آیت کی طرز پر ہے جس میں رب تعالیٰ نے بظاہر نبی کریم ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا ہے) اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔ ورنہ نبی کریم ﷺ کی تمام ازواج پاک ہیں اور فواحش سے محفوظ رکھی گئیں ہے۔“ (صاوی ج ۵، ص ۱۶۳۶، جمل ج ۶، ص ۱۶۸)

❁ تفسیر ملا علی قاری میں ہے:

الشرط لایقتضی الوقوع۔ ”یہ شرط وقوع کا تقاضا نہیں کرتی۔“

(تفسیر ملا علی قاری ج ۴، ص ۲۰۲)

❁ تفسیر روح المعانی میں ہے:

وجعل الشرط من قبیل ”لئن اشرکت لیحبطن عملك“ من حیث ان ذلك ممکن الوقوع فی اول النظر ولا یقع جزما. فان الانبیاء صان اللہ تعالیٰ زوجاتھم عن ذلك
”اس شرط کو ”لئن اشرکت لیحطن عملك“ کے قبیل (یعنی بر سبیل فرض) کے قرار دیا گیا ہے۔ اس حیثیت سے کہ یہ بادی النظر میں ممکن الوقوع ہے اور قطعی طور پر غیر ممکن الوقوع۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے نبیوں کی بیویوں کو اس سے محفوظ رکھا ہے۔“ (ج ۱۱، ص ۷۷۔ ۲۷۶)

اور یہ آیت کریمہ ”ومن یقنت منکن ......“ بلاشک و شبہ اور بغیر کسی اختلاف کے ممکن الوقوع ہے۔ اسی لئے مفسرین اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المراد به الدوام علی الطاعة السابقة وبالعمل الصالح العبادات التی یکلفن بها بعد
”اس سے مراد ان کا سابقہ اطاعت پر ہمیشگی اختیار کرنا ہے اور عمل صالح سے مراد وہ عبادات ہیں جن کا بعد میں انہیں مکلف کیا جانا تھا۔“ (روح المعانی ج ۱۱، جزء ۲۱، ص ۳)

جب یہ ثابت ہو چکا کہ ”یضاعف لها العذاب ضعفین“ از قبیل فرضیات کے ہے تو یہ بھی ثابت ہوا کہ ان آیات کو دلیل بنانا درست نہیں گا؟؟ ورنہ اگر کوئی ملحد شخص ”لئن اشرکت لیحبطن عملك“ کو دلیل بناتے ہوئے یہ کہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ نبی کریم ﷺ سے شرک کا واقع ہونا بھی ممکن ہے۔ بایں وجہ آپ کے اعمال کا اکارت جانا بھی ممکن ہے ورنہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کو کیوں سنائی گئی تو اس کا کیا جواب ہو گا؟؟؟ ثابت ہوا کہ موصوف کا ان آیات سے استدلال درست نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت نے جو واللہ بما تعملون خبیر" کی تفسیر کی ہے وہ غلط، سراسر باطل اور قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ (قاری ظہور):

موصوف اپنے لایعنی خیالات پر بھروسہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کو غلط، سراسر باطل اور کتاب و سنت کے خلاف قرار دیتے ہوئے لکھتا ہیں:

"واللہ بما تعلمون خبیر" کی صحیح تفسیر: بعض علماء ہند نے جو اس جملہ کی جو تفسیر کی ہے وہ غلط ہی نہیں بلکہ سراسر باطل ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ اس جملہ کی صحیح تفسیر کیا ہے؟

بعض علماء ہند نے تو یہ سمجھا کہ اس جملہ میں فقط یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر اس عمل سے باخبر ہے جو تم کرو گے مگر وہ تم سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک اس جملہ میں فقط وعدہ کا ذکر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں بعد فتح ایمان لانے والوں کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ جو کچھ بھی راہ الٰہی میں خرچ کریں اور جہاد کریں ان کو بھی اجر دیا جائے گا۔ اگر چہ سابقین کے برابر نہیں ہو گا تاہم بھلائی کا وعدہ سب کے ساتھ ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس آیت میں پہلے یا بعد میں ایمان لانے کا ذکر نہیں ہوا فقط پہلے یا بعد خرچ کرنے اور جہاد کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص قدیم الاسلام تو ہو مگر قدیم الانفاق نہ ہو تو اس کا شمار بعد میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے والوں میں ہو گا۔ یہاں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت میں "واللہ بما تعملون خبیر" فرمانے میں نیت واخلاص کی طرف بھی ایک اشارہ ہے۔ یعنی دیکھا جائے گا کہ کسی قدیم الاسلام شخص نے پہلے خرچ نہیں کیا تھا اب خرچ کرنے لگا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے۔

فی الجملہ یہ بتا دیا گیا کہ پہلے یا بعد میں جس کسی نے بھی صدق واخلاص کے ساتھ انفاق اور جہاد کیا اس کا اجر ضائع نہیں ہو گا۔ ہر ایک کے ساتھ زمانی عسر و یسر اور اس کے اخلاص کے مطابق بھلائی کا وعدہ ہے۔ اب یہاں اس وضاحت کی ضرورت تو نہیں ہے کہ پہلے یا بعد جو کوئی بھی خلوص سے عاری ہو کر انفاق اور جہاد کرے تو اس کے لئے کسی قسم کے اجر اور بھلائی کا وعدہ نہیں ہوتا۔ سو آیت کے اس جملہ میں لفظ "خبیر" تین چیزوں کو مدنظر رکھے جانے کا ذکر ہے۔

۱۔ اخلاص ونیت

۲۔ حال و استقبال پر بھلائی کا وعدہ

۳۔ اور حال و استقبال میں برے اعمال پر وعید

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس آیت کو مستقبل کے ساتھ مقید اور فقط وعدہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ خواہ مستقبل میں کوئی صحابی جس قدر بھی بڑے عمل کرتا رہا اس کے ساتھ بھلائی کا وعدہ ہو گیا، یہ قرآن مجید کی دوسری آیات اور سینکڑوں احادیث نبویہ کے خلاف ہے۔ حق بات یہ ہے کہ آیت میں فقط وعدہ کا نہیں بلکہ وعدہ اور وعید دونوں کا ذکر ہے، چنانچہ علامہ ابن عطیہ اور علامہ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں:

واللہ بما تعملون خبیر قول فیہ وعد و وعید

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے بخوبی خبردار ہے۔ اس قول میں وعدہ اور وعید دونوں ہیں۔" (المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ج ۸، ص ۲۲۴، البحر المحیط ج ۸، ص ۲۱۹)

پھر اسی سے ملتی جلتی عبارات تفسیر روح المعانی اور فی رحاب التفسیر سے نقل کر کے لکھا:

"اس جملہ کی تفسیر میں اس امام نے تو کمال ہی کر دیا ہے، جن کی نسبت سے ہم سنی، حنفی کے ساتھ ساتھ ماتریدی بھی کہلاتے ہیں، یعنی امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ، وہ فرماتے ہیں:

یرغب فیہ و یرغب عنہ "ارشاد الٰہی" واللہ بما تعملون خبیر "میں ترغیب اور ترہیب دونوں ہیں، پسندیدہ اعمال کی ترغیب اور ناپسندیدہ اعمال سے ترہیب (وارننگ) کا ذکر ہے۔"

(تاویلات اہل السنۃ لابی منصور الماتریدی ج ۵، ص ۴۳)

جب اس آیت میں وعد و وعید اور ترغیب و ترہیب دونوں مذکور ہیں اور جزا و سزا کا معاملہ بھی اسی کے مطابق ہو گا تو پھر کسی عالم دین کے لکھ دینے سے وہ ذات جل جلالہ اپنا قانون تو تبدیل نہیں کرے گی۔ جس نے یہاں تک فرمایا:

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ

"تو جو ایک ذرا بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرا بھر برائی کرے گا اسے دیکھے گا۔" (الزلزال ۷۔ ۸)

سو اس وقت تک جن لوگوں نے صلح حدیبیہ سے قبل اور بعد یا فتح مکہ سے قبل ہی اور بعد نفاق اور

جہاد کیا یا بعد میں جو لوگ نفاق و جہاد کرتے رہیں گے اللہ عزوجل جس طرح ان کے ساتھ کیے
ہوئے اجر کے وعدہ کو پورا فرمائے اسی طرح وہ ذرا ذرا کے حساب کی وعید کو بھی پورا فرمائے گا۔
(صلح الامام الحسن ص ۳۳۴ تا ۳۳۷)

جواب نمبر: ۱۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر غلط و باطل نہیں ہے بلکہ موصوف ہی بغض صحابہ و سلف صالحین میں حد سے گزر چکے ہیں:

ہماری گزشتہ صفحات پہ نقل کی گئی تحقیق کی روشنی میں ہر غیر جانبدار شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر غلط نہیں ہے بلکہ موصوف خود ہی بغض صحابہ اور عناد اسلاف میں اس طرح حد سے گزر چکے ہیں کہ عظمت صحابہ بیان کرنے والا ہر ایک شخص انہیں زہر دکھائی دیتا ہے۔
اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے صحیح اور ماخوذ از تفاسیر معتبرہ ہونے پر ہم پیچھے سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں۔ اس کا فیصلہ ہم اپنے قارئین پہ چھوڑتے ہیں کہ وہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر اور موصوف قاری کی یاوہ گوئیوں کا تقابل کرتے ہوئے بتائیں کہ تفسیر رضوی درست ہے یا موصوف کا باطل نظریہ؟؟
لہٰذا ہم موصوف اور اس کی ساری پارٹی سے بار دیگر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی معتبر مفسر کا کوئی ایک ایسا مستند قول پیش کریں۔ جس میں زیر بحث آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کسی ایک صحابی کا بھی "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" سے استثناء کیا گیا ہو، یا تمہاری طرح اس کو جنتی ماننے سے انکار کیا گیا ہو۔

جواب نمبر: ۲۔ موصوف کی پیش کی گئی تفسیری شہادتیں بھی ان کے موقف کی تائید نہیں کرتیں:

قارئین کرام! اگر آپ غور فرمائیں تو موصوف کی اس ساری عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ آیت میں وعدہ اور وعید دونوں ہیں اس لئے۔ جس صحابی نے اچھا عمل کیا اس سے بھلائی کا وعدہ ہے اور۔ جس نے برا عمل کیا اس پر اسے سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ اس آیت میں وعدہ و وعید کا قول کرنا بھی درست ہے لیکن یہ بات بھی پکی ہے کہ بے شمار مفسرین ایسے ہیں۔ جنہوں نے یہاں ابن عطیہ، اندلسی اور امام ماتریدی کی طرح باقاعدہ وعدہ وعید کی وضاحت نہیں کی تو کیا ان سب کی تفاسیر غلط و باطل قرار پاتی ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اگر "ہاں" تو وجہ؟

دوسری بات یہ ہے کہ جس خدا کے ہاتھ میں وعدہ و وعید اور جزاء سزا کا معاملہ ہے اسی نے تو تمام صحابہ کے جنتی ہونے کا خود اعلان کرتے ہوئے فرمایا ہے: "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ"

صاحب شفاعت۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: لاتمس النار مسلما رانی

"جس مسلمان (یعنی صحابی) نے مجھے دیکھا اسے آگ نہیں چھو سکتی۔" (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۶)

ثابت ہوا کہ موصوف کی نقل کردہ تفسیری شہادتیں ان کے مؤقف کی تائید نہیں کرتیں۔

جواب نمبر: ۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف وعدے کے مستحق ہیں اور وعدہ و وعید ان کے بعد والے لوگوں کے لئے ہے:

چونکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد قرآن مجید کے اولین مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ پھر ان کے بعد قیامت تک کی ساری امت، جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق ہے۔ تو قرآن وسنت کی کئی نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" فرما کر انہیں وعید سے مستثنیٰ قرار دے کر انہیں صرف اور صرف بھلائی کے وعدے کا مستحق قرار دے دیا ہے، پھر ان کے بعد آنے والی ساری امت وعد و وعید دونوں سے خاص کر دی گئی۔ ہماری اس بات کی تائید موصوف قاری کے یہ اپنے الفاظ بھی کرتے ہیں کہ:

> "حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں بعد میں ایمان آنے والوں کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ جو کچھ بھی راہ الٰہی میں خرچ کریں اور جہاد کریں ان کو بھی اجر دیا جائے گا۔ اگرچہ سابقین کے برابر نہیں ہوگا تاہم بھلائی کا وعدہ سب کے ساتھ ہے۔ (صلح الامام الحسن ص ۳۳۴)

جواب نمبر: ۴۔ موصوف کی جانب سے جہالت کا بدترین مظاہرہ:

موصوف اپنی جہالت کا بدترین مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آیت میں پہلے یا بعد میں ایمان لانے کی بات نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:

> "یہ بات قابل غور ہے کہ اس آیت میں پہلے یا بعد میں ایمان لانے کا ذکر نہیں ہوا...... بلکہ فقط پہلے یا بعد میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔" (صلح الامام الحسن ص ۳۳۴)

ہم کہتے ہیں اگرچہ آیت میں ایمان لانے کا صراحتاً ذکر نہیں مگر اصالۃً موجود ہے۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ کا یہ جنت کا وعدہ معاذ اللہ کوئی بے ایمان لوگوں سے تو نہیں ہوا۔ اس لئے کہ جب انفاق اور جہاد جو ایمان کے

تابع میں کاذکر آگیا تو ایمان کاذکر خود بخود آگیا۔ ویسے بھی یہ طے شدہ ضابطہ ہے کہ:

عدم الذکر لایدل علی عدم الشئ
کسی چیز کاذکر نہ کرنا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔"

ورنہ تو کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" میں صرف نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک ہے تو کیا اب اس کا یہ مطلب ہے کہ یہاں باقی انبیاء کاذکر نہیں ہے۔ لہٰذا ان پہ ایمان لانا بھی لازم نہیں؟ پھر اگر اس آیت کا سیاق وسباق دیکھا جائے تو وہ بھی اس پر صراحتاً دلالت کرتا ہے کہ یہاں فتح سے پہلے اور بعد میں ایمان لانا بھی موجود اور مراد ہے۔ "ملاحظہ ہو اس آیت سے پہلے فرمایا۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝٧
"تو جو تم میں ایمان لائے اور اس کی راہ میں خرچ کیا ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان حدید ۷:)

اور اس آیت کے بعد فرمایا:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١٢
جس دن تم ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ہے ان کے آگے اور ان کے دہنے دوڑتا ہے ان سے فرمایا جارہا ہے کہ آج تمہاری سب سے زیادہ خوشی کی بات وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہیں تم ان میں ہمیشہ رہو، یہی بڑی کامیابی ہے۔"

(ترجمہ کنز الایمان حدید ۱۲:)

ثابت ہوا کہ موصوف کا لفظ "فقط" کے ذریعے حصر پیدا کرتے ہوئے یہ کہنا کہ صرف خرچ اور جہاد مراد ہے۔ باطل ہے۔ پھر دیکھیں کس دیدہ دلیری کے ساتھ ایک خود ساختہ قانون ہی وضع کر دیا کہ:

"اگر کوئی شخص قدیم الاسلام تو ہو مگر قدیم الانفاق نہ ہو تو اس کا شمار بعد میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے والوں میں ہوگا۔" (صلح الامام الحسن ص ۳۳۵)

ہم کہتے ہیں اگر تو تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل صحیح ہو تو پیش کریں ورنہ قرآن وسنت پہ یوں جرأت کر کے اپنی آخرت برباد نہ کریں۔

جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ ہے تو وہ قدیم الاسلام ہوں یا غیر قدیم الاسلام قدیم الانفاق

والجہاد ہوں یا غیر قدیم الانفاق والجہاد ہوں، ان کا رب ان سب سے جنت کا وعدہ فرما چکا ہے۔

وحشی ہمیشہ نشے میں دھت رہتا اور حالت نشہ میں ہی اس کی موت ہوئی (قاری ظہور):

دیگر کئی صحابہ کی طرح حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا شمار بھی ان صحابہ میں ہوتا ہے۔ جن کی موصوف قاری نے صریح توہین کا ارتکاب کیا ملاحظہ ہو لکھتا ہے:

> ''خود وحشی بھی اموی غلام تھا۔ یہ وہی ہے جس نے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے منہ نہیں لگاتے تھے یہ اکثر نشہ میں دھت رہتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی موت بھی حالت نشہ میں ہوئی تھی۔''

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> مازالت لِوَحشی فی نفسی حتی اخذ قد شرب الخمر فجلد الحد، فحطت عطاءہ الی ثلث مائۃ، وکان فرض لہ عمر فی الفیئن
>
> ''ہمیشہ میرے دل میں وحشی کے لئے کچھ کھٹکا سا رہا، یہاں تک کہ وہ پکڑا گیا۔ اس نے شام میں شراب پی تو اس کو حد لگائی، پھر میں نے اس کا وظیفہ تین سو تک محدود کر دیا، راوی کہتے ہیں اس سے قبل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دو ہزار وظیفہ والوں میں شامل رکھا تھا۔''

(تہذیب الکمال ج ۳۰،ص ۴۳۰، تہذیب التہذیب ج ۴،ص ۷۱۰)

امام علاء الدین مغلطائی حنفی لکھتے ہیں:

> قال ابن شہاب :مات غرقا فی الخمر زعموا
>
> ''ابن شہاب فرماتے ہیں :لوگوں نے کہا :وہ شراب میں غرق ہونے کی حالت میں مرا تھا۔''

(اکمال تہذیب الکمال ج ۱۲،ص ۲۱۱)

پھر ایک مقام پر یوں لکھا:

''راقم الحروف کا خیال ہے کہ بعض کذاب قسم کے لوگوں نے اس حدیث (اللھم املاہ علماء وحلما) کو وضع کر کے اسے وحشی کی طرف منسوب کر دیا ہوگا، ورنہ نشہ میں دھت رہنے والے شخص کو ایسے دھندے سے کیا

سروکار؟۔ (الاحادیث الموضوعہ ص ۹۸)

جواب نمبر: ۱

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو نشے کا عادی قرار دینا قطعاً درست اور حقیقت نہیں ہے:

موصوف نے جو آپ رضی اللہ عنہ کی طرف نشہ کرنے کی نسبت کی ہے یہ بھی برخلاف حقیقت اور موصوف کے رفض زدہ ذہن کی عکاسی ہے، ورنہ علماء محققین نے صاف طور پر اس کی تردید کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

فقیہ اعظم ہند شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مجھے اس (نشہ والی) روایت میں کلام ہے۔ غالباً دشمنان صحابہ نے صحابہ کرام کی عظمت کو داغدار کرنے کے لئے اسے گڑھا ہے، اس عہد مبارک میں جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دورعروج تھا یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی شخص مسلسل شراب پیتا رہے۔ انتہائی سختی سے حدود جاری کئے جاتے تھے۔ اس میں کسی کی رعایت نہیں کی جاتی تھی، پھر یہ کیسے ممکن ہے وہ بھی حمص جیسے شہر میں کہ ایک شخص مسلسل شراب پیئے اور اس سے مواخذہ نہ ہو، کتب سیر وتاریخ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموس کو داغدار کرنے کے لئے بے شمار روایتیں دشمنانِ صحابہ نے گڑھ کر پھیلا دی ہیں، انہیں میں سے یہ روایت بھی ہے۔" (نزہۃ القاری شرح بخاری ج ۴، ص ۷۷۸)

جواب نمبر: ۲۔ موصوف کی پیش کردہ روایات سنداً مجروح اور نا قابل استدلال ہیں:

موصوف نے جو روایات ذکر کی ہیں ان کا درایۃً موضوع ہونا جواب نمبر ا ایک میں واضح ہو چکا، اب یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ یہ روایات سنداً بھی مجروح اور نا قابل استدلال ہیں۔ اس بابت قاطع رافضیت علامہ غلام حسین قادری صاحب زیدشرفہ لکھتے ہیں:

"ان کے نشے کے بارے میں موصوف فیضی نے دو روایات ذکر کی ہیں اور دونوں ہی سنداً مجروح ہیں۔ ان پر تو سند صحیح سے الزام ثابت نہیں کر سکے، البتہ خود نجانے کون سے نشے میں تھے کہ پوتے اور دادا میں فرق ہی نہ کر سکے۔"

پہلا قول موصوف نے لکھا:

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ما زالت لوحشی فی نفسی حتی اخذ قد شرب الخمر...

اقول و باللہ التوفیق

التھذیب الکمال میں یہ قول یونس بن ابو اسحاق سے مروی ہے اور وہ اپنے والد یعنی عمرو بن عبد اللہ بن عبید الہمدانی کوفی سے نقل کرتے ہیں: اور عمرو بن عبد اللہ کی ولادت ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۷۲، رقم ۵۳۳۶)

تو انہوں نے کہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان سن لیا؟ نیز یہ قول بالسند تاریخ دمشق میں مذکور ہے۔ (تاریخ دمشق ۶۲/ ۴۱۹) اور وہاں اس میں ایک راوی احمد بن عبد الجبار العطاردی ہیں جو ضعیف راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۱۱۹، رقم ۶۴) لہٰذا اس قول کی تو سندا بھی کوئی حیثیت نہ رہی۔

دوسرا قول موصوف ذکر کرتے ہیں :...مات غرقا فی الخمر زعموا...

ابن شہاب زہری کا یہ قول حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے الاستیعاب میں نقل کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۱۵۶۵)

حافظ ابن عبد البر اور موسیٰ بن عقبہ کے مابین تقریباً سو سال سے زیادہ کا وقفہ ہے۔ (موسیٰ بن عقبہ کا وصال ۱۴۱ھ میں ہوا اور حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۳۶۸ھ میں ہوئی) درمیان سے سند موجود ہی نہیں۔ پھر ابن شہاب زہری بھی لوگوں کا گمان بتا رہے ہیں۔ پھر امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت بھی س ۵۱ھ میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ہوئی۔ یہ سند کا حال ہے اور موصوف ایسی مردود بات لے کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ پر طعن کر رہے ہیں۔ (الصوارم الحیدریہ ص ۱۴۸۔ ۱۴۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے (وحشی کو) منہ نہیں لگاتے تھے۔ (قاری ظہور)

موصوف نے یہ تاثر قائم کرنے کی بھی سعی مذموم کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے نفرت کرتے تھے ملاحظہ ہو:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان (وحشی) کو منہ نہیں لگاتے تھے۔" (الاحادیث الموضوعہ ص ۹۶)

ایک اور جگہ لکھا:

"ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمۃ اللعالمین ہونے کے باوجود سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے

قاتل حضرت وحشی ؓ کے بارے میں چلاتھا کہ وہ آپ کے سامنے نہ آیا کرے۔"
بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا:
فهل تستطيع ان تغيب وجهك عني "تو کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے غیب رکھ سکتے ہو۔"
(بخاری ص ۶۸۹، رقم ۴۰۷۲، مسند احمد ج ۳، ص ۵۰۲)

بعض مقامات پر تو صراحتاً آیا ہے:
غيب عني وجهك "مجھ سے اپنا چہرہ غیب رکھا کرو۔" (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۳، ص ۲۱)
اسی لئے حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے لکھا ہے:
"نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم فرمایا تھا کہ وہ اپنا چہرہ آپ سے پوشیدہ رکھا کرے۔" (الاصابہ ج ۶، ص ۴۷۰)
کیا حضرت وحشی مسلمان نہیں تھے؟ کیا ان پر الاسلام یجب بما قبلہ (اسلام اپنے ما قبل کو مٹا دیتا ہے) کا اطلاق نہیں ہوتا؟ کیا وہ "كلا وعد الله الحسنىٰ" میں شامل نہیں تھے؟
پھر یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ ان سے سیدنا امیر حمزہ ؓ کا قتل حالت کفر میں ہوا اور اسلام قبول کرنے پر وہ ان کا گناہ مٹ گیا...... (مناقب الزہرہ ص ۲۰۳۔ ۲۰۲)

جواب نمبر ا۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت وحشی ؓ کو منہ نہیں لگاتے تھے:

موصوف کا یہ منفی تاثر قائم کرنا درست نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت وحشی ؓ کو منہ نہیں لگاتے تھے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شائد آپ ؑ حضرت وحشی سے نفرت کرتے تھے کیونکہ اگر ایسا ہی ہوتا تو آپ ﷺ انہیں دعوت اسلام ہی نہ دیتے۔ پھر کوئی کتنا ہی بڑا گنہگار کیوں نہ ہو کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس کے سابقہ گناہ (وہ بھی جو معاف ہو چکا ہو) کی وجہ سے اس سے نفرت کرنا تو عام مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ نبوت مآب ﷺ ہستی کا مقام تو اس سے ویسے ہی وراء الوراء ہے، یہ اس لئے بھی ہے کہ آپ یہ خود فرما چکے کہ:

الاسلام يهدم ما كان قبله
"اسلام ما قبل کے گناہ مٹا دیتا ہے۔" (مسلم، حدیث ۱۲۱، مشکوۃ، حدیث نمبر ۲۴)

بلکہ یہاں تو اسلام کی خیر و خوبی کا یہ عالم ہے کہ سو بندوں کا قاتل ولیوں کی بستی کی طرف چل پڑے اور پہنچے بغیر راستے میں ہی مر جائے تو رب تعالیٰ اس کی بھی مغفرت فرما دیتا ہے تو پھر ان خوش بختوں کی عظمت کا کون اندازہ لگائے جو امام الانبیاء علیہ السلام کی زیارت و صحبت سے مشرف ہوئے ہوں۔

بفرض محال اگر ایسی نفرت ہوتی تو آپ ﷺ کا یہ پڑھا گیا کلمہ قبول ہی نہ فرماتے۔ حالانکہ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ان کا اسلام لانا قبول فرمایا ہے بلکہ انہیں جہاد جیسی نیکی کمانے کا خود حکم بھی دیا ہے۔ بحوالہ طبرانی فتح الباری میں ہے:

فقال یاوحشی! اخرج فقاتل فی سبیل اللہ کما کنت تصد عن سبیل اللہ

”اے وحشی! جاؤ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جیسے تم راہ خدا سے روکنے کے لئے لڑا کرتے تھے۔“

(فتح الباری ج ۷، ص ۴۷۱)

بلاشبہ اس فرمان نبوی کی برکت تھی کہ آپ ﷜ نے وقت کے سب سے بڑے کافر اور جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم کیا تھا۔ (ج ۷، ص ۴۷۱، نعمۃ الباری ج ۷، ص ۴۰۵)

بلکہ آپ کے یہ الفاظ تو بخاری کی اسی زیر بحث حدیث میں بھی ہیں کہ:

قلت لاخرجن الی مسیلمۃ لعلی اقتلہ فاکافی بہ حمزۃ

”میں نے کہا: میں مسیلمہ کی طرف نکلوں گا، شائد کہ میں اس کو واصل جہنم کر کے حضرت حمزہ ﷜ کو شہید کرنے کا کفارہ ادا کر سکوں۔“ (بخاری حدیث نمبر ۴۰۷۲)

اس کافر اعظم کو قتل کرنے کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے: فقتلت خیر الناس وشر الناس ”(جب میں حالت کفر میں تھا تو) میں نے لوگوں میں سے بہترین شخص کو شہید کیا تھا اور (جب میں حالت اسلام میں آیا تو) سب سے بدترین شخص کو (بھی) میں نے ہی قتل کیا۔“

(فتح الباری ج ۷، ص ۴۷۱)

یونہی جو رومیوں کے خلاف سب سے بڑا اور فتح کن معرکہ ہوا تھا جسے جنگ یرموک کہا جاتا ہے۔ آپ اس میں بھی شریک تھے۔ (نزہۃ القاری ج ۴، ص ۷۷۱)

جواب نمبر: ۲۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت وحشی ﷜ کو برا کہنے سے خود منع فرمایا:

بعض روایات میں صراحتاً موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت وحشی ﷜ کو برا بھلا کہنے اور ان

کے درپے ہونے سے خود منع فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جب مدینہ پاک آئے تو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہ وحشی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

دعوہ فلاسلام رجل واحد احب الی من قتل الف کافر

اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ ایک شخص کا اسلام قبول کرنا میرے نزدیک ہزار کافر کو قتل کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔" (فتح الباری ج ۷، ص ۴۷۰، الروض الانف ج ۳، ص ۱۶۳، نعمۃ الباری ج ۷، ص ۲۰۶)

فرمان نبوی "دعوہ" (اس کو چھوڑ دو) یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ نے ایک دوسرے مقام پہ فرمایا ہے:

دعوالی اصحابی "تم میرے لئے میرے صحابہ کو چھوڑ دو۔" (مسند احمد حدیث نمبر ۱۳۷۴۶)

سو جس طرح دیگر صحابہ کو برا کہنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اسی طرح حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو بھی برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔

جواب نمبر: ۳۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی تسلی و دلجوئی کے لئے قرآنی آیات نازل ہوئی

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ جن کی تسلی و دلجوئی کے لئے قرآنی آیات نازل ہوئیں ہیں جیسا کہ مفسرین کی ایک رائے کے مطابق درج ذیل آیت کریمہ آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًاؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۝۵۳

"تم فرماؤ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔" (ترجمہ کنزالایمان، الزمر، ۵۳:)

حوالاجات ملاحظہ ہوں: (تفسیر مدارک ج ۳، ص ۱۸۷، تفسیر روح المعانی جزء ۲۳، ج ۱۲، ص ۲۳، تفسیر کبیر ج ۶، ص ۴۶۵، تفسیر ماوردی ج ۵، ص ۱۳۱ وغیرہ)

بلکہ تفاسیر کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کی تشفی و دلجوئی کے لئے اور آیات بھی نازل فرمائی ہیں۔ اس بابت اک دلنشین روایت ملاحظہ ہو:

تفسیر قرطبی وغیرہ میں ہے کہ:

"قل یا عبادی الذین اسرفوا"...... آیت کا سبب نزول وہ روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کی طرف دعوتِ اسلام کا پیغام بھیجا تو وحشی نے جواب میں کہا کہ: آپ مجھ کو اپنے دین کی کس طرح دعوت دیتے ہیں حالانکہ آپ کا اعتقاد تو یہ ہے کہ جس کسی نے قتل کیا یا شرک کیا یا زنا کیا تو اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا (جس کی وجہ سے) اسے کئی گنا عذاب دیا جائے گا؟ اور میں تو ان سب گناہوں کا ارتکاب کر چکا ہوں۔ تو رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَـنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا ۙ﴿۶۰﴾

"مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور انہیں کچھ نقصان نہ دیا جائے گا۔" (ترجمہ کنزالایمان۔ مریم ۶۰:)

(یہ سن کر) حضرت وحشی نے کہا یہ ایسی سخت شرط ہے شائد میں اس پہ قدرت نہ رکھ پاؤں تو کیا اس کے علاوہ کوئی اور ہے؟ تو رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَـرٰۤى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ﴿۴۸﴾

"بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا گناہ کا طوفان باندھا۔" (النساء ۴۸:)

(یہ سن کر) حضرت وحشی نے کہا: "میں (اب بھی) اس فکر میں مبتلاء رہتا ہوں کہ نامعلوم میری بخشش ہو یا نہ ہو۔"

تو (اس کے بعد) رب تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی:

"قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ"

(یہ سن کر) حضرت وحشی نے کہا: "ہاں! میں اس شرط کو مشکل نہیں دیکھتا تو پھر آپ مسلمان ہو گئے، (تفسیر قرطبی ج ۱۵،ص ۲۳۵، تفسیر بغوی ج ۴،ص ۲۲، تفسیر روح البیان، ج ۸،ص ۱۶۹، تفسیر جمل ج ۶، ص ۴۳۹، تفسیر صاوی ج ۵،ص ۱۸۰۲، مع لباب النزول، تفسیر مظہری ج ۶،ص ۱۷۷، وغیرہا)

"ایسے جلیل القدر صحابی کہ جن کو دعوت اسلام خود مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں اور ان کے حق میں قرآنی آیات نازل ہوں، ان پہ کوئی سیاہ بخت ہی طعن کرسکتا ہے۔ کسی مسلمان کو یہ زیبا نہیں کہ ایسی حرکت کرے۔"

جواب نمبر :٦۔ "فَهَلْ تَسْتَطِيعُ اَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي "فرمانِ نبوی کی حکمت:

جہاں تک فرمان نبوی "فھل تستطیع ان غیب عنی وجھك عنی" اور "غیب وجھك غنی" جیسے فرامین کا تعلق ہے تو یہ نفرت کی وجہ سے نہیں تھے جیسا کہ موصوف قاری نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، بلکہ گزشتہ جوابات کے پیش نظر اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ بھی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ پر رحمت نبوی کی ایک صورت ہے۔ گویا یہ فرما کر آپ ﷺ نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے دین و ایمان کی حفاظت فرمادی، اس لئے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بڑی بے دردی سے شہید کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کے جسم مبارک کا مثلہ تک کر دیا گیا تھا تو یہ ایک فطری عمل ہے کہ اگر کسی پیارے کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آیا ہو تو بتقضائے بشریت ایسا کرنے والے کے بارے دل میں کوئی ملال آسکتا ہے۔

پھر یہاں تو معاملہ ہی بڑا نازک ہے کہ اگر کسی کے بارے نبی کریم ﷺ کے دل اقدس میں کوئی ایسا خیال آجائے تو سامنے والے بندے کے ایمان کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے تو گویا سرکار علیہ السلام نے انہیں یہ فرما کر ان کے دین و ایمان کی حفاظت فرمادی۔ یہی وجہ ہے کہ اس فرمان نبوی کے بعد وصال نبوی تک حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سرکار علیہ السلام کے سامنے نہیں آئے۔ (دیکھئے فتح الباری ج ۷، ص ۴۷۰)

جواب نمبر :۵۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا صحابی اور جنتی ہونا جب موصوف کو خود بھی تسلیم ہے تو پھر طعن کس بنیاد پر؟

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا جنتی اور صحابی ہونا جب خود موصوف کو بھی تسلیم ہے تو پھر ان پر طعن کس منہ سے کرتے ہیں؟ آپ کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" موصوف خود بھی کئی بار لکھ چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔" (مناقب زہرہ ص ۲۲)

اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۲ اور ۲۰۳ پر بھی لکھا: "بلکہ استفہام تقریر کے طور پر آپ کے مسلمان اور "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" میں بھی شامل ہونے کو خود تسلیم کیا، ملاحظہ ہو۔

"کیا حضرت وحشی مسلمان نہیں تھے؟ کیا ان پر الاسلام یجب ما قبلہ (اسلام اپنے ما قبل کو مٹا دیتا ہے) کا اطلاق نہیں ہوتا تھا؟ کیا وہ "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" میں شامل نہیں تھے؟"

(مناقب زہرہ ص ۲۰۳)

پھر اگلی سطر میں لکھا:

> "پھر یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ ان سے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا قتل حالت کفر میں ہوا اور اسلام قبول کرنے پر ان کا وہ گناہ مٹ گیا۔" (مناقب زہرہ ص ۲۰۳)

ہم کہتے ہیں جب تم نے خود حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا مسلمان اور ہونا صحابی اور "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" میں شامل مان لیا تو اب ان پر طعن و تشنیع کس منہ سے کرتے ہو؟ کیا کسی صحابی اور جنتی شخصیت کے بارے میں بدعقیدگی و بدلفظی استعمال کرنا مناسب ہے جو تم نے کی؟

خوفِ   خدا   شرم   نبی

جواب نمبر: ۶۔ لو آپ اپنے جال میں صیاد آ گیا:

موصوف نے ایڑھی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تھی کہ فتح مکہ کے بعد والے صحابہ "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" میں شامل نہیں ہیں۔ مگر خدا کی کرنی دیکھئے کہ اس مقام پہ خود تسلیم کر گئے کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ بھی "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" میں شامل ہیں۔ حالانکہ آپ بھی فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے ہیں، موصوف خود لکھتے ہیں:

> "یاد رہے کہ وحشی بھی فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھا۔" (الاحادیث الموضوعہ ص ۹۶)

دروغ گورا حافظہ نباشد

بہر حال کچھ بھی کہیں موصوف کے اس اعتراف نے ان کے اس دعویٰ کہ "فتح مکہ کے بعد والے صحابہ "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" میں داخل نہیں" کو ایکدم توڑ کے رکھ دیا ہے۔ کیونکہ یہ طے شدہ قانون ہے کہ:

> "اثبات جزی سلب کلی کے دعوے کو توڑ دیتی ہے۔" اس لئے ہم کہتے ہیں کہ جب تم نے فتح مکہ والے صحابہ میں سے ایک صحابی کو وعدہ حسنیٰ میں شامل مان لیا تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت فتح مکہ والے باقی صحابہ کے بھی اس وعدہ حسنیٰ میں شمولیت کے مانع کوئی چیز نہ رہی۔

جواب نمبر: ۷۔ اہلسنّت کے نزدیک دیگر صحابہ کی طرح حضرت وحشی رضی اللہ عنہ پر بھی طعن و تشنیع کرنے والا رافضی ہوتا ہے:

یاد رکھیں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ پر تبرا کا قائل اور طعن و تشنیع کا عامل رافضی ہوتا ہے۔ اس بات کی وضاحت

کرتے ہوئے صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حتیٰ کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جنہوں نے قبل اسلام حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور بعد اسلام اخبث الناس مسیلمہ کذاب ملعون کو واصل جہنم کیا۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خیر الناس و شر الناس کو قتل کیا، ان (صحابہ) میں سے کسی کی شان میں گستاخی تبرا ہے اور اس کا قائل رافضی ہے اگرچہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی توہین کی مثل نہیں۔" (بہار شریعت حصہ ۱ ص ۲۵۳)

صحابیت کوئی ایسا لائسنس نہیں ہے کہ آدمی جو چاہے کرتا پھرے اور اس کا مواخذہ حساب نہ ہو (قاری ظہور):

موصوف بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ لکھتے ہیں:

"یاد رہے کہ وحشی بھی فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھا۔ لہٰذا اس کا شمار طلقاء میں ہوتا ہے۔ جبکہ عند المحدثین اسے صحابی سمجھا جاتا ہے اور بلاشبہ صحابیت ایک رتبہ عظمیٰ تو ہے لیکن ایسا لائسنس نہیں کہ آدمی جو چاہے کرتا رہے اس سے کوئی مواخذہ ہوگا اور نہ ہی کوئی حساب۔" (الاحادیث، الموضوعہ ص ۹۶)

جواب: جس خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں مؤاخذہ و حساب ہے وہ خود ہی سب صحابہ کو جنتی قرار دے چکا ہے:

قارئین کرام! مسئلہ کی وضاحت اپنی جگہ مگر آپ ملاحظہ کریں کہ بد بخت کے قلم میں ترشی و خشکی کس گھٹیا درجے کی ہے: علامہ غلام حسین صاحب قادری صاحب، موصوف کی اس یاوہ گوئی کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کیا یہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ بالفرض اگر کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا کوئی گناہ ثابت ہو تو اس وجہ سے ان پر طعن و تشنیع کی جائے، یہاں تو آپ نے صرف تہمتیں ہی لگائی ہیں۔ ضعیف اور منقطع اسانید سے اقوال ضعیفہ مردودہ ذکر کئے ہیں۔ اگر مواخذہ ہوگا تو یہ مؤاخذہ کیا آپ کریں گے؟ یا ان کا رب عزوجل؟ اگر فیصلہ ان کا رب کرے گا تو سنیں ان کا رب کیا ارشاد فرماتا ہے۔"

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ

بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ (الحدید ۱۰:)

"اور تمہیں کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو حالانکہ آسمانوں اور زمین میں سب کا وارث اللہ ہی ہے، تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا۔ اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔" (الصوارم الحیدریہ ص ۱۶۹)

فتح مکہ کے بعد والے صحابہ کی شان میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی۔ (قاری ظہور)

موصوف ایک جاہلانہ بھونگی ہانکتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "میرے سرسری مطالعہ کے مطابق ان ڈھائی سالوں میں (بقولہ فتح مکہ کے بعد سے لے کر وصال نبوی تک۔ راقم) اس خاندان (یعنی خاندان امیر معاویہ) کے علاوہ دو ہزار سے زائد طلقاء میں سے کسی کی بھی شان میں زبان نبوی سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔" (الاحادیث الموضوعہ ص ۲۵)

جواب: بالفرض تسلیم اگر ان کی شان میں کوئی صحیح حدیث نہ بھی ہوتی تو ان کی عظمت کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ مقام صحابیت پہ فائز ہیں:

محسوس ہوتا ہے موصوف کو گمراہیت کا ہیضہ کچھ زیادہ ہی اثر انداز ہو چکا ہے کہ جو بھی من میں آتا ہے لکھے جاتے ہیں۔ بندہ اس جہل مرکب سے پوچھے کہ کیا فضیلت و شان صحیح حدیث سے کم درجہ کی کسی حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتی؟ اگر ہو سکتی ہے تو پھر "صحیح" کی قید کیوں؟

اگر نہیں ہو سکتی تو پھر مسلمات اہلسنت کی روشنی میں کوئی دلیل صحیح پیش کریں۔ ہم کہتے ہیں بالفرض اگر ان کی شان میں صحیح تو صحیح کوئی ضعیف حدیث بھی نہ ہوتی تو بھی ان کی عظمت و شان کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ مقام صحابیت پر فائز ہیں اور "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" جیسے انعامات سے نوازے گئے ہیں۔

احادیث میں لفظ اصحابی جہاں بھی آیا ہے اس سے فقط "سابقون اولون صحابہ" مراد ہیں نہ کہ ان کے بعد والے بھی (قاری ظہور):

چونکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بالعموم جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی

عظمت بیان کرتے ہوئے دیگر دلائل کے ساتھ ساتھ اس حدیث "ستکون لاصحابی بعدی زلة" سے بھی استدلال کیا تھا تو یہ بات موصوف قاری کی طبیعت پہ بہت ناگوار گزری، وہ اعلیٰ حضرت کے اس استدلال کی تردید کرنے کی ناکام کوشش میں لکھتے ہیں:

> فاضل بریلوی نے مذکور الصدر حدیث (اذا ذکر اصحابی فامسکوا) اور درج ذیل حدیث کو معاویہ کے دفاع میں نقل کیا ہے۔ کیونکہ سوال فقط معاویہ کے متعلق تھا۔ لیکن ان کا یہ استدلال بہت سی احادیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ احادیث مبارکہ میں جہاں بھی لفظ "اصحابی" سے نبی کریم ﷺ نے کوئی فضیلت، تنبیہ یا نصیحت فرمائی ہے۔ وہاں طلقاء مراد نہیں بلکہ سابقون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔"

(صلح الامام الحسن ص ۳۰۷)

ایک اور جگہ لکھا:

> اصحابی کے اصل مصداق کون؟ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر وہ حدیث جس میں امر یا نہی لفظ "اصحابی" سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس کے اولین مخاطب وہ لوگ ہیں جو صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ مثلاً "احفظوا فی اصحابی" کے الفاظ بعض ضعیف احادیث میں آئے ہیں یا "لاتسبوا اصحابی" کے سے جو بعض صحیح احادیث منقول ہیں۔ ان میں بن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خیال رکھنے کا حکم ہے۔ وہ السابقون الاولون اور مہاجرین وانصار ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جو حدیبیہ کی صلح سے قبل مشکل وقت میں مشرف باسلام ہوئے اور جو لوگ ان کے بعد مسلمان ہوئے وہ ایسی تمام احادیث پہ عمل کرنے کے پابند ہیں اور پوری امت کی طرح وہ قدیم صحابہ کی تعظیم وتوقیر اور ان کی اتباع کے مکلف ہیں۔" (الاحادیث الموضوعہ ص ۱۶۴)

ایک اور مقام پہ لکھا:

> لاتسبوا اصحابی میرے صحابہ کو برا نہ کہو۔" اس ممانعت کے اولین مخاطب وہ صحابہ کرام تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے تھے اور چونکہ وہ ابھی غیر تربیت یافتہ تھے۔ اس لئے ان سے افراط و تفریط ہو جاتی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے مقابلہ میں سابقین اولین حضرات کو "اصحابی" (میرے صحابہ) فرمایا ہے۔" (شرح خصائص علی ص ۴۹۱)

ان تمام عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ اصحابی جہاں کہیں بھی آیا ہے۔ اس سے صرف اور صرف سابقون اولون صحابہ مراد ہیں، نہ کہ ان کے بعد والے۔

جواب نمبر: ۱۔ موصوف کا "اَصْحَابِی" سے غیر سابقین صحابہ کو مستثنیٰ قرار دینا قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ یہ لفظ تمام صحابہ کو شامل ہے:

موصوف نے یہاں پر بھی حسب عادت خیانت، دھوکہ دہی اور کتمان حق سے کام لیا ہے۔ اس لئے کہ یہ ہر گز کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ لفظ "اصحابی" سے صرف اور صرف سابقون اولون صحابہ مراد ہیں۔ ان کے بعد والے صحابہ مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسی احادیث سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (عام ازیں کہ سابقون اولون ہوں یا ان کے بعد والے) مراد لئے گئے ہیں۔ اس پہ تصریحات ملاحظہ ہوں۔ حضرت امام عینی و امام کرمانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

> قولہ "لاتسبوا اصحابی" خطاب لغیر الصحابۃ من المسلمین المفروضین فی العقل.
> جعل من سیوجد کالموجود ووجودھم المترقب کالحاضر
> "یہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا ان تمام مسلمانوں کو ہے جنہیں عقلی طور پر فرض مانا گیا، اور عنقریب پائے جانے والوں کو موجود کی طرح اور ان کے وجود منتظر کو حاضر کی طرح قرار دیا گیا۔"

(عمدۃ القاری ج ۱۶، ص ۲۶۱)

اس کو سابقین کے ساتھ خاص قرار دینے والوں کی تردید میں تفسیر روح المعانی میں فرمایا گیا ہے:

> بانہ علی ھذا لا یختص بالسابقین الاولین کما اشار فی الکشاف الیہ. وھو مبنی علی الخطاب فی "لاتسبوا" لیس للحاضرین ولا للموجودین فی عصرہ ﷺ بل لکل من یصلح للخطاب کما فی قولہ تعالیٰ ولو تری اذا وقفوا الآیۃ
> "بلاشبہ اس بنیاد پر یہ سابقین اولین کے ساتھ خاص نہیں ہوگا جیسا کہ کشاف میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ اس پر مبنی ہے کہ "لاتسبوا" میں جو خطاب ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں حاضر اور موجود لوگوں ہی کے لئے نہ ہو، بلکہ ہر اس کے لئے ہو جو بھی اس کی صلاحیت رکھے۔ جیسا کہ اس فرمان باری تعالیٰ میں ہے: لو تری اذا وقفوا "(اور کبھی تم دیکھو جب اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں گے)۔" (تفسیر روح المعانی ج ۱۴، ص ۲۶۵)

حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس پر اپنا اور فیصلہ کن مؤقف دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> واقول: شاع الاستدلال بھذا الحدیث علی فضل الصحابۃ مطلقاً بناء علی

ماقالوا :ان اضافة الجمع تفید الاستغراق وعلیه صاحب الکشف

''اور میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے ذریعے مطلقاً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر استدلال کرنا مشہور ومعروف ہے۔ اس قاعدے کی بنا پر جو علماء نے بیان کیا ہے کہ : جمع کی اضافت استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ صاحب کشف اسی کے قائل ہیں۔'' (بمرجع سابق)

حضرت امام ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

یمکن ان یکون الخطاب للامة الاعم من الصحابة حیث علم بنوره النبوة ان مثل هذا یقع فی اهل البدعة فنهاهم بهذه السنة

''یہ ممکن ہے کہ یہ خطاب صحابہ کی نسبت عموماً تمام امت کے لئے ہو اس حیثیت سے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے نورِ نبوت سے یہ جان لیا ہو کہ اس طرح کی قباحتیں اہل بدعت میں واقع ہوں گی تو آپ علیہ السلام نے اس انداز سے انہیں اس سے منع فرمادیا۔'' **(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج ۱۱ص ۱۵۲)**

پھر اگلے صفحہ پر جا کر فرمایا:

لکن یعلم نهی سب غیر الصحابی للصحابی من باب الاولیٰ

''لیکن اس سے غیر صحابی کے کسی صحابی کو برا کہنے کی ممانعت بدرجہ اولیٰ معلوم ہوتی ہے۔''

(ایضاً ص ۱۵۳)

موصوف قاری ظہور کے استاد شارح صحیحین مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

> ''اس حدیث میں صحابہ کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ مسلمان کو گالی دینا حرام اور اس پر لعنت کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور جتنے بڑے مرتبہ کے مسلمان کو گالی دی جائے گی۔ اتنا زیادہ بڑا گناہ ہوگا۔''......اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیاء اور رسل کے بعد روئے زمین پر سب سے افضل بشر ہیں اور ان کا قرن خیر القرون ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ صحابہ کرام [ز کے درمیان جنگیں ہوں گی اور اختلافات ہوں گے اور بعد کے لوگ ان کی جنگوں اور اختلافات کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک فریق پر طعن کریں گے اور اس کی مذمت کریں گے اور اس پر لعنت کریں گے تو آپ نے اس کا سد باب کرنے کے لئے انہیں پہلے ہی صحابہ کو برا کہنے سے منع فرما دیا۔ سو بعد کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ صحابہ کے مشاجرات اور تنازعات میں نہ پڑیں اور ان

> میں سے کسی فریق کو برا نہ کہیں اور ان کی نیکیوں اور اسلام کے لئے کی خدمات کا ذکر کریں اور ان کی باہمی جنگوں میں ان کی مناسب تاویل کریں اور سوائے خیر کے ان کا ذکر نہ کریں۔"

(نعمۃ الباری شرح بخاری ج۶ ص ۷۲۳)

قارئین کرام! یہ تو تھیں وہ تصریحات جن میں "اصحابی" میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مراد لیا گیا۔ اب آیئے ہم موصوف کے دعویٰ کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کے لئے ایک اور حوالہ ملاحظہ کرتے ہیں۔

موصوف کے بھی مسلم امام علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث نبوی "اکرموا اصحابی" (میرے صحابہ کی عزت کرو) کی شرح میں فرماتے ہیں:

> اکرموا اصحابی ای السابقین والاحقین احیاء و امواتًا
> "میرے صحابہ کی عزت کرو یعنی تمام سابقین و لاحقین کی، وہ ظاہری حیات میں ہوں پھر بھی وصال کر جائیں پھر بھی۔" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۱۱ ص ۱۵۸)

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ:

۱۔ "لا تسبوا" کا خطاب صحابہ و غیر صحابہ سب کو ہے۔

۲۔ "اصحابی" سے صرف سابقون اولون ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ان کے بعد والے بھی جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔

جواب نمبر: ۲۔ "لا تسبوا اصحابی" کا مورد خاص ہونے کے باوجود یہ جمیع صحابہ کو شامل ہے:

یہ بات بھی یاد رہے کہ "لا تسبوا اصحابی" کا مورد اگرچہ خاص ہے لیکن اس کی مراد عام ہے یعنی "اصحابی" کے تحت تمام صحابہ شامل ہیں، وہ اس طرح کہ کسی موقع پر حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین کچھ تکرار ہوگئی۔ جس وجہ سے حضرت خالد نے حضرت عبد الرحمان کو کوئی برا کلمہ کہہ دیا تو اس موقع پر سرکار علیہ السلام نے فرمایا میرے صحابہ کو برا نہ کہو۔ (خلاصہ روائیت صحیح مسلم، حدیث ۶۴۸۸)

اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ:

> خصوص السبب لاینا فی عموم اللفظ "سبب کا خاص ہونا لفظ کے عموم کے منافی نہیں ہوتا۔"

(روح البیان ج۸ ص ۱۶۹، صاوی ج۵ ص ۱۸۰۲)

اسی لئے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے واشگاف الفاظ میں لکھا ہے کہ:

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کا مورد خاص ہے، لیکن اس کا حکم سب کے لئے عام ہے۔ یعنی کوئی شخص میرے اصحاب کو برا نہ کہے خواہ برا کہنے والا میرے اصحاب میں سے ہو یا بعد کے لوگوں میں سے۔" (نعمۃ الباری شرح بخاری ج ۶، ص ۷۲۲)

یہی وجہ ہے کہ جن ائمہ کرام (جیسے ابن حجر عسقلانی وغیرہ) نے اس سے مخصوص صحابہ مراد لئے ہیں۔ ان کے پیش نظر بھی یہ مورد خاص تھا، لیکن باوجود اس کے انہوں نے بھی دوسرے صحابہ کو "اصحابی" سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا، مثلاً حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ فرمایا ہے:

> فیہ اشعار بان المراد اولاً "اصحابی" اصحاب مخصوص
> "یعنی اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اصحابی سے اولاً مخصوص صحابہ مراد ہے۔"

تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا ہے کہ:

> ومع ذلك فنهى بعض من ادرك النبی ﷺ وخاطبه بذلك عن سب من سبقه يقتضی زجر من لم يدرك النبی ﷺ ولم يخاطبه عن سبّ من سبقه من باب الاولىٰ
>
> "باوجود اس کے کہ جب ان بعض کو منع کیا گیا کہ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کا ظاہری زمانہ پایا اور آپ نے ان سے یہ خطاب فرمایا کہ وہ سابقین کو برا نہ کہیں تو یہ (اسلوب) تقاضا کرتا ہے کہ ان لوگوں کو بدرجہ اولیٰ سابقین کو برا کہنے سے زجر و توبیخ کی جائے جنہوں نے نہ تو زمانہ نبوی پایا اور نہ ہی (بلا واسطہ) ان سے یہ خطاب ہوا۔" (فتح الباری ج ۷، ص ۴۲۔ ۴۱)

ثابت ہوا کہ اس سے اولاً مراد تو سابقین ہیں مگر ان کی اتباع میں ثانیاً ان کے بعد والے صحابہ بھی مراد ہیں۔ موصوف نے فتح الباری سے اپنے مقصد کا حصہ شرح خصائص علی ص ۴۹۲ میں نقل کر دیا۔ مگر اس وضاحت کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے۔ یونہی مرقات سے یہ وضاحت ہم نقل کر چکے ہیں کہ وہ بھی سابقین صحابہ کے ساتھ ساتھ دیگر تمام صحابہ کو بھی مراد لیتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ اولاً یہ وضاحت خود کر چکے ہیں کہ:

> لاتسبوا اصحابی... فالمراد باصحابی اصحاب مخصوصون وهم سابقون
> "یعنی اس حدیث میں "اصحابی" سے مراد مخصوص یعنی سابقین صحابہ مراد ہیں۔"

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱۱، ص ۱۵۸)

اور تو اور ہمارے دلیل بنائے گئے قاعدے کو موصوف نے خود بھی تسلیم کیا ہے۔ اس کی عبارت ملاحظہ ہو:

"ہر چند کہ یہ آیت (سیجعل لهم الرحمٰن ودا) تمام مومنین کے لئے عام ہے لیکن شانِ نزول کے لحاظ سے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مخصوص محبت کا ہونا بھی مسلم ہے۔"

(تفسیر غریب القرآن ص ۲۴۶)

ان تصریحات سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مخصوص یعنی سابقین صحابہ کا مراد ہونا اس حدیث سے ہے نہ یہ کہ جہاں پر بھی "اصحابی" کا لفظ آئے گا وہاں صرف یہی مخصوص صحابہ مراد ہوں گے۔

جواب نمبر: ۳۔ فتح الباری سے پیدا ہونے والے ایک اشکال کا حل:

موصوف قاری نے "شرح خصائص علی" میں ایک عبارت نقل کی جس سے ظاہراً یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ شائد "لا تسبوا" کا خطاب غیر صحابہ کے لئے ثابت کرنا غلط ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں جس کی وجہ ہماری نقل کردہ تصریحات ہیں۔ مزید آگے بھی آپ پڑھیں گے۔ فتح الباری کی وہ عبارت یہ ہے:

"اس حدیث میں لطیف رمز ہے اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد "اصحابی" (میرے صحابہ) سے مراد مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اگر یہ مراد نہ ہو تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطاب کا کیا معنیٰ؟ اور جس شخص نے کہا: یہ خطاب غیر صحابہ کو ہے وہ اس معنیٰ سے غافل ہے۔

(شرح خصائص علی ص ۴۹۱، بحوالہ فتح الباری ج ۷، ص ۳۸۶)

ہمارا بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس کے مخاطب صرف غیر صحابہ ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں اصحابی سے مراد تمام صحابہ ہیں۔ البتہ "لا تسبوا" کا خطاب صحابہ و غیر صحابہ سب کو ہے۔ علامہ بدر الدین عینی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولا یبعد ان یکون الخطاب لغیر الصحابة کما قاله الکرمانی ویدخل فیه خالد ایضا لانه ممن سب علی تقدیر ان یکون خالد اذا ذاك صحابیا. والدعوٰی بأنه کان من الصحابة الموجودین اذ ذاك بالاتفاق یحتاج الی دلیل ولا یظهر الا من التاریخ

"یہ بھی بعید نہیں ہے کہ یہ خطاب غیر صحابہ کو (بھی) ہو، جیسا کہ امام کرمانی نے فرمایا اور حضرت خالد بھی اس میں داخل ہوں کیونکہ یہ فعل آپ سے بھی سرزد ہوا ہے، اس تقدیر پر کہ آپ اس وقت صحابی ہوں، اور یہ دعویٰ کرنا کہ بالاتفاق وہ اس خطاب کے وقت موجود صحابہ کرام میں سے تھے۔ یہ دلیل کا محتاج ہے اور یہ دلیل تاریخ سے ہی ظاہر ہو سکتی ہے۔" (عمدۃ القاری ج ۱۶، ص ۲۶۰)

اس تصریح سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فتح الباری میں صرف ان لوگوں کا رد کرنا مقصود ہے۔ جو صرف غیر صحابہ کو خطاب کے قائل ہیں، نہ کہ ان کا جو صحابہ وغیر صحابہ سب کو خطاب کے قائل ہیں۔

جواب نمبر: ۴۔ موصوف کا یہ انداز استدلال فقہاء احناف کے نزدیک وجوہِ فاسدہ میں شمار ہوتا ہے:

اگر غور کیا جائے تو موصوف کا یہ انداز استدلال فقہاء احناف کے نزدیک وجوہ فاسدہ (یعنی مردود استدلال) سے شمار ہوتا ہے اس لئے کہ یہ کہنا:

> احادیث مبارک میں جہاں بھی لفظ "اصحابی" سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی فضیلت، تنبیہ یا نصیحت فرمائی ہے۔ وہاں طلقاء مراد نہیں بلکہ سابقون صحابہ کرام [مراد ہیں۔"

(صلح الامام الحسن ص ۳۰۷)

- در حقیقت یہ اس استدلال سے ماخوذ ہے:

> "الکلام المذکور للمدح او الذم لا عموم له وان کان اللفظ عاما
> "وہ کلام جو مدح یا ذم کے لئے ذکر کیا گیا ہو اس کے لئے عموم نہیں ہوتا۔ اگر چہ لفظ عام ہی کیوں نہ ہو۔"

(نور الانوار ص ۱۶۳)

- اور اس استدلال کو ہمارے ائمہ احناف نے فاسد قرار دیا ہے۔ رئیس الاصولین امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی رحمۃ اللہ علیہ اس استدلال کے بارے فرماتے ہیں:

> وعندنا هذا فاسد "اور یہ استدلال ہمارے نزدیک فاسد ہے۔"

(منار مع شرح افاضۃ الانوار ونسمات الاسحار ص ۱۶۰، ونور الانوار ص ۱۶۳)

- اس استدلال کے بارے حضرت امام ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے:

> هذا هوا الوجه السادس من الوجوه الفاسدة
> "وجوہ فاسدہ میں سے یہ چھٹی وجہ ہے۔" (نور الانوار ص ۱۶۳)

- حضرت امام علاء الدین حصنی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس کے فاسد ہونے پر دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> لعدم التنافی فلا یختص العام عندنا
> "تنافی نہ ہونے کی وجہ سے پس ہمارے نزدیک (ایسا) عام خاص نہیں ہوگا۔" (افاضۃ الانوار ص ۱۶۱)

۞ اس کی شرح کرتے ہوئے امام الفقہاء حضرت ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ای بین دلالته علی العموم بصیغته و بین دلالته علی المدح او الذم
یعنی صیغہ عام کے اپنے عموم پر دلالت کرنے اور مدح یا ذم پر دلالت کرنے کے درمیان (تنافی و تضاد نہ ہونے کی وجہ سے) (نسمات الاسحار ص۱۶۱)

۞ یونہی صاحب نور الانوار فرماتے ہیں:

"وعندنا فاسد" لان اللفظ دال علی العموم فلا ینافیه دلالته علی المدح او الذم ایضاً

"اور ہمارے نزدیک یہ استدلال فاسد ہے اس لئے کہ لفظ کا عموم پر دلالت کرنا اس کے مدح یا ذم پر بھی دلالت کرنے کے منافی نہیں ہے۔" (نور الانوار ص ۱۶۳)

نتیجہ یہ ہے کہ کسی بھی لفظ کا اپنے عموم پر دلالت کرنا اس کے مدح پر دلالت کرنے کے مخالف و منافی نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی تمام احادیث کو "السابقون الاولون" کے ساتھ خاص جاننا نری جہالت اور مخالفت احناف ہے۔

جواب نمبر:۵۔ وجہ فاسد کے حقیقی قائلین بھی اس فساد کے مرتکب و قائل نہیں ہیں کہ جس کے موصوف ہیں:

یاد رہے زیر بحث وجہ فاسد کے جو لوگ حقیقی قائل ہیں (جیسا کہ بعض شوافع) وہ بھی اس خرابی و فساد کے مرتکب و قائل نہیں ہیں۔ جیسا کہ موصوف ہیں۔ کیونکہ اس کے قائلین کے نزدیک بھی معاملہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے لئے وہ کلمہ مدح آیا ہے۔ اس مدح و وصف میں صرف اور صرف وہی متعلقہ افراد مراد ہو سکتے ہیں۔ ہاں اس وصف کے مالک دوسرے افراد کو اگر اس مدح میں شامل کرنا ہو تو کسی اور نص یا پھر اُن پر قیاس کرتے ہوئے شامل کیا جائے گا۔

۞ ملاحظہ ہو اسی کی وضاحت کرتے ہوئے نور الانوار میں فرمایا:

فلا یکون عند هم قوله تعالیٰ ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم مما یستدل به علی حال کل بر و فاجر بل علی من نزل فی حقهم و الباقی یقاس علیهم او یثبت بنص آخر

"بے شک ابرار جنت میں ہوں گے اور فجار دوزخ میں ہوں گے۔ ان دلائل میں سے نہیں

ہے کہ جس کے ذریعے ہر نیک اور بد کی حالت پر استدلال کیا جائے۔ بلکہ اس کے ذریعے صرف ان کی حالت پر استدلال کیا جائے گا۔ جن کے حق میں یہ نازل ہوئی (ہاں) باقیوں کو (اس حکم میں شامل کرنے کے لئے) یا تو ان پر قیاس کیا جائے گا یا پھر کسی اور نص کے ذریعے ثابت کیا جائے گا۔" (نور الانوار ص ۱۶۳)

ہم کہتے اولاً تو ہمارے نزدیک یہ استدلال ہی معتبر نہ تھا اور اگر ایک لمحے کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر اس فی نفسہ اس استدلال سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ السابقون الاولون صحابہ کرام کے لئے جو "اصحابی" کا کلمہ مدح استعمال ہوا، اس میں غیر سابقین صحابہ بھی شامل ہیں۔ وصف وعلت جامع "ایمان" کی وجہ سے ان پر قیاس کی وجہ سے یا پھر قرآن وسنت کی دیگر بے شمار نصوص کی وجہ سے۔ مگر ادھر موصوف قاری صاحب جہالت و بغض صحابہ کے پستیوں میں اس قدر گر گئے ہیں کہ وہ ایک دم اس کے منکر ہیں کہ دوسرے صحابہ بھی "اصحابی" میں شامل ہوں۔

جواب نمبر: ۶۔ غیر سابقین صحابہ کا "اصحابی" میں شامل ہونا از قاعدہ مسلمہ ظہور فیضی:

ہم کہتے ہیں غیر سابقین صحابہ بھی "اصحابی" کے عموم میں داخل ہیں جس کی ایک دلیل وہ قاعدہ بھی ہے جو موصوف نے نہ صرف تسلیم کیا بلکہ خود نقل بھی کیا۔ وہ قاعدہ یہ ہے:

> "اہل علم کے نزدیک اصول یہ ہے کہ اگر کسی آیت میں حکم نہی، مدح یا ذم کا بیان ہو اور اس کی شان نزول معین ہو تو ایسے ہر حکم ہر نہی ہر مدح اور ہر ذم کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوگا جس کے بارے میں وہ آیت نازل ہوئی اور اس کے مانند دوسرے افراد پر بھی ہوگا۔"

(اہل کساء کا مقام، حقائق واوہام ص ۱۲، ۱۳)

بفرض تسلیم اگر مان لیا جائے کہ "اصحابی" کا لفظ صرف سابقین صحابہ ہی کے لئے آیا ہے تو موصوف کا یہ مسلمہ اصول تقاضا کرتا ہے کہ دوسرے صحابہ بھی اس میں شامل ہوں، کیونکہ فرق مراتب کے باوجود وہ نفس ایمان و نفس صحابیت میں سابقین ہی کی مانند ہیں۔

حدیث "ستکون لاصحابی بعدی زلۃ یغفرھا اللہ لسابقتھم" انتہائی ضعیف اور ناقابل استدلال ہے (موصوف قاری):

ہم شروع میں اعلیٰ حضرت علیہ السلام کا وہ مکمل فتویٰ نقل کر چکے ہیں جس میں آپ نے جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

عظمت میں درج ذیل حدیث بھی نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ستکون لاصحابی بعدی زلة یغفرها الله لسابقتهم ثم یاتی من بعدهم قوم یکبهم الله علی مناخرهم فی النار

"قریب ہے کہ میرے بعد میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہوگی جسے اللہ بخش دے گا اس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں حاصل ہے پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ ناک کے بل جہنم میں اوندھا کر دے گا۔" (المعجم الاوسط حدیث نمبر ۳۲۴۳)

موصوف نے اس حدیث کو ناقابل استدلال ثابت کرنے میں کلیتاً ناکام رہے۔ مثلاً لکھتے ہیں:

"اصل بات یہ ہے کہ پہلے تو یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے اور اس سے استدلال درست نہیں۔" (صلح الامام الحسن ص ۳۰۸)

جواب: اس حدیث کو انتہائی ضعیف و ناقابل استدلال قرار دینا درست نہیں ہے:

موصوف کا اس حدیث کو "انتہائی ضعیف اور ناقابل استدلال قرار دینا قطعاً درست نہیں ہے۔

اولاً اس لئے کہ موصوف اس کے انتہائی ضعیف اور ناقابل استدلال ہونے پہ کوئی وجہ بیان کرنے سے قاصر رہے۔ اب ایسا تو ہے نہیں کہ ان جیسے کسی نام نہاد "ریسرچ اسکالر" کے لکھ دینے سے کوئی بھی حدیث انتہائی ضعیف اور ناقابل استدلال قرار پا جائے۔

ثانیاً اس لئے کہ بفرض تسلیم اگر یہ ضعیف بھی ہوتی تو بھی اس مقام پہ یہ مقبول و معتبر تھی کیونکہ یہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوتی ہے۔ اور یہ بات موصوف کو بھی تسلیم ہے۔ خود لکھتے ہیں:

"ہر چند کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی قبول ہوتی ہے۔ (الخلافۃ الباطنیہ ص ۹ طبعہ اولی)

اس حدیث میں مذکور الفاظ "ثم یاتی من بعدهم قوم یکبهم الله علی مناخرهم فی النار" سے مراد معاویہ اور ان کے ساتھی ہیں (موصوف قاری):

موصوف اپنی بدبختی کا بدترین مظاہرہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں کہ زیر بحث حدیث میں "ثم یاتی من بعدهم قوم یکبهم الله علی مناخرهم فی النار" سے مراد حضرت امیر معاویہ اور ان کے ساتھی ہیں۔ اس کی عبارت یہ ہے:

"ان (اعلیٰ حضرت) کا یہ استدلال بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہے اور دونوں کے لئے الفاظ الگ الگ ہیں، پہلے والوں کے لئے لفظ "اصحابی" ہے اور دوسروں کے لئے لفظ قوم استعمال فرمایا گیا ہے، ذرا توجہ سے دوبارہ پڑھ لیجئے۔"

ستکون لاصحابی بعدی زلة یغفرها الله لهم لسابقتهم اس جملہ میں لفظ "تکون" سے پہلے "س" کا ہونا پھر اس کے بعد لفظ "اصحابی" کا آنا پھر لفظ "بعدی" (میرے بعد) پھر لفظ "زلة" پھر "لسابقتهم" کے الفاظ اہل علم کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ "ستکون" سے یہ بتایا گیا ہے کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا بلکہ میرے بعد مستقبل ہی میں عام لوگوں سے نہیں بلکہ میرے صحابہ سے لغزش ہوگی۔ پھر ان کے بعد آنے والوں کے لئے فرمایا: ثم یاتی من بعدهم قوم یکبهم الله علی مناخرهم فی النار……

"اصل بات یہ ہے کہ پہلے تو یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے اور اس سے استدلال درست نہیں، لیکن اگر اس سے استدلال جائز بھی ہو تو پھر اس سے ایسی قوم مراد ہے جو نمودار تو ہوگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فوراً بعد اور وہ ان ہی کی طرح کا عمل کرے گی مگر ان کا عمل "زلة" (لغزش)" نہیں ہوگا۔ بلکہ جرم ہوگا۔ اس لئے ان کے لئے یغفرها الله کے الفاظ نہیں بلکہ "النار" کا لفظ ہے۔ اور یہ وہی قوم ہے جس کے لئے یہی لفظ حسب ذیل حدیث میں بھی آیا ہے:

ویح عمار. تقتله الفئة الباغية. یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار

"عمار پر رحمت ہو۔ اس کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ ان کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اس کو دوزخ کی طرف بلائیں گے۔" (صلح الامام الحسن ص ۳۰۸-۹)

جواب نمبر: ا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی تو نہیں البتہ موصوف نے خود ضرور ان الفاظ کا مصداق بنتے ہوئے اپنے بد بخت ہونے کا اعلان کیا ہے:

قارئین کرام!

آپ اندازہ لگائیں یہ بدطینت شخص کس طرح کھلے بندوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو "یکبهم الله علی مناخر فی النار" کا مصداق قرار دے رہا ہے۔ اس لئے کہ "یدعونه الی النار" سے مراد حضرت معاویہ کے ساتھی ہیں۔ اس کا صحیح مطلب ہم پیچھے تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ ہم نے اس

کے اس زہریلے جملے پہ نشان لگا دیا ہے۔ آپ دوبارہ پڑھیں تو اس کے اس شر پہ لعنت کئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ اس انسان کو ذرہ بھر بھی شرم نہ آئی کہ حضرت امیر معاویہ کے ساتھیوں میں تقریباً چودہ (۱۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت صلحاء کی ایک جماعت تھی ہم کہتے ہیں ان جیسے کے کہنے سے وہ صحابہ تو دوزخی قرار نہیں پاتے۔ البتہ ایسی بکواس کرنے والے ضرور اس حدیث "یکبھم اللہ علی مناخرھم فی النار" کے مصداق بننے پہ مہر لگاتے ہیں۔ جہاں تک موصوف کے اس بھونڈے استدلال کا تعلق ہے تو یہ کئی وجوہ سے باطل ومردود ہے۔ مثلاً

۱۔ موصوف کا یہ استدلال ان صحابہ کو دوزخی کہہ رہا ہے جب کہ رب تعالیٰ ان سب کو "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" جیسے کئی فرامین کے ذریعے جنتی قرار دے رہا ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو موصوف نے نص قرآنی کے مقابلے میں اپنی رائے کو پیش کر کے اپنے ایمان سے خود ہاتھ صاف کر لئے ہیں۔ کیونکہ یہ خود لکھ چکے ہیں کہ:

> "نص کے مقابلہ میں رائے کا حکم۔" انبیاء کرام علیہم السلام کے ارشادات کے مقابلہ میں شخصی آراء کو لانا اور ان پر مقدم کرنا یہ رسولوں کو جھٹلانے والے لوگوں کا کام ہے۔ بلکہ ہر لحاظ سے کفر ہے۔
> (صلح الامام الحسن ص ۱۲۸)

تف ہے ایسی فکر پر جو رب تعالیٰ کے مقربین کو دوزخی قرار دینے کی کوشش میں خود ہی گمراہی کے رجسٹر میں نام لکھوالے۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

۲۔ پوری تاریخ اسلامی میں کوئی ایک بھی ایسا محدث وفقیہ نہیں ہوا جس نے ان صحابہ کرام کو "یکبھم اللہ علی مناخرھم فی النار" کا مصداق قرار دیا ہو یا "تقتلہ الفئۃ الباغیۃ" کی روشنی میں انہیں دوزخی قرار دیا ہو۔ لہٰذا کسی شخص کے کہہ دینے سے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی ایسا مانا جا سکتا ہے۔

۳۔ بلکہ اس کے برعکس حدیث نبوی نے انہیں مسلمان قرار دیا ہے۔ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ فئتین عظمتین من المسلمین
"بے شک میرا یہ بیٹا (حسن) سردار ہے اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کروائے۔" (بخاری حدیث نمبر ۲۷۰۴)

❁ امام عینی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

وصفهما بالعظيمتين لان المسلمين كانوا يومئذ فرقتين، فرقة مع الحسن رضي الله عنه وفرقة مع معاوية

"ان دونوں گروہوں کو "عظمتین" سے موصوف کیا گیا۔ اس لئے کہ اس وقت مسلمانوں کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ حضرت امام حسن کے ساتھ اور دوسرا گروہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔" (عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۴۰۱، مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۹۸)

❁ حضرت امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو فیصلہ ہی فرما دیا: فرماتے ہیں:

في الحديث دليل على ان واحدا من الفريقين لم يخرج بما كان منه في تلك الفتنة من قول او فعل عن ملة الاسلام لان النبي ﷺ جعلهم كلهم مسلمين مع كون احدى الطائفتين مصيبة والاخرى مخطئة

"حدیث مبارکہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ اس جنگ میں قولی یا فعلی طور پر جو کچھ بھی سرزد ہوا، دونوں میں سے کوئی فریق بھی اس وجہ سے ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان سب کو مسلمان قرار دیا ہے باوجود اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ (گروہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ) درستگی پر تھا اور دوسرا گروہ (گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ) اجتہادی خطا پر تھا۔"

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱۱ ص ۲۹۹)

مقدمہ میں ہم ان سب کے مجتہد ہونے پہ کئی تصریحاتِ ائمہ نقل کر چکے ہیں۔

۴۔ اور تو اور ان کے مسلمان ہونے کی تصریح تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی فرما چکے ہیں۔ نہج البلاغہ میں آپ کے ایک مکتوب کے الفاظ کچھ اسی طرح سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"ابتدائی صورت حال یہ تھی کہ ہم اور شام والے آمنے سامنے آئے۔ اس حالت میں کہ ہمارا اللہ ایک، نبی ایک اور دعوت اسلام ایک تھی، نہ ہم ایمان باللہ اور اس کے رسول کی تصدیق میں ان سے کچھ زیادتی چاہتے تھے اور نہ وہ ہم سے اضافہ کے طالب تھے، بالکل اتحاد تھا۔ سوائے اس اختلاف کے جو ہم میں خون عثمان کے بارے میں ہو گیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اس سے بالکل بری الذمہ تھے۔ (نہج البلاغہ ص ۶۰۶، مکتوب نمبر ۵۸، ترجمہ مفتی جعفر حسین)

اس مکتوب سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ کوئی کفر اسلام کی جنگ نہ تھی۔ تو جب ان کا مسلمان اور مجتہد ہونا

ثابت ہو چکا تو موصوف کو انہیں دوزخی کہتے ہوئے کچھ تو شرم کرنی چاہئے تھی۔

۵۔ اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ دوزخی تو انہیں خود حضرت مولائے کائنات علی المرتضی h بھی قرار نہیں دیا کرتے تھے۔ بلکہ آپ بھی ان کو جنتی شمار کیا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے:

قتلای وقتلیٰ معاویۃ فی الجنۃ

"میرے اور معاویہ کے مقتول دونوں جنتی ہیں۔" (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۷۶)

اور تمام صحابہ کا حق پر ہونا خود موصوف نے بھی تسلیم کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو شرح اسنی المطالب ص ۴۲۹)

جواب نمبر: ۲۔ موصوف کے نقل کردہ قاعدے سے بھی وہ صحابہ جنتی قرار پاتے ہیں:

موصوف نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لئے دوزخی کا قول کرنے کے بعد ایک استثنائی قاعدہ بایں الفاظ بیان کیا ہے:

"خیال رہے کہ اس معنوی اطلاق سے کچھ لوگوں کو مستثنیٰ سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کا معاملہ اس کی نیت کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد عدل اس پر شاہد ہے:

من کان یرید وجہ اللہ ومنا ومنہم نجا

"ہم میں سے اور ان میں سے جس نے رضائے الٰہی کا ارادہ کیا وہی نجات پائے گا۔"

(تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۴۶ مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۱۳۱)

دوسری حدیث میں سیدنا علی علیہ السلام سے جو الفاظ منقول ہیں وہ فقط مقتولین کے لئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

من قتل منا ومنہم یرید وجہ اللہ والدار الاخرۃ دخل الجنۃ

"ہم میں سے اور ان میں سے جو رضائے الٰہی اور دار آخرت کے لئے شہید ہو گیا وہ جنت میں داخل ہوا۔" (صلح الامام الحسن ص ۳۰۹ بحوالہ سنن سعید بن منصور و جامع الشہادۃ)

ہم کہتے ہیں جب تم خود یہ قاعدہ بیان کر چکے کہ اس معنوی اطلاق سے کچھ لوگوں کو مستثنیٰ سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کا معاملہ اس کی نیت کے مطابق ہوتا ہے پھر کس منہ سے ان صحابہ کو دوزخی قرار دیتے ہو؟ کیا تم ان کی نیتوں پہ واقف ہو چکے ہو کہ معاذ اللہ ان کی نیتیں ٹھیک نہیں تھیں؟ حالانکہ نیتوں پہ مطلع ہونا صرف رب تعالیٰ کی قدرت ہے۔

بلکہ اگر غور کیا جائے تو تم سے لاکھوں درجات بلند علم ظاہری و باطنی کے وارث، نور فراست کے مالک حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ تو صاف فرما چکے ہیں کہ ہمارا رب، نبی اور دعوت ایک ہے۔ صرف خون عثمان کے معاملے میں اختلاف ہوا تو تمہارے اس استثنائی قاعدے کی روشنی میں ان میں سے بعض نہیں بلکہ سب کے لئے یہ معنوی اطلاق ثابت ہوتا ہے اور وہ جنتی قرار پاتے ہیں۔

فاضل بریلوی کا اس حدیث سے استدلال کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ (موصوف قاری)

موصوف اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کی ایک اور انداز سے لایعنی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نیز بعض علماء ہند کا زیر بحث ضعیف حدیث "ستکون لاصحابی بعدی زلۃ یغفرھا اللہ لھم لسابقتھم" کو طلقاء کی شان میں لانا قرآن مجید کی درج ذیل آیات کے بھی خلاف ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ (الاحزاب ۳۰:۔۳۱)

"اے نبی کی بیبیو! جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرأت کرے اس پر اوروں سے دونا عذاب ہوگا اور یہ اللہ کو آسان ہے۔ اور جو تم میں فرمانبردار رہے اللہ اور رسول کی اور اچھا کام کرے ہم اسے اوروں سے دُونا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔"

کیا بعض طلقاء امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے زیادہ محبت یافتہ تھے؟ یہ آیات تو بتلا رہی ہیں کہ جس طرح کسی صحابی کو اس کی کسی نیکی پہ اجر دوگنا دیا جائے گا اسی طرح اس کی برائی پر عذاب بھی دوگنا دیا جائے گا۔"

(صلح الامام الحسن ص ۳۰۹۔۳۱۰)

اعلیٰ حضرت کا یہ استدلال قرآن کے مخالف نہیں بلکہ قرآن کے عین مطابق ہے:

جہاں تک موصوف کی نقل کردہ آیات کا تعلق ہے تو گزشتہ صفحات میں ہم ان پر سیر حاصل گفتگو کر چکے

ہیں۔ سر دست اتنا سمجھ لیجئے کہ یہ حدیث "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" جیسی درجنوں نصوص کی موافق وہم معنیٰ ہے۔ اس لئے کہ اگر رب تعالیٰ نے ان کی لغزشوں کو معاف نہیں کرنا تھا تو پھر جنت کا وعدہ کیوں فرمایا؟

ان سے جنت کا وعدہ فرمانا ہی اس بات کی دلیل بین ہے کہ رب تعالیٰ نے ان سے صادر ہونے والی تمام لغزشوں کو معاف فرمادیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اعلیٰ حضرت کا زیر بحث حدیث کو صحابہ کی شان میں لانا قرآن کے مخالف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔

﴿ آیاتِ سورۂ انبیاء اور تمام صحابہ کا جنتی ہونا ﴾

ابحاث سابقہ کے تتمہ کے طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ حدید کی آیت نمبر ۱۰ سے حد درجے کی معنوی مطابقت رکھنے والی سورۂ انبیاء کی آیات ۱۰۱ تا ۱۰۳ مع تفسیر بھی نقل کر دی جائیں کہ جن میں رب تعالیٰ نے جمیع صحابہ کرام کو جنتی قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کے کئی انعامات بھی ذکر کئے ہیں۔ تا کہ ہمارا مقصود مزید واضح ہو جائے رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ (الانبیاء)

"بیشک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔ وہ اس کی بھنک (ہلکی سی آواز بھی) نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے، انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔"

ان آیات کی تفسیر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اولاً درج ذیل امور کو سمجھا جائے کہ ان کا کیا معنی و مفہوم ہے۔

۱۔ سَبَقَتْ کا کیا معنی ہے؟

۲۔ الحسنیٰ سے کیا مراد ہے؟

۳۔ "مبعدون" کا کیا مطلب ہے؟

۴۔ یہ وعدہ کب کیا گیا تھا؟

۵۔ یہ وعدہ کن لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے؟

سَبَقَت بمعنی وَجَبَتْ کے ہے:

تفسیر ابن عباس میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ وَجَبَت

"یعنی بے شک وہ لوگ کہ جن کے لئے ہمارا بھلائی کا وعدہ واجب ہو چکا۔"

(تفسیر ابن عباس ص ۳۳۰)

”الحسنیٰ“ سے مراد جنت ہے:

الحسنیٰ سے کیا مراد ہے اس بارے مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ مثلاً:

(۱) سعادت ایمانی (۲) قرب ربانی (۳) خصال عرفانی (۴) توفیق عبادت (۵) بشارت جنت (۶) عنائیت کی ہدایت (۷) انتہاء کی ولایت (۸) مدارج جنت (۹) مراتب عزت (۱۰) کلمہ توحید لا الہ الا اللہ (۱۱) اطاعت الہی (۱۲) قبولیت توبہ (۱۳) رتبہ عظمیٰ (۱۴) رحمت

تفصیل کے ئے درج ذیل حوالات ملاحظہ ہوں:

(تفسیر کبیر ج ۸، ص ۱۸۹، تفسیر ابی مسعود ج ۴، ص ۳۵۹، تفسیر ماوردی ج ۳، ص ۴۸۲، تفسیر بغوی ج ۳، ص ۱۹۴، تفسیر ملا علی قاری ج ۳، ص ۳۵۶، تفسیر مدارک ج ۲، ص ۴۲۱، تفسیر مظہری ج ۳، ص ۱۹۴، تفسیر روح المعانی ج ۹، ص ۱۴۵، تفسیر البحر المحیط ج ۶، ص ۴۱۷، تفسیر جمالین ج ۲، ص ۱۹، تفسیر روح البیان ج ۵، ص ۹۶۵، تفسیر جلالین مع صاوی ج ۴، ص ۱۳۲۰، تفسیر جمل ج ۵، ص ۱۶۴، تفسیر نعیمی ج ۱۷، ص ۳۹۲، تفسیر رضوی ج ۳، ص ۸۳، وغیرہا)

ان اقوال میں کوئی ایک یا مجموعۃً سبھی بھی مراد لئے جائیں تو درست ہیں۔ چونکہ ہر قول کا نتیجہ بالآخر جنت کا عطا ہونا ہے اس لئے ہم نے اسی مرادی معنی کے لئے عنوان ہی یہ قائم کیا کہ اس سے مراد جنت ہے۔ دوسرا اس لئے بھی کہ مفسرین نے باقاعدہ طور پر بھی ”الحسنیٰ“ کی تفسیر جنت سے کی ہے۔

جیسا کہ تفسیر ماوردی میں ہے:

> ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ فیها ثلاث تاویلات... والثالث :الجنة
> ”الحسنیٰ کی تین تفسیریں کی گئیں ہیں...... تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد جنت ہے۔“
> (ج ۳، ص ۴۷۳)

”مبعدون“ کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ دوزخ میں نہیں جائیں گے:

❀ تفسیر البحر المحیط میں ہے:

> ان من سبقت له الحسنیٰ لا یدخل النار
> ”بے شک وہ کہ جس کے ساتھ بھلائی کا وعدہ ہو چکا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔“ (ج ۶، ص ۴۱۷)

یہ وعدہ ازل میں ہی ہو چکا ہے:

❁ تفسیر روح المعانی میں ہے: المراد من سبق ذلك تقديره فی الازل
"اس وعدۂ بھلائی کی سبقت کا مطلب یہ ہے کہ یہ وعدہ ازل میں ہی ہو چکا ہے۔"
(جزء ۱۷، ج ۹، ص ۱۴۵)

❁ تفسیر نعیمی میں ہے:
بے شک وہ خوش نصیب لوگ جن کے لئے سعادت حسنیٰ کا فیصلہ ازل میں پہلے ہی ہو گیا ہماری کرم نوازیوں کی طرف وہ لوگ ملاوٹ طبیعہ فاسدہ سے دور کر دیئے گئے۔ (ج ۱۷، ص ۳۹۹)

یہ وعدہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کیا گیا ہے:

اس وعدے کے مصداق کون لوگ ہیں اس بارے اگرچہ مفسرین کے اقوال میں ظاہراً اختلاف ہے لیکن ان میں ادنیٰ تدبر کرنے سے بات کھل جاتی ہے کہ انبیاء کرام کے بعد اس کے اولین مصداق صحابہ ہی ہیں، بایں وجہ یہ وعدہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل ہوگا۔ اب اس پر تفسیری شواہد ملاحظہ ہوں:

❁ تفسیر بغوی میں ہے:

الآیة عامه فی کل من سبقت لهم من الله السعادة
"یہ آیت کریمہ ان تمام کو عام ہے جن کے لئے رب کی طرف سے سعادت کا وعدہ ہو چکا۔" (ج ۷، ص ۱۹۷)

❁ تفسیر ماوردی میں ہے: انها عامة فی کل من سبقت له من الله الحسنیٰ
"بلاشبہ یہ آیت کریمہ ان تمام کو شامل ہے جن کے لئے رب کی طرف سے بھلائی کا وعدہ ہو چکا۔"
(ج ۳، ص ۴۷۳)

❁ تفسیر تاویلات اہلسنت میں ہے: فهو بكل من سبق له من الله الحسنیٰ (ج ۷، ص ۳۷۹)

❁ تفسیر روح البیان میں ہے:

وهو كافة المومنين الموصوفين بالايمان والاعمال الصالحة او سبقت لهم كلمتنا البشریٰ بالثواب علی الطاعة

"اس وعدے کے مصداق وہ تمام اہل ایمان ہیں جو ایمان اور اعمال صالحہ سے موصوف ہیں۔ یا پھر وہ کہ جن کے لئے ہماری طرف سے اطاعت کرنے پہ ثواب کا وعدہ بشارت سبقت کر چکا۔" (ج ۵، ص ۶۲۵)

تفسیر صاوی میں ہے:

والمعنیٰ ان لکل من سبقت له الحسنیٰ سواء عبد اولا فهو مبعد عن النار

"آیت کا مطلب یہ ہے کہ بے شک ہر وہ جس کے لئے وعدۂ حسنیٰ ہو چکا۔ برابر ہے کہ اس کی عبادت کی گئی ہو۔ (جیسا حضرت عزیر، حضرت عیسیٰ اور حضرات ملائکہ علیہم السلام کہ مشرکین اپنی بدعقیدگی کی وجہ سے ان کی پوجا کرتے) یا اس کی عبادت نہ کی گئی ہو۔ وہ تمام دوزخ سے دور رکھے گئے ہیں۔" (ج ۴، ص ۱۳۲۰)

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ یہ وعدہ حسنیٰ تمام مومنین کو شامل ہے اور انبیاء و رسل کے بعد صحابہ کرام ہی ایمان کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہیں۔ اس لئے وہ اس وعدے کے بدرجہ اولیٰ مصداق ٹھہرتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کے طور پر قرآن مجید خود بیان کرتا ہے کہ جن لوگوں سے یہ وعدہ کیا گیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں خواہ وہ فتح مکہ سے پہلے والے ہوں یا بعد والے۔

بقول مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی یہ وعدہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہے:

یہ بات صرف بعد کے مفسرین ہی کی نہیں بلکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی معروف تھی کہ یہ آیت کریمہ تمام صحابہ کو شامل ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے:

المراد بقوله: "ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ" جمیع المومنین لما روی ان علیا رضی الله عنه قرء هذه الایة ثم قال: انا منهم و ابوبکر و عمر و عثمان وطلحة والزبیر و سعد و عبد الرحمن بن عوف

"رب کے فرمان "ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ" سے مراد تمام مومنین ہیں۔ اس پر دلیل وہ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی، پھر فرمایا (جن سے یہ وعدہ کیا گیا ہے) ان میں سے، میں، ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد اور عبد الرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہم بھی) ہیں۔

(ج ۲، ص ۴۲۲)

یہ روایت ان تفاسیر میں بھی موجود ہے:

تفسیر در منثور ج ۵، ص ۵۹۸، تفسیر مظہری ج ۴، ص ۵۱۱، تفسیر کشاف ص ۸۳۷، تفسیر ماتریدی ج ۷، ص ۳۷۹، تفسیر البحر المحیط ج ۶، ص ۴۱۷، تفسیر روح المعانی ج ۹، ص ۱۴۵، تفسیر ابی سعود ج ۴، ص ۳۵۹، تفسیر خزائن العرفان ص ۶۱۵، تفسیر رضوی ج ۳، ص ۸۳، تفسیر ضیاء القرآن ج ۳، ص ۱۸۸، وغیرہا۔

حضرت امام نسفی صاحب مدارک کا "جمیع المومنین لماروی" فرمانا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا "انا منھم" فرمانا اس پر واضح دلیل ہے کہ اس وعدے کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مصداق ہیں۔

امام نسفی کا کلام تو بالکل واضح ہے اور حضرت مولائے کائنات باب مدینۃ العلم رضی اللہ عنہ کا "ہم" ضمیر کے شروع میں "من" لانا، مزید برآں اس میں کوئی کلمہ حصر ذکر نہ کرنا، صاف صاف یہ اعلان کر رہا ہے کہ اپنے سمیت میں علی جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لے رہا ہوں۔ اس وعدے کے صرف یہ ہی مصداق نہیں بلکہ سب کے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مصداق ہیں۔

ضرب ذوالفقار بر گردنِ منکر اصحاب اخیار:

قارئین کرام! اگر غور کیا جائے تو حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بالخصوص خلفاء ثلثہ اور بالعموم حضرت طلحہ و زبیر وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لے کر قیامت تک کے روافض و دشمنانِ صحابہ کی گردنوں پر ذوالفقارِ حیدری کا ایسا وار کیا کہ جو کبھی اُٹھ نہ سکیں۔ اسی تناظر میں شیر خدا رضی اللہ عنہ کا ایک اور فرمان ملاحظہ ہو:

> "محمد بن حاطب سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ" آیت کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:
>
> ھو عثمان واصحابہ "ان سے مراد عثمان اور ان کے ساتھی ہیں۔"

(تفسیر در منثور ج ۵، ص ۵۹۹، تفسیر ماوردی، ج ۳، ص ۴۸۳، تفسیر قرطبی ج ۱۱، ص ۳۰۲)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنی اس بیان کردہ تفسیر میں تخصیص کے ساتھ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لینا ثابت کرتا ہے کہ گویا آپ رب کی عطا کردہ اپنی نگاہِ ولایت سے ملاحظہ فرما رہے تھے کہ کچھ لوگ مسئلہ باغ فدک، مسئلہ قرطاس اور جنگ جمل و صفین وغیرہا مشاجرات صحابہ کو بنیاد بنا کر حضرت صدیق اکبر، عمر فاروق، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت امیر معاویہ و عمرو بن عاص وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم کریں گے تو آپ نے یہ تفسیر فرما کر پیشگی تنبیہ فرما دی کہ خبردار! ہرگز ہرگز کوئی بھی ان ذوات قدسیہ کے متعلق بدعقیدگی نہ رکھے نہ ہی بدزبانی استعمال کرے،

کیونکہ یہ لوگ تو وہ ہیں جن سے ازل میں ہی جنت کا وعدہ فرمالیا گیا ہے۔

نوٹ: اگر زیر بحث آیات سے پہلی والی آیات:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

(الانبیاء)

"بیشک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو، تمہیں اس میں جانا، اگر یہ خدا ہوتے جہنم میں نہ جاتے، اور ان سب کو ہمیشہ اس میں رہنا، وہ اس میں رینکیں گے، اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے۔"

ان آیات کو مدنظر رکھا جائے تو" ان الذین سبقت " سے مراد حضرت عزیر حضرت عیسیٰ اور فرشتے علیہم السلام ہوں گے۔ اب اس آیت کے ذریعے ان لوگوں کا رد کرنا بھی مقصود ہو سکتا ہے کہ جنہوں نے" وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم " کو بنیاد بنا کر یہ اعتراض کیا تھا کہ عبادت تو ان حضرات کی بھی کی گئی ہے۔

تو جواباً فرمایا گیا کہ یہ نفوس قدسیہ" وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم " میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ تو" ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ " کی شان رکھنے والے ہیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر خزائن العرفان ص ۱۴۔ ۶۱۵، وغیرہا۔

وعدہ حسنیٰ اور تمام صحابہ کے انعامات:

گزشتہ صفحات پہ ہم نے بطور نتیجہ اور معنی مرادی کے ثابت کیا کہ" الحسنیٰ " سے مراد جنت ہے اور اس کے مصداق بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اب اس کی دیگر تفاسیر میں سے چند ایک کی مزید وضاحت کرتے ہیں تاکہ بآسانی سمجھا جا سکے کہ صحابہ کرام کو کیسے کیسے انعامات سے نوازا گیا۔

" الحسنیٰ " کی تفسیر اطاعت الٰہی سے بھی کی گئی ہے۔

(ملاحظہ ہو، تفسیر ماتریدی ج ۷، ص ۳۸۹، تفسیر ماوردی ج ۳، ص ۳۷۴، تفسیر ملا علی قاری، ج ۳، ص ۳۵۳، تفسیر بغوی ج ۳، ص ۱۹۴، تفسیر کشاف ص ۷۸۳، تفسیر ابی سعود ج ۴، ص ۳۵۹، تفسیر مدارک ج ۲، ص ۴۲۱، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۸۹، تفسیر روح المعانی، تفسیر جمل ج ۵، ص ۱۶۴)

اس تفسیر کی روشنی میں مطلب یہ ہوگا کہ:

"بے شک جمیع صحابہ کرام کے ساتھ یہ ازل میں ہی وعدہ فرمایا جاچکا ہے کہ وہ اپنے عقائد و اعمال میں اپنے رب کی ہی اطاعت کریں گے۔"

۲۔ "الحسنیٰ" سے مراد سعادت مندی۔ (تفسیر ماوردی ج ۳، ص ۴۷۳، تفسیر صاوی ج ۴، ص ۳۲۰، تفسیر روح البیان، ج ۵، ص ۶۲۵، تفسیر نعیمی ج ۱۷، ص ۳۹۲، تفسیر مدارک ج ۲، ص ۴۲۱)

اب مطلب یہ ہوگا کہ تمام صحابہ کرام کی دائمی سعادت مندی کا ہم نے ازل میں ہی وعدہ فرمالیا تھا۔

۳۔ "الحسنیٰ" سے عطائی بشارت اور قبولیت اعمال کا مژدہ (تفسیر روح المعانی ج ۹، ص ۱۴۵)

اس کی روشنی میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ یہ ازل میں وعدہ فرمالیا تھا کہ ان کے اعمال قبول کئے جائیں گے اور ان پر انہیں ثواب جزیل عطا کیا جائے گا۔

۴۔ "الحسنیٰ" سے مراد رتبہ عظمیٰ۔

(جلالین مع صاوی ج ۴، ص ۱۳۲۰، جمل، ج ۵، ص ۱۶۴)

اس کی روشنی میں یہ مطلب ہوگا کہ ہم نے یہ ازل میں ہی وعدہ فرمالیا تھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عظیم رتبے عطا کئے جائیں گے۔

۵۔ "الحسنیٰ" سے مراد رحمت۔ (تفسیر رضوی ج ۳، ص ۸۳)

اب مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تمام صحابہ سے یہ ازل میں ہی وعدہ فرمالیا تھا کہ انہیں اپنی رحمت سے نوازیں گے۔

۶۔ قرب ربانی۔ (تفسیر نعیمی ج ۱۷، ص ۳۹۲)

اب یہ مطلب ہوگا کہ ہم نے تمام صحابہ کے لئے یہ ازل میں ہی وعدہ فرمالیا تھا کہ ان سب کو اپنا قرب عطا فرمائیں گے۔

فائدہ:

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ان اقوال کے بارے میں فرماتے ہیں:

"الحسنیٰ" کی مراد میں دس قول ہیں اور سب ہی درست ہیں، اس لئے ہم نے تفسیر میں جمع کر دیئے ہیں۔ (تفسیر نعیمی ج ۱۷، ص ۳۹۵)

[انتہی۔ منقول از تمام صحابہ قطعی جنتی ص 93 تا ص 255]

﴿سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ پر اشکال کے جوابات﴾

علامہ مفتی سجاد احمد فیضی صاحب کی کتاب تمام صحابہ قطعی جنتی (ص256 تا356) سے تحریر پیش خدمت ہیں۔
مفتی سجاد احمد صاحب لکھتے ہیں۔
رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰ (التوبہ)

"اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔" (ترجمہ کنز الایمان)

یہ آیت کریمہ بھی صاف طور پر بتا رہی ہے کہ:

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰

کے انعامات جلیلہ رب تعالیٰ نے جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقدر میں کر رکھے ہیں، آئیے اس کی تفصیل کے لئے درجہ ذیل امور کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ "من المهاجرين والانصار" میں کلمہ "من" کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟
۲۔ "السابقون الاولون" سے کون لوگ مراد ہیں؟
۳۔ "والذين اتبعوهم باحسان" سے کون لوگ مراد ہیں؟

کلمہ ''من'' کا پہلا احتمال، اس کا تبعیضیہ ہونا:

مفسرین نے کلمہ ''من'' کے دو احتمال بیان کیا ہیں:

نمبر ۱۔ تبعیضیہ

نمبر: ۲ بیانیہ

مِنْ ''تبعیضیہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ''من'' جو کسی چیز کے بعض حصے پر دلالت کرے، یعنی اس کی بعضیت کو بیان کرے۔ اس احتمال کی روشنی میں آیت کریمہ کا معنی یہ ہوگا کہ مہاجرین و انصار میں سے وہ جو سابقین اولین ہیں اور وہ صحابہ و تابعین وغیرہ جنہوں نے بھلائی کے ساتھ ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں...... ''السابقون الاولون'' کے مصداق کے لحاظ سے درج ذیل اقوال بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ اس سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا شرف حاصل کی۔

۲۔ اس سے مراد شہداء بدر ہیں۔

۳۔ اس سے مراد بیعت رضوان والے صحابہ ہیں۔

۴۔ اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے ہجرت سے پہلے کلمہ پڑھا۔

۵۔ اس سے وہ آٹھ صحابہ مراد ہیں کہ جن کے بعد دوسرے لوگ اسلام میں داخل ہوئے (اور وہ آٹھ صحابہ یہ ہیں) حضرت ابو بکر، حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ، حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم۔

(دیکھئے تفسیر مدارک ج ۱، ص ۷۰۵، تفسیر روح المعانی ج ۶، ص ۱۱، تفسیر مظہری، ج ۳، ص ۳۰۱، وغیرہا)

اس معنی کے لحاظ سے یہ آیت کریمہ بھی سورۂ حدید کی آیت نمبر ۱۰ ''لا یستوی منکم'' کے ہم معنی قرار پاتی ہے کہ جس طرح اس آیت میں سابقین اولین کے لئے ''اعظم درجة'' کے اعزاز سے نوازنے کے ساتھ ساتھ دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی جنتی قرار دیا گیا۔ بالکل اسی طرح اس آیت میں بھی سابقین اولین کو ''اتبعوھم باحسان'' کی شرط کے بغیر ذکر کرتے ہوئے انہیں دیگر صحابہ کی نسبت متبع و مقتدا ہونے کے عمدہ اعزاز سے نوازا گیا اور آیت کریمہ میں مذکور انعامات کا ان کے ساتھ ساتھ دیگر تمام صحابہ کو بھی مستحق قرار دیا گیا۔ اسی وجہ سے مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی اس سے پہلے والی آیت سے مناسبت اور ربط بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ" بیان لفضائل اشراف المسلمین اثر بیان طائفة منهم

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ آیت کریمہ اہل اسلام کے سب سے معزز حضرات (سابقین اولین) کے فضائل بیان کرنے کے لئے ہے، بعد اس کے کہ جب صحابہ میں سے ایک گروہ کی فضیلت کا بیان (اس سے پچھلی آیت میں) کیا گیا۔ (اور وہ یہ ہے)

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾

"اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہ ان کے لیے باعث قرب ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (التوبہ ۹۹:)

لیکن ان دونوں آیات (آیت حدید اور آیت توبہ) میں ظاہری طور پر فرق یہ ہے کہ آیت حدید" آیت توبہ کی نسبت جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہوے پر زیادہ صراحت سے دلالت کرتی ہے۔ جبکہ آیت توبہ میں اس علمی بحث (کہ کلمہ مِنْ "تبعیضیہ ہے یا بیانیہ) کے ہونے کی وجہ سے عوام الناس کے لحاظ سے آیت حدید میں صراحت نہیں ہے۔ بایں وجہ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں۔

قلت: واولیٰ بالاحتجاج علی کون جمیع الصحابة فی الجنة قوله تعالیٰ "لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجه من الذين انفقوا من قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا وكلا وعدالله الحسنی" فانها صريح فی ان جميع الصحابة اولهم و آخرهم وعد الله تعالیٰ الحسنیٰ

"میں کہتا ہوں تمام صحابہ کے جنتی ہونے پر اس آیت "لایستوی منکم" سے استدلال کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (بنسبت آیت توبہ کے) کیونکہ یہ آیت کریمہ اس بارے پوری صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اول تا آخر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رب نے جنت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔"

(تفسیر مظہری، ج ۳، ص ۳۵۳)

تنبیہ:

یاد رہے صاحب تفسیر مظہری نے دونوں آیات سے صرف اور صرف اولیت بالاستدلال کی نشاندہی کی ہے، ورنہ جمیع صحابہ کے جنتی ہونے کی وہ اس عبارت میں خود بھی وضاحت فرما چکے ہیں، مگر راقم عرض کرتا ہے کہ تمام صحابہ کے جنتی ہونے پر زیر بحث آیت بھی پوری صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے (اگر چہ آیت حدید جیسی نہ سہی) جس کی کئی وجوہات ہیں۔ مثلاً

۱۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اولیت بالاستدلال کے لحاظ سے آیت حدید کو مفضل اور آیت توبہ کو مفضل علیہ قرار دیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کے جنتی ہونے پر دونوں آیات ہی صریح ہیں مگر اولیٰ بالاستدلال آیت حدید ہے۔

۲۔ ہماری گزشتہ تقریر سے واضح ہو چکا ہے کہ یہ آیت بھی آیت حدید کے ہم معنی ہے۔

۳۔ پوری تاریخ اسلامی میں جس مفسر نے بھی کلمہ "من" کے احتمال تبعیض کو بیان کیا ہے تقریباً اس نے اس کے دوسرے احتمال اس کے بیانیہ ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور اس کے بیانیہ ہونے کی صورت میں یہ آیت بھی بعینہ آیت حدید کی طرح تمام صحابہ کے جنتی ہونے پر صراحتاً دلالت کرتی ہے۔

۴۔ "من" کو تبعیضیہ ماننے کی صورت میں بھی پوری آیت کریمہ میں کوئی ایک بھی لفظ ایسا نہیں ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی کے استثناء کو ثابت کرتا ہو یا کسی صحابی کے جنتی ہونے کی نفی کرتا ہو۔

۵۔ جب قرآن مجید کی کئی دوسری آیات میں بھی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کا مضمون موجود ہے تو پھر انہیں اس آیت کی مؤید قرار دے کر اسے بھی اولیٰ بالاستدلال کیوں نہیں کہا جا سکتا؟

اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے خلیفہ اعلیٰ حضرت مفتی حشمت علی خاں رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "یہ اختلاف (کہ السابقون الاولون سے کون لوگ مراد ہیں؟) "والذین اتبعوھم" سے اٹھ جاتا ہے کہ اس میں تمام صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم داخل ہیں۔ خواہ وہ پہلے ہوں یا پچھلے ہوں، خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے راضی، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔" (تفسیر رضوی ج ۲، ص ۱۷۸)

خلاصہ کلام:

کلمہ "مِن" کو تبعیضیہ ماننے کی صورت میں "والذین اتبعوھم باحسان" کے تحت سابقین

اولین کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرام اولاً بایں صورت مراد ہوں کہ ان الفاظ سے سابقین کے سوا باقی تمام صحابہ ہوں اور ثانیا بایں صورت کہ "السابقون الاولون" سے مراد تمام صحابہ ہوں ان الفاظ سے صحابہ کے سوا قیامت تک کے مخلص متبعین مراد ہوں اسی کی وضاحت تفسیر جلالین مع صاوی میں یوں فرمائی گئی:

> والذین اتبعوھم الی یوم القیامۃ ای فیشمل صلحاء کل زمان
>
> "اور وہ لوگ جو قیامت تک سابقین اولین کی بھلائی کے ساتھ پیروی کریں گے یعنی ہر زمانے کے صلحاء اس حکم میں شامل ہیں۔" (صاوی ج ۲، ص ۸۳۱)

یونہی تفسیر بیضاوی میں ہے:

> والذین اتبعوھم باحسان، اللاحقون بالسابقین من القبلتین او من اتبعوھم بالایمان والطاعۃ الی یوم القیامۃ
>
> "والذین اتبعوھم باحسان" سے وہ صحابہ مراد ہیں جو دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے میں سابقین کے پیروکار ہیں۔ یا وہ لوگ جو قیامت تک ایمان اور اطاعت کے ساتھ صحابہ کی پیروی کرنے والے ہیں۔" (تفسیر بیضاوی زیر آیت السابقون الاولون......)

اس سے اگر کوئی یتیم الفکر آدمی یہاں کلمہ "من" کو تبعیضیہ مراد لے کر کسی صحابی کے جنتی ہونے کی نفی کا مدعی ہو تو اس پر لازم ہے کہ اپنے دعوے پر کوئی دلیل صحیح از نصوص قرآن و حدیث اور کوئی مستند تفسیری شہادت پیش کرے، مع ہذا ان تمام نصوص کا بھی جواب صحیح پیش کرے کہ جن میں بغیر کسی استثناء کے سب صحابہ کرام کو جنتی قرار دیا گیا ہے۔

کلمہ "مِنْ" کا دوسرا احتمال، اس کا بیانیہ ہونا:

"مِنْ" کے بیانیہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ یہ اپنے ما قبل کی وضاحت کر دیتا ہے، جیسے "فاجتنبو الرجس من الاوثان" "تم گندگی یعنی بتوں سے بچو (ج ۳۰:) کلمہ "مِنْ" کے بیانیہ ہونے کی صورت میں یہ آیت بھی بغیر کسی اشکال کے ہو بہو آیت حدید کی ہم معنی قرار پاتی ہے اور تمام صحابہ کے جنتی ہونے کو اس صراحت سے بیان کرتی ہے کہ کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس احتمال کی روشنی میں آیت کریمہ کا معنی یوں ہوگا:

> "اور سب میں اگلے پچھلے یعنی تمام مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور وہ لوگ (تابعین و تبع تابعین وغیرہ قیامت تک کے صلحاء) جنہوں نے ان (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی اتباع کی......"

اب اس پر تفسیری شواہد ملاحظہ ہوں:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وهم من شهد بدرا او جميع الصحابة

"سابقون اولون سے مراد یا بدری صحابہ ہیں (بربنائے "مِنْ" کے تبعیضیہ ہونے کے) یا تمام صحابہ مراد ہیں (بربنائے "مِنْ" کے بیانیہ ہونے کے)" (تفسیر جلالین ص ۱۶۵)

❁ تفسیر مدارک میں ہے:

والذين اتبعوهم باحسان من المهاجرين و الانصار فكانوا سائر الصحابة وقيل هم الذين اتبعوهم بالايمان والطاعة الیٰ يوم القيامة

"اور مہاجرین و انصار میں سے وہ جنہوں نے سابقون اولون کی اتباع کی پس (اس لحاظ سے "اتبعوهم باحسان سے مراد) تمام صحابہ کرام ہوں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قیامت تک کے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان اور اطاعت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کریں گے۔" (ج ۱، ص ۷۰۵)

❁ روح المعانی میں ہے:

او الذين اتبعوهم بالايمان والطاعة الى يوم القيامة فالمراد بالسابقين جميع المهاجرين والانصار رضی الله عنهم و معنى كونهم سابقين انهم اولون بالنسبة الى سائر المسلمين و كثير من الناس ذهب الى هذا

"یا پھر "الذين اتبعوهم باحسان" سے قیامت تک کے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان اور اطاعت میں ان کی پیروی کریں گے۔ پس سابقین سے تمام مہاجرین و انصار صحابہ مراد ہوں گے، اور ان کے سابقین ہونے کا معنی یہ ہے کہ بلاشبہ وہ تمام امت مسلمہ کی نسبت (کلمہ پڑھنے میں) اولین ہیں، کثیر مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔" (ج ۶، ص ۱۱)

❁ تفسیر کبیر میں ہے:

ومنهم من قال: بل يتناول جميع الصحابة لان جملة الصحابة موصوفون بكونهم اولين بالنسبة الى سائر المسلمين، وكلمة "من" فی قوله من المهاجرين والانصار ليست للتبعيض بل للتبيين، ای والسابقون الاولون الموصوفون بوصف كونهم مهاجرين و انصارا كما فی قوله تعالیٰ "فاجتنبوا الرجس من الاوثان"

وکثیر من الناس ذھبوا الی ھذا القول

"اور مفسرین میں سے ایک جماعت نے کہا ہے کہ بلکہ یہ آیت کریمہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل ہے۔ اس لئے کہ دیگر تمام مسلمانوں کی نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی (کلمہ پڑھنے میں) "اولین" سے موصوف ہیں اور رب کے فرمان "من المھاجرین والانصار" میں کلمہ "من" تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔ (اب آیت کا معنی یوں ہوگا۔ فیضی) یعنی سابقون اولون صحابہ جو مہاجر اور انصار ہونے کی صفت سے متصف ہیں۔"

جیسا کہ اس فرمان الٰہی میں (بھی کلمہ "من" بیانیہ ہے) "فاجتنبوا الرجس من الاوثان (ج ۴، ص ۱۲۹)

یہی مضمون ان تفاسیر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے: ابی سعود ج ۳، ص ۱۸۵، جمل ج ۳، ص ۳۰۳، بغوی ج ۲، ص ۳۱۹، مظہری ج ۳، ص ۳۵۲)

❁ اس بابت تفسیر بیضاوی کا حوالہ پہلے ہی نقل کیا جا چکا ہے۔ تفسیر المحرر الوجیز اور البحر المحیط میں ہے:

"والذین اتبعوھم باحسان" یرید سائر الصحابة ویدخل فی ھذا اللفظ التابعون وسائر الامة لکن بشرط الاحسان

"والذین اتبعوھم باحسان" سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں اور اس لفظ میں تابعین اور باقی ساری امت بھی داخل ہے، لیکن احسان کی شرط کے ساتھ۔"

(زیر آیت مبحوث عنہا، ج ۵، ص ۱۲۲)

تفسیر زاد المیسر میں "السابقون الاولون" کے بارے چھ اقوال نقل کئے گئے ہیں جن میں سے چوتھا یوں ہے:

والرابع. انھم اصحاب رسول اللہ ﷺ حصل لھم السبق لصحبته

چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام اصحاب رسول ہیں (اس لئے کہ) انہیں صحبت رسالت مآب ﷺ سبقت میسر آئی ہے۔ پھر چند سطور کے بعد مزید فرمایا ہے:

قوله تعالیٰ! "والذین اتبعوھم باحسان" من قال: ان السابقین جمیع الصحابة. جعل ھوء لاء تابعی الصحابة وھم الذین لم یصحبوا رسول اللہ ﷺ. وقد روی عن ابن عباس انه قال: والذین اتبعوھم باحسان الی ان تقوم القیامة

"رب تعالیٰ کا فرمان "والذین اتبعوھم باحسان" کے بارے جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ سابقین

سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں، انہوں نے "...... اتبعوا" سے مراد تابعین لئے ہیں۔ یعنی وہ لوگ کہ جنہیں صحبت نبوی میسر نہیں آئی۔ (اسی بابت) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "اتبعوا" سے مراد قیامت تک کے وہ لوگ مراد ہیں جو بھلائی کے ساتھ صحابہ کی پیروی کریں گے۔"

(تفسیر زاد المیسر زیر آیت "السابقون الاولون......")

❁ تفسیر خازن میں ہے:

قوله تعالىٰ: "والذين اتبعوهم باحسان" قيل :هم بقية المهاجرين و الانصار سوى السابقين الاولين فعلى هذا القول. يكون الجميع من الصحابة. وقيل الذين سلكوا سبيل المهاجرين والانصار فى الايمان والهجرة والنصرة الى يوم القيامة

"رب کے فرمان : "والذين اتبعوهم باحسان" کے بارے کہا گیا ہے کہ سابقین کے علاوہ اس سے بقیہ مہاجرین و انصار صحابہ مراد ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قیامت تک کے وہ لوگ مراد ہوں جو ایمان، ہجرت اور نصرت میں مہاجرین و انصار صحابہ کے رستے پر چلیں گے۔"

(زیر آیت "السابقون الاولون")

"من" کے بیانیہ ہونے کی تائید ایک روایت سے:

"مِنْ" کے بیانیہ ہونے کی تائید درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

حمید بن زیاد سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے محمد بن کعب قرظی سے عرض کیا: "کیا آپ مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین رونما ہونے والے مشاجرات کے بارے کچھ بتائیں گے؟" تو آپ نے فرمایا:

ان الله تعالىٰ قد غفر لجميعهم واوجب لهم الجنة فى كتابه محسنهم و مسيئهم

"بلاشبہ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں تمام صحابہ کی مغفرت فرما دی ہے اور ان کے لئے جنت کو واجب کر دیا ہے۔" عام ازیں کہ ان کے محسنین ہوں یا خطاء اجتہادی والے۔

میں نے عرض کیا: "قرآن مجید کے کس مقام پر ان کے لئے جنت کا واجب قرار دی گئی ہے؟"

تو آپ نے (از حیرانگی) فرمایا: سبحان اللہ! "کیا تو نے رب تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟ السابقون الاولون" اچھی طرح جان لو کہ

انه تعالىٰ اوجب لجميع اصحاب النبى ﷺ الجنة والرضوان وشرط على التابعين شرط

"رب تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے تمام صحابہ کو جنت اور اپنی رضا سے نواز رکھا ہے اور ان کی پیروی کرنے والوں پر ایک شرط مقرر کر دی۔" میں نے عرض کیا: "وہ شرط کیا ہے؟" فرمایا: "یہ کہ وہ بھلائی کے ساتھ ان کی اتباع کریں، اس طرح کہ ان کے اعمال حسنہ میں ان کی اقتداء کی جائے اور ان کے خلاف اولیٰ اعمال میں اقتداء نہ کی جائے۔ (یعنی آپس کی جنگوں کے معاملات میں پڑنے سے گریز کیا جائے)" یا یوں کہا جائے کہ:

ان یتبعوھم باحسان فی القول. و ان لا یقولوا فیھم سوء وان لا یوجھوا الطعن فیما اقدموا علیه

"گفتگو کرنے میں بھلائی سے اقتداء کی جائے یعنی ان کے اقدامات کی وجہ سے ان پر طعن و تشنیع نہ کی جائے۔" حمید بن زیاد کہتے ہیں: "(محمد بن کعب قرظی کا یہ جواب سن کر مجھے یوں لگا کہ)

فکانی ماقرات هذه الایة قط گویا کہ یہ آیت کریمہ میں نے کبھی پڑھی ہی نہیں۔"

(تفسیر روح المعانی ج ۶ ص ۱۱، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۲۹، تفسیر درمنثور ج ۴ ص ۲۴۷، تفسیر بغوی ج ۲، ص ۳۱۹، تفسیر مظہری ج ۳ ص ۳۵۲، وغیرہا)

جس کو قرآن پڑھ کے بھی تمام صحابہ کا جنتی ہونا سمجھ نہ آئے گویا اس نے قرآن پڑھا ہی نہیں:

اس روایت میں مذکور حمید بن زیاد کے قول "فکانی ما قرأت هذا الایة قط" سے ثابت ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو قرآن پڑھ کے بھی تمام صحابہ کا جنتی ہونا سمجھ نہ آئے وہ سمجھ لیں کہ انہوں نے قرآن کو پڑھا ہی نہیں ہے۔

"مِن" کے بیانیہ ہونے والی تفسیر ہی راجح ہے:

تفسیر کبیر اور تفسیر روح المعانی کی عبارات "و کثیر من الناس ذھبوا الی ھذا القول" سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی قول راجح ہے۔ اس کے راجح ہونے پہ دوسرا قرینہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں یہ بغیر کسی اشکال کے سورۂ حدید کی آیت ۱۰ کے ہم معنیٰ قرار پاتی ہے۔

نتیجہ کلام:

زیر بحث آیت میں کلمہ "من" "خواہ تبعیضیہ ہو خواہ بیانیہ ہو دونوں صورتوں میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آیت ہذا کے انعامات کے مستحق و مصداق قرار پاتے ہیں۔ فرق بس اتنا سا ہے کہ اگر "مِنْ" "تبعضیہ ہو تو سابقین اولین کی فضیلت کے حاملین سے مراد مخصوص صحابہ ہوں گے مگر "ان الذین سبقت لهم منا الحسنى" "کا انعام سب کے لئے ہو گا جیسا کہ آیت حدید میں "اعظم درجةً" "کی فضیلت کے حاملین تو فتح مکہ سے قبل والے صحابہ تھے لیکن" وكلا وعد الله الحسنى "کا انعام سب کے لئے تھا۔

اس کی تائید میں امام اہلسنت الامام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ملاحظہ ہو: آپ رحمۃ اللہ علیہ زیر بحث آیت کریمہ کی تفصیل تفسیر بیان کرنے کے بعد نتیجۃً فرماتے ہیں:

> فيه (دلالة) جواز تقليد الصحابة والاتباع (لهم) والاقتداء بهم لانه مدح عزوجل من اتبع المهاجرين والانصار بقوله "والذين اتبعوهم باحسان ثم اخبر عن جملتهم ان الله راض عنهم (دل) ان التقليد لهم لازم والاقتداء واجب و اذا اخبروا بخبر اوحدثوا بحديث يجب العمل به ولا يسع تركه

"اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید ان کی اتباع اور اقتداء کرنے کے جواز پر دلیل ہے۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ نے اپنے اس قول" والذين اتبعوهم باحسان "میں مہاجرین و انصار کی اتباع کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے خبر دی ہے کہ وہ ان سب سے راضی ہے۔ (رب تعالیٰ کا یہ خبر دینا) دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام کی تقلید لازم اور ان کی اقتداء واجب ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کوئی خبر دیں یا حدیث بیان کریں تو اس پر عمل کرنا واجب ہے، اس کو ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔"

(تفسیر تاویلات اہلسنت والجماعۃ ج ۵ ص ۴۶۱)

زیر بحث آیت کی فیصلہ کن تفسیر:

مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے حاصل ہونے والے فوائد کے تحت لکھتے ہیں: "اس آیت کریمہ سے چند فوائد حاصل ہوئے: ....

"تیسرا فائدہ : کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ وہ حضرات سابقین اولین ہیں، تاقیامت تمام اقسام کے مومنین ان کے تابع ہیں۔ یہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ "والذین اتبعو " سے تاقیامت مومنین مراد ہیں۔"

آٹھواں فائدہ : تاقیامت وہی مسلمان حق پر ہیں جو حضرات صحابہ یعنی مہاجرین و انصار کے پیرو کاران کے ثنا خوان ان کا ذکر خیر سے کرنے والے ہیں۔ یہ فائدہ "والذین اتبعوھم "کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب رب تعالیٰ حضرات صحابہ کے غلاموں پیروکاروں سے راضی ہے تو خود ان سے کتنا راضی ہو گا۔ لہٰذا روافض و خوارج باطل پر ہیں۔

نواں فائدہ : سارے صحابہ عادل، ثقہ، متقی ہیں ان میں کوئی فاسق نہیں۔ یہ فائدہ "رضی اللہ عنھم " سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے "وکلا وعداللہ الحسنیٰ"

جو تاریخی واقعہ ان کا فسق ثابت کرے وہ جھوٹا ہے قرآن سچا ہے۔

(تفسیر نعیمی ج ۱۱ ص ۲۹۔ ۳۰ تفسیر نور العرفان ص ۳۲۲۔۳۲۳)

سابقین صحابہ کا سچا پیروکار وہی مسلمان ہے جو کسی بھی صحابی پر طعن و تشنیع نہ کرے:

ہماری اس تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قیامت تک صرف اور صرف وہی سچے اور برحق مسلمان اور سابقین اولین کے مخلص پیروکار ہوں گے جو کسی بھی صحابی پر طعن و تشنیع نہ کریں بلکہ سب کے بارے خوش اعتقادی رکھنے والے ہوں۔

حضرت امام عطاء رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

الذین اتبعوھم باحسان ھم یذکرون الصحابۃ. بالترحم والدعاء

"یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھلائی کے ساتھ اتباع کرنے والے صرف وہ لوگ ہیں جو (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جب بھی ذکر کرتے ہیں) تو ان کے لئے رب سے رحم و رضا مندی کی دعا کرتے ہیں (یعنی رضی اللہ عنہم اور رحمۃ اللہ علیہ وغیرہا کلمات توصیفیہ دعائیہ استعمال کرتے ہیں)۔ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۵۲ ۳ تفسیر بغوی ج ۲ ص ۳۱۹)

اس بابت تفسیر نعیمی اور امام محمد بن قرظی کی تصریحات ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

آیت ہذا کے ضمن میں قاری ظہور کے پیش کردہ اشکالات کا رد بلیغ:

قاری ظہور نے سورۃ توبہ کی زیر بحث آیت کی بھی من چاہی و بے سرو پا تفسیر اور کچھ احادیث کی غلط تشریح کرنے کی بھی بھر پور کوشش کی ہے۔ بتوفیقہ تعالیٰ اب اس کے ان دلائل و اشکالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں تا کہ ہمارے قارئین مزید جان سکیں کہ موصوف "ریسرچ اسکالر" کے نام پہ کتنا بڑا دھبہ ہے۔

اس آیت میں تین طبقات کا ذکر ہے اور فتح مکہ کے بعد والے صحابہ "اتبعوهم" میں شامل نہیں ہیں (قاری موصوف):

موصوف فتح مکہ کے بعد والے صحابہ کو "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" جیسے انعامات ربانی سے خارج قرار دیتے ہوئے پہلی دلیل یوں پیش کرتے ہیں:

"دراصل اس آیت میں تین طبقات کا ذکر ہے۔

۱۔ مہاجرین ۲۔ انصار ۳۔ نیکی میں ان دونوں کی پیروی کرنے والے

اس آیت میں جس تیسرے طبقہ کا ذکر ہے اس کے لئے رضائے الٰہی اور جنت کو مہاجرین و انصار کی۔ اتباع بالاحسان سے مشروط کیا گیا ہے لہٰذا جو لوگ مہاجرین و انصار کے بعد طوعاو کرہا اسلام لائے اور ان کی اتباع سے محروم رہے وہ تیسرے طبقہ میں شامل نہیں۔" (صلح الامام الحسن ص ۱۰۲۔ ۱۰۳)

جواب نمبر:۱۔ آیت ہذا میں تین طبقات نہیں، دو طبقات یعنی صحابہ و غیرہ صحابہ کا ذکر

موصوف کی یہ تقسیم ہی غلط ہے کہ آیت ہذا میں تین طبقات کا ذکر ہے:

۱۔ مہاجرین ۲۔ انصار ۳۔ نیکی میں ان دونوں کی پیروی کرنے والے۔

اس لئے کہ ہم کثیر تفسیری حواجات سے ثابت کر چکے ہیں کہ آیت ہذا میں دو طبقات یعنی صحابہ و غیر صحابہ صلحا کا ذکر ہے۔ "مِن" کے بیانیہ ہونے کی صورت میں تو بالکل واضح ہے کہ سابقین اولین سے مراد جمیع صحابہ ہوں گے اور "الذین اتبعوهم باحسان" سے مراد غیر صحابہ صلحاء ہیں اور "مِنْ" کے تبعیضیہ ہونے کی صورت میں بھی "ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ" کے لحاظ سے جمیع صحابہ طبقہ اولیٰ میں ہوں گے اور "اتبعوا" سے مراد غیر صحابہ صلحاء ہوں گے۔ لیکن اس صورت میں سابقین مہاجرین و انصار اعظم درجۃ کی مانند فضیلت

کے حامل ہوں گے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ "مِن" کے دونوں معانی کے لحاظ سے آیت کریمہ میں دو طبقات کا ذکر ہے۔

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ۲۔ غیر صحابہ صلحاء

جواب نمبر: ۲۔ فتح مکہ کے بعد والے صحابہ بھی آیت میں شامل ہیں:

موصوف کا یہ کہنا کہ "فتح مکہ کے بعد والے صحابہ سابقین کی اتباع سے محروم رہے اور وہ "اتبعوھم" میں بھی شامل نہیں ہیں (خلاصہ عبارت)

یہ ایک دم باطل اور مردود ہے، اس لئے کہ ہم پیشگی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ "ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ" اور "رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ" وغیرہا کرامات کے اول تا آخر جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مستحق ہیں۔ موصوف کے کذاب اور مفتری بر قرآن ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آج تک کسی بھی مستند مفسر نے نہ ہی اس جیسی آیت ہذا کی تفسیر کی ہے اور نہ ہی کسی ایک صحابی کو بھی جنت و رضائے الٰہی کے مستحق ہونے سے خارج قرار دیا ہے۔ مگر ادھر کتنی بڑی دیدہ دلیری ہے کہ کسی ایک صحابی نہیں بلکہ مہاجرین و انصار کے بعد والے ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ صرف ان انعامات الٰہیہ سے غیر مستحق قرار دے دیا بلکہ یہاں تک زہر افشانی کر ڈالی کہ وہ صحابہ سابقین کی اتباع سے محروم رہے اور "اتبعوا" میں بھی شامل نہ ہو سکے۔ ایسے لوگوں کی ان افتراء پردازیوں پر، ہم یہ ہی کہہ سکتے ہیں:

لعنۃ اللہ علی شرکم "تمہارے شر پہ اللہ کی لعنت ہو۔"

تمام مہاجرین و انصار صحابہ بھی رضائے الٰہی اور جنت کے مستحق نہیں ہیں، کیونکہ "مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَار" میں "مِن" "تبعیضیہ" ہے:

پھر بے شرمی و بد عقیدگی کی حد دیکھیں کہ تمام مہاجرین و انصار صحابہ کے بھی رضائے الٰہی و جنت کے حقدار ہونے کا انکار کر ڈالا۔ اس کی عبارت یہ ہے:

"رہے اولین دو طبقے یعنی مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم تو وہ بھی تمام کے تمام رضائے الٰہی اور جنت کے مستحق نہیں ہیں بلکہ فقط وہ مہاجرین و انصار مستحق ہیں جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔ کیونکہ "مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ" میں لفظ "مِن" تبعیضیہ ہے، لہٰذا معاذ اللہ اگر کوئی مہاجر یا انصاری خاتمہ بالایمان سے محروم رہا ہو تو وہ اس

آیت کا مصداق نہیں ہوگا۔" (صلح الامام الحسن ص ۱۰۳)

جواب نمبر:۱۔ "من" کے تبعیضیہ ہونے کے باوجود بھی صرف مہاجرین وانصار ہی نہیں بلکہ اول تا آخر تمام صحابہ رضائے الٰہی وجنت کے مستحق قرار پاتے ہیں:

زیر بحث آیت کی تفسیر کے تحت ہم براہین قاطعہ سے ثابت کر چکے ہیں کلمہ "من" کے تبعیضیہ ہونے کے باوجود بھی تمام کے تمام صحابہ جنتی قرار پاتے ہیں۔

پھر غور طلب امر یہ ہے کہ موصوف نے اپنے اس جاہلانہ دعوے اور ادھوری دلیل کہ "من تبعیضیہ ہے۔" پر کسی بھی معتبر مفسر کا کوئی ایسا حوالہ نہیں پیش کیا کہ جس میں "من" کو تبعیضیہ قرار دیتے ہوئے تمام مہاجرین وانصار کے رضائے الٰہی وجنت کے مستحق ہونے سے انکار کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ بات موصوف بھی جانتے تھے کہ وہ جس تفسیر کی طرف بھی رخ کریں گے منہ کی کھانی پڑے گی۔

جواب نمبر:۲۔ موصوف اپنے ہی بیان کردہ ضابطے کی روشنی میں غلطی کے مرتکب قرار پاتے ہیں:

موصوف نے ایک مقام پر قاضی شوکانی اور نواب صدیق کی اس لئے تردید وتغلیط کی کہ انہوں نے الکوثر کو ایک ہی معنی میں بند کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو:

> "ان احادیث مبارکہ اور علماء اسلام کی تصریحات کو مدنظر رکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح قاضی صاحب اور نواب صاحب نے لفظ "الکوثر" (جس کی وسعتوں کا اندازہ کرنا ہی ممکن نہیں) کو ایک ہی معنی میں بند کر کے رکھ دیا۔" (انوار العرفان ص ۶۲۵)

ہم کہتے ہیں "الکوثر" کو دیگر معانی کے ہوتے ہوئے ایک معنی میں بند کرنا اگر غلط بلکہ یقیناً غلط ہے اور اس کے قائلین بلاشبہ تردید وتغلیط کے مستحق ہیں۔ مگر جناب بندہ! یہ جرم تو آپ بھی کئے بیٹھے ہیں، بلکہ ان سے بھی بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے اس لئے کہ انہوں نے تو صرف لفظ کو ایک معنی میں بند کیا تھا۔ تم نے تو نہ صرف یہ کہ "من" کو ایک ہی معنی (تبعیضیہ ہونے) میں بند کیا ہے بلکہ اس کے اس دوسرے معنی (اس کا بیانیہ ہونا) کو یکسر ہی چھوڑ دیا ہے جسے تقریباً ہر مفسر نے بیان کیا اور وہ تھا بھی "راجح" جیسا کہ ہم تفصیلاً ثابت کر چکے ہیں۔

جواب نمبر: ۳۔ ”من“ کے بیانیہ ہوے کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور موصوف نے اس تفسیر کو ٹھکرا کر حضرت ابن عباس کی تغلیط اور فیضان نبوی کی تکذیب کاارتکاب کیا ہے:

ہم یہ پہلے بھی حوالہ پیش کر چکے ہیں ”من“ کے بیانیہ ہونے کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ بار دیگر ملاحظہ ہو جناب ”تفسیر زاد المیسر میں“ ”السابقون الاولون“ کی بابت چوتھے قول کے تحت فرمایا:

انہم اصحاب رسول الله ﷺ حصل لهم السبق الصحبة

”اس سے مراد نبی کریم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ہیں (اس لئے کہ) انہیں صحبت رسالت مآب ﷺ کی سبقت میسر آئی ہے۔“ (زیر آیت السابقون الاولون)

❁ پھر چند سطور کے بعد فرمایا:

”والذين اتبعوهم باحسان“ من قال: ان السابقين جميع الصحابة، جعل هوءلاء تابعي الصحابة وهم الذين لم يصحبوا رسول الله ﷺ وقد روی عن ابن عباس أنه قال: والذين اتبعوهم باحسان الى ان تقوم يوم القيامة

”رب تعالیٰ کا فرمان: والذين اتبعوهم باحسان ”جن مفسرین نے یہ کہا کہ سابقین سے مراد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ انہوں نے ”اتبعوا سے مراد صحابہ کرام کے پیروکار مراد لیتے ہیں اور ان (پیروکاروں) سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو صحبت نبوی میسر نہیں آئی، (اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں: ”اتبعوهم“ سے مراد قیامت تک کے وہ صلحاء ہیں جو بھلائی کے ساتھ صحابہ کی اتباع کرنے والے ہیں۔“ (بمرجع سابق)

اور موصوف قاری یہ ضابطہ خود بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کو ٹھکرانا فیضان نبوی کی تکذیب کرنا ہے۔ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں صاحبان (قاضی شوکانی اور نواب صدیق) نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تفسیر کو باطل ٹھہرا کر فیضان مصطفیٰ ﷺ کی تکذیب کی ہے۔“ (انوار العرفان ص ۶۲۵)

ہم کہتے ہیں ”من“ کے بیانیہ ہونے اور سابقین میں تمام صحابہ کے شامل ہونے کی تفسیر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو ٹھکرا کر تم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تغلیط اور فیضان مصطفیٰ ﷺ کی

تکذیب کی ہے۔

رضائے الٰہی اور جنت کے مستحق فقط وہ مہاجرین و انصار صحابہ ہیں جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا (قاری ظہور):

موصوف لکھتے ہیں:

"رضائے الٰہی اور جنت کے مستحق فقط وہ مہاجرین و انصار ہیں جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔"

(صلح الامام الحسن ص ۱۰۳)

جواب: سب صحابہ کا خاتمہ ایمان پر ہی ہوا ہے، کیونکہ رب نے انہیں ازل سے ہی اپنی رضا اور جنت کے وعدے سے نواز رکھا ہے:

موصوف نے جو ضابطہ بیان کیا ہے ہمیں اس سے سو فیصد اتفاق ہے اس لئے کہ رب تعالیٰ نے ازل میں ہی یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ تمام صحابہ کو اپنی رضا اور جنت سے نوازے گا، یہ اس لئے بھی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جن سے رضا و جنت کا وعدہ "لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَاد" والا رب فرما چکا ہو ان ذوات قدسیہ کا خاتمہ بالخیر نہ ہوا ہو؟؟ ویسے بھی خاتمہ و انجام کا معاملہ خالصتاً بندے اور اس کے رب کے مابین ہے۔ اس پر رائے زنی کرنے کی کسی دوسرے کی کیا مجال ہو سکتی ہے؟ ہاں بطور مسلمان جو ہماری ذمہ داری بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے: ظنوا المومنین خیرا "ایمان والوں کے بارے اچھا گمان رکھو۔"

(تفسیر در منثور ج ۱۰ ص ۶۷۶، معجم کبیر ج ۱۶ ص ۴۹۷)

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف مومن ہی نہیں بلکہ بعد از انبیاء سب سے بڑے مومن ہیں۔ اس لئے ان کے بارے اچھا گمان رکھنا تو بدرجہ اولیٰ حق رکھتا ہے۔ معہذا ان کے جنتی ہونے پر قرآن و حدیث کی کئی نصوص بھی موجود ہیں۔ اگر تو موصوف قاری کے پاس کوئی ایسی قطعی دلیل ہو کہ جس سے بالصراحت ثابت ہوتا ہو کہ فلاں فلاں صحابیِ رسول کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تو وہ دلیل پیش کریں۔ اگر ایسی کوئی دلیل نہیں تو صحابہ کو چھوڑیں اپنے ایمان کی فکر کریں اور وہ کوئی ایک بھی ایسی دلیل نہیں پیش کر سکتے کیونکہ صحابی کہتے ہی اسے ہیں جس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو۔

بعض اولین مہاجرین صحابہ خاتمہ بالایمان سے محروم رہے ہیں، جیسے عبید اللہ بن جحش (قاری ظہور):

موصوف اپنے دعوے پہ بے محل دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یقیناً بعض اولین مہاجرین ایمان سے محروم ہو گئے تھے۔ مثلاً حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (رملہ بنت ابی سفیان) کا سابق شوہر عبید اللہ بن جحش ان اولین مہاجرین میں سے ہے جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی مگر وہاں جا کر اس نے نصرانیت اختیار کر لی تھی اور مرتد ہو گیا تھا۔"

(صلح الامام الحسن ص ۱۰۳)

جواب: موصوف کی طرف سے عبید اللہ بن جحش کی مثال پیش کرنا درست نہیں:

موصوف کی طرف سے عبید اللہ بن جحش کا نام ذکر کرنا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ بقول موصوف کے اگر وہ مرتد ہو گئے تھے تو پھر وہ زمرۂ صحابہ سے خارج ہو گئے تھے۔ اور ہماری بحث خاص کر کے صحابہ کے بارے ہے[1]

پھر یہ بات بھی مسلم ہے کہ جب بھی لفظ "مہاجرین" یا "انصار" بولا جاتا ہے۔ اس سے صرف اور صرف اصحاب رسول ہی مراد ہوتے ہیں اور "صحابی" کہتے ہی اس ہستی کو ہیں کہ جس نے حالت ایمان میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور حالت ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا ہو جیسا کہ امام ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا:

من لقی النبی ﷺ مومنا به ومات علی الاسلام

"جس نے حالت ایمان میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور ایمان پر ہی اس کا وصال ہوا وہ صحابی ہے۔" (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۱ ص ۷)

اس طرح موصوف کے استاد علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح تعریف کی ہے۔ ان کا مکمل حوالہ ہم اپنے مقدمہ کے شروع میں نقل کر آئے ہیں۔ بلکہ یہی تعریف خود موصوف نے بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:

---

[1] حضرت عبید اللہ بن جحش پر تفصیلی بحث اس کتاب کے آخر اور کتاب طلقاء صحابہ کرام میں ملاحظہ کیجئے۔

"غور فرمائیے کہ ہر وہ شخص جو اعلان نبوت کے بعد ایمان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرے اور پھر ایمان پر اس کا خاتمہ ہو تو وہ صحابی ہے۔"

(شرح اسنی الطالب ص ۱۴۹، الطبعۃ الخامسۃ)

تمام صحابہ کو جنتی قرار دینا عدم تدبر پر مبنی اور معاویہ کا ناجائز دفاع کرنا ہے (قاری ظہور):

موصوف ساری امت کے مفسرین بلکہ صحابہ بلکہ قرآن وصاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تردید وتغلیط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"...معلوم ہوا کہ ان دو آیات (فتح :۱۸ توبہ ۱۰۰:) آیات یا کسی بھی آیت اور صحیح حدیث سے تمام کے تمام صحابہ کو جنتی قرار دینا یا تو عدم ترید پر مبنی ہے یا پھر بعض بغاۃ وطلقاء (معاویہ) کو ناجائز (Secure) کرنا اور تحفظ دینا مقصود ہے۔ (صلح الامام الحسن ص ۱۰۳)

جواب: موصوف نے صحابہ سمیت ساری امت بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عدم تدبر کا شکار اور ناجائز کام کے مرتکب قرار دے دیا۔ نعوذ باللہ:

موصوف کو یہ جملہ لکھتے ہوئے کچھ تو خوف خدا سے کام لینا چاہئے تھا، یہ لکھتے ہوئے زرہ بھر نہ سوچا کہ ان کا یہ زہر سے آلودہ تیر کس کس کو نشانہ بنائے گا؟ اگر نہیں سوچا تو ہم بتا دیتے ہیں کہ ان کے اس ملحدانہ فتوے کی زد میں۔ تمام علماء فقہاء، محدثین، مفسرین، مجتہدین اولیاء، کاملین، تبع تابعین، صحابہ، ساری امت، بلکہ قرآن و صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ رب تعالیٰ کی ذات بھی آتی ہے۔ اس لئے کہ تمام صحابہ کا جنتی ہونا اور اُن کا دفاع کرنا، خود قرآن واحادیث سے ثابت ہے اور ہر دور کے علماء وعوام اسلام نے یہی عقیدہ رکھا اور بیان کیا ہے۔

صحابہ میں کچھ منافق صحابہ بھی تھے۔ (قاری ظہور):

موصوف نے ہرزہ سرائی کرتے ہوئے منافقین کو بھی صحابہ قرار دے دیا۔ معاذ اللہ۔ ملاحظہ ہو:

"صحابی ہو یا غیر صحابی ہر ایک کا معاملہ "الاعمال بالخواتیم" "یعنی انجام کے مطابق ہی ہوگا، ورنہ

وہ بھی صحابہ ہی ہوں گے۔ جنہیں حوض کوثر سے دھتکار دیا جائے گا اور وہ بھی صحابہ ہی تھے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔"

فی اصحابی اثنا عشر منافقا فیھم ثمانیة لایدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط

"میرے صحابہ میں بارہ منافق ہیں۔ ان میں آٹھ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو۔" (صلح الامام الحسن ص ١٠٤۔ ١٠٣، بحوالہ مسلم)

جواب نمبر: ۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی بھی منافق نہ تھا، حوض کوثر سے مرتدین کو دھتکارا جائے گا، نہ کہ صحابہ کو:

یہ موصوف کے قلم باطل ہی کا کمال ہے کہ پل بھر میں صحابہ کرام ؓ میں سے ہے جسے چاہتے ہیں غیر صحابی اور دوزخی قرار دے دیتے ہیں، اور جب چاہتے ہیں مرتدین و منافقین کو بھی صحابی قرار دے دیتے ہیں۔

جہاں تک حوض کوثر سے دھتکارے جانے والے لوگوں کا تعلق ہے تو ان سے بھی ہرگز ہرگز اصطلاحی و حقیقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد نہیں ہیں بلکہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو بعد میں مرتد ہو گئے تھے اور ان کے لئے صرف لغوی اعتبار سے اس لفظ کا استعمال کیا گیا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے اندر "باب فی الحوض" کے تحت اس مضمون کو حدیث نمبر ٦٥٧٦، ٦٥٨٢ اور ٦٥٨٤ میں اجمالی طور پر بیان کیا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"سرکار ﷺ فرماتے ہیں: میرے حوض پہ کچھ لوگوں کو مجھ پر ظاہر کیا جائے گا اور انہیں حوض کوثر سے دور کر دیا جائے گا۔ یا انہیں یہ کہا جائے گا دور ہٹو دور ہٹو، تو میں عرض کروں گا۔"

اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھیوں میں شامل تھے تو جواب دیا جائے گا۔ آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا تھا؟ پھر حدیث نمبر ٦٥٨٥، ٦٥٨٦، ٦٥٨٧ اور ٦٥٩٣ میں اس کی تفصیل بیان کر دی گئی کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا تھا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

انھم ارتدوا علی ادبارھم القھقری

"بے شک یہ لوگ اپنے الٹے پاؤں پھر کر مرتد ہو گئے تھے۔"

تو جب "تفسیر الحدیث بالحدیث" کے تحت صراحتاً ثابت ہو چکا کہ حوض کوثر سے دھتکارے جانے والے وہ لوگ

ہوں گے جو مرتد ہو گئے تھے اور مرتد وہ ہوتا ہے جو دین اسلام چھوڑ کر کوئی اور دین قبول کرے اور اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہو تو پھر مرتدین کو زمرۂ صحابہ میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے، حالانکہ بقول موصوف کے بھی صحابی کی تعریف یہ ہے:

”ہر وہ شخص جو اعلان نبوت کے بعد ایمان کے ساتھ حضور ﷺ سے ملاقات کرے اور پھر ایمان پہ اس کا خاتمہ ہو تو وہ صحابی ہے۔“ (شرح اسنی المطالب ص ۱۴۹)

ثابت ہوا کہ مرتدین کو بھی صحابہ قرار دینا یہ موصوف کی غوایت و حماقت اور سفاہت و ضلالت کا نتیجہ اور نبی کریم ﷺ کی ذات پر بہت بڑا بہتان ہے۔

جواب نمبر: ۲۔ ”فِيْ أَصْحَابِيْ اثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا“ سے مراد بھی پکے منافق ہیں نہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

موصوف نے صحیح مسلم کی حدیث کے ذریعے بھی روافض کی مکمل ترجمانی کرتے ہوئے دھوکہ دہی اور غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث میں بھی حقیقی و اصطلاحی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد نہیں ہیں بلکہ بمعنی ساتھی۔ یا اصحاب کو منسوب لوگ یعنی منافقین مراد ہیں جو ظاہری طور پر تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہتے تھے لیکن باطنی طور پر پکے کافر تھے، اس پر درج ذیل دلائل پوری صراحت سے دلالت کرتے ہیں:

دلیل نمبر: ۱

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو جس عنوان کے تحت لے کر آئے آپ نے اس کا عنوان یوں قائم فرمایا ہے:

باب صفات المنافقين و احكامهم ”یعنی منافقوں کی صفات اور ان کے احکام کا باب۔“

جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ اس باب میں صحابہ کا نہیں بلکہ منافقین کا ذکر ان کی صفات اور ان کے احکام بیان کئے جائیں گے۔

دلیل نمبر: ۲

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اما قوله ﷺ فی اصحابی فمعناه الذين ينسبون الى صحبتي كما قال في الرواية الثانية ”في امتي“

"بہر کیف، نبی کریم ﷺ کا فرمان "فی اصحابی" تو اس کا معنی ہے وہ لوگ جو (لغوی طور پر) میری صحبت کو منسوب ہیں جیسا کہ آپ نے ایک دوسری روایت میں فرمایا ہے: "فی امتی (یعنی میری امت میں بارہ منافق ہیں)۔" (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۹)

۞ یونہی امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

فی اصحابی الذین ینسبون الی صحبتی وفی روایة "فی امتی" وھو اوضح المراد

"فی اصحابی یعنی وہ (منافق) لوگ جو میری صحبت کو منسوب ہیں اور ایک اور روایت میں ہے "فی امتی" (یعنی میری امت میں) یہی معنی زیادہ واضح المراد ہے۔" (فیض القدیر ج ۴ ص ۴۵۴)

محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہ کی ان تشریحات سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ "فی اصحابی" کے ذریعے جن لوگوں کی بات کی جارہی ہے وہ منافقین ہیں، بلکہ دوسری روایت میں "فی امتی" کے الفاظ کا آنا پھر محدثین کا یہ فرمانا کہ "وھو اوضح المراد" "تفسیر الحدیث بالحدیث" کے طور پر ثابت کرتا ہے کہ فی اصحابی بمعنی "فی امتی" کے ہے تو جس طرح منافقین کا امت میں ہونا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کو لازم نہیں کرتا اسی طرح منافقین کے لئے "فی اصحابی" "بمعنی" فی امتی" کے الفاظ کا آنا بھی ہرگز ہرگز طعن کا باعث نہیں ہوسکتا۔"

دلیل نمبر: ۳

موصوف کے استاد علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یوں ترجمہ کیا ہے:

"جو لوگ میرے صحابہ کی طرف منسوب ہیں ان میں بارہ منافق ہیں۔ (شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۵۷۶)

یاد رہے یہ وہی شرح مسلم ہے جس پر تقریظ لکھتے ہوئے موصوف نے اس کی توصف و تحسین کرتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اس نے شرح صحیح مسلم کی صورت میں ہمیں عظیم نعمت عطا فرمائی۔"
(شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۴۵-۴۶)

دلیل نمبر: ۴

یہ بات تو باقاعدہ احادیث میں بھی پائی جاتی ہے کہ منافقین کے لئے (لغوی طور پر) "اصحابی" یا "اصحاب" کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"متفق علیہ حدیث میں ہے کہ کسی موقع پر ذوالخویصرہ نامی منافق نے نبی کریم ﷺ کو کہہ دیا:

یا رسول اللہ ﷺ! اعدل "اے رسول خدا انصاف کیجئے۔"

تو سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا: "اگر میں نہ انصاف کروں گا تو کون انصاف کرے گا؟

(یہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ مجھے اجازت دیں میں اس (منافق) کی گردن اتار دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دعه فان له اصحابا "اس کو چھوڑ دو، اس کے اور بھی ساتھی ہیں:" (یہ صوم وصلوۃ کے ایسے پابند ہوں گے کہ) تم میں سے کوئی ان کی نماز کے سامنے اپنی نماز کو اور ان کے روزے کے سامنے اپنے روزے کو حقیر جانے گا، یہ قرآن پڑھیں گے (لیکن) قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ (بخاری، حدیث نمبر ۳۶۱۰)

صحیح مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ سرکار ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا تھا:

معاذاللہ ان یتحدث الناس انی اقتل اصحابی
"اللہ کی پناہ لوگ یہ باتیں کریں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کروا دیتا ہوں۔"

(مسلم، حدیث نمبر ۱۰۶۴)

یونہی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے بارے آتا ہے کہ جب اس نے بھی اس طرح کا کوئی نازیبا جملہ بولا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں اس کی گردن بھی اڑانے کی اجازت چاہی تھی، لیکن سرکار علیہ السلام نے فرمایا تھا؟"

دعه لان یتحدث الناس ان محمد یقتل اصحابه
"اس کو چھوڑ دو (ورنہ) لوگ یہ باتیں کریں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو خود قتل کر دیتا ہے۔"

(بخاری ج ۲، ص ۲۹_۷۲۸، قدیمی کتب خانہ)

اب دیکھئے ان دونوں احادیث میں منافقین ذوالخویصرہ اور عبداللہ بن ابی کے لئے "اصحابی" اور "اصحاب" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، تو کیا کوئی عقل کا اندھا ان کو بھی صحابہ قرار دے گا؟؟؟

موصوف نے جب زیر بحث حدیث کے صرف ظاہر کو دیکھتے ہوئے منافقین کو بھی "صحابہ" قرار دے دیا ہے تو شائد ان کی نظر میں عبداللہ بن ابی تو بہت بڑا صحابی ہوگا، کیونکہ اس کے لئے تو اس سے بھی آگے کے معاملات ہوئے ہیں۔ مثلاً:

(الف) اس کے کفن کے لئے سرکار ﷺ نے اپنی قمیص مبارک عطا فرمائی تھی۔

(ب) آپ نے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی تھی۔

تنبیہ:

نبی کریم ﷺ کے اس فعل مبارک سے اس منافق کو تو ذرہ بھر بھی فائدہ نہ ہوا۔ البتہ آپ کے اس حسن سلوک کی بدولت عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ ؓ جو نبی کریم ﷺ کے مخلص صحابی تھے کی دلجوئی ضرور ہوگئی اور ایک ہزار منافقین منافقت چھوڑ کر مخلص و پکے مسلمان ہو گئے تھے۔"

(اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے شرح مسلم للسعیدی ج ۷، ص ۵۸۲ تا ۵۸۴)

دلیل نمبر:۵

جس طرح آیت کا شان نزول ہوتا ہے اسی طرح کبھی حدیث کا بھی شان ورود ہوتا ہے (یعنی وہ وجہ وعلت کہ جس کی وجہ سے وہ فرمان جاری ہوا ہو) تو زیر بحث حدیث کا شان ورود بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث خالصتاً منافقین کے بارے وارد ہوئی ہیں نہ کہ صحابہ کرام ؓ کے بارے۔ اس کا شان ورود یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ کچھ منافقین نے کہا کہ (موقع ملتے ہی) ہم محمد کو قتل کر دیں گے۔ تو اس کے پیش نظر آپ ﷺ نے فرمایا: فی اصحابی اثنا عشر منافقا

نوٹ:

جہاں تک موصوف کی اس بات کا تعلق ہے کہ "صحابی ہو یا غیر صحابی ہر ایک کا معاملہ "الاعمال بالخواتیم" یعنی انجام کے مطابق ہی ہوگا۔ تو اس پر ہم تفصیلاً گفتگو کر چکے ہیں۔

کیا عبدالرحمٰن بن عدیس، ابو الغادیہ اور بسر بن ابی ارطاۃ صحابی بھی جنتی ہیں؟ (قاری ظہور):[1]

موصوف پھر بطور خلاصہ کے لکھتے ہیں:

"خلاصہ یہ ہے کہ تمام کے تمام صحابہ کو یا صحابی کہے جانے والے ہر ہر شخص کو جنتی تصور کر لینا عدم تدبر پر مبنی ہے، حسن ظن تو اچھی بات ہے مگر ہر صحابی کو جنتی قرار دینے والے لوگوں سے پوچھئے کہ ان

---

[1] اس پہ تحقیقی بحث کتاب کے آخر پہ دیکھیں۔

کے نزدیک وہ صحابہ بھی جنتی ہیں جن کو خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں ذکر کیا جاتا ہے۔ یعنی عبد الرحمن بن عدیس نیز بسر بن ابی ارطاۃ بھی صحابی تھا اور قاتلین عمار بن یاسر بھی صحابی تھے ان کے بارے میں کیا حکم؟ سیدنا عمار بن یاسرؓ کو قتل کرنے کے لئے جو ناپاک ہاتھ استعمال ہوئے تھے وہ ایک صحابی ہی کے ہاتھ تھے اور اس شخص کا قاتل عمار ہونا مشکوک نہیں معلوم ہے اس کو ابو الغادیہ کہا جاتا ہے۔" (صلح الامام الحسن ص ۱۰۴)

جواب: بالکل یہ بھی جنتی ہیں اور شرف صحابیت کے جملہ عمومی فضائل کے حامل

بالکل یہ سب بھی جنتی ہیں اور "صحابیت" کے جملہ عمومی فضائل کے حامل بھی ہیں۔ اس لئے کہ جب ان کا صحابی ہونا ثابت اور تمہارے ہاں بھی مسلم ہے تو" وکلا وعد اللہ الحسنیٰ "جیسے انعامات کے مستحق ہوں گے۔

جہاں تک ان سے صادر ہونے والے مشاجراتی معاملات کا تعلق ہے تو اس بابت ہم تفصیلی دلائل نقل کر چکے ہیں کہ وہ سب اللہ کے فضل اور صحبت نبوی کی برکت سے معاف ہو چکے ہیں۔ موصوف کو یہ سوال قائم کرنے سے قبل اس سوال پہ غور کرنا چاہئے تھا کہ کیا: ان مشاجراتی معاملات اور لغزشوں کی وجہ سے ان صحابہ کی صحابیت قائم رہی یا زائل ہوگئی تھی؟ اگر تو اس سب کے باوجود بھی قائم رہی بلکہ یقیناً قائم رہی تو پھر ان کے صحابی ہونے کے ناطے" وکلا وعد اللہ الحسنیٰ "میں شمولیت سے کوئی چیز مانع نہ رہی۔ اور اگر کوئی کہے کہ ان معاملات کی وجہ سے ان کی صحابیت زائل ہوگئی تھی تو اس پر لازم ہے کہ اپنے اس دعوے کو دلائل صحیحہ سے ثابت کرے۔

نوٹ:

حضرت عبد الرحمن بن عدیس اور حضرت ابو الغادیہؓ کی بابت گزشتہ صفحات میں تفصیلی کلام ہو چکا ہے۔ حضرت بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے متعلق آئندہ صفحات پہ گفتگو کی جائے گی۔

معاویہ کا پورا گروہ ہی قتل عمار کا ذمہ دار اور داعی الی النار ہے (قاری ظہور):

موصوف مزید انگارہ افشانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حدیث شریف میں سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قتل میں فقط معاویہ کے سپاہی ابو الغادیہ کو جہنمی نہیں کہا گیا بلکہ جس گروہ میں ابو الغادیہ تھا اس پورے گروہ کو اس" داعی الی النار" فرمایا گیا ہے۔ (صلح الامام الحسن ص ۱۰۶)

جواب: موصوف کی یہ بات برخلافِ حقائق اور غلط ہے:

موصوف کی یہ بات بھی برخلافِ حقائق اور غلط ہے، اس لئے کہ حدیث نبوی" داعی الی النار " کا صحیح مفہوم ہر گز وہ نہیں ہے جو موصوف بیان کر رہے ہیں بلکہ صحیح مفہوم وہ ہے جو ہم کئی محدثین کی شرح کی روشنی میں بیان کر چکے ہیں۔ موصوف کی یہ بات اس لئے بھی درست نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ کے گروہ میں ان کے سمیت درجن سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ معاذ اللہ وہ سب بھی" داعی الی النار " قرار پائیں گے۔ حالانکہ قرآن مجید نے عمومی طور پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قیامت تک کے کلمہ پڑھنے والوں کے لئے یہ فرما کر معیارِ ایمان قرار دیا ہے کہ:

اٰمنوا کما اٰمن الناس ''یوں ایمان لاؤ جیسے دوسرے لوگ ایمان لائے۔'' (بقرہ ۱۳:)

بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا ذمہ دار فرعون کو قرار دیا جاسکتا ہے تو پھر قتل عمار کا ذمہ دار معاویہ کو کیوں نہیں قرار دیا جاسکتا؟ (قاری ظہور):

موصوف قتل عمار کا حضرت امیر معاویہ کو براہِ راست ذمہ دار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''براہ راست سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قاتل کے بارے میں تو واضح حدیث آ گئی۔ کیا اس کے سربراہ اور اس کے عمل پر راضی رہنے والے کے بارے میں بھی کوئی حدیث ہے؟ اس سلسلے میں درج ذیل حدیث سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب زمین میں کوئی گناہ کیا جائے جو شخص وہاں موجود ہو اور اس گناہ کو پسند نہ کرے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو وہاں موجود نہ ہو اور جو وہاں سے غائب ہو اور اس گناہ پر راضی ہو تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو وہاں موجود ہو۔''

زیادہ تفصیل میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حدیث پاک میں واضح طور پر اصول بیان فرما دیا گیا ہے:

’’پس وہ شخص جو لوگوں پر حاکم ہے وہ راعی ہے اور وہ اپنی رعایا کے متعلق جواب دہ ہوگا۔ سو تم میں سے ہر شخص راع ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے باز پرس ہوگی۔‘‘ ۔۔۔۔بنی اسرائیل کے بچوں کو فرعون کے سپاہی قتل کرتے تھے مگر اللہ جل شانہ نے اصل قاتل فرعون کو قرار دیا۔ (خلاصہ صلح الامام الحسن ص ۱۰۶۔۱۰۵)

جواب: موصوف کا یہ خیال باطل اور قیاس، قیاس مع الفارق ہے:

موصوف کا قلم یہاں پر بھی ٹھوکر کھا گیا ہے یا پھر جان بوجھ کر بغض صحابہ کی زد میں بہہ گیا ہے۔

اس لئے کہ اولاً تو روایت ’’قاتل عمار وسالبہ فی النار‘‘ ضعیف اور نا قابل استدلال ہے اور اگر صحیح اور قابل استدلال بھی ہوتی ہے تو بھی حضرت ابو الغادیہ ؓ کا جہنمی ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لئے کہ نص قرآنی ’’وکلا وعد اللہ الحسنیٰ‘‘ انہیں جنتی قرار دے رہی ہے۔ لہٰذا اس تقابل وتضاد کی وجہ سے حدیث کو چھوڑ کر اس نص قرآنی سے ہی استدلال کیا جائے۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے گزشتہ صفحات پہ ہماری کی گئی تفصیل ملاحظہ ہو: تو جب بقول تمہارے معین کردہ جو صحابی ہیں وہی دوزخی نہ قرار پائے تو پھر اس وجہ سے ان کے سارے گروہ یا سربراہ گروہ کو ذمہ دار قرار دیتے ہوئے دوزخی قرار دینا کیونکر درست، ہوسکتا ہے؟

ثانیاً بن اسرائیل کے قتل پہ قیاس کرنا بھی ذرا بھر درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ قتل خالصتاً سیاسی وملکی معاملات کی وجہ سے تھا۔ جبکہ جنگ صفین میں شریک دونوں طرف کے حضرات اپنے اپنے اجتہاد پر عمل پیرا تھے۔ اگرچہ حق حضرت علی ؓ کے ساتھ تھا اور دوسری جانب کے حضرات اجتہادی خطا پر تھے۔ اور اگر بقول تمہارے بغیر کسی بھی استثناء کے ریاستی قتل میں عقلاً نقلاً اصل قاتل سربراہ مملکت ہی ہوتا ہے تو دل پہ ہاتھ رکھ کر بتائے کہ قتل عثمان ؓ کا ذمہ دار اور اصلی قاتل کون قرار پائے گا؟؟

کسی کو جنتی قرار دینے کے لئے قرآن وسنت سے دلیل کا ہونا ضروری ہے (قاری ظہور):

موصوف ایک ضابطہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’کسی طبقہ یا فرد کو جنت نصیب ہونے پر یا اسے بہشتی خیال کرنے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، لیکن اس دنیا میں کسی کا نام لے کر اسے جنتی قرار دینے کے لئے قرآن وسنت سے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔‘‘ (صلح الامام الحسن ص ۱۰۰)

جواب: بالکل ٹھیک، مگر یاد رہے قرآن وسنت نے تمام صحابہ کے جنتی ہونے پر کئی دلائل پیشگی ہی بیان فرمادیئے ہیں:

موصوف نے جو ضابطہ بیان کیا ہے ہمیں اس سے ایک سو ایک فیصد اتفاق ہے، مگر یہ بات بھی یاد رہے کہ قرآن وسنت نے تمام صحابہ کے جنتی ہونے پر درجنوں دلائل بیان فرمادیئے ہیں۔ مثلاً: سورۂ حدید کی آیت نمبر ۱۰، سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۳، اور سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۰ وغیرہا۔ یونہی حدیث "لاتمس النار مسلمارانی "وغیرہ

لقد رضی اللہ عن المومنین (الفتح ۱۸:) آیت سے استدلال کرتے ہوئے بیعت رضوان میں شامل تمام صحابہ کو جنتی قرار دینا درست نہیں ہے: (قاری ظہور):

تمام صحابہ کے جنتی ہونے کی نفی پر موصوف مزید دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں:

> "یادرکھنا چاہئے کہ صحیح احادیث سے نام زد شدہ کسی فرد کو جنتی قرار دینا الگ بات ہے اور جماعت یا طبقات کے لئے جنت کی بشارت کا ہونا الگ بات ہے۔ جب کسی فرد کو جنتی قرار دیا گیا تو اس فرد کو جنتی ماننا لازم ہے، لیکن نام لئے بغیر کسی طبقہ یا جماعت کا ذکر کیا گیا تو پھر اس طبقہ یا جماعت کے ہر شخص کے خاتمہ کا اعتبار ہوگا، قرآن مجید میں متعدد ایسی آیات ہیں جن میں طبقات اور جماعت کے لئے اجر عظیم اور جنت کی بشارت کا ذکر ہے اور عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ اس جماعت یا طبقہ کے ہر ہر فرد کا جنتی ہونا ضروری ہے در حقیقت یہ خیال درست نہیں۔ مثلاً آیت مبارکہ 'لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (الفتح ۱۸:) کو مدنظر رکھتے ہوئے بیعت رضوان میں شامل اکثر کو نہیں بلکہ تمام لوگوں کو جنتی تصور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ درست نہیں۔"

(صلح الامام الحسن ص ۱۰۱۔ ۱۰۰)

جواب: اس آیت سے صرف بیعت رضوان والوں کا ہی نہیں بلکہ دیگر بھی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے:

ہم کہتے ہیں یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ اس آیت سے بیعت رضوان میں شامل تمام صحابہ کا جنتی ہونا ثابت نہیں

ہوتا۔ اس لئے کہ اس سے صرف بیعت رضوان والے ہی نہیں بلکہ دیگر بھی تمام صحابہ کا جنتی ہونا ثابت ہے۔

اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

هذه الاية و ان كان سبب نزولها بيعة الرضوان الا ان العبرة عموم اللفظ فيشمل مبايعة الامام على الطاعة والوفاء بالعهد و مبايعة الشيخ العارف على صحبة الله ورسوله والتزام شروط آدابه

"اس آیت کریمہ کا سبب نزول اگرچہ بیعت رضوان ہے، مگر اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے، پس یہ (آیت) امام کی بیعت کو اطاعت و وفا سے پورا کرنے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی شرط پر ہونے والی عارف باللہ مرشد کی بیعت اس کی شرائط و آداب کے لازم ہونے کو بھی شامل ہے۔" (تفسیر صاوی ج ۵، ص ۱۹۷۰)

العبرة بعموم اللفظ قاعدے سے ثابت ہوتا ہے کہ جب یہ آیت امام اور مرشد کی بیعت کو بھی شامل ہے تو لامحالہ جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب سے کی جانے والی بیعت کو بھی شامل ہوگی۔

رضاء الٰہی کا یہ مژدہ فقط ان لوگوں کے لئے تھا جنہوں نے عہد کو نبھایا اور اس بیعت پر قائم رہے :(قاری موصوف):

موصوف لکھتے ہیں:

آیت مبارکہ "لقد رضى الله عن المومنين اذ يبايعونك تحت الشجرة" کو مدنظر رکھتے ہوئے بیعت رضوان میں شامل اکثر کو نہیں بلکہ تمام لوگوں کو جنتی تصور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ درست نہیں بلکہ رضاء الٰہی کا یہ مژدہ فقط ان لوگوں کے لئے تھا جنہوں نے عہد کو نبھایا اور اس بیعت پر قائم رہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے بعد ارشاد فرمایا:

فعلم مافى قلوبهم فانزل السكينة عليهم

"تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا۔"

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انما انزلت السكينة على من علم منه الوفاء

"اطمینان فقط ان پر اتارا گیا جن سے وفا جانی گئی۔" (درمنثور ج ۱۳، ص ۴۸۳)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر، تفسیر قرآن بالقرآن ہے. اس لئے کہ اس سے قبل جس آیت میں اس بیعت کو بیعت الٰہی فرمایا گیا ہے وہاں ساتھ یہ بھی فرمایا گیا ہے:

فمن نکث فانما ینکث علی نفسه ومن اوفی بما عاهد علیه الله فسیئوتیه اجرا عظیما
"تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے ثواب دے گا۔" (صلح الامام الحسن ص ۱۰۱۔۱۰۰)

جواب: ا۔ موصوف کی بات بالکل درست ہے، مگر یاد رہے کہ تمام صحابہ نے اپنا بھی نبھایا ہے اور بیعت بھی قائم رہے ہیں:

ہم موصوف کی اس بات سے کلیۃ اتفاق کرتے ہیں مگر یہ بات بھی مسلم ہے کہ اس بیعت میں جتنے صحابہ بھی شامل تھے سبھی نے اپنا عہد بھی نبھایا اور اس بیعت پر قائم بھی رہے۔ نیز "فمن نکث فانما ینکث علی نفسہٖ" کے مصداق صرف اور صرف منافقین ہیں اس کے تحت کوئی ایک بھی صحابی داخل نہیں ہے۔
اب ہمارے اس دعوے پر دلائل ملاحظہ ہوں: تفسیر ابن عباس میں ہے:

فلم ینقص منهم احدلانهم کانوا مخلصین وماتوا علی بیعة الرضوان غیر رجل منهم یقال له جدبن قیس وکان منافقا اختبأ یومئذ تحت ابط بعیره ولم یدخل فی بعیتهم فاماته الله علی نفاقه
"بیعت رضوان والے صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی عہد نہیں توڑا کیونکہ وہ سب کے سب مخلصین تھے اور ان سب کا وصال بیعت رضوان پر ہی ہوا ہے۔ سوائے اس ایک شخص کے جس کو جد بن قیس کہا جاتا تھا اور وہ منافق تھا۔ یہ شخص اس دِن اپنے اونٹ کے پیچھے چھپا رہا اور ان کی بیعت میں داخل نہ ہوا تو رب تعالیٰ نے اسے اس کی منافقت پر ہی موت دی۔" (ص ۵۱۲:)

❁ صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بایعنا رسول الله ﷺ تحت الشجرة علی الموت وعلی ان لانفر فمانکث احد منا البیعة الاجدبن قیس، وکان منافقا اختبأ تحت ابط بعیره ولم یسر مع القوم
"ہم نے موت اور جنگ سے نہ بھاگنے کی شرط پر درخت کے نیچے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ پس ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی بیعت کو نہیں توڑا، سوائے منافق جد بن قیس کے۔ وہ (اس دِن) اونٹ کی بغل کے نیچے چھپا رہا اور لوگوں کے ساتھ نہ گیا۔

"(تفسیر مدارک ج ۳، ص ۳۳۶، البحر المحیط ج ۸، ص ۱۳۰، روح البیان، ج ۹، ص ۲۶، روح المعانی جزء ۲۶، ج ۱۳، ص ۱۴۷، کشاف، ۱۲۸۶، ابن کثیر وغیرہا تفاسیر، مسلم ۱۸۵۶، ترمذی ۱۵۹۱، نسائی ۱۴۰۷)

❁ حضرت امام ابن سائب فرماتے ہیں:

فلم ینکث العهد منهم غیر رجل واحد یقال له: الجد بن قیس وکان منافقا

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی عہد نہیں توڑا، سوائے جد بن قیس منافق کے۔"

(تفسیر زاد المیسر لابن جوزی، زیر آیت ۱۰، سورۃ الفتح)

تنبیہ:

حدیث مبارکہ کے کلمات "اِلَّا جَدَّبْنُ قَیْسٍ وَکَانَ مُنَافِقًا" سے ثابت ہوا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ یعنی جد بن قیس جماعت صحابہ میں شامل ہی نہیں تھا۔ جیسے جَاءَنِیْ الْقَوْمُ اِلَّا حِمَارًا (آئی میری پاس قوم سوائے گدھے کے) کی مثال میں گدھا قوم میں داخل ہی نہیں۔ بر بنائے مجاز کے جد بن قیس کے بیعت نہ کرنے کو ہی عہد توڑنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب نمبر: ۲۔ بیعت رضوان والے تمام صحابہ "وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عَاهَدَ عَلَیْهِ اللّٰهُ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا" کے مصداق ہیں:

جب دلائل کی روشنی میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بیعت رضوان والے تمام صحابہ اپنے عہد اور بیعت پر تادم آخریں قائم رہے تو یہ بھی خوب تر واضح ہو گیا کہ وہ تمام "ومن اوفی بما عاهد علیه الله فَسَیُؤْتِیْهِ اجرا عظیما (اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا، الفتح:۱۰) کے مصداق اور جنتی ہیں، کیونکہ "اجر عظیم سے مراد جنت ہے۔ حوالاجات ملاحظہ ہوں:

تفسیر قرطبی ج ۱۶، ص ۲۲۸، جمل ج ۷، ص ۲۱۳، بغوی ج ۴، ص ۱۶۹، ابی سعود ج ۶، ص ۱۰۰، صاوی ج ۵، ص ۱۹۷۰، مظہری ج ۶، ص ۳۶۹، روح المعانی ج ۱۳، ص ۱۴۷، وغیرہا۔

جواب نمبر: ۳۔ رب تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہمیشہ راضی رہنے اور کبھی بھی ناراض نہ ہونے کو واجب کر رکھا ہے:

زیر بحث آیت کی تفسیر میں علامہ عزالدین عبد الرزاق رسعنی فرماتے ہیں:

الاتری یقول لهم. احل علیکم رضوانی، فلا اسخط علیکم ابدا
"کیا تم نہیں دیکھتے کہ رب تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرماتا ہے: میں نے تمہارے لئے اپنی رضا کو واجب کر دیا ہے اور یہ کہ میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گے۔" (زیرآیت محجوث عنہا)

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرة
"بیعت رضوان والوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔"

(تفسیر بغوی ص ۱۷۴، ابو داؤد ج ۷، ص ۳۱، ترمذی ۱۰ / ۳۶۲، نسائی فی التفسیر ج ۲، ص ۳۲۰، مسند احمد ج ۳، ص ۳۵۰)

جواب نمبر: ۴۔ رضی الله عن المومنین پڑھ کے بھی صحابہ کا مقام نہ پہچاننے والے منشاء قرآن کے خلاف اعتقاد رکھتے ہیں:

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولعمری ان الرجل لم یعرف لصاحبة رضی اله عنهم حقهم وحمل کلام الله تعالیٰ علی خلاف ظاهره
"میری عمر کی قسم (جاہل و بے ادب) انسان اب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق کو نہیں پہنچانتا اور کلام الٰہی کو اس کے ظاہر کے خلاف پر محمول کرتا ہے۔" (روح المعانی ج ۱۳، ص ۱۶۴)

نوٹ: "والعمری" کا کلمہ تعجب خیز باتیں کے اظہار کے وقت کہا جاتا ہے۔

جواب نمبر: ۵۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ازل تا ابد راضی ہو چکا ہے اور ان کی لغزشوں کی وجہ سے یہ رضائے الٰہی زائل نہیں ہوئی:

حضرت علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ زیر بحث آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

رضی الله عنهم فی الازل و سابق علم القدس و یبقی رضاه الی الابد لان رضاه صفة الازلیة الباقیة الابدیة لاتتغیر بتغیر الحدثان ولا بالوقت ولا بالطاعة

العصیان فاذا ھم فی اصطفائیتہ باقون الی الابد لایسقطون من درجاتھم بالذلات ولا بشریة والشھوات لان اھل الرضی محرسون برعایتہ لایجری علیھم نعوت اھل البعد وصاروا متصفین بوصف رضاہ فرضوا عنہ کما رضی عنھم

"رب تعالیٰ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ازل میں ہی راضی ہو چکا ہے اور اس کے علم قدسی نے سبقت فرمائی اور اس کی رضا ابد تک باقی رہنے والی ہے، کیونکہ اس کی رضا ایسی صفت ازلی ہے کہ جو باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے، یہ ابتداء و انتہا اور وقت و زمانے کے بدلنے سے نہیں بدلتی، نہ ہی اطاعت و عصیان سے بدلتی ہے، تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رب کے چنیدہ ہونے میں ابد تک باقی رہنے والے ہیں تو وہ (سرزد ہونے والی) لغزشوں، غیر اولیٰ معاملات اور خواہشات کی وجہ سے اپنے رتبوں سے ساقط نہیں ہوتے۔ کیونکہ اہل رضا اس کی رعایت رکھنے کی وجہ سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ ان پہ اہل بُعد (یعنی رضائے الٰہی سے دور لوگوں) کی صفات جاری نہیں ہوتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رب تعالیٰ کی رضا سے یوں متصف ہو گئے کہ وہ بھی رب سے راضی ہو گئے جیسا کہ ان سے رب راضی ہوا۔"

(تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۴۳)

معاویہ کے گروہ کے تمام لوگ ناقثین (عہد شکن) ہیں: قاری ظہور:

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے کہ ہم نے دلائل سے ثابت کر دیا کہ ہے تمام صحابہ نے اپنا عہد بھی نبھایا اور بیعت پہ بھی قائم رہے، مگر ایک یہ ادھار کا "ریسرچ اسکالر" ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عہد شکن ثابت کرنے پہ بضد ہے، اس کی عبارت ملاحظہ:

"ابو الغادیہ الجہنی صحابی تھا مگر ناقثین (عہد شکن لوگوں) میں شامل ہو کر سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قاتل بن گیا۔" (صلح الامام الحسن ص ۱۰۵)

جواب: صحابی تو کوئی بھی عہد شکن نہیں تھا، ہاں مگر تم خود ضرور بد اعتقاد ہو:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے خود بھی اور ائمہ دین نے بھی گواہیاں دی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی عہد نہیں توڑا۔ مگر اس بدذات انسان کی ہٹ دھرمی دیکھیں کہ جان بوجھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناقثین میں شمار کر رہا ہے۔ پھر غور کریں کہ صرف حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کو ہی عہد شکن نہیں کہا بلکہ "ناقثین

(عہد شکن لوگوں) میں شامل ہوکر" لکھ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت ان کے پورے گروہ کو ہی عہد شکن قرار دے دیا۔ حالانکہ ان کے ساتھ کئی تابعین کے ساتھ ساتھ درجن سے زائد اور صحابہ بھی تھے، موصوف کی اس ہرزہ سرائی پہ ہم یہ ہی کہہ سکتے ہیں۔

کسی ایک صحابی کی گستاخی سے تمام صحابہ کی گستاخی متصور نہیں ہوتی۔ (قاری ظہور):

موصوف ہمہ وقت اس تاک میں رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کی تنقیص کا کوئی پہلو ہاتھ سے نہ جانے دیں، مگر معہذا اشائد انہیں یہ خوف بھی دامن گیر ہو جاتا ہے کہ ایسا کرنے سے لا محالہ اہل اسلام کی جانب سے تردیداً یہ کہا جائے گا کہ یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گستاخ ہے تو اس حقیقت کا سامنا کرنے سے بچنے کے لئے لکھتے ہیں:

> "جب کسی ایک عالم دین کی بے اعتدالیوں پر کلام کرنے کو تمام علماء کرام کی بے ادبی نہیں سمجھا جاتا تو پھر کسی صحابی کہلانے والے شخص کی بے اعتدالیوں پر کلام کرنے کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے ادبی کیونکر تصور کیا جاتا ہے۔" (صلح الامام الحسن ص ۲۵۵)

جواب نمبر:۱۔ موصوف کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی عام عالم دین پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لغزشوں اور مشاجرات کو کسی عام عالم دین کے معاملات پر قیاس کرنا مردود اور غلط ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے تو "ستکون لا صحابی بعد زلة یغفرها الله لهم لسابقتهم" کا فرمان جانفزا اور "وکلا وعد الله الحسنیٰ" کی ڈگری آچکی ہے، جبکہ ان کے سوا کسی دوسرے کو یہ شرف حاصل نہیں ہے، پھر ان کے مشاجرات کو اجتہاد اور کسی بہترین تاویل پہ محمول کرنا ساری امت کی طرف سے اجماعی عقیدے کے طور پر چلتا آرہا ہے۔ مگر ان کے سوا کے لئے نہیں۔

جواب نمبر:۲۔ اسلاف کے نزدیک کسی ایک صحابی کی گستاخی کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی سمجھا جاتا تھا:

موصوف اگر دیانتداری سے کام لیتے تو کبھی بھی اس طرح کی بے تکی نہ ہانکتے، اس لئے کہ ہمارے سلف صالحین اس بات کی باقاعدہ وضاحت فرما چکے ہیں کہ کسی ایک صحابی کی توہین کرنا جمیع صحابہ کرام کی توہین

کرنے جیسا ہے. بلکہ اس بابت تو خاص کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کو جمیع صحابہ کی توہین قرار دیا گیا ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

انما الاسلام کدار لها باب فباب الاسلام الصحابة فمن اذى الصحابة انما اراد الاسلام كمن نقر الباب انما يريد دخول الدار قال: فمن اراد معاوية فانما اراد الصحابة

"اسلام اس گھر کی طرح ہے جس کے دروازے ہوں، پس اسلام کے دروازے صحابہ ہیں، تو جس نے صحابہ کو اذیت دی گویا اس نے اسلام کو اذیت دینے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ جو دروازہ توڑنا چاہتا ہے وہ گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے، پس جو کوئی حضرت معاویہ کے درپے ہوتا ہے تو وہ جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درپے ہوتا ہے۔" (تہذیب الکمال ج ۱ ص ۱۰۹، ترجمہ نمبر ۴۸)

غور کریں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درپے ہونے کو جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درپے ہونا قرار دیا ہے۔

ہر صحابی کے لئے محب اہلبیت ہونا ضروری نہیں ہے۔ (قاری ظہور):

موصوف ایک جگہ یوں گل فشانی کرتے ہیں:

"اگر کہا جائے کہ یہ سب روایات اس لئے قابل قبول نہیں کہ وہ (معاویہ) صحابی تھے اور کوئی صحابی مبغض اہلبیت نہیں ہوسکتا تو اس پر گزارش ہے کہ اگر ہر صحابی کہے جانے والے شخص کا محب اہلبیت ہونا لازمی ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار اور مختلف الفاظ میں اہلبیت کرام f سے بغض رکھنے والے کے لئے ترہیب وتنبیہ کیوں فرماتے؟ اور ایسے شخص کو بے ایمان کیوں فرماتے؟ کیا اس قسم کی تمام احادیث نبویہ غیر صحابہ کے لئے ہیں؟" (صلح الامام الحسن ص ۱۵۱)

جواب: حسب عادت موصوف کی یہ بات بھی حماقت وغوایت اور سفاہت پر مبنی اور برخلافِ حقیقت ہے:

حسب عادت موصوف کی یہ بات بھی حماقت وغواہیت اور حماقت پر مبنی اور برخلاف حقیقت ہے۔ اس لئے کہ اگر جمیع صحابہ کرام بشمول اہل بیت کو آپس میں صاف دل، رحم کرنے والے اور کینہ وبغض سے پاک، ایک

دوسرے سے محبت کرنے والے نہ مانا جائے تو درج ذیل آیات قرآنیہ جھوٹی قرار پائیں گی۔ معاذ اللہ۔ اور قرآن مجید کی کسی آیت کی تکذیب سے کروڑہا درجے بہتر ہے کہ ایسے بکواس کرنے والے کو ہی کذاب ولعین قرار دے دیا جائے۔"

۱۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحماء بینھم
"محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم ہیں۔"
(ترجمہ کنز الایمان، الفتح ۲۹:)

۲۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فألف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا
"اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا (دشمنی تھی) اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے۔" (ترجمہ کنز الایمان، العمران ۱۰۳:)

یہ آیات صاف طور پر بیان کر رہی ہیں کہ ان لوگوں میں جو آپسی ذاتی رنجشیں تھیں وہ سب کی سب ایمان لانے سے پہلے تھیں، مگر جس وقت وہ ایمان لا کر شرف صحابیت سے مشرف ہو گئے تو رب تعالیٰ نے انہیں آپس میں رحم و پیار کرنے والے مخلص بھائی بھائی بنا دیا۔ اسی لئے اس بات پر ساری امت کا اجماع چلا آ رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو مشاجرات و معاملات رونما ہوئے وہ ہرگز ہرگز ذاتی رنجشوں پر محمول نہیں تھے بلکہ ان میں سے ہر ایک کی نیت خیر کی تھی۔ یعنی ہر ایک اپنے اجتہاد پر گامزن تھا اس پر ہم کئی تصریحاتِ ائمہ نقل کر چکے ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار اور مختلف الفاظ سے اہلبیت سے بغض رکھنے والے کے لئے ترہیب و تنبیہ کیوں فرمائی؟ تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہلبیت سے بغض رکھنے والے تھے، جن کو سرکار علیہ السلام نے اس سے منع کیا ہے۔

صحابیت ایک کیسی چیز ہے اور بہت سے صحابہ مرتد بھی تو ہو گئے تھے: (قاری ظہور)

یہ موصوف کے قلم کا کمال ہے کہ چشم زدن میں جسے چاہتے ہیں جماعت صحابہ سے خارج قرار دے دیتے ہیں اور اگر جوش پہ آئے تو مرتدین و منافقین کو بھی صف صحابہ میں شامل قرار دے دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:

> صحابیت بھی ایک کیسی چیز ہے اور وہ جزو لاینفک نہیں جس کا انسان سے جدا ہونا ممکن نہ ہو آخر بہت سے صحابہ مرتد بھی تو ہو گئے تھے؟ (الاحادیث الموضوعہ، ص ۲۱)

جواب نمبر: ۱۔ صحابیت کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے:

موصوف کا یہ کہنا کہ صحابیت ایک کسبی چیز ہے یہ بھی حقائق سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ احادیث میں اس کی باقاعدہ صراحت ملتی ہے کہ تمام صحابہ کا انتخاب خود رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان اللہ عزوجل اختارنی و اختارلی اصحابا

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چن لیا اور میرے لئے اصحاب کو چن لیا“

(معجم اوسط حدیث نمبر ۴۶۷، معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم حدیث نمبر ۴۰۴۰، مستدرک ج ۳، ص ۶۳۲، معجم کبیر ۱۳۸۰۹، وغیرہا)

اس مضمون کی دیگر احادیث ملاحظہ کرنے کے لئے مقدمہ کتاب کا مطالعہ کریں۔ اس حدیث نے واضح کر دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی حادثاتی طور پر کلمہ نہیں پڑھا بلکہ نگاہ قدرت نے ان میں سے ہر ایک کا ازل میں ہی انتخاب فرما رکھا تھا۔

جواب نمبر: ۲۔ اگر یہ ایسی ہی کسبی چیز ہے تو پھر تم کیوں صحابی نہیں بن سکے؟

اگر صحابیت ایسی ہی کسبی چیز ہوتی تو پھر لازم تھا کہ قیامت تک ہر کس و ناقص اس شرف سے مشرف ہو جاتا، یا کم از کم تم تو صحابی بن جاتے جو اس نظریے کے قائل ہو، یا پھر ظاہری زمانہ کا ہر فرد ہی صحابی بن جاتا حالانکہ ایسا ہرگز نہیں تو ثابت ہوا کہ تمہارا یہ دعویٰ ہی غلط و مردود ہے۔

جواب نمبر: ۳۔ کوئی صحابی مرتد نہیں ہوا، یہ صرف تمہاری بداعتقادی کا نتیجہ ہے:

اس کور باطن اور نام نہاد ”ریسرچ اسکالر“ کو کون سمجھائے کوئی صحابی مرتد نہیں ہوا۔ کیونکہ جو مرتد ہو گیا وہ صحابی رہتا ہی کب ہے؟ اصل بات تو یہ ہے کہ صحابی ہوتا ہی وہ ہے جو حالت ایمان میں سرکار علیہ السلام سے ملاقات کرے اور ایمان پر ہی اس کا وصال ہوا ہو۔

کیا یہی تعریف تم نے خود شرح اسی المطالب ص ۱۴۹ پر نہیں لکھی؟ محسوس ہوتا ہے کہ یا تو آپ کا حافظہ کمزور کر دیا ہے یا پھر آپ کو علمی بدہضمی ہو چکی ہے جو ایسی یاوہ گویاں ہانک رہے ہو۔

جو لوگ صحبت نبوی کے شرف کو قائم نہ رکھ سکے علماء نے ان کی تعظیم سے دست

برداری کی ہے بلکہ انہیں برا بھی کہا ہے۔ جیسے بسر بن ابی ارطاۃ (قاری ظہور):

موصوف شرف صحابیت کا انکار علماء پر بہتان اور صحابی رسول حضرت بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ کی توہین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''فی الجملہ یہ کہ جو لوگ دیدار نبوی اور صحبت نبوی ﷺ کے شرف کو قائم نہ رکھ سکے اور نبی کریم ﷺ کے بعد مستقیم نہ رہے تو علماء کرام نے نہ صرف یہ کہ ان کی تعظیم سے دست بردار ہو گئے ہیں بلکہ انہیں برا بھی کہا ہے۔ مثلاً امام دارقطنی نے بسر بن ارطاۃ صحابی کے ان مظالم کی وجہ سے جو اس نے اپنے بادشاہ معاویہ کے حکم سے ڈھائے تھے۔ اس کو صحابی ماننے کے باوجود لکھا ہے :ولم یکن له استقامۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (نبی کریم ﷺ کے بعد اس کی استقامت نہیں رہی تھی) محدث یحییٰ بن معین اور دوسرے حضرات نے اس کو رَجُلُ سُوْء (برا آدمی) کہا ہے...... قدیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک بھی صحبت مصطفیٰ ﷺ سے فائدہ نہ اٹھانے والے لوگ قابل تعظیم نہیں تھے۔''

چنانچہ حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا! بعض لوگ کہتے ہیں : میرا باپ رسول اللہ ﷺ کا صحابی تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھی تھا، حالانکہ پرانی جوتی بھی اس کے باپ سے بہتر ہے۔''

.... حافظ ہیثمی نے لکھا ہے۔ اس کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور ان کے تمام راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔ اس کلام میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس شخصیت کی صحابیت کا انکار نہیں کیا۔ اسی طرح امام طبرانی عبدالرحمان بن میسرہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: ''سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے قریب سے ایک شخص گزرا تو اس نے کہا: ان دو آنکھوں نے کامیابی پائی جو رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ اس پر سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ انتہائی غضب ناک ہوئے اور فرمایا :لوگو! اس امر کی تمنا مت کرو جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مخفی رکھا ہے۔ بہت سے لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا لیکن انہوں نے آپ نے دیدار سے فائدہ نہ اٹھایا......''

دراصل مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے بعد کسی شخص کا محض قافلہ صحابیت میں شامل ہونا ہی کافی

نہیں مانا گیا بلکہ اس کے عمل کو دیکھنے کی بات بھی کی گئی ہے اور اس پر مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کی اتباع بالاحسان بھی لازم کی گئی ہے۔" (الاحادیث الموضوعہ ص ۲۱ تا ۲۳)

جواب نمبر ۱: حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ بھی صحابی رسول اور قابل تعظیم ہیں:

موصوف نے حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے بارے بھی جو تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے یہ بھی سراسر غلط اور علماء پہ بہتان تراشی پہ مبنی ہے۔ صاحب صوارم حیدریہ نے اس پر زبردست کلام کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہی نقل کر دیا جائے! علامہ غلام حسین قادری صاحب رقمطراز ہیں:

"بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کو دارقطنی کا یہ کہنا کہ "ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد استقامت حاصل نہ رہی۔" اس کی سند ہی درست نہیں۔ بالفرض اگر ان کا قول ثابت بھی ہوتا تو بھی قرآن و سنت اور ائمہ اہلسنت کی تصریحات کے خلاف ہونے کے سبب متنازع و باطل قرار پائے گا۔"

آپ نے یحیٰی بن معین کا قول لکھا حالانکہ یحیٰی بن معین کے نزدیک بسر بن ارطاۃ صحابی نہیں ہیں۔ وہ ان کو تابعی مانتے ہیں، حافظ مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وقال یحیی بن معین لا تصح له صحبة یحیٰی بن معین کہتے ہیں! یہ صحابی نہیں ہیں۔ (الانابۃ الی معرفۃ المختلف فیھم من الصحابہ ج ۱ ص ۱۱، رقم ۹۷)

یہاں امام منذری رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ یحیٰی بن معین کا ان کو برا کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک صحابی نہیں۔ کیونکہ اگر صحابی ہوتے تو یحیٰی بن معین ان کے بارے اس طرح کی بات نہ کرتے، لیکن موصوف لکھتے ہیں:

"بسر بن ارطاۃ کے حالات کے مطالعہ کے دوران میرے سامنے بعض اکابر محدثین کرام n کی ایسی عبارت آئی جو عقائد اہلسنت کے منافی ہے۔ یعنی اس سے غیر نبی کی عصمت کے عقیدے کی بو آتی ہے اور چونکہ اکثر لوگ قولاً کم عملاً زیادہ ایسا ہی نظریہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہاں اس عظیم محدث کے الفاظ نقل کر کے ان کی تردید کر دی جائے تا کہ عوام و خواص سب کے سامنے اصل حقیقت آجائے۔"

امام زکی الدین عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بسر "ب" کی پیش اور "س" اور آخر میں "ر" کے ساتھ ہے۔ یہ قریشی عامری ہے اور اس کی کنیت ابو عبدالرحمان ہے۔ اس کی صحابیت میں اختلاف ہے۔ ایک تو قول یہ ہے کہ یہ صحابی تھا اور دوسرا قول

یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں تھا۔ اس کی پیدائش وصال نبوی ﷺ سے دو سال قبل ہوئی۔ اس کے واقعات مشہور ہیں، محدث یحییٰ بن معین اس کو برا سمجھتے" وھذا یدل علی انہ عندہ لا صحبۃ لہ اور یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک وہ صحابی نہیں تھا۔"

مختصر سنن ابی داؤد ج ۳، امام منذری کا یہ تبصرہ عقائد اہلسنت کے سراسر خلاف ہے۔ کیا یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ : سر بن ارطاۃ کے جو واقعات مشہور ہیں وہ اس سے فقط اس لئے سرزد ہوئے کہ وہ صحابی نہیں تھا۔ کیا صحابی سے ایسے ظالمانہ واقعات سرزد نہیں ہو سکتے؟ کیا صحابہ معصوم تھے؟ چلیں فرض کیا کہ بسر صحابی نہیں تھا، لیکن جس کے حکم پر وہ سارے مظالم ڈھاتا رہا وہ عندالمحدثین صحابی ہے یا نہیں؟ (ص ۷۰)

امام منذری رحمۃ اللہ علیہ تو بخوبی عقیدہ اہلسنت جانتے تھے اور عقیدہ اہلسنت ہی بیان فرما رہے ہیں۔ موصوف خود نہیں سمجھ سکے کہ امام منذری کا مقصود صحابہ کے لئے معصومیت ثابت کرنا نہیں تھا، بلکہ اس بات کا بیان کرنا تھا کہ اگر یہ صحابی ہوتے تو یحییٰ بن معین ان کو برا نہ کہتے۔ "برا کہا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ صحابی نہیں مانتے۔ کیونکہ اہلسنت کا بالاتفاق عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم کی جائے گی اور ان پر طعن کی جو باتیں منقول بھی ہیں تو ان کے اچھے محامل اور بہترین تاویلات موجود ہیں۔

❁ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یجب تعظیمھم والکف عن مطاعنھم (الی ان قال) وما نقل من المطاعن فلہ محامل وتاویلات و مع ذلک فلا تعادل ما ورد فی مناقبھم وحکی عن آثارھم نفعنا اللہ بمحبتھم اجمعین وجعلنا اللہ لھدیھم متبعین وعصمنا عن زیغ الضالین

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم کرنا اور ان پر طعن کرنے سے اجتناب کرنا واجب ہے اور جو ان کے بارے میں مطاعن منقول ہیں تو ان کے محمل اور تاویلات موجود ہیں۔ علاوہ ازیں یہ ان کے مناقب کے مقابل نہیں ہو سکتے جو ان کے مناقب میں وارد ہوا اور ان کے حالات کے بارے میں مروی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام کی محبت کے ساتھ نفع عطا فرمائے۔ ہمیں ان کے طریقے پر چلنا نصیب فرمائے اور ہم کو بھٹکے ہوئے لوگوں کے ٹیڑھے پن سے بچائے۔" (طوالع الانوار من مطالع الانظار ص ۲۴۶_۲۴۷)

مام منذری m کا کلام بالکل صاف ہے، جہاں تک رہے بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے واقعات تو اولاً اس میں کوئی بھی سند صحیح کے ساتھ ثابت نہیں۔ ثانیاً ان واقعات کو موصوف نے روافض کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہی روش خوارج ونواصب کی ہے کہ وہ حضرت خارجہ حضرت جاریہ بن قدامہ اور

مالک الاشتر کے افعال کو حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ہم اہلسنت الحمدللہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان امور سے بری جانتے اوران سے بڑھ کر سیدنا مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بری سمجھتے ہیں۔“ (الصوارم الحیدریہ ص ۴۵ تا ۴۸)

جواب نمبر: ۲۔ موصوف نے حضرت ابن عباس اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی روایات پیش کرنے میں بھی حقیقت پوشی اور خیانت سے کام لیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال میں بھی موصوف نے خیانت سے کام لیا ہے۔ کیونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول پر موصوف نے چار کتابوں کے حوالے دئے ہیں۔ مجمع الزوائد، کشف الاستار، البحر الزخار اور مختصر زوائد البزار اصل یہ البحر الزخار یعنی مسند بزار کی روایت ہے۔ امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند البزار کے زوائد کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے۔ جس کا نام آپ نے کشف الاستار رکھا ہے اور اسی کشف الاستار کا خلاصہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر زوائد البزار کے نام سے کیا ہے اور مجمع الزوائد بھی حافظ ہیثمی ہی کی ہے کتاب ہے۔ جس میں یہ حدیث مسند بزار ہی کے حوالے سے مذکور ہے۔

اس اثر سے موصوف یہ ثابت کر رہے ہیں کہ قدیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک وہ حضرات جنہوں نے صحبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فائدہ نہ اٹھایا وہ لوگ قابل تعظیم نہیں ہے۔ افسوس فیضی صاحب نے یہاں بڑی خیانت کی ہے۔ جن چار کتابوں کے انہوں نے حوالے دئیے ہیں ان میں سے تین کتابوں میں یہ روایت منافقین کے لئے لکھی ہوئی ہے، حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع الزوائد اور کشف الاستار دونوں میں یہ حدیث ”باب صفۃ المنافقین“ میں ذکر کی ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منافقین کی علامات کے بیان میں نقل کیا ہے۔ یعنی حضرت سیدنا ابن عباس منافقین کا حال بیان کر رہے ہیں اور فیضی بے فیض اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر منطبق کر رہے ہیں۔ اس سے ان کی دیانت یا جہالت کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں۔

(الصوارم الحیدریہ ص ۴۹۔ ۴۸ بتغیر یسر)

ویسے بھی یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں ”عدی بن ثابت انصاری کوفی جو راوی ہے یہ غالی شیعہ تھا (تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۱۶۵، میں ہے قال ابن معین شیعی مفرط قال ابو حاتم، صدوق وکان امام مسجد الشیعۃ ابن معین کہتے ہیں، یہ غالی شیعہ ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں یہ صدوق ہے لیکن شیعوں کی مسجد

کا امام وخطیب تھا) یونہی "سلمان اعمش" کی تدلیس کے بارے محدثین نے بلا استثناء واضح کلام کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الاحادیث الراویہ ص ۲۰۵ تا ۲۰۷۔

یونہی موصوف نے دوسرے اثر (حضرت مقداد بن اسود والی روایت) سے استدلال کرنے میں بھی دھوکہ دہی کی ہے اور خیانت سے کام لیا ہے، کیونکہ اس اثر پر موصوف نے چار حوالے دیئے ہیں۔ امام طبرانی کی معجم کبیر اور مسند الشامین کا اور تاریخ دمشق اور مختصر تاریخ دمشق کا اور تاریخ دمشق کے حوالے سے انہوں نے بریکٹ میں مفصلا کا کلمہ لکھا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ روایت تاریخ دمشق میں مفصل ہے۔

ہم یہاں وہ روایت مفصلا ذکر کر دیتے ہیں جس سے سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی مراد واضح ہو جائے گی اور فیضی کی خیانت بھی آپ کے سامنے ظاہر ہو جائے گی۔ (راقم ترجمہ نقل کر رہا ہے)

حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک دن ہم مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تو وہاں سے ایک آدمی گزرا اس نے کہا ان آنکھوں کو مبارک ہو جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔ بخدا ہم بھی خواہش رکھتے ہیں کہ وہی کچھ دیکھتے جو آپ نے دیکھا تھا اور اسے ملاحظہ کرتے ہو جس کو آپ نے ملاحظہ کیا تھا، یہ سن کر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ جلال میں آ گئے مجھے بہت تعجب ہو رہا تھا کہ اس نے درست بات ہی کی ہے۔ پھر سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ اس کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا: ایسی بات کی تمنا پر کیا چیز ابھارتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں سے غائب رکھی ہے۔ اسے کیا معلوم کہ اگر وہ اس وقت موجود ہوتا تو کیا کرتا؟

واللہ لقد حضر رسول اللہ ﷺ اقوام اکبھم اللہ علی مناخر ھم فی جھنم لم یعینوہ ولم یصدقوہ

اللہ کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایسے لوگ آئے جنہیں اللہ نے جہنم میں اوندھے منہ گرا دیا ہے۔ انہوں نے نہ تو آپ کی بات مانی اور نہ ہی آپ کی تصدیق کی تھی۔ کیا ہم اللہ کی حمد وثنا نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس وقت دولت اسلام دی ہے۔ جب تم اپنے رب ہی کو جانتے ہو اور تم نے اپنے نبی کی لائی ہوئی ہر چیز کی تصدیق کر دی ہے اور تکذیب کی بلائیں دوسرے لوگوں پر جا پڑیں (تم محفوظ ہو گئے) بخدا! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی نبی سے زیادہ مشکل وقت ظہور فرمایا: یہ وقت دور فترت کا زمانہ اور دورہ جہالت تھا لوگ بتوں کے علاوہ کسی کی عبادت کو بہتر نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ آپ قرآن لے کر آئے جس نے حق و باطل میں فرق کر دیا، باپ بیٹے میں فرق کر دیا حتیٰ کہ کوئی شخص اپنے والد، بیٹے یا دادا کو کافر دیکھتا لیکن چونکہ اللہ

نے اس کے دل کا تالا کھول کر اسے ایمان نصیب کر دیا تھا وہ جان چکا تھا کہ اس حال (یعنی کفر) میں ہلاک ہونے والا دوزخ میں جائے گا اور جب وہ یہ دیکھتے کہ وہ دوزح میں جائے گا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں گی، دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :اور جو عرض کرتے ہیں اے اللہ ہمارے رب ہمیں دے ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ (تاریخ دمشق ج ۴۰، ص ۱۸۰)

ملاحظہ فرمائیں جو باتیں منافقین، کافروں، مشرکوں کے بارے میں ہیں ان کو یہ صاحب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر منطبق کر رہے ہیں، یاللعجب! کیا اس کو تحقیق کہتے ہیں۔ کیا ایسے ہوتے میں ریسرچ اسکالر کیا مصطفیٰ کریم ﷺ کی صحبت کا شرف پانے والے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہا جائے گا، کیا صحابی ماننے کے باوجود ان کو روئت مصطفیٰ کریم ﷺ فائدہ نہ دے گی اور یہ قابل تعظیم نہ ہوں گے؟

(الصوارم الحیدریہ ص ۵۰ تا ۵۲)

معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور سمرہ بن جندب متنازعہ صحابہ کے لئے ”رضی اللہ عنہ“ جیسے تعظیمی الفاظ استعمال کرنے کے باعث گنہگار ہونے کا خدشہ ہے۔ (قاری ظہور)

موصوف نے اپنے گمراہ قلم کی بے باکی کا مزید بدترین مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم کو متنازعہ قرار دیتے ہوئے ان کے ناموں کے ساتھ ”رضی اللہ عنہ“ جیسے تعظیمی الفاظ کو باعث خدشہ یعنی نادرست و ناجائز قرار دیتے ہوئے پہلے تو تذبذب کا قول کیا پھر ناجائز کا ملاحظہ ہو: لکھتے ہیں:

> ”اس سلسلے میں (یعنی ان کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ وغیرہا الفاظ تعظیم استعمال کرنے چاہیئے یا نہیں؟) راقم الحروف مذبذب ہے۔“ (الاحادیث الموضوعہ ص ۲۴)

پھر چند سطور کے بعد لکھا:

> ”فی الجملہ یہ کہ فی الحال میں ایسے تعظیمی الفاظ کو ترک کر رہا ہوں، چونکہ غیر متنازعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ بھی ایسے الفاظ کا استعمال صرف مستحب ہے، واجب نہیں اور مستحب کے ترک میں گناہ نہیں ہوتا۔ جبکہ دوسرے پہلو میں مجھے خدشہ محسوس ہو رہا ہے۔“ (الاحادیث الموضوعہ ص ۲۴)

پھر غیر مقلد عالم وحید الزمان کے اس قول (صحابہ کرام کے لئے رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے، ماسوا ابوسفیان، معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور سمرہ بن جندب کے) کو نقل کر کے اس کی تائید و تحسین کرتے ہوئے لکھا:

''علامہ وحید الزماں کا موقف قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح ثابت ہوا کہ وہ ''رضی اللہ عنہ'' کے مستحق نہیں رہے۔'' (الاحادیث الموضوعہ ۲۳)

جواب نمبر: ا۔ بلا استثناء تمام صحابہ کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' وغیرہ کلمات تعظیمیہ استعمال کرنا باعث گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے اور عناداً ترک کرنا گناہ ہے:

غور فرمائیں کہ موصوف کس ڈھٹائی اور بد عقیدگی سے بغض صحابہ کا اظہار کر رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ''رضی اللہ عنہ'' کہنا باعث گناہ کا خدشہ ہے، حالانکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کے ناموں کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کہنا اگرچہ مستحب اور باعث ثواب ہے۔ مگر عناداً ترک کرنا باعث گناہ ہے۔ WIس سلسلہ میں صاحب صوارم حیدریہ کا زرشکل کلام ملاحظہ ہو:

''ہمارے ائمہ اہلسنت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' لکھا جائے گا، کسی کا بھی استثناء نہیں ہے۔''

- امام نووی، علامہ عبد الرحمٰن بن کلیوبی اور علامہ علاء الدین الحصکفی رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

والنظم للنووی یستحب الترضی والترحم علی الصحابة والتابعین فمن بعد هم من العلماء والعباد وسائر الاخیار. فیقال رضی الله عنه او رحمة الله او رحمه الله ونحوذلك (واما) ماقاله بعض العلماء ان قول رضی الله عنه مخصوص بالصحابة ویقال فی غیر هم رحمه الله تعالیٰ فقط. فلیس كما قال :ولا یوافق علیه بل الصحیح الذی علیه الجمهور واستحبابه ودلائله اكثر من ان تحصر

''صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والے علماء اور عبادت گزار لوگوں اور تمام نیک لوگوں کے لئے رضی اللہ عنہ اور m اور رحمہ اللہ تعالیٰ یا اس طرح کے تعظیمی جملے کہے جائیں گے اور یہ جو بعض علماء نے کہا ہے کہ ''رضی اللہ عنہ'' صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کے علاوہ کے لئے m استعمال کیا جائے گا تو ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ انہوں نے کہا اور اس پر ان کی موافقت نہیں کی گئی، بلکہ صحیح وہ قول ہے جس پر جمہور ہیں، یعنی اس کا مستحب ہونا اور اس کے دلائل بکثرت ہیں۔''

(المجموع شرح المہذب ج ۶ ص ۱۷۲، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ج ۴ ص ۴۶۱، الدر المختار ص ۷۵۹)

ان تمام تر نقول سے مذہب اہلسنت بالکل واضح ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا

مستحب ہے...... محترم قارئین! آپ پڑھ چکے ہیں کہ اہل سنت جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کرتے ہیں، ان کو معصوم کوئی نہیں مانتا جب ایک عام میت کے بھی محاسن کا ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے بارے میں خود رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

> وکلا وعد اللہ الحسنی واللہ ما تعملون خبیر
>
> ''ان کا ذکر خیر کے ساتھ کیوں نہیں کیا جائے گا ان کے محاسن کیوں ذکر نہیں کئے جائیں گے، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی تو یہ بھی لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں اور صحابی کی تعظیم تو ضروریات مذہب اہلسنت سے ہے......''

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اجلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمرہ میں شامل اور ان کے طریقے کا پر ہی تھے، آپ حدیث حسن (اصحابی کالنجوم) کے تحت خود ہدایت کے تارے ہیں اور اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا کی حدیث حسن میں موجود مقبول دعائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق خود بھی ہدایت یافتہ اور اوروں کو بھی ہدایت دینے والے ہیں. ہاں معصوم نہ آپ ہیں نہ کوئی اور صحابی رضی اللہ عنہ...... یہ (قاری ظہور فیضی) وہ شخص ہے جو بدمذہبوں کے ساتھ تعظیمی کلمات علامہ ''مولانا'' شیخ الحدیث لکھنے میں کوئی خدشہ محسوس نہیں کرتا، حالانکہ ان کی بدمذہبی ظاہر ہے، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعظیمی کلمات لکھنے میں خدشہ محسوس ہو رہا ہے۔

ثانیاً، تعظیمی کلمات کہنا لکھنا اگرچہ مستحب ہے، لیکن اس کا ترک اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدم تعظیم کی نیت سے ہو تو یہ بدمذہبی ہے۔ حسن بن صالح کی عادت تھی وہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے رحمت کی دعا نہیں کرتا تھا یعنی اس طرح کے تعظیمی کلمات استعمال نہیں کرتا تھا، فی نفسہ ثقہ راوی تھا۔

امام وکیع نے اس کے بارے میں کہا تھا کہ وہ میرے نزدیک امام ہے، اس پر کسی نے کہا وہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ترحم (رحمت کی دعا) نہیں کرتا، حضرت وکیع نے جواب میں کہا: کیا تو حجاج پر ترحم کرتا ہے۔ حافظ وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات پر امام ذہبی لکھتے ہیں:

> قلت ھذہ سقطۃ من وکیع، شتان مابین الحجاج وبین عثمان، عثمان خیر اھل زمانہ وحجاج شر اھل زمانہ
>
> ''یہ وکیع کی طرف سے بڑی خطا ہے، کہاں حجاج اور کہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان، تو اپنے زمانے کے سب سے بہتر شخص ہے اور حجاج اپنے زمانے کا بدترین شخص تھا۔''

(تاریخ اسلام ج ۴، ص ۳۳۴)

❁ سیر اعلام النبلاء میں مزید لکھتے ہیں:

ان ترك الترحم سكوت. والساكت لاينسب اليه قول. ولكن من سكت عن ترحم مثل الشهيد امير المومنين عثمان. فان فيه شيئامن تشيع

''رحمت کی دعا کا ترک کرنا سکوت ہے اور سکت پر کوئی حکم نہیں لگے گا. لیکن جو امیر المومنین سیدنا عثمان غنی شہید رضی اللہ عنہ کی مثل کسی پر ترحم سے سکوت کرتا ہے اس کا ایسا کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس میں شیعت موجود ہوتی ہے۔'' (سیر اعلام النبلاء ج ۷، ص ۳۷۰)

یہی حال فیضی کا ہے یہاں مقصود سیدنا امیر معاویہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کی تعظیم نہ کرنا مقصود ہے، اس لئے موصوف کلمات تعظیم کو ترک کر رہے ہیں، نہ صرف کلمات تعظیم کو ترک کر رہے ہیں بلکہ کلمات توہین کا انبار لگانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

فاطمی شہزادے کی ضرب قاہر:

سیدہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گلشن کے مہکتے ہوئے پھول سراج العارفین حضرت سید شاہ ابو الحسن مارہروی رحمۃ اللہ علیہ گویا فیضی جیسوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بہر حال حق واضح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا خطاء اجتہادی تھی۔ اس لئے آپ مغفور ہیں اور خطاء عنادی نہ تھی کہ آپ کو فسق تک پہنچاتی اور آپ پر طعن و تشنیع کو جائز قرار دیتی اسی وجہ سے آپ کے نام نامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا دعائیہ کلمہ ذکر فرمایا تو کون ہے اور تجھے کیا ہو گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی فضیلت پر تو انگل اٹھاتا ہے یا رضی اللہ عنہ کہنے سے زبان بند کرتا ہے اور ہزاروں تیرے جیسے نہ کہیں رضی اللہ عنہ خدا نے خود فرمایا ہے ''رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اے غافل! آنکھ کھول اور پاک نگاہ سے دیکھ کہ یہ مردان. خدا کا عقیدہ ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں (دلیل الیقین من کلمات العارفین ص ۴۳ تا ۴۵)۔ (الصوارم الحیدریہ ص ۵۴ تا ۵۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل آنے والے تمام لوگ (اصحاب و جمل و صفین) خطا، بغاوت اور باطل پر تھے: (قاری ظہور):

موصوف نہ جانے کس نشے میں دھت ہو کر لکھتے ہیں کہ انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ قرآن و سنت اور

مذہب اہلسنت کے خلاف کہاں تک پہنچ جاتے ہیں، غور کریں کہ ذیل کی عبارت میں اصحاب جمل وصفین میں شریک صحابہ کرام کو خطا، بغاوت اور باطل پر تھے، تک لکھ ڈالا، اس کی عبارت یہ ہے:

> ”انہوں (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے جتنی جنگیں کیں سب میں وہ حق پر تھے اور مدمقابل لوگ خطا، بغاوت اور باطل پر تھے۔“ (شرح اسنی المطالب ص ۶۹۷)

جواب نمبر: ۱۔ جنگ جمل وصفین وغیرہ مشاجرات میں حق اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، مگر ان کے مدمقابل لوگ باطل وغیرہ پر نہیں تھے بلکہ خطاء اجتہادی پر تھے:

موصوف کی یہ رائے قرآن وسنت پر بہتان اور مذہب اہلسنت کی صریح مخالفت ہے، اس لئے کہ صدر اسلام سے لے کر آج تک ساری امت کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ ان جنگوں میں حق اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا مگر ان کے مقابل لوگ باطل وغیرہ پر ہرگز نہیں تھے، بلکہ ان سے خطا اجتہادی سرزد نہ ہوئی اور یہ خطا قابل مواخذہ نہیں ہے بلکہ باعث اجر ہے۔ اس نظریے کی وضاحت کرتے حضرت امام نووی اور حضرت امام ملا علی قاری اور حضرت امام عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”وہ تمام جنگیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جاری ہوئیں۔ ان میں ہر گروہ کو اک شبہ لاحق ہوا اور وہ ذاتی طور پر اسے ہی درست جان رہا تھا اور وہ تمام ان جنگوں میں تاویل کرنے والے تھے۔ ان جنگوں کی وجہ سے ان میں سے کوئی بھی عدالت سے خارج نہیں ہوا، اس لئے کہ وہ تمام مجتہد تھے جن کا مسائل میں اختلاف ہوا جیسا کہ ان کے بعد کے مجتہدین کا مسائل میں اختلاف ہوا۔ اس وجہ سے ان میں کسی کی تنقیص کرنا لازم نہیں آتا۔“ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱۱، ص ۱۵۱)

جواب نمبر: ۲۔ بلکہ صحابہ کا مجتہد ماجور ہونا موصوف کو بھی تسلیم ہے:

”دروغ گورا حافظہ نباشد“ کے مصداق موصوف کو شائد یاد نہ ہو مگر ہمیں یاد ہے کہ اصحاب جمل وصفین کا برحق اور مجتہد ہونا ان کی اپنی تحریروں سے بھی ثابت ہے بلکہ ان کو تسلیم بھی ہے، موصوف روایت ”یدعونہ الی النار“ سے کچھ صحابہ کا استثنیٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”خیال رہے کہ اس معنوی اطلاق سے کچھ لوگوں کو مستثنیٰ سمجھا جا سکتا ہے، کیونکہ ہر شخص کا معاملہ اس کی نیت کے مطابق ہوتا ہے۔“ (صلح الامام الحسن ص ۳۰۹)

ہم کہتے ہیں جس دلیل سے تم نے خود استثناء کرنے کا قول کیا اسی دلیل سے دیگر صحابہ کا بھی استثناء کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟ ایک اور مقام پر لکھا:

> ''اس حدیث سے جہاں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا باب العلم، اعلم ہونا ثابت ہوتا ہے، وہیں سیدنا ابو بکر صدیق h کی خلافت کا حق ہونا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حق پر قائم ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔''

(شرح اسنی المطالب ص ۴۲۹)

ہم کہتے ہیں جب تم خود مان چکے کہ ''تمام صحابہ حق پر قائم تھے'' تو اصحاب جمل و صفین والوں کو خاطی، باغی اور باطل پرست کہتے ہوئے تمہیں کچھ تو غیرت کرنی چاہئے تھی۔

ایک اور مقام پہ لکھا:

> ''چونکہ ان حضرات صحابہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ k، حضرت سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، کے اقدام کو مذاہب اربعہ کے علماء کرام نے مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں مبنی پر خطا قرار دیا اور یقیناً وہ خطا خطاء اجتہادی تھی، جس پر ان شاء اللہ انہیں اجر واحد ملے گا۔''

(شرح خصائص علی ص ۹۴۴)

ہم کہتے ہیں جب ان صحابہ کو مجتہد ماجور مان چکے ہو تو حضرت امیر معاویہ سمیت دیگر صحابہ کو مجتہد ماجور مانتے ہوئے تمہیں موت کیوں پڑتی ہے۔ کیونکہ صحابی ہونے کی حیثیت سے جس قانون اور دلیل سے یہ صحابہ مجتہد قرار دیئے گئے ہیں، وہی قانون اور دلیل کہتی ہے کہ دیگر صحابہ کو بھی مجتہد قرار دیا جائے۔

اصحاب صفین مجتہد نہیں بلکہ باغی تھے (قاری ظہور):

موصوف لکھتے ہیں:

''اصحاب صفین، یہ مجتہدین نہیں بلکہ باغی تھے۔'' (شرح کتاب الاربعین ص ۱۳۴، حاشیہ نمبر ۲)

جواب: ان کا مجتہد ہونا تمہارے اقوال سے بھی ثابت ہے:

ہم ابھی ابھی تمہاری تحریرات سے ثابت کر چکے کہ تم خود ہی تمام صحابہ کو حق پر قائم مان چکے ہو تو جب وہ حق پر قائم تھے اور یقیناً تھے تو ان سے اجتہادی کی نفی اور بغاوت کا اثبات کرتے ہوئے کچھ تو حیاء کرنی چاہئے تھی۔ یونہی اسی عبارت کی ایک سطر پہلے تم نے خود لکھا:

"اصحاب جمل، بلاشبہ یہ اہل تاویل مجتہدین تھے۔" (شرح کتاب الاربعین ص ۱۳۴، حاشیہ نمبر ۳)

یہی حوالہ ہم شرح خصائص علی ص ۹۴۴ سے بھی نقل کر چکے، ہم کہتے ہیں جمل اور صفین والوں میں تمہارا یہ فرق بیان کرنا باطل و مردود ہے۔ اس لئے کہ تمام صحابہ کی حقانیت کے تم خود بھی قائل ہو، دوسرا اس لئے بھی کہ امت کے تمام مستند و معتبر ائمہ کرام نے اصحاب جمل و صفین سبھی کو مجتہد قرار دیا ہے اور اسی پر اہلسنت کا اجماع قائم ہے۔

معاویہ کے لئے اجتہادی خطا کے قائلین چاپلوس حواری اور علماء سوء ہیں۔ (قاری ظہور):

موصوف ساری امت کے علماء کی تردید و تغلیط اور توہین کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بابت لکھتے ہیں:

> "ظالم و نام نہاد خلفاء کے ایسے ظالمانہ اقدام کو ان کے چاپلوس حواری اور علماء سوء خطائے اجتہادی بتا دیتے ہیں۔" (الاحادیث الموضوعہ ص ۲۶۰)

گویا موصوف کی نظر میں صحابہ سمیت ساری امت کے علماء ربانیین چاپلوس اور علماء سوء ہیں۔ موصوف نے یہ جملہ لکھ کر گمراہی و بدعقیدگی کا بدترین مظاہرہ کیا ہے۔ اس لئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کسی عام بندے نے نہیں بلکہ صحابہ کرام اور اجلہ علماء بلکہ ساری امت نے انہیں مجتہد قرار دیا ہے تو گویا موصوف کی نظر میں نعوذ باللہ صحابہ سمیت امت کے تمام علماء ربانیین ہی چاپلوس حواری اور علماء سوء ہیں۔ لعنت ہو ایسی فکر پر بھاڑ میں جائے ایسا نظریہ۔ قارئین کرام! اجمالی طور پر ان ائمہ میں سے چند ایک کے اسماء گرامی ملاحظہ ہوں جنہوں نے حصرت امیر معاویہ کو مجتہد اور صفین وغیرہ ان کے معاملات کو اجتہادی خطا اور ان کی لغزشوں کو معفو قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت امام بخاری، حضرت امام شعرانی، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حضرت امام غزالی، حضرت امام نووی، حضرت امام ملا علی قاری، حضرت امام طبری، حضور سیدنا غوث اعظم، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت عبدالحق محدث دہلوی، امام ابن حجر ہیتمی، علامہ ابن خلدون، حضرت مرزا مظہر خان جاناں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی، حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی، صاحب بہار شریعت مفتی امجد علی اعظمی صاحب رضی اللہ عنہم وغیرہ تفصیل کے لئے کتاب ہذا کا مقدمہ اور راقم کی تصنیف "مقالات عالیہ در مدح امیر معاویہ" اور اس موضوع پہ دیگر کتب اہلسنت کا مطالعہ کیجئے۔

صلح امام حسن کو معاویہ کی اہلیت کی دلیل سمجھنا عدم تدبر کا نتیجہ اور کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ (قاری ظہور):

حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صلح کا ہونا اور حضرت امام حسن کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا بلاشک وشبہ اس حدیث کا مصداق ہے

"ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین"
(بے شک میرا یہ بیٹا سید ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرادے)۔ (بخاری ج۱ص ۲۷۲_۷۳)

اورامت کے کئی اختلافی مسائل کو حل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ان مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت امام حسن h کا بیعت اور صلح کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت امیر معاویہ h امارت کے اہل تھے۔ اگر اہل نہ ہوتے تو حضرت امام حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کبھی بھی ایسا نہ کرتے۔ مگر موصوف قاری اس بات کو بھی عدم تدبر کا نتیجہ قرآن وسنت کے خلاف اور غیر معتبر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "تو بوجہ عدم تدبر بہت لوگ امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کو اہلیت معاویہ کی دلیل سمجھتے ہیں۔ اردو اور عربی وغیرہ میں معاویہ کی اہلیت کے متعلق اس قسم کے جملے بڑے بڑے لوگوں نے استعمال کئے ہیں...... عربی اردو یا کسی بھی زبان میں ایسا مفہوم کسی بھی کتاب میں کسی چھوٹی یا بڑی شخصیت سے منقول ہو تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے کیونکہ یہ خیال کتاب وسنت اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی تصریحات کے منافی ہے۔" (صلح الامام الحسن ص ۳۶_۳۷)

جواب: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضور غوث اعظم اور حضرت شیخ محقق سمیت بڑے بڑے محدثین وفقہاء عدم تدبر کا شکار ہو گئے اور ان کی تحقیقات قرآن وسنت کے مخالف ہیں اور غیر معتبر ہیں؟

موصوف کا یہ نظریہ باطل ومردود ہے، اس لئے کہ امت کے بڑے بڑے ائمہ نے صلح وبیعت امام حسن کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہلیت کی دلیل قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے خلافت سے دستبردار ہو کر امر خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپنے کے بعد ثابت و صحیح ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۱۶۵)

۲۔ قطب الاقطاب حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وفی ھذا دلیل علی ان معاویۃ کان لہ حق الخلافۃ بعد علی رضی اللہ عنہ لان النبی ﷺ جوز الصلح فیما بینھما وکان عادل بعد الصلح مع الحسن

"اس حدیث (ابنی ھذا سید) میں اس بات پر دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امیر معاویہ خلافت کے حقدار تھے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ان (امام حسن و معاویہ) کے مابین ہونے والے معاملات میں صلح کو جائز (وقوع پذیر ہونے والی) قرار دیا ہے اور حضرت امیر معاویہ، حضرت امام حسن سے صلح کرنے کے بعد (بھی) عادل ہی تھے۔" (خزانہ جلالیہ ص ۲۵۴ قلمی نسخہ)

۳۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "ابنی ھذا سید" حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ایں حدیث دلالت دارد بر آنکہ ہر دو فرقہ بر ملت اسلام اند باوجودیکی بر حق واہل سنت وجماعت را اصلح امام حسن رضی اللہ عنہ دلیل است بر صحت امارۃ معاویہ

"یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ وہ دونوں گروہ ہی ملت اسلام پر ہیں باجود اس کے کہ ان میں سے ایک حق پر تھا (اور دوسرا اجتہادی خطا پر تھا) اور اہلسنت وجماعت کے لئے امام حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کرنا ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کی صحیح ہونے کی دلیل ہے۔"

(اشعۃ اللمعات ج ۴، ص ۶۹۷)

۴۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سیدنا امام حسن مجتبیٰ۔ رضی اللہ عنہ کے چھ ماہ مدت خلافت پر ختم ہوئی) عین معرکہ جنگ میں ایک فوج جرار کی ہمراہی کے باوجود) ہتھیار رکھ دیئے (بالقصد والاختیار) اور (اور امور مسلمین کا انتظام وانصرام) امیر معاویہ کو سپرد کر دیا (اور ان کے ہاتھ پر بیعت اطاعت فرمالی) اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ العیاذ باللہ۔ کافر یا فاسق تھے یا ظالم تھے یا غاصب جابر تھے (ظلم وجور پر کمر بستہ) تو الزام امام حسن و پر آتا ہے کہ انہوں نے کاروبار مسلمین وانتظام شرع ودین باختیار خود (بلاجبر واکراہ بلا ضرورت شرعیہ باوجود مقدرت) ایسے شخص کو تفویض فرمادیا (اور اس کی تحویل میں دے دیا اور خیر خواہی اسلام کو معاذ اللہ کام نہ فرمایا۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۱۸، ص ۲۸۴، امام احمد رضا اکیڈمی انڈیا)

۵- شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے قطع نظر خود امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل کہ انہوں نے قوت ہوتے ہوئے بلا جبر و اکراہ صرف مسلمانوں کو خون خرابہ سے بچانے کے لئے خلافت معاویہ کو سپرد فرما دی۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سچے مومن تھے۔ اگر معاذ اللہ وہ منافق ہوتے تو امام حسن مجتبیٰ کبھی بھی اتنی آسانی سے انہیں خلافت سپرد نہ فرماتے۔" (نزہۃ القاری شرح بخاری ج ۳، ص ۸۶۲_۸۶۱)

۶- صاحب بہار شریعت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تو امیر معاویہ پر معاذ اللہ فسق وغیرہ کا طعن کرنے والا حقیقۃً حضرت امام حسن مجتبیٰ، بلکہ حضور سید نا عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ حضرت عزت جل جلالہ پر طعن کرتا ہے۔"

(بہار شریعت ج ۱، الف ص ۲۵۹، مطبوعہ دعوت اسلامی)

قارئین کرام:

آپ غور فرمائیں کہ حضور غوث اعظم اور شیخ محقق جیسے اولیاء وعلماء حق بھی اس صلح کو اہلیت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دلیل قرار دے رہے ہیں بلکہ شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے تو فیصلہ فرما دیا کہ یہ بات کسی ایک آدھ سنی کی رائے نہیں ہے بلکہ سلفاً خلفاً تمام اہلسنت کا ہی یہ مؤقف ہے اور یہ وہی شیخ محقق ہیں جن کے بارے موصوف قاری خود لکھ چکے ہیں کہ:

"سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ الفاظ اس عظیم محدث نے بھی لکھنا پسند فرمائے ہیں، جن کے نام کے بغیر ہند و پاک کے کسی بھی مکتب فکر کی سند حدیث کو وجود نہیں مل سکتا، یعنی شیخ محقق الشاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔" (شرح کتاب الاربعین ص ۷۳)

دوسری جگہ لکھا:

"یہ اقتباس اس شخصیت کی کتاب سے لئے جن کے نام کے بغیر پاک و ہند کے کسی عالم کی علمی سند کامل نہیں ہو سکتی۔" "شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔" (الاحادیث الموضوعہ ص ۱۶۵)

ہم کہتے ہیں جس عظیم ہستی کی فرمائی ہوئی بات کو تم "سب سے بڑی بات" قرار دے رہے ہو اور خود لکھ رہے ہو کہ اس شخصیت کے نام کے بغیر پاک و ہند میں نہ کسی کی علمی سند مکمل ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کی سند حدیث مکمل ہوتی ہے۔ اس عظیم شخصیت نے ہی یہ سب سے بڑی بات کہتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"اہلسنّت و جماعت را صلح امام حسن رضی اللہ عنہ دلیل است بر صحت امارۃ

معاویہ"

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ نظریہ تمام اہلسنّت کا نظریہ ہے اور قرآن وسنت کے عین مطابق ہے، ہاں مگر تمہاری یہ ہفوات و ہزیان ضرور گمراہ کن اور مردود ہے۔ ہم کہتے ہیں تمہاری یہ انفرادی رائے اس لئے بھی مردود اور نظریہ اہلسنّت حق اور درست ہے کہ تم نے خود یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ

"محض کلام کے حسن کی طرف نہیں جانا چاہئے بلکہ محدثین کرام n کی تحقیق پر اعتماد کرنا چاہئے۔"

(الاحادیث الموضوعہ ص ۱۵)

ہم کہتے ہیں ذرا اپنی نگاہوں سے بغض صحابہ او کی سیاہ پٹی اتار کر دیکھیں اہلسنّت کا یہ نظریہ صرف محدثین کرام کی ہی تحقیق کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ فقہاء و مجتہدین و مفسرین و مؤرخین اولیاء و صوفیا اور عوام اہلسنّت کا بھی یہی نظریہ ہے تو اب اس تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا ہے؟ نیز تم نے خود ایسا ضابطہ بیان کیا ہے کہ

"زیادہ معتبر کی بات قابل قبول ہوتی ہے"۔

"اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کی نقل میں منفرد ہیں، لہٰذا قابل اعتبار نہیں، حالانکہ ڈاکٹر (آصف جلالی) صاحب نے ان کے معارضہ میں جتنے اسماء ذکر کئے ہیں امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ ان سب سے زیادہ معتبر ہیں۔" (صلح الامام الحسن ص ۱۹۶)

اور ادھر بھی ہم نے اپنی تائید میں جتنے نام بھی ذکر کئے ہیں بلاشبہ وہ اتنے اونچے نام ہیں کہ معارضہ تو دور کی بات ہے تم ان میں سے کسی کی گرد راہ کے برابر بھی نہیں ہو۔ اس لئے تمہارے بیان کردہ ضابطہ کا بھی یہی تقاضا ہے کہ انہیں ائمہ و اولیاء کی بات معتبر و مقبول ہو اور تمہاری مردود۔

قارئین کرام!

آپ غور کریں کہ موصوف نے اپنے موقف پر "ساری امت میں سے کسی بھی ایک معتبر و مستند امام کا قول پیش نہیں کیا، شائد وہ جانتے ہوں کہ اس سلسلہ میں جدھر بھی منہ کروں گا مایوسی و محرومی کا طمانچہ پڑے گا۔ اس واسطے اپنے تائیں خود ہی مجتہد اور امام وقت بن کر مخالف قرآن وسنت ایک رائے قائم کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے ایک آیت اور ایک حدیث نقل کر دی۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں ان نصوص کا تمہارے دعوے سے ذرا بھر بھی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ائمہ امت کبھی بھی دوسرا نظریہ نہ بیان کرتے اور نہ ہی اسے جملہ اہل سنت کی دلیل قرار دیتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ تمہاری یہ غلیظ رائے خالصتاً تفضیلیوں کی ترجمانی اور منافی اہل حق ہے۔

جواب نمبر: ۲۔ موصوف کا یہود ونصاریٰ کی روش پر چلنا:

قارئین کرام! اگر غور کریں تو اس مقام پر موصوف بھی پوری آب وتاب کے ساتھ روشِ یہود ونصاریٰ پر گامزن نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان کی عادت ثانیہ تھی کہ کتب الٰہیہ میں سے جو چیز ان کے مزاج کے مطابق ہوتی وہ لے لیتے جو مخالف ہوتی اسے چھوڑ دیتے یعنی حکم ربی کے بعض حصے پر ایمان لاتے اور بعض کا انکار کرتے رب تعالیٰ ان کے بارے فرماتا ہے:

افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض

"تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔" (ترجمہ کنزالایمان، بقرہ ۸۵ :)

یہی حال قاری ظہور کا ہے۔ کیونکہ اس کی بھی یہی روش ہے جو بات اس کے حق میں ہو چاہے کسی ہو یا کسی ہو اسے فوراً لے لیتا ہے اور جو اس کے حق میں نہ ہو مزاج کے خلاف ہو چشم زدن میں اس کا انکار کر دیتا ہے۔ چاہے وہ صحیح بات اسی قائل کی ہو جس کو پہلے تسلیم کر چکا ہو۔ جیسے کہ جب بات اس کے حق میں تھی تو حضرت شیخ محقق کی تحسین میں لکھ ڈالا جیسا کہ ابھی گزرا اور جب بات مخالف تھی تو ایک دم بول اٹھے:

"اس قسم کے جملے بڑے بڑے لوگوں نے استعمال کیے ہیں...... ایسا مفہوم کسی بھی کتاب میں کسی چھوٹی یا بڑی شخصیت سے منقول ہو تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔"

(صلح الامام الحسن ص ۳۷_۳۶)

جب اپنے مطلب کی بات آئی تو ان ائمہ کرام کے بارے یہاں تک لکھ دیا:

"ایسی تشریح جو ائمہ کرام کی کم فہمی ثابت کرے وہ مردود ہوتی ہے۔"

(خلاصۂ شرح خصائص علی ص ۳۱۱)

اور جب انہیں ائمہ کی کوئی بات مطلب کے خلاف نظر آئی تو جھٹ سے کہہ دیا:

"ایسا مفہوم کسی بھی کتاب میں کسی چھوٹی یا بڑی شخصیت سے منقول ہو تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔"

(صلح الامام الحسن ۳۷_۳۶)

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے پر فیصلہ کن تصریحات:

قارئین کرام! یہاں تک ہم نے قاری ظہور کے اٹھائے گئے اشکالات کے جوابات کے ضمن میں بھی

ثابت کیا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے وہ ثبوت پیش کرتے ہیں جن میں اس عقیدۂ مصطفیٰ کی تصریح بلیغ کی گئی ہے۔

❁ امام اہلسنت الامام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فیه (دلالة) جواز تقليد الصحابة والاتباع (لهم) والاقتداء بهم لانه مدح عزوجل من اتبع المهاجرين والانصار بقوله "والذين اتبعوهم باحسان ثم اخبر عن جملتهم ان الله راض عنهم (دل) ان التقليد لهم لازم والاقتداء واجب و اذا اخبروا بخبر اوحدثوا بحديث يجب العمل به ولا يسع تركه

''اس آیت کریمہ (حدید ۱۰) میں صحابہ کرام[ز کی تقلید ان کی اتباع اور اقتداء کرنے کے جواز پر دلیل ہے۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ نے اپنے اس قول ''والذین اتبعوہم باحسان'' میں مہاجرین وانصار کی اتباع کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام[ز کے بارے خبر دی ہے کہ وہ ان سب سے راضی ہے۔ (رب تعالیٰ کا یہ خبر دینا) دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام کی تقلید لازم اور ان کی اقتداء واجب ہے اور صحابہ کرام[ز جب کوئی خبر دیں یا حدیث بیان کریں تو اس پر عمل کرنا واجب ہے، اس کو ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔''

(تفسیر تاویلات اہلسنت والجماعۃ ج ۵، ص ۲۶۱)

❁ امام ابن عادل دمشقی فرماتے ہیں:

ومعنى الآيت: ان المتقدمين السابقين والمتاخرين اللاحقين وعدهم الله جميعا الجنة مع تفاوت الدرجات

''اس آیت کا معنی یہ ہے کہ متقدمین سابقین اور متاخرین لاحقین (یعنی بعد میں ملنے والے) ان میں درجات کے تفاوت کے باوجود ان سب سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔''

(تفسیر اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۸، ص ۲۶۵، بیروت)

❁ علامہ اسمٰعیل حقی فرماتے ہیں:

وكلا اى كل واحد من الفريقين... وعد الله الحسنىٰ اى التوبة الحسنى وهى الجنة لا الاولين فقط ولكن الدرجات متفاوتة

''اور سب سے یعنی دونوں گروہوں میں سے ہر ایک سے ...... اللہ نے اچھے ٹھکانے یعنی حسنیٰ

(جنت) کا وعدہ فرمایا ہے نہ کہ صرف اولین سے لیکن درجات میں تفاوت ہے۔"

(تفسیر روح البیان ج۹ ص ۳۵۷)

✽ تفسیر المحرر الوجیز اور البحر المحیط میں ہے:

"والذین اتبعوھم باحسان" یرید سائر الصحابۃ ویدخل فی ھذا اللفظ التابعون
وسائر الامۃ لکن بشرط الاحسان

"والذین اتبعوھم باحسان" سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں اور اس لفظ میں تابعین اور باقی ساری امت بھی داخل ہے، لیکن احسان کی شرط کے ساتھ۔" (زیر آیت محوت عنہا. ج ۵. ص ۱۲۲)

تفسیر زاد المیسر میں "السابقون الاولون" کے بارے چھ اقوال نقل کئے گئے ہیں جن میں سے چوتھا یوں ہے:

والرابع. انھم اصحاب رسول اللہ ﷺ حصل لھم السبق لصحبتہ

چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام اصحاب رسول ہیں (اس لئے کہ) انہیں صحبت رسالت مآب ﷺ سبقت میسر آئی ہے۔ پھر چند سطور کے بعد مزید فرمایا ہے:

قولہ تعالیٰ! "والذین اتبعوھم باحسان" من قال ان السابقین جمیع الصحابۃ. جعل ھوء لاء تابعی الصحابۃ وھم الذین لم یصحبوا رسول اللہ ﷺ. وقد روی عن ابن عباس انہ قال: والذین اتبعوھم باحسان الی ان تقوم القیامۃ

"رب تعالیٰ کا فرمان "والذین اتبعوہم باحسان" کے بارے جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ سابقین سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں، انہوں نے "...... اتبعوا" سے مراد تابعین لئے ہیں۔ یعنی وہ لوگ کہ جنہیں صحبت نبوی میسر نہیں آئی۔ (اسی بابت) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "اتبعوا" سے مراد قیامت تک کے وہ لوگ مراد ہیں جو بھلائی کے ساتھ صحابہ کی پیروی کریں گے۔"

(تفسیر زاد المیسر زیر آیت "السابقون الاولون ......")

✽ تفسیر مدارک میں ہے:

والذین اتبعوھم باحسان من المھاجرین و الانصار فکانوا سائر الصحابۃ وقیل ھم الذین اتبعوھم بالایمان والطاعۃ الیٰ یوم القیامۃ

"اور مہاجرین و انصار میں سے وہ جنہوں نے سابقون اولون کی اتباع کی پس (اس لحاظ سے "اتبعوھم باحسان سے مراد) تمام صحابہ کرام ہوں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد

قیامت تک کے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان اور اطاعت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کریں گے۔" (ج ا،ص ٥٠٧)

❁ روح المعانی میں ہے:

او الذین اتبعوھم بالایمان والطاعة الی یوم القیامة فالمراد بالسابقین جمیع المهاجرین والانصار رضی الله عنهم و معنی کونهم سابقین انهم اولون بالنسبة الی سائر المسلمین و کثیر من الناس ذهب الی هذا

"یا پھر" الذین اتبعوھم باحسان " سے قیامت تک کے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان اور اطاعت میں ان کی پیروی کریں گے۔ پس سابقین سے تمام مہاجرین وانصار صحابہ مراد ہوں گے، اور ان کے سابقین ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بلاشبہ وہ تمام امت مسلمہ کی نسبت (کلمہ پڑھنے میں) اولین ہیں. کثیر مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔" (ج ٦،ص ١١)

❁ تفسیر کبیر میں ہے:

ومنهم من قال بل یتناول جمیع الصحابة لان جملة الصحابة موصوفون بکونهم اولین بالنسبة الی سائر المسلمین. وکلمة "من" فی قوله من المهاجرین والانصار لیست للتبعیض بل للتبیین. ای والسابقون الاولون الموصوفون بوصف کونهم مهاجرین و انصارا کما فی قوله تعالیٰ "فاجتنبوا الرجس من الاوثان" و کثیر من الناس ذهبوا الی هذا القول

"اور مفسرین میں سے ایک جماعت نے کہا ہے کہ بلکہ یہ آیت کریمہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل ہے۔ اس لئے کہ دیگر تمام مسلمانوں کی نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی (کلمہ پڑھنے میں) " اولین " سے موصوف ہیں اور رب کے فرمان " من المهاجرین والانصار " میں کلمہ " من " " تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔ (اب آیت کا معنیٰ یوں ہوگا۔ فیضی) یعنی سابقون اولون صحابہ جو مہاجر اور انصار ہونے کی صفت سے متصف ہیں۔"

جیسا کہ اس فرمان الٰہی میں (بھی کلمہ " من " بیانیہ ہے) "فاجتنبوا الرجس من الاوثان (ج ٤،ص ١٢٩) یہی مضمون ان تفاسیر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے: ابی سعود ج ٣،ص ١٨٥، جمل ج ٣، ص ٣٠٣، بغوی ج ٢،ص ٣١٩، مظہری ج ٣،ص ٣٥٢)

❁ تفسیر خازن میں ہے:

قولہ تعالیٰ! "والذین اتبعوھم باحسان" قیل :ھم بقیة المھاجرین و الانصار سوی السابقین الاولین فعلی ھذا القول. یکون الجمیع من الصحابة، وقیل الذین سلکوا سبیل المھاجرین والانصار فی الایمان والھجرة والنصرة الی یوم القیامة

"رب کے فرمان : "والذین اتبعوھم باحسان" کے بارے کہا گیا ہے کہ سابقین کے علاوہ اس سے بقیہ مہاجرین و انصار صحابہ مراد ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قیامت تک کے وہ لوگ مراد ہوں جو ایمان، ہجرت اور نصرت میں مہاجرین و انصار صحابہ کے رستے پر چلیں گے۔"

(زیر آیت "السابقون الاولون")

حمید بن زیاد سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے محمد بن کعب قرظی سے عرض کیا: "کیا آپ مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین رونما ہونے والے مشاجرات کے بارے کچھ بتائیں گے؟" تو آپ نے فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ قد غفر لجمیعھم واوجب لھم الجنة فی کتابه محسنھم و مسیئھم

"بلاشبہ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں تمام صحابہ کی مغفرت فرما دی ہے اور ان کے لئے جنت کو واجب کر دیا ہے۔" عام از یں کہ ان کے محسنین ہوں یا خطاء اجتہادی والے۔

میں نے عرض کیا: "قرآن مجید کے کس مقام پر ان کے لئے جنت کا واجب قرار دی گئی ہے؟"

تو آپ نے (از حیرانگی) فرمایا: سبحان اللہ! "کیا تو نے رب تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟

السابقون الاولون "اچھی طرح جان لو کہ"

انه تعالیٰ اوجب لجمیع اصحاب النبی ﷺ الجنة والرضوان وشرط علی التابعین شرط

"رب تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے تمام صحابہ کو جنت اور اپنی رضا سے نواز رکھا ہے اور ان کی پیروی کرنے والوں پر ایک شرط مقرر کر دی۔"

میں نے عرض کیا: "وہ شرط کیا ہے؟" فرمایا: "یہ کہ وہ بھلائی کے ساتھ ان کی اتباع کریں، اس طرح کہ ان کے اعمال حسنہ میں ان کی اقتداء کی جائے اور ان کے خلاف اولیٰ اعمال میں اقتداء نہ کی جائے۔ (یعنی آپس کی جنگوں کے معاملات میں پڑنے سے گریز کیا جائے)"

یا یوں کہا جائے کہ: ان یتبعوھم باحسان فی القول، و ان لا یقولوا فیھم سوء وان لا یوجھوا الطعن فیما اقدموا علیه

"گفتگو کرنے میں بھلائی سے اقتداء کی جائے یعنی ان کے اقدامات کی وجہ سے ان پر طعن و تشنیع نہ کی جائے۔" حمید بن زیاد کہتے ہیں: "(محمد بن کعب قرظی کا یہ جواب سن کر مجھے یوں لگا کہ)

فکانی ماقرات هذه الایة قط "گویا کہ یہ آیت کریمہ میں نے کبھی پڑھی ہی نہیں۔"

(تفسیر روح المعانی ج۶، ص۱۱، تفسیر کبیر ج۶، ص۱۲۹، تفسیر در منثور ج۴، ص۲۴۷، تفسیر بغوی ج۲، ص۳۱۹، تفسیر مظہری ج۳، ص۳۵۲، وغیرہا)

❁ حضرت امام قاضی ابوالمحاسن یوسف بن موسیٰ:

وکلا وعد الله الحسنی پس اس وعدے میں تمام صحابہ داخل ہیں
(المعتصر من المختصر من مشکل الآثار ج۲، ص۳۳۳)

❁ امام کورانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من المنفقین السابقین واللاحقین موعود بالجنة و ان تفاوت حالهم
"(فتح مکہ سے) پہلے اور بعد میں خرچ کرنے والے تمام حضرات صحابہ سے جنت کا وعدہ کیا جا چکا ہے۔ اگرچہ ان کے مراتب میں تفاوت ہے۔" (غایۃ الامانی فی تفسیر الکلام الربانی ص، ۹۴)

ہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سورہ فتح کی آیت نمبر ۲۹ **وعد الله الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات منهم** کے تحت فرماتے ہیں:

وقد انعقد الاجماع علی ان الصحابة کلهم عدول وکلهم مغفور لهم
"اور اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں اور وہ تمام کے تمام ہی بخشے ہوئے ہیں۔ (تفسیر مظہری ج۶، ص۳۷۶)

❁ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں۔

قلت واولیٰ بالاحتجاج علی کون جمیع الصحابة فی الجنة قوله تعالیٰ "لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجه من الذین انفقوا من قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعدالله الحسنی فانها صریح فی ان جمیع الصحابة اولهم و آخرهم وعد الله تعالیٰ الحسنیٰ

"میں کہتا ہوں تمام صحابہ کے جنتی ہونے پر اس آیت "لایستوی منکم" سے استدلال کرنا زیادہ

بہتر ہے۔ (بنسبت آیت توبہ کے) کیونکہ یہ آیت کریمہ اس بارے پوری صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اول تا آخر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رب نے جنت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔"

(تفسیر مظہری، ج ۳، ص ۳۵۳)

آپ سورۃ اللیل کی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فالآية تدل على عدم دخول احد من الصحابة فى النار كيف وقد انعقد الاجماع على ان الصحابة كلهم عدول

"پس یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی دوزخ میں نہیں جائے گا اور جا بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ (ایضاً ج ۷، ص ۴۲۲)

❁ بحر العلوم حضرت امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ زیر بحث آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هذا التفضيل لجميع اصحابه رضی اللہ عنہم۔

"یہ افضلیت (یعنی وعدہ حسنیٰ میں شامل ہونا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہے۔"

(تفسیر سمرقندی، تحت آیت لایستوی منکم، سورہ حدید آیت ۱۰)

❁ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وقوله: وكلا وعد الله الحسنى يعنى المنفقين قبل الفتح و بعده كلهم لهم ثواب على ما عملوا و ان كان بينهم تفاوت فى تفاضل الجزاء

"یعنی فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد خرچ کرنے والے ان کے اعمال کے مطابق ان سب کے لئے ثواب ہے۔ اگرچہ ان کے مابین جزاء کی فضیلتوں میں تفاوت ہے۔"

(تفسیر ابن کثیر، تحت آیت وکلا وعد اللہ الحسنیٰ)

❁ حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

جميع اصحاب محمد ﷺ

"(یعنی رب تعالیٰ نے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔"

(ج ۱۳، جز ۲۶، ص ۱۹۴)

❁ امام آجری فرماتے ہیں:

و کذلک جمیع صحابتہ فمن اللہ عزوجل النبی ﷺ لا یخریہ فیھم وانہ یتم ھم یوم القیامۃ نور ھم ویغفر لھم ویرحمھم

''اسی طرح نبی کریم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ضمانت دی ہے کہ وہ ان کے بارے آپ کو مایوس نہیں فرمائے گا اور قیامت کے دن ان کے لئے انکا نور مکمل فرمائے گا۔ ان کی مغفرت فرمائے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔'' (الشریعہ ج ۵، ص ۲۳۴۶)

❁ حضرت مجدد پاک فرماتے ہیں:

''علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے مفہوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ بہشتی ہیں۔''

(مکتوب شریف دفتر سوم مکتوب نمبر ۲۴، ج ۲، ص ۳۳۸)

اس کے بعد سورۃ حدید کی آیت ۱۰ نقل کر کے فرماتے ہیں:

''اس آیت میں حسنیٰ سے مراد جنت ہے اور سب صحابہ کے لئے جنہوں نے فتح سے پہلے یا بعد مال خرچ کیا اور لڑائی کی ہے۔ جنت کا وعدہ ہے۔'' (ایضاً)

❁ علامہ پرہاروی فرماتے ہیں:

''ہم اہلسنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ میں آنے والی روایات میں حتی الامکان تاویل کرنا اور اگر تاویل کرنا ممکن نہ ہو تو اس روایت کو رد کرنا واجب ہے اور خاموش رہنا اور طعن ترک کرنا واجب ہے۔''

(پھر اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا):

للقطع بان الحق سبحانہ وعدھم المغفرۃ والحسنی

''کیونکہ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ حق تعالیٰ نے ان سے مغفرت اور حسنیٰ (یعنی جنت) کا وعدہ فرمایا ہوا ہے: (الناہیہ ص ۶۷)

❁ حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں:

کل من دخل فی عنوان الصحابۃ ویصدق علیہ ھذا المفھوم فھو من اھل الجنۃ قطعا

''ہر وہ شخص جو صحابہ کے عنوان کے تحت داخل ہو (یعنی صحابی ہو) اور اس پر یہ مفہوم صادق آتا ہو تو وہ قطعی جنتی ہے۔ (تحقیق الاشارہ الی تعمیم البشارہ ص ۷)

❁ حضرت امام زرقانی علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

کان الصحابة القطوع لهم بالجنة "تمام صحابہ کے لئے جنت قطعی (طور پر ثابت ہے)۔

(زرقانی علی المواہب ج ۴، ص ۳۳۲)

❁ مجدد وقت علامہ یوسف نبہانی علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"پس ثابت ہوا کہ وہ سب اہل جنت میں سے ہیں۔ ان میں سے کوئی جہنم میں نہ جائے گا۔"

(الاسالیب البدیہ مترجم ص ۴۷، نوریہ رضویہ)

❁ امام اہلسنت فرماتے ہیں:

"بایں ہمہ اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے (صحابہ کے) اعمال جان کر حکم فرمایا کہ وہ تم سب سے جنت بے عذاب، وکرامت وثواب بے حساب کا وعدہ فرما چکا۔"

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۹، ص ۳۶۲، ۳۶۳)

❁ مفتی شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ البتہ ان کے درجات اور مراتب مختلف ہوں گے۔" (فتاویٰ شارح بخاری ج ۲، ص ۶۴)

❁ تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

اما سائر الاصحاب فنشهد لهم عموما انهم من اهل الجنة

"بہر حال تمام صحابہ رضی اللہ عنہم تو ہم ان کے بارے بالعموم گواہی دیتے ہیں کہ وہ جنتی ہے۔"

(احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام ص ۳۴)

❁ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑی علیہ رحمۃ اللہ خوارج ونواصب دونوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خارجی کا ان واقعات مذکورہ بالا میں سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) کو اور اہل تشیع کا حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے بغیر (علاوہ) تمام صحابہ پر حکم لگا دینا کہ معاذ اللہ یہ لوگ منافق ومرتد تھے اور "ما اتاکم الرسول فخذوه وفنها کم عنه فانتهوا" کے مخالف ومنکر تھے۔ کیسا ظلم ہے؟

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ جنتی فرماتا ہے۔ ان کے متعلق ایسا کہنا خود کفر سے کم ہے؟ اللہ تعالیٰ کے علم میں جن کا خاتمہ بالایمان نہیں یعنی جو منافق ومرتد ہیں؟ ان سے اللہ تعالیٰ عالم الغیب کیسے راضی ہو سکتا ہے اور وہ کیسے بہشتی ہو سکتے ہیں۔" (تصفیہ مابین سنی وتشیعہ ص ۲۴۔۲۵)

سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۰ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اس آیت میں مہاجرین وانصار کو جنتی فرمایا گیا ہے۔'' (ایضاً ص ۲۴)

❁ مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے حاصل ہونے والے فوائد کے تحت لکھتے ہیں: ''اس آیت کریمہ سے چند فوائد حاصل ہوئے:..........

''تیسرا فائدہ : کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ وہ حضرات سابقین اولین ہیں، تاقیامت تمام اقسام کے مومنین ان کے تابع ہیں۔ یہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ ''والذین اتبعو '' سے تاقیامت مومنین مراد ہیں۔''

آٹھواں فائدہ : تاقیامت وہی مسلمان حق پر ہیں جو حضرات صحابہ یعنی مہاجرین و انصار کے پیرو کار ان کے ثنا خوان ان کا ذکر خیر سے کرنے والے ہیں۔ یہ فائدہ ''والذین اتبعوھم ''کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب رب تعالیٰ حضرات صحابہ کے غلاموں پیروکاروں سے راضی ہے تو خود ان سے کتنا راضی ہوگا۔ لہٰذا روافض وخوارج باطل پر ہیں۔

نواں فائدہ : سارے صحابہ عادل، ثقہ، متقی ہیں ان میں کوئی فاسق نہیں، یہ فائدہ ''رضی اللہ عنھم '' سے حاصل ہوا، دوسری جگہ فرماتا ہے، وکلا وعد اللہ الحسنیٰ ''جو تاریخی واقعہ ان کا فسق ثابت کرے وہ جھوٹا ہے قرآن سچا ہے۔

(تفسیر نعیمی ج ۱۱، ص ۲۹۔ ۳۰، تفسیر نور العرفان ص ۳۲۳۔ ۳۲۲)

❁ مفتی جلال الدین امجدی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں صحابہ کے متعلق اعلان فرماتا ہے ''وکلا وعد اللہ الحسنیٰ'' (پارہ ۲۷، سورۂ حدید) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام صحابیوں سے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے۔'' (فتاویٰ فیض الرسول ج ۱، ص ۱۱۰)

❁ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جو مسلمان فتح مکہ سے قبل ایمان لائے اور جو بعد میں ایمان لائے سب کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔'' وکلا وعد اللہ الحسنیٰ اللہ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمایا۔

(فتاویٰ شارح بخاری ج ۲، ص ۸۲)

❁ مفتی محمد یونس صاحب رضوی قرآن وسنت کی کئی نصوص سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مذکورہ عبارتوں سے صاف ہوگیا کہ سب صحابہ جنتی ہیں جو کسی صحابہ کو کافر کہے وہ جنتی کو کافر کہتا ہے اور جو

ایسا عقیدہ رکھے خارج از ایمان ہے اور صحابہ کو کافر جان کر خود جہنمی بنتا ہے۔"

(فتاویٰ بریلوی شریف ص ۲۷۳)

فائدہ: یاد رہے اس فتاویٰ پر مفتی اختر رضا خان صاحب ؒ مفتی عبد الرحیم بستوی، مفتی محمد ناظم علی قادری اور مفتی محمد مظفر حسین قادری صاحب کے بھی تصدیقی دستخط ہیں۔

مفتی محمد بدر الدین احمد صدیقی آیت حدید نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام صحابیوں سے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے۔ (فتاویٰ بدر العلماء ص ۱۱۵)

❁ مفتی سید محمد افضل حسین شاہ صاحب ؒ فرماتے ہیں:

"جمہور علماء کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے کل صحابہ عدول (عدل والے) ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔" (دفاع امیر معاویہ ؓ، ص ۱۵۹)

فائدہ : یاد رہے مفتی غلام سرور قادری ؒ کا یہ فتویٰ مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاں، شیخ الاسلام قمر الدین سیالوی اور سید ابو البرکات احمد شاہ ؒ جیسے پچاس (۵۰) کے قریب ہمارے اکابر کی تصدیقات سے مزین ہے۔

(انتھی۔ تمام صحابہ قطعی جنتی ص 256 تا 356)

﴿حضرت عبید اللہ بن جحش پر نصرانی ہونے کا الزام﴾

قاری ظہور اپنی کتاب صلح امام حسن میں مہاجرین اور انصار کے جنتی ہونے کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"رہے اولین دو طبقے یعنی مہاجرین و انصار وہ بھی تمام کے تمام رضائے الہی اور جنت کے مستحق نہیں بلکہ فقط وہ مہاجرین و انصار مستحق ہیں جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ من المہاجرین و الانصار میں لفظ من تبعیضیہ ہے، لہذا معاذ اللہ اگر کوئی مہاجر یا انصاری خاتمہ بالایمان سے محروم رہا تو وہ اس آیت کا مصداق نہیں ہوگا اور یقیناً بعض اولین مہاجرین ایمان سے محروم ہو گئے تھے مثلاً حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رملہ بنت ابی سفیان کا سابق شوہر عبید اللہ بن جحش ان اولین مہاجرین میں سے تھا جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی مگر ہاں جا کر اس نے نصرانیت اختیار کر لی تھی اور مرتد ہو گیا تھا، اس کے مرتد ہو جانے کا تذکرہ تقریباً ہر اس کتاب میں موجود ہے جس میں حضرت ام حبیبہ علیہا السلام کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا ذکر موجود ہے۔ صحابہ کرام کے سوانح پر مبنی کتب میں بھی اس شخص کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ مشہور و متداول کتب الاستیعاب، اسد الغابہ اور الاصابہ میں بھی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رملہ بنت ابی سفیان کے ترجمہ میں عبید اللہ بن جحش کے مرتد ہو جانے کا تذکرہ موجود ہے۔" الخ۔

(صلح امام حسن ص 103)

عبید اللہ بن جحش کے نصرانی ہونے کے بارے میں متعدد کتب سے پیش کی جاتی ہیں۔

جواب:

حضرت عبید اللہ بن جحش کے نصرانی ہونے کی مرویات ثابت نہیں۔

1) ابن اسحاق، سیرۃ ابن اسحاق ص 241،90 - بحوالہ الروض الانف 2 / 347، طبقات ابن سعد 8/ ،97، رقم 491 کی روایت بحوالہ واقدی کذاب منقول ہے۔

2) تاریخ طبری 2 /312، مستدرک حاکم رقم 6847، کی روایت مرسل ہے۔

3) ابو معرفۃ الصحابہ ابونعیم، رقم 6776، مرسل زہری ہے۔

4) طبرانی الکبیر رقم 404، کی روایت میں ابن لھیعۃ کا ضعف او ختلاط ہے۔

اس موضوع پر جتنی روایات پیش کیں جاتی ہیں وہ تمام ضعیف، متروک و مرسل اور نہ قابل استدلال ہیں۔

حوالہ نمبر 1 کی تحقیق

محمد بن اسحاق کے حوالہ سے ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔

فحدثنی محمد بن جعفر بن الزبیر قال کان عبید اللہ بن جحش حین تنصّر. یمر بأصحاب رسول اللہ - صلی اللہ علیه وسلم - وهم هنالك من أرض الحبشة. فیقولفقّحنا وصأصأتم أی أبصرنا. وأنتم تلتمسون البصر ولم تبصروا بعد.

(الروض الأنف 2/347)

جواب:

مذکورہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن جعفر الزبیر نے تو عبید اللہ بن جحش کا زمانہ تک نہیں پایا تو کیسے منقطع بات تسلیم کی جاسکتی ہے۔؟

حوالہ نمبر 2 کی تحقیق

محمد بن اسحاق نقل کرتے ہیں۔

ثم تزوج رسول اللہ - صلی اللہ علیه وسلم - بعد زینب. أم حبیبة بنت أبي سفیان، وکانت قبله عند عبد اللہ بن جحش.. فمات عنها بأرض الحبشة. وقد تنصر بعد إسلامه. (سیرۃ ابن إسحاق، تحقیق محمد حمید اللہ، ص 241)

جواب:

مذکورہ روایت میں ابن اسحاق نے کوئی سند پیش نہیں کی۔ اس لیے بغیر سند کے اقوال مثالب صحابہ کے باب میں پیش کرنا خلاف اصول اور مسلمات ہے۔

حوالہ نمبر 3 کی تحقیق

ابن سعد اپنی سند سے ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

»أخبرنا محمد ابن عمر حدثنا عبد اللہ بن عمرو بن زهیر عن إسماعیل بن عمرو

بن سعيد بن العاص قال :قالت أم حبيبة :رأيت في النوم عبيد الله بن جحش زوجي بأسوأ صورة وأشوهها. ففزعت. فقلت :تغيرت والله حاله! فإذا هو يقول حيث أصبح :يا أم حبيبة! إني نظرت في الدين فلم أرَ ديناً خيراً من النصرانية. و كنت قد دنت بها. ثم دخلت في دين محمد، ثم قد رجعت إلى النصرانية. فقلت :والله! ما خير لك. وأخبرته بالرؤيا التي رأيت له فلم يحفل بها. وأكبّ على الخمر حتى مات«

یعنی: حضرت عبید اللہ بن جحش سے نقل ہے کہ میں نے تمام ادیان کو بغور دیکھا، مجھے نصرانیت سے بہتر دین نہیں ملا، اس لیے میں نے اسے اختیار کیا پھر میں نے محمد ﷺ کے دینکو قبول کیا جس کے بعد پھر نصرانی ہوگیا۔۔ وہ اس سے چمٹے رہا اور شراب پیتے رہا کہ دنیا سے گیا۔

(طبقات ابن سعد، 8/ 97)

جواب :

مذکورہ روایت میں محمد بن عمر واقدی متروک وضعیف راوی ہے۔ اور مثالب صحابہ میں ایسے راوی کی روایت تو کسی کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوتی۔ تفصیل کے لیے تاریخ کبیر رقم 178، تاریخ صغیر 2/ 283 الضعفاء والمتروکین نسائی رقم 334

واقدی کے مدنی شیوخ سے مناکیر روایات

محدث ابن معین کا ایک قول بہت اہم ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں۔

حدثنا عبد الرحمن أنا أبو بكر بن أبي خيثمة فيما كتب إلى قال سمعت يحيى بن معين يقول :لا يكتب حديث الواقدي ليس بشئ ..... قال يحيى بن معين : نظرنا في حديث الواقدي فوجدنا حديثه عن المدنيين عن شيوخ مجهولين احاديث مناكير فقلنا يحتمل ان تكون تلك الاحاديث المناكير منه ويحتمل ان تكون منهم. ثم نظرنا إلى حديثه عن ابن ابي ذئب ومعمر فانه يضبط حديثهم فوجدناه قد حدث عنهما بالمناكير فعلمنا انه منه فتركنا حديثه.

"۔۔۔۔۔ ہم نے واقدی کی مرویات کا جائزہ لیا تو ان کی وہ سب روایات منکر ہیں جو انہوں نے

مدنی مجہول رواۃ سے لی ہیں پھر ہم نے پرکھا تو یہ واضح ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ منکر روایات اسی کی ہوں، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ ان کے مجہول شیوخ کی ہوں، پھر واقدی کی مرویات کا جائزہ لیا جو ابن ابی ذئب، اور معمر کی سند سے تھیں، اس لیے کہ یہ ان کی روایات کو بھی ضبط کیا کرتا تھا مگر ہم جلد ہی اس پر پہنچے ہیں کہ ان سے نقل کردہ روایات میں بھی نکارت ہے، اس لیے ہم نے اس سے روایت لینا ہی چھوڑ دیا۔" (الجرح والتعدیل 8/21)

❁ علامہ ذہبی ابن سعد اور المستدرک حاکم کی روایت کے متن کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وَذَكَرَتِ الْقِصَّةَ بِطُوْلِهَا، وَهِيَ مُنْكَرَةٌ یعنی طویل قصہ نقل کیا ہے مگر یہ منکر ہے۔
(سیر أعلام النبلاء، 2/221)

حوالہ نمبر 4 کی تحقیق

مورخ ابن سعد نے اسی سند سے ایک دوسرا قول نقل کیا ہے-:

وكانت قبل رسول الله صلى الله عليه وسلم عند عبيد الله بن جحش، وكان قد أسلم وهاجر إلى أرض الحبشة، ثم ارتد، وتنصر، فمات هناك على النصرانية.
(طبقات ابن سعد 8/218)

جواب:

مذکورہ روایت میں ابن سعد کا شیخ محمد بن عمر واقدی متروک وضعیف راوی ہے۔ اور مثالب صحابہ میں ایسے راوی کی روایت تو کسی کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوتی۔

حوالہ نمبر 5 کی تحقیق

امام حاکم نے مستدرک میں ایک روایت نقل کی ہے۔

»ثم افتتن وتنصّر فمات وهو نصراني، وأثبت الله الإسلام لأم حبيبة، وأبت أن تتنصّر« (المستدرك، 4/21)

جواب:

امام حاکم نے نے اس کو زہری سے بیان کیا ہے اور زہری نے اس کو مرسل روایت کیا ہے اور مراسیل زہری کے بارے میں علم حدیث کا طالبعلم جانتا ہے کہ مراسیل زہری حجت نہیں اور یہ نکتہ ذہن میں رہے کہ حجت مرسل کو احناف کے ذمہ لگانا بھی غلط ہے کیونکہ مثالب صحابہ کے باب میں ایسی مروایت قابل حجت نہیں ہوتی۔

❁ خود ابن سعد، مراسیل زہری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

»ومراسیل الزھری ضعیفة«۔ (تلخیص الحبیر 111/4)

❁ امام ذہبی لکھتے ہیں۔

»قال یحیی بن سعید القطان: مرسل الزھری شر من مرسل غیرہ لأنه حافظ، وکل ما قدرَ أن یُسمّی سَمّی، وإنما یترك من لا یحب أن یسمیه. قلت (الذھبی): مراسیل الزھری کالمعضل لأنه یکون قد سقط منه اثنان، ولا یسوغ أن نظن به أنه أسقط الصحابي فقط، ولو کان عنده عن صحابي لأوضحه، ولما عجز عن وصله، ومن عدّ مرسل الزھری کمرسل سعید بن المسیب وعروة بن الزبیر ونحوھما، فإنه لم یدر ما یقول، نعم کمرسل قتادة ونحوه«

(سیر أعلام النبلاء، 5/ 339338)

مذکورہ حوالہ جات سے واضح ہوا کہ زہری کی مراسیل قابل حجت مثالب صحابہ کے باب میں ہرگز نہیں۔

حوالہ نمبر 6 کی تحقیق

امام حاکم نے اس کو واقدی ایک طریق سے موصولا بیان کیا ہے

فَحَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ اللهِ الْأَصْبَهَانِيُّ ثنا الْحَسَنُ بْنُ مَصْقَلَةَ، ثنا الْحُسَيْنُ بْنُ الْفَرَجِ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ... قَالَ ابْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ زُهَيْرٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: قَالَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ: يَا أُمَّ حَبِيبَةَ، إِنِّي نَظَرْتُ فِي الدِّينِ فَلَمْ أَرَ دِينًا خَيْرًا مِنَ النَّصْرَانِيَّةِ وَكُنْتُ قَدْ دِنْتُ بِهَا، ثُمَّ دَخَلْتُ فِي دِينِ مُحَمَّدٍ، ثُمَّ رَجَعْتُ إِلَى النَّصْرَانِيَّةِ، فَقُلْتُ: وَاللهِ مَا خَيْرٌ لَكَ وَأَخْبَرْتُهُ بِالرُّؤْيَا الَّتِي

رَأَيْتُ لَهُ فَلَمْ يَحْفَلْ بِهَا وَأَكَبَّ عَلَى الْخَمْرِ حَتَّى مَاتَ.

یعنی: حضرت عبید اللہ بن جحش سے نقل ہے کہ میں نے تمام ادیان کو بغور دیکھا، مجھے نصرانیت سے بہتر دین نہیں ملا، اس لیے میں نے اسے اختیار کیا پھر میں نے محمد ﷺ کے دین کو قبول کیا جس کے بعد پھر نصرانی ہوگیا۔ وہ اس سے چمٹے رہا اور شراب پیتے رہا کہ دنیا سے گیا۔

(المستدرک 22/4)

جواب:

عرض ہے کہ اس موصول روایت کی سند میں محمد بن عمر الواقدی موجود ہے۔ واقدی جیسے متروک راوی کی روایت کو مثالب میں قبول کرنا بھی اصول کے خلاف ہے۔ مزید یہ کہ جس سند سے امام حاکم نے واقدی کا قول نقل کیا ہے اس طرح کی ایک دوسری سند تلخیص المستدرک ہی کے بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

سندہ واہ.. (تلخیص المستدرک 209/3 رقم 4867)

اور یہ بات واضح ہے کہ واقدی متروک کی روایت مثالب صحابہ کے باب میں ہرگز قبول نہیں۔

حوالہ نمبر 7 کی تحقیق

مورخ طبری اپنی سند سے ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

رجع الخبر إلى خبر هشام بن محمد، ثم تزوّج رسولُ الله.... «فتنصّر زوجها، وحاولها أن تتابعه فأبت، وصبرت على دينها، ومات زوجها على النصرانية«.

(تاریخ الطبری 213/2)

جواب:

مورخ طبری نے یہ قول تو ہشام بن محمد سے نقل کیا ہے اور ہشام بن محمد الکلبی جیسے متروک اور رافضی راوی سے مثالب صحابہ کے باب میں روایات کو رد کر دیا جاتا ہے۔ اس روایت کو ابن الاثیر نے اپنی کتاب الکامل فی التاریخ، (210/2) میں نقل کرتے ہیں، جیسا کہ واضح کیا گیا ہے کہ اس میں ہشام بن محمد السائب الکلبی جیسے کذاب اور رافضی راوی موجود ہیں۔ تفصیل کے لیے لسان المیزان، (196/6) کا مطالعہ کیجئے۔

حوالہ نمبر 8 کی تحقیق

امام بیہقی نے بھی ایک روایت نقل کی ہے۔

ابن لهيعة عن أبي الأسود عن عروة قال» : ومن بني أسد بن خزيمة : عبيد الله بن جحش، مات بأرض الحبشة نصرانياً، ومعه امرأته أم حبيبة بنت أبي سفيان، واسمها رملة، فخلف عليها رسول الله - صلى الله عليه وسلم -. أنكحه إياها عثمان بن عفان بأرض الحبشة« (دلائل النبوة 3/ 460)

یعنی عبید اللہ بن جحش حبشہ میں نصرانی ہو کر مرے ان کی بیوی ام حبیبہ بھی ان کے ہمراہ ہجرت کر گئی تھیں۔

جواب:

عرض ہے کہ اس روایت میں مختلف علتیں ہیں جن کی وجہ سے یہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

اول: ابن لھیعۃ کا ضعف اور اختلاط۔ (تقریب التہذیب رقم 186)

دوم: ابن لھیعۃ کا شیعہ ہونا۔

حافظ ابن عراق نے علامہ ذہبی کے حوالہ سے لکھا کہ

ابن لهيعة في تشيع قوی ینیح ابن لھیعۃ پکا شیعہ تھا۔

(تنزیہ الشریفہ المرفوعہ 1/ 350)

عروہ بن زبیر کی مرسل

سوم: عروہ بن زبیر نے عبید اللہ بن جحش کا زمانہ ہی نہیں پایا۔

اس لیے مرسل اور ضعیف روایات کی بنیاد پر مثالب صحابہ بیان کرنا اصول کے طور پر غلط ہے۔

معاملہ کا دوسرا رخ:

بلکہ حقائق اس کے مترادف ہیں۔ صحیح و حسن روایات میں عبید اللہ بن جحش کے نصرانی ہونے کا ذکر تک نہیں ہے۔ عروہ بن زبیر سے ہی روایت ہے کہ

الزهري عن عروة عن أم حبيبة- رضي الله عنها: أنها كانت تحت عبيد الله ابن جحش، وكان أتى النجاشي فمات، وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوج أم

حبیبة وهی بأرض الحبشة، زوّجها إیاه النجاشی، وأمهرها أربعة آلاف«.

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سیدنا عبید اللہ بن جحش کی منکوحہ تھیں جو نجازی کے ملک میں پردہ فرمایا اور سیدہ حبشہ میں تھیں کہ ان کا نکاح نجاشی نے رسول اللہ ﷺ سے کرلیا، ان کا مہر چار ہزار درہم نجاشی ہی نے ادا کیا پھر انہیں حضرت شرحبیل بن حسنہ علیہ الرضوان کی ہمراہی میں مدینہ منورہ بھیج دیا۔

سنن ابی داود کتاب النکاح، باب الصداق (رقم 2093)، سنن نسائی کتاب النکاح، القسط فی الأصدقۃ (6/
119) صحیح النسائی (2/705)

❁ اس روایت کو محدث ابن حبان نے بھی سند انقل کیا ہے۔

أخبرنا بنِ خُزَیْمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیَی الذُّهْلِیُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِیدُ بْنُ کَثِیرِ بْنِ عُفَیْرٍ، قال: حدثنا اللیث، عن بن مسافر، عن بن شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: هَاجَرَ عُبَیْدُ اللهِ بْنُ جَحْشٍ بِأُمِّ حَبِیبَةَ بِنْتِ أَبِی سُفْیَانَ وَهِیَ امْرَأَتُهُ إِلَى أَرْضِ الْحَبَشَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ أَرْضَ الْحَبَشَةِ، مَرِضَ، فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، أَوْصَى إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَتَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ حَبِیبَةَ، وَبَعَثَ مَعَهَا النَّجَاشِیُّ شرحبیل بن حسنة.

(الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان 13/386)

مذکورہ روایت میں تو حضرت عبید اللہ بن جحش کے نصرانی ہونے کا ذکر تک نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جس روایت میں متروک راوی یا ضعیف راوی نہ ہو اس کے مقابلہ میں متروک وضعیف راویوں کی روایت سے استدلال کیوں؟

اعتراض:

عبید اللہ بن جحش کے نصرانی ہونے کی مرویات اگر ضعیف ہیں مگر ان کے نصرانی ہونے کا ذکر یا تذکرہ تو علماء اور محدثین نے اپنی اپنی درج کتب میں کیا ہوا ہے جیسے کہ اعانۃ الطالبین، جلد 3 ص 396، فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد 8 ص 145، فتح الباری جلد 8 ص 162، فتح الباری جلد 10 ص 13، عمدۃ القاری جلد 18 ص 144، عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد جلد 6 ص 76، الاستیعاب جلد 3 رقم 877،

الاستیعاب جلد 4 رقم 1593 ، الاستیعاب جلد 4 رقم 1809. جلد 4 رقم 1844 ، ابن عبد البر الدرر ص 49. کشف المشکل جلد 2 ص 464. تخریج الحدیث والآثار جلد 3 ص 454. جلد 3 ص 454. نصب الرایہ جلد 2 ص 306. تفسیر کبیر جلد 29 ص 302. تفسیر قرطبی اپنی جلد 18 ص 58، تفسیر قرطبی جلد 14 ص 165 ، التعدیل والتجریح جلد 3 ص 1487 ، اسد الغابہ جلد 5 ص 423. تھذیب الکمال جلد 1 ص 204. سیر اعلام النبلاء جلد 1 ص 441. الاصابہ جلد 1 ص 158

جواب:

گذارش ہے کہ جن مرویات میں عبید اللہ بن جحش کے نصرانی ہونے کا تذکرہ موجود ہے، وہ اسنادی حیثیت سے ضعیف اور ناقابل استدلال ہے۔ جن علماء نے اپنی اپنی کتب میں عبید اللہ بن جحش کا نصرانی ہونا لکھا ہے وہ ان روایات کے پیش نظر ہی لکھا۔ جب اصل روایات ہی ثابت نہیں تو ان سے استدلال اور حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ علماء بعض اوقات ان امور کو بھی نقل کر دیتے ہیں جو کہ مشہور ہو جائے مگر ان کی تحقیق کے علماء نے خود معیار اور اصول مقرر کیے ہوئے جن کے تناظر میں ایسی مرویات کو پرکھا جاتا ہے۔ تاریخی مرویات کے پرکھنے کے اصول علامہ شبلی کے حوالہ سے بیان ہو چکے ہیں۔ اور حیرانگی کے حد تک علمی اصولوں کو اپنی اپنی مرضی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جس باب [فضائل] میں علماء ضعیف روایت کو قبول کرنے کی بات کرتے ہیں ادھر مخالفین ضعیف حدیث کا رد کرتے ہیں۔ اور جس باب [مثالب صحابہ، عقائد] میں صحیح احادیث اور اس کی تاویل کے اصول ہیں، ادھر مخالفین ضعیف حدیث پیش کرتے ہوئے ذرا بھی شرم و عار محسوس نہیں کرتے ہیں۔

محدثین و مورخین کا نقل یا سکوت حجت نہیں

اس نکتہ پر کتاب کے ابتدائیہ میں تفصیل سے کلام نقل کر دیا گیا ہے کہ محدثین و مورخین یا علماء کا اپنی کتاب میں نقل یا سکوت کرنا اس کی تصحیح کی دلیل نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

وقد عاب عليه إسماعيل بن محمد بن الفضل التيمي جمعه الأحاديث الأفراد مع ما فيها من النكارة الشديدة والموضوعات وفي بعضها القدح في كثير من القدماء من الصحابة. وَغيرهم. وهذا أمر لا يختص به الطبراني فلا معنى لإفراده باللوم بل أكثر المحدثين في الأعصار الماضية من سنة مائتين

وهلم جرا إذا ساقوا الحديث بإسناده اعتقدوا انهم برئوا من عهدته والله أعلم.

ترجمہ : إسماعیل بن محمد بن الفضل التیمی نے إمام طبرانی پر اعتراض کیا کہ وہ شدید نکارت الضعف اور موضوع احادیث لائے ہیں اور بعض احادیث میں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر طعن بھی ہے۔ [حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں۔] یہ (حدیث ضعیف یا موضوع روایت کرنے والا) معاملہ صرف طبرانی کے ساتھ خاص نہیں لہذا انکی ملامت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ بہت سے محدثین زمانہ ماضی دوسری صدی ہجری سے لے کر اب تک وہ حدیث کو سند کے ساتھ روایت کر دیتے ہیں، اور انکا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سند بیان کرکے اپنی ذمہ داری سے بری ہو گئے ہیں۔ (یعنی جو بعد میں آئیں گے وہ سند کو دیکھ کر اسکے صحیح یا ضعیف یا موضوع ہونے کو معلوم کرلیں گے)۔ (لسان المیزان 4/ 125 رقم 3580)

ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام کا ضعیف، متروک یا موضوع روایات کو نقل کرکے سکوت کرنا حجت نہیں کیونکہ محدثین کرام سند نقل کرکے بری الذمہ ہو جاتے ہیں کیونکہ کھوٹے کھرے اور ضعیف و صحیح کی پہچان کے لیے سند اہم ہوتی ہے۔ محدثین یا مورخین سند نقل کرکے اس کے سکوت و احتجاج سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے رگمراہ لوگوں کا یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ اگر فلاں روایت جھوٹی ہوتی یا فلاں روایت ضعیف ہوتی تو فلاں محدث نقل ہی کیوں کرتا؟ یا فلاں روایت پر اعتراض نہیں کرتا، باطل و مردود ہے۔

اگر تو صرف تاریخی بات ہوتی تو شاید اس کو قبول بھی کیا جاسکتا تھا مگر ان روایت میں تو ایک مسلمان کے نصرانی ہونے کا تذکرہ اور خاص طور پر ایک صحابی کے نصرانی ہونے کا معاملہ ہے، اور صحابہ پر تو موقف واضح ہے کہ ان کے مثالب یا خلاف صحیح مرویات کی تاویل کی جاتی ہے چہ جائیکہ ایسی ضعیف و متروک روایات پر اعتبار کیا جائے۔

❁ اس مقام پر ایک نکتہ بیان کرنا اہم ہے جو کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بیان کیا ہے۔

قال أبو نعيم في معرفة الصحابة : أبو مصعب مختلف في صحبته. قلت : لو كان صحابيا لكان هذا الخبر صحيحا لصحة إسناده إليه وقد حكم أئمة الحديث بأن هذا المتن باطل فوجب الحكم بأنه غير صحابي وهو غير معروف في التابعين أيضًا.

محدث ابو نعیم اپنی کتاب معرفۃ الصحابہ میں ابو معصب الانصاری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

ان کی صحابیت مختلف فیہ ہے۔ میں ابن حجر عسقلانی کہتا ہوں کہ اگر ابو معصب الانصاری صحابی ہوتا تو یہ حدیث اس تک صحت سند کے ساتھ صحیح ہوتی اور بلا شبہ ائمہ حدیث نے اس کے متن پر بطلان کا حکم لگایا ہے، پس یہ امر ثابت ہوگیا کہ وہ صحابی نہیں ہے اور وہ تابعین میں بھی معروف نہیں ہے۔ (لسان المیزان 9/163 رقم 9080)

پیش کردہ حوالہ کو ظہور احمد فیضی نے اپنی کتاب صلح امام حسن ص 350 ۔ 351 پر بطور احتجاج تسلیم بھی کیا ہے۔ اب حاصل حوالہ یہ ہے کہ جب کسی شخصیت کی صحابیت تک صحیح سند ہو تو وہ صحابی تسلیم کیا جائے گا۔ جب صحابیت کا اثبات صحیح سند سے ہوتا ہے تو کسی کے مرتد ہونے یا نصرانی ہونے کے بارے میں بھی صحیح سند ہونا ضروری ہوگا۔ تو عبید اللہ بن جحش کا مرتد یا نصرانی ہونا کیسے ضعیف، متروک و مرسل روایات کے بل بوتے پر ثابت کیا جاسکتا ہے؟

عبداللہ بن سعد بن ابی السرح پر نصرانی ہونے کا الزام:

اسی طرح عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کے نصرانی ہونے پر تاریخ طبری، مستدرک حاکم، سیرۃ بن اسحاق، فتوح البلدان کے حوالہ سے الزام لگایا جاتا ہے۔

جواب:

اس بارے میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں وہ تمام مرویات بھی قابل استدلال نہیں کہ ان روایت میں کلبی، واقدی اور دیگر متروک راوی یا مرسل روایات ہیں۔ اس لیے ایسی مرویات کے سہارے اتنا بڑا الزام کسی پر ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ قارئین کرام کے سامنے ان روایات کی اسنادی حیثیت پیش خدمت ہے۔

یہ بات پہلے علامہ سبکی اور مورخ طبری کے بیان سے ثابت ہو چکی ہے کہ علماء نے یہ بات واضح کی ہے کہ نقل سے ثبوت کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ اس کا دارومدار اسانید پر ہے، اور اگر اسانید ثابت نہیں تو نقل سے توثیق ثابت نہیں ہوتی۔ قارئین کرام کے لیے علامہ تاج الدین سبکی کا حوالہ پیش خدمت ہے۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ "قاعدۃ فی المؤرخین نافعۃ جداً" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

فان اهل التاريخ ربما وضعوا من اناس ورعوا اناسا اما لتعصب او لجهل او لمجرد اعتماد على نقل من لا يوثق به او لغير ذلك من الاسباب والجهل فى

المؤرخين اكثر منه فى اهل الجرح والتعديل و كذلك التعصب قل ان رايت تاريخا خاليا من ذلك واما تاريخ شيخنا الذهبى غفر الله له فانه على حسنه وجمعه مشحون بالتعصب المفرط لا واخذه الله فلقد اكثر الوقيعة فى اهل الدين اعنى الفقراء الذين هم صفوة الخلق واستطال بلسانه ... فالرأى عندنا ان لا يقبل مدح ولا ذم من المؤرخين الا بما اشترطه اما الأئمة وحبر الامة وهو الشيخ الامام الوالد رحمه الله حيث قال ونقلته من خطة فى مجامعه يشترط فى المؤرخ

1- الصدق

2- واذا نقل يعتمد اللفظ دون المعنى

3- وان لا يكون ذلك الذى نقله اخذه فى المذكرة و كتبه بعد ذلك

4- وان يسمى المنقول عنه

فهذه شروط أربعة فيما ينقله

ويشترط فيه ايضا لما يترجمه من عند نفسه ولما عساه يطول فى التراجم من النقول ويقصر

1- ان يكون عارفا بحال صاحب الترجمة علما ودينا وغيرهما من الصفات وهذا عزيز جدا

2- وان يكون حسن العبارة عارفا بمدلولات الالفاظ

3- وان يكون حسن التصوير حتى يتصور حال ترجمته جميع حال ذلك الشخص ويعبر عنه بعبارة لا تزيد عليه ولا تنقص عنه

4- وان لا يغلبه الهوى فيخيل اليه هواه الاطناب فى مدح من يحبه والتقصير فى غيره بل اما ان يكون مجردا عن الهوى وهو عزيز واما ان يكون عنده من العدل ما يقهر به هواه ويسلك طريق الانصاف فهذه اربع شروط اخرى ولك ان تجعلها خمسة لان حسن تصويره وعلمه قد لا يحصل معهما الاستحضار حين التصنيف فيجعل

5۔ حضور التصور زائدا علی حسن التصور والعلم فهی تسعة شروط فی المؤرخ واصعبها الاطلاع علی حال الشخص فی العلم فانه یحتاج الی المشارکة فی علمه والقرب منه حتی یعرف مرتبته انتهی وذکر ان کتابته لهذه الشروط کانت بعد ان وقف علی کلام ابن معین فی الشافعی وقول احمد بن حنبل انه لا یعر الشافعی ولا یعرف ما یقول

مفہوم: اہل تاریخ بعض دفعہ کچھ لوگوں کو ان کے مقام و مرتبہ سے گرا کر اور کچھ کو اونچا کر کے پیش کرتے ہیں، یہ یا تو تعصب، یا جہل، یا غیر موثوق راوی کے نقل پر اعتماد محض وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ شاید ہی کسی تاریخ کو آپ اس سے خالی پائیں گے۔ اس بارے میں صحیح و صائب رائے ہمارے نزدیک یہ ہے کہ چند شرائط کے بغیر مؤرخین کی نہ تو کسی مدح کو قبول کیا جائے اور نہ ہی جرح کو، وہ شرائط یہ ہیں:

:۱...... مؤرخ صادق ہو۔ :۲...... روایت باللفظ پر اعتماد کیا ہو، نہ کہ روایت بالمعنی پر۔

:۳...... اس کی نقل کردہ روایت مجلسِ مذاکرہ میں سن کر بعد میں نہ لکھی گئی ہو۔

:۴ ...... جس سے نقل کر رہا ہو، اس کے نام کی صراحت کرے۔

:۵...... اپنی طرف سے کسی کے حالات بیان نہ کرے۔

:۶...... تراجم میں کثرتِ نقل کو اختیار نہ کرے۔

:۷...... مترجم لہ کے علمی اور دینی حالات سے پوری طرح واقف ہو۔

:۸ ...... حسنِ عبارت کا مالک ہو اور الفاظ کے مدلولات سے واقف ہو۔

:۹...... حسنِ تصور والا ہو، یہاں تک کہ مترجم لہ کے تمام حالات اس کے سامنے ہوں، اس کے بارے میں ایسی عبارت لائے جو نہ اُسے اس کے حقیقی مقام سے اونچا کرے اور نہ گرا دے۔

:۱۰...... ہوئ پرستی کا شکار نہ ہو کہ وہ اس کو اپنی محبوب شخصیت کی مدح میں اطناب اور دیگر کے بارے میں تقصیر پر مجبور کرے، یا تو ہوئ سے بالکل پاک ہو یا اس میں ایسا عدل ہو جو اس کے ہوئ کو مغلوب کر کے انصاف پر مجبور کرے۔ (قاعدۃ فی المؤرخین ص 66)

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ نقل عبارت ہی کافی نہیں بلکہ اس کے مندرجات کا ثابت ہونا اور نصوص کے خلاف اور عقائد اہل سنت سے متصادم نہ ہونا ہے۔

برعکس حقائق

پھر اس کے برعکس چند ایسے حقائق بھی ہیں جس سے معاملہ کچھ الگ ہوتا ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث ھرقل میں حضرت ابوسفیان اور ھرقل کے مکالمہ میں اس کی وضاحت و صراحت موجود ہے، چنانچہ جب ھرقل نے آنحضرت ﷺ کا والا نامہ ملنے پر ابوسفیان سے، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حضرت محمد ﷺ اور اسلام کے حریف تھے، یہ پوچھا کہ:

"...هل یرتد احد منهم عن دینه بعد ان یدخل فیه سخطة له؛ قال: لا..."
ترجمہ:...... "ھرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا اسلام قبول کرنے والوں میں سے کوئی اس کو ناپسند کرکے یا اس سے ناراض ہوکر مرتد بھی ہوا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں۔"
ھرقل نے اپنے ایک ایک سوال اور ابوسفیان کے جوابات کے بعد جو کہا وہ ملاحظہ کیجئے۔

"...وسائلتك هل یرتد احد منهم عن دینه بعد ان یدخل فیه سخطة فزعمت ان لا، و كذالك الایمان اذا خالط بشاشة القلوب."
ترجمہ:...... "اور میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ کیا اسلام قبول کرنے والوں میں سے کوئی شخص اسلام سے ناراض ہوکر یا اس سے متنفر ہوکر کبھی مرتد بھی ہوا ہے؟ تو آپ نے کہا تھا کہ ایسا نہیں ہوا، تو سنو! یوں ہی ہے کہ شرح صدر کے ساتھ جب ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو نکلا نہیں کرتا۔" (صحیح بخاری 2/653)

پیش کردہ صحیح بخاری روایت سے یہ بات واضح ہے کہ جب کوئی شخص شرح صدر کے ساتھ ایمان قبول کرتا ہے تو ایمان اس سے نہیں نکلتا۔ اس روایت کے بارے میں یہ احتمال پیش کیا جا سکتا ہے کہ شاید حضرت ابوسفیان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عبیداللہ بن جحش کے ارتداد کا معلوم نہ ہو؟؟ تو عرض ہے کہ حضرت ابوسفیان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لاعلم ہونے کی بات اس لیے بھی کچھ درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ وہ ان کے داماد تھے، اب کوئی شخص اپنے داماد کے ایمان یا خارج ایمان کو نہ جانتا ہو، یہ عمومی طور پر ممکن نہیں اور خاص اس وقت جب کہ حضرت ابوسفیان علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کو قبول نہیں کیا تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں صحابہ کرام پر الزامات کا جائزہ

کتب سیر و تاریخ میں چند صحابہ کرام کا نام آتا ہے کہ وہ شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں ملوث یا شامل تھے۔ مگر یہ یاد رہے کہ کسی کتاب میں بغیر سند یا ضعیف روایت کے نقل کرنے سے وہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی اور نہ وہ صاحب تصنیف کا موقف ہوتا ہے۔ اس مقام پر اختصار کے ساتھ ان صحابہ کرام کے ملوث ہونے کے رد میں تحقیق پیش خدمت ہے۔

۱۔ فروہ بن عمرو الانصاری پر اعتراض

ابن عبد البر نقل کرتے ہیں۔

بیعت عقبہ اور السابقون الاولون کے رضی اللہ عنھم میں سے ہیں۔۔۔ كَانَ ممن أعان على قتل عُثْمَان رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ۔ یعنی وہ شہادت عثمان میں شامل تھے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب 3/1259، اسد الغابہ 4/57)

جواب:

اس اعتراض کا خود محدث ابن عبد البر نے رد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔:

قل ابو عمر :هذا لا يعرف ,ولا وجه لما قالاه فی ذلك , و لم يكن لقائل هذا علم بمع كان من الانصاری يوم الدار .

"مفہوم: یہ بات غیر معروف ہے اور ان دونوں [ابن وضاح اور ابن مزین] نے جو الزام لگایا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں، اور اس قول کے قائل کو انصار کا اس فتنے میں جو طرز عمل تھا اس کی کوئی خبر نہیں۔" (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب 3/1259)

2۔ محمد بن عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ پر اعتراض:

ابن عبد البر نقل کرتے ہیں۔

"يقال انه كان اشد الناس على عثمان المحمدون، مُحَمَّد بن أَبِي بَكر، مُحَمَّد بن أَبِي

حذیفة. وَمُحَمَّد بْن عَمْرو بن حزم.

[یہ وہ صحابی رسول ﷺ ہیں جن کا نام بھی خود رسول اللہ ﷺ نے رکھا تھا]. کہا جاتا ہے کہ محمد نام کے یہ بزرگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بہت سخت نکتہ نگاہ رکھتے تھے یعنی محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ، اور محمد بن عمرو بن حزم. (استیعاب ۲۳۴ : ۳)

جواب:

محمد بن عمرو بن حزم الانصاری کی تاریخ ولادت دس ہجری ہے حوالہ ہے۔

(طبقات ابن سعد 5 / 69، الاستیعاب، الاصابہ ابن حجر)

طبقات ابن سعد میں انہیں تابعین میں شمار کیا گیا اور لکھتے ہیں۔

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَدِ اسْتَعْمَلَ عَمْرَو بْنَ حَزْمٍ عَلَى نَجْرَانَ الْيَمَنِ فَوُلِدَ لَهُ هُنَالِكَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم سَنَةَ عَشْرٍ مِنَ الْهِجْرَةِ غُلَامٌ فَأَسْمَاهُ مُحَمَّدًا وَ كَنَّاهُ أَبَا سُلَيْمَانَ وَ كَتَبَ بِذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ فَكَتَبَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ أَنْ سَمِّهِ مُحَمَّدًا۔

جب یہ پیدا ہوے ان کے والد نجران کے عامل تھے، یہ پیدا ہووے تو ان کے والد نے خط لکھ کے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ بچے کا کیا نام رکھوں تو آپ نے "محمد" تجویز کیا- ان کی نبی کریم سے اس شیر خوارگی میں بھی ملاقات ثابت نہیں (الطبقات الکبری 5/69)

علامہ ابن العراقی نے انہیں تابعی لکھا ہے۔ (تحفۃ التحصیل فی ذکر رواۃ المراسیل 1 / 284)

حافظ العلائی نے انہیں تابعی لکھا ہے۔

فهو تابعي ليس إلا وحديثه مرسل (جامع التحصیل فی أحکام المراسیل 1 / 267)

استیعاب میں قتل عثمان میں شرکت کا ذکر ہی نہیں ہے، صرف اتنی سی بات ہے کہ وہ سیدنا عثمان کے شدید ناقد تھے۔ محدث ابن عبد البر لکھتے ہیں۔

يقال انه كان اشد الناس على عثمان المحمدون محمد بن أبي بكر. محمد بن أبي حذيفة. محمد بن عمرو بن حزم. (استيعاب ۳: ۲۳۴)

مذکورہ عبارت میں "یقال" کے الفاظ اس کے ضعف پر دلالت کر رہے ہیں۔

۳۔ جبلہ بن عمرو ساعدی پر الزام

ان پر اعتراض ہے کہ یہ وہ صحابی تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے جنازہ کو بقیع میں دفن نہیں ہونے دیا تھا۔ تاریخ مدینہ ابن شبہ میں ان کے بارے میں ایک روایت ہے۔

حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ دَابِهِ، عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ :قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَزْهَرَ :" لَمْ أَدْخُلْ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَإِنِّي لَفِي بَيْتِي إِذْ أَتَانِي الْمُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيْرِ فَقَالَ :عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوكَ. فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ قَاعِدٌ إِلَى جَنْبِ غِرَارَةِ حِنْطَةٍ فَقَالَ: هَلْ لَكَ إِلَى دَفْنِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ؟ فَقُلْتُ :مَا دَخَلْتُ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِهِ، وَمَا أُرِيدُ ذَاكَ. فَاحْتَمَلُوهُ، مَعَهُمْ معبَدُ بْنُ مَعْمَرٍ. فَانْتَهَوْا بِهِ إِلَى الْبَقِيعِ، فَمَنَعَهُمْ مِنْ دَفْنِهِ جَبَلَةُ بْنُ عَمْرٍو السَّاعِدِيُّ... ". (تاريخ المدينة لابن شبة 112/1)

مورخ ابن شبہ ایک دوسری سند نقل کرتے ہیں۔

قَالَ عَلِيٌّ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَزْهَرَ :لَمْ أَدْخُلْ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِهِ، فَإِنِّي لَفِي بَيْتِي إِذْ أَتَانِي الْمُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيْرِ ،فَقَالَ :عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوكَ. فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ قَاعِدٌ إِلَى جَنْبِ غِرَارَةِ حِنْطَةٍ فَقَالَ :هَلْ لَكَ إِلَى دَفْنِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ؟ فَقُلْتُ :مَا دَخَلْتُ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِهِ وَمَا أُرِيدُ ذَلِكَ. فَاحْتَمَلُوهُ وَمَعَهُمْ مَعْبَدُ بْنُ مَعْمَرٍ. فَانْتَهَوْا بِهِ إِلَى الْبَقِيعِ فَمَنَعَهُمْ مِنْ دَفْنِهِ جَبَلَةُ بْنُ عَمْرٍو السَّاعِدِيُّ...

(تاریخ المدینۃ لابن شبۃ 4 / 1240)

یعنی۔ جبلہ بن عمرو ساعدی انصاریؓ بدری۔ یہ وہ صحابی تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے جنازہ کو بقیع میں دفن نہیں ہونے دیا تھا۔

جواب:

ابن شبہ کی بیان کردہ پہلی روایت میں علی بن دابہ کا تعین نہیں اور اس کے توثیق معلوم نہیں۔

شرحبیل بن سعد کا ضعف

اس سند میں شرحبیل بن سعد کو جمہور محدثین کرام نے ضعیف کہا ہے اور ان کا حافظہ بھی خراب تھا، جب تک یہ واضح نہ ہو کہ شاگرد قبل از اختلاط مرویات بیان کرتا ہے تو ایسی روایات سے استدلال بھی نہیں کیا جاتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

> شُرَحبيل بن سَعْد، أبو سعد المدني، مولى الأنصارِ: صدوقٌ اختَلَط بأَخَرَة.
>
> (تقریب التہذیب، رقم 2764)

۞ اس پر محققین شعیب الارنووط اور بشار العواد لکھتے ہیں۔

> بل: ضعيفٌ، ضعَّفه ابن أبي ذئب، ومالك بن أنس، ويحيى بن معين، وأبو حاتم وأبو زرعة الرازيان، والنسائي، والدارقطني، وما علمنا أحدًا ذكره في الثقات سوى ابن حبان، بل خبر ابن عدي أحاديثه. وقال: "وفي عامة ما يرويه إنكار ... وهو إلى الضعف أقرب".
>
> (تحریر تقریب التہذیب للحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی 2/110 رقم 2764)

یعنی: بلکہ یہ ضعیف ہے، ابن ابی ذئب، مالک بن انس، یحیی بن معین، ابو حاتم، ابو زرعہ الرازی، نسائی اور دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن حبان کے علاوہ کسی کی توثیق پر مطلع نہیں ہیں۔ بلکہ ابن عدی اس کے احادیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ عام طور پر یہ جو بیان کرے اس کا محدثین انکار کرتے ہیں۔۔۔

دوسری روایت میں شرحبیل بن سعد موجود ہے۔ جس کے ضعف پر جمہور علماء کی تصریحات اختصار کے ساتھ نقل کر دی گئی ہیں۔ اور پھر شرجیل بن سعد اس روایت کو بعض اہل مدینہ سے نقل کر رہے ہیں۔ اس لیے اس مجہول بعض اہل مدینہ کی وجہ سے بھی یہ روایت ضعیف ہے۔ ابن جریر طبری نے واقدی کی سند سے ان پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والا لکھا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنے کا الزام:

حضرت جبلہ بن عمرو الساعدی پر الزام بھی ہے وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں طعن و تشنیع کیا۔

پہلی سند:

ابن جریر لکھتے ہیں۔

قال محمد بن عمر وحدّثنى محمد بن صالح عن عبيد الله بن رافع بن نقاخة عن عثمان بن الشّريد قال مرّ عثمان على جَبلة بن عمرو الساعدىّ وهو بفناء داره، ومعه جامعة فقال يا نعثل

”جب سیدنا عثمان پر اعتراضات ہوئے ان اعتراض کرنے والوں میں حضرت جبلہ بھی تھے۔“
(تاریخ الطبری 4/365)

جواب:

ان حوالہ جات میں واقدی راوی متروک ہے۔ اس لیے مثالب صحابہ میں تو اس کی روایت کسی طور پر قابل قبول نہیں ہوتی۔ جیسے کہ علماء نے وضاحت کر رکھی ہے۔ کتاب کے شروع میں تفصیل سے ایسے مجروح و متروک راویوں پر محدثین کرام کی تحقیق پیش کر دی گئی ہے۔ واقدی کے بارے میں صرف حافظ ابن حجر عسقلانی کے قول پیش خدمت ہیں۔

واقدی کے بارے میں ابن حجر عسقلانی کا موقف:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مختلف تصانیف میں واقدی پر اپنی جرح کو واضح بیان کیا ہے۔

1۔ محمد بن عمر بن واقد الأسلمى الواقدى ۔ متروك مع سعة علمه ۔ (تقريب التهذيب رقم 6175)

2۔ "ليس بمعتمد". "هدى السارى" (417)

3۔ "لا يحتج به". "فتح البارى" (4/73)

4۔ "لا يحتج به إذا انفرد فكيف إذا خالف؟!". "فتح البارى" (8/48)

5۔ "ضعيف". "المطالب العاليه" (2/61)

6۔ ضعيف "النكت" (2/666)

7۔ ضعيف "فتح البارى" (5/166)

8۔ ضعیف "تلخیص الحبیر" (191/4)

9۔ "غیر حجة"۔ "تهذیب التهذیب" (617/3)

10۔ "معروف بالضعف"۔ "تلخیص الحبیر" (278/3)

11۔ "حسبك به فی الضعف"۔ "المهرة" (134/6)

12۔ "ضعیف جدًا"۔ "المطالب العالیه" (122/1)

13۔ "شدید الضعف إذا انفرد فکیف إذا خالف"۔ "فتح الباری" (157/8)

14۔ "علی طریقة أهل المدینة فی الإنحراف علی أهل العراق"۔ "هدی الساری" (443)

15۔ "واه"۔ "الدرایة" (121/2)

16۔ "واه"۔ "الإصابة" (565/5)

17۔ "لیس بحجة وقد تعصب مغلطای للواقدی فنقل کلام من قواه ووثقه وسکت عن ذکر من وهاه واتهمه وهم أکثر عددًا وأشد إتقانًا وأقوی معرفة به من الأولین، ومن جملة ما قواه به أن الشافعی روی عنه، وقد أسند البیهقی عن الشافعی: "أنه کذبه"، ولا یقال فکیف روی عنه؟! لأنا نقول: روایة العدل لیست بمجردها توثیقًا، فقد روی أبو حنیفة عن جابر الجعفی، وثبت عنه أنه قال: ما رأیت أکذب منه"۔ "فتح الباری" (113/9)

18۔ "لو قبلنا قوله فی المغازی مع ضعفه فلا یرد به الأحادیث الصحیحة والله الموفق"۔ "تهذیب التهذیب" (126/3)۔

19۔ "متروك"۔ "فتح الباری" (139/8)

20۔ "متروك"۔ "التلخیص الحبیر" (339/1)

21۔ "متروك"۔ "المهرة" (260/17)

22۔ "متروك"۔ "التغلیق" (286/2)

23۔ "متروك الحدیث"۔ "النکت" (722/2)

24۔ "من الکذابین"۔ "لسان المیزان" (707/5)۔ ترجمة: ابن الندیم۔

25۔ "کذاب"۔ "الإصابة" (2/266)۔

26۔ "ما كان يستحي من الكذب فسبحان من خذله حتى روى هذه الأشياء المتناقضة"۔ "اتحاف المهرة" (4/186)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مختلف کتب میں تقریباً 26 مقامات پر اس کے متروک وضعیف ہونے کی تصریح ہے، اور ہمارے مہربان اس سے فضائل سے درکنار مثالب صحابہ پر استدلال کر رہے ہیں۔

محمد بن صالح کا تعین نہیں

مذکورہ روایت کے دوسرے راوی محمد بن صالح کا تعین اور توثیق بھی نہیں ہے۔

دوسری سند:

ابن جریر طبری لکھتے ہیں۔

حدثني محمد. قال حدَّثني أبو بكر بن إسماعيل عن أبيه، عن عامر بن سعد، قال: كان أوّل من اجترأ على عثمان بالمنطق السيّئ جبَلة بن عمرو الساعديّ، مرّ به عثمان وهو جالس في نديّ قومه، وفي يد جبلة بن عمرو جامعة. فلما مرَّ عثمان سلَّم، فرد القوم!. فقال جبلة: لم تردون على رجل فعل كذا و كذا! قال: ثم أقبل على عثمان۔ (تاریخ الطبری 4/365)

"جب سیدنا عثمان پر اعتراضات ہوئے ان اعتراض کرنے والوں میں حضرت جبلہ بھی تھے۔"

جواب:

تاریخ طبری کی دوسری سند میں بھی متعدد علتیں موجود ہیں۔

1) واقدی متروک
2) ابوبکر بن اسماعیل کی توثیق ثابت نہیں
3) عامر بن سعد کا اس فتنہ کے وقت ہونا ثابت بھی نہیں۔

اس لیے ایسی روایات سے کسی لاعلم شخص کو تو گمراہ کیا جا سکتا ہے مگر علمی میدان میں اس کے حجت ہرگز نہیں۔

الزامی جواب :

مخالفین کو صحابہ کرام پر طعن کرنے میں یہ نکتہ شاید ذہن سے خارج ہو جاتا ہے کہ جن صحابہ کرام کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ پر طعن و تشنیع اور انہیں شہید کرنے کا الزام تھا وہ تمام شخصیات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ یا ان کے ساتھ جنگ جمل یا جگ صفین میں شامل تھے۔

❁ محدث ابن حبان لکھتے ہیں۔

جبلة بْن عَمْرو الْأَنْصَارِيّ أَخُو أَبِي مَسْعُود الْأَنْصَارِيّ كَانَ مَعَ علي بصفين.

یعنی جبلہ بن عمرو الانصاری جب کے بھائی حضرت ابو مسعود الانصاری b اور یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ جنگ صفین میں تھے۔ (الثقات 3/58 رقم 187)

بالفرض بالفرض اگر ان صحابہ کرام پر یہ الزام درست مان لیا جائے تو پھر یہ الزام تو صحیح ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھی تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے قصاص کا مطالبہ کیا۔ پھر تو ان کا مطالبہ درست ثابت ہوتا ہے؟ اور جب ان بدری اور اولین صحابہ کرام پر یہ الزام بالفرض مان لیا جائے کہ انہوں نے خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو ایسے لوگوں کو خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے لشکر میں ہی کیوں شامل فرمایا؟ یہ الزام تو پھر نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ذات گرامی پر آتا۔ اس لیے ان الزامات کی کوئی حقیقت نہیں جیسا کہ ان کی مرویات کی استنادی حیثیت سے واضح ہوتا ہے۔

4۔ عبداللہ بن بُدیل بن ورقاء خزاعی رضی اللہ عنہ پر اعتراض

یہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

روى الْبُخَارِيّ فِي "تاريخه" أنّه ممن دخل على عُثْمان، فطعن عُثْمان فِي وَدَجِه، وعلا التنوخيّ عثمان بالسيف.

امام بخاری کے بقول یہ وہی ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کا گلا کاٹا تھا۔ (سیر أعلام النبلاء 2/532)

جواب :

علامہ ذہبی نے جس روایت کا اشارہ کیا اس کو امام بخاری نے تاریخ الاوسط میں کچھ اس سند سے نقل کیا ہے۔

حَدَّثَنَا محمد قال حدثنا محمد بن أبی بکر المقدمی، قال حَدَّثَنَا حصین بن نمیر، قال: حَدَّثَنَا جبیر، قال حدثنی جهیم الفهری قال أنا شاهد الأمر کله قال عثمان لیقم أهل کل مصر کرهوا صاحبهم حتی أعزله عنهم وأستعمل الذی یحبون فقال أهل البصرة رضینا بعبد الله بن عامر فأقره وقال أهل الکوفة اعزل عنا سعید بن العاص واستعمل أبا موسی ففعل وقال أهل الشام قد رضینا بمعاویة فأقره وقال أهل مصر اعزل عنا بن أبی سرح واستعمل علینا عَمرو بن العاص ففعل فدخل علینا أبو عَمرو بن بدیل الخزاعی والبجوی أو التنوخی فطعنه أبو عَمرو فی ودجه وعلاه الآخر بالسیف فقتلاه فأخذهم معاویة فضرب أعناقهم۔ (التاریخ الأوسط 572/1 رقم 305)

حصین بن نمیر کے شیوخ میں جبیر نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ حصین بن عبدالرحمن ہے۔ امام بخاری نے تاریخ الکبیر 10/3 رقم 37 پر حصین بن نمیر کے شیوخ میں حصین بن عبدالرحمن کو لکھا ہے، واضح ہوتا ہے کہ قلمی مخطوط میں ناسخ کی خطاء ہے۔

حصین بن عبدالرحمن کا حافظہ خراب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

حصین بن عبد الرحمن السلمی أبو الهذیل الکوفی ثقة تغیر حفظه فی الآخر۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے یہ واضح ہوگیا کہ آخر میں اس کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا۔

(تقریب التهذیب، رقم 1369)

اس کے حافظہ متغیر ہونے سے پہلے اور بعد کے راویوں کے بارے میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

"متفق علی الإحتجاج به إلا أنه تغیر فی آخر عمره، وأخرج له البخاری من حدیث شعبة والثوری وزائدة وأبی عوانة وأبی بکر بن عیاش وأبی کدینة وحصین بن نمیر وهشیم وخالد الواسطی وسلیمان بن کثیر العبدی وأبی زید عبثر بن القاسم وعبد العزیز العمی وعبد العزیز ابن مسلم ومحمد بن فضیل عنه۔ فأما شعبة والثوری وزائدة وهشیم وخالد فسمعوا منه قبل تغیره، وأما

حصين بن نمير فلم يخرج له البخاري من حديثه عنه سوى حديث واحد. وأما محمد بن فضيل ومن ذكر معه فأخرج من حديثهم ما توبعوا عليه"۔

یعنی اس سے احتجاج کرنے پر اتفاق ہے مگر یہ کہ اس کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہوگیا تھا، اس کی حدیث امام بخاری نے شعبہ، ثوری، زائدہ، ابوعوانہ، ابوبکر عیاش اور ابن کدینہ، حصین بن نمر، ہشیم، خالد الواسطی، سلیمان بن کثیر، ابی زید عبثر بن القاسم، عبدالعزیز العمی اور عبدالعزیز بن مسلم اور محمد بن فضیل سے بیان کی۔

مگر شعبہ، ثوری، زائدہ، ہشیم، خالد سے اس سے حافظہ خراب ہونے سے پہلے سنا، اور حصین بن نمیر سے سوائے ایک حدیث کے علاوہ کوئی روایت اس کے واسطہ سے نہیں اور محمد بن فضیل اور اس کے ساتھ دیگر کے ساتھ حدیث کا اخراج کیا جس کی متابعت تھی۔ (ہدی الساری 398)

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ حصین بن عبدالرحمن سے روایت کرنے والا حصین بن نمیر قدیم السماع شاگرد نہیں بلکہ اس سے حافظہ خراب ہونے کے بعد کا راوی ہے اور صحیح بخاری میں جو حصین بن عبدالرحمن سے حصین بن نمیر سے روایت لی، اس کی متابعت موجود ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ روایت حصین بن عبدالرحمن کے حافظہ خراب ہونے اور جہیم الفہری کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

الزامی جواب :

مخالفین کو صحابہ کرام پر طعن کرنے میں یہ نکتہ شاید ذہن سے خارج ہوجاتا ہے کہ جن صحابہ کرام کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ پر طعن و تشنیع اور انہیں شہید کرنے کا الزام تھا وہ تمام شخصیات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ یا ان کے ساتھ جنگ جمل یا جگ صفین میں شامل تھے۔

حضرت عبداللہ بن بدیل رضی اللہ عنہ کا جنگ صفین میں شرکت

محدث ابن حبان لکھتے ہیں۔

عبد الله بن بديل بن ورقاء الخزاعي يروى عن جماعه من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قتل يوم صفين في أصحاب علي بن أبي طالب

یعنی عبداللہ بن بدیل بن ورقاء۔۔۔۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ جنگ صفین میں تھے۔ (الثقات - ابن حبان 5/12 رقم 3590)

بالفرض بالفرض بالفرض اگر ان صحابہ کرام پر یہ الزام درست مان لیا جائے تو پھر یہ الزام تو صحیح ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے قصاص کا مطالبہ بھی کیا۔ پھر تو ان کا مطالبہ درست ثابت ہوتا ہے؟ اور جب ان بدری اور اولین صحابہ کرام پر یہ الزام بالفرض مان لیا جائے کہ انہوں نے خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو ایسے لوگوں کو خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے لشکر میں ہی کیوں شامل فرمایا؟ یہ الزام تو پھر نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ذات گرامی پر آتا ہے۔ اس لیے ان الزامات کی کوئی حقیقت نہیں جیسا کہ ان کی مرویات کی استنادی حیثیت سے واضح ہوتا ہے۔

5۔ محمد بن ابو بکرؓ پر اعتراض

یہ حجۃ الوداع کے سال میں پیدا ہوئے۔
علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں۔

وَقَالَ الْوَاقِدِيُّ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدٍ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي بَكْرٍ تَسَوَّرَ مِنْ دَارِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَلَى عُثْمَانَ، وَمَعَهُ كِنَانَةُ بْنُ بِشْرٍ، وَسُودَانُ، وَعَمْرُو بْنُ الْحَمِقِ، فَوَجَدُوهُ عِنْدَ نَائِلَةَ يَقْرَأُ فِي الْمُصْحَفِ، فَتَقَدَّمَهُمْ مُحَمَّدٌ، فَأَخَذَ بِلِحْيَتِهِ وَقَالَ: يَا نَعْثَلُ قَدْ أَخْزَاكَ اللَّهُ. فَقَالَ: لَسْتُ بِنَعْثَلٍ وَلَكِنَّنِي عَبْدُ اللَّهِ، وَأَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ،...
مفہوم: محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا اور ان کی ڈاڑھی کو پکڑ کر کہا: اے یہودی! خدا تمہیں ذلیل و رسوا کرے...

(تاریخ الاسلام 2/242، تاریخ طبری 4/393-494)

جواب:

محمد بن ابی بکر حجۃ الوداع کے سفر میں پیدا ہوئے۔ اس لیے ان کا صحابی ہونے پر علماء مختلف فیہ نظریہ رکھتے ہیں۔ پیش کردہ روایت کے راوی پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔
اول: واقدی پر تو علماء محققین متروک ہونے کے قائل ہیں۔ اور پھر یہ روایت مثالب صحابہ کے بارے میں ہے اس لیے واقدی کی روایت صحابہ کرام کے خلاف قابل قبول ہرگز نہیں ہوتی۔

عبدالرحمن بن عبدالعزیز کا ضعف

دوم: اور اس کے دوسرے راوی عبدالرحمن بن عبدالعزیز کو حافظ ابن حجر عسقلانی ضعیف قرار دیتے ہیں۔
(فتح الباری 3/ 210، ہدی الساری 356)

محمد بن ابی بکر کا شہادت عثمان سے برات

ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔

> قال أسد بن موسى حدثنا محمد بن طلحة قال نا كنانة مولى صفية بنت حيي. وكان شهد يوم الدار. أنه لم يند محمد بن أبي بكر. من دم عثمان بشيء. قال محمد بن طلحة: فقلت لكنانة: لم قيل إنه قتله؛ قال: معاذ الله أن يكون قتله إنما دخل عليه فقال له عثمان: يا ابن أخي لست بصاحبي. وكلمه بكلام فخرج ولم يند من دمه بشيء. فقلت لكنانة: فمن قتله؛ قال رجل من أهل مصر يقال له: جبلة بن الأيهم.

مفہوم: کنانہ مولی صفیہ سے محمد بن طلحہ نے پوچھا؛ کیا محمد بن ابی بکر نے اپنے خون میں سے کچھ خون بہایا - یعنی عثمان کو - اور اس نے کہا: خدا نہ کرے وہ اس پر داخل ہوا، اور عثمان نے اس سے کہا: بھتیجے، تم میرے دوست نہیں ہو؟ اور محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمان b سے باتیں کیں اور وہ باہر چلا گیا اور اُس کا کوئی خُون نہ بہایا۔

(الاستیعاب لابن عبدالبر 3/ 349 اسنادہ حسن)

❁ حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پر الزام کے برعکس مورخ خلیفہ بن خیاط نے صحیح سند سے نقل کیا ہے۔

> حدثنا المعتمر عن أبيه الحسن: أن ابن أبي بكر أخذ بلحيته فقال عثمان: لقد أخذت مني مأخذًا أو قعدت مني مقعدًا ما كان أبوك ليقعده. فخرج وتركه.

جب محمد بن ابی بکر نے داڑھی پکڑی تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے مجھ سے جگہ لی یا تم نے مجھ سے ایسی جگہ لی کہ تمہارے والد نہ بیٹھے ہوں گے، چنانچہ وہ باہر نکلے اور اسے چھوڑ دیا۔
(تاریخ خلیفہ/ 174، الطبری 4/ 383)

حضرت عثمان کی شہادت میں مہاجرین اور انصار شامل نہ تھے۔

خلیفہ بن خیاط نے سند صحیح سے امام حسن بصری کا قول نقل کیا ہے۔

حدثنا عبد الأعلى بن هيثم قال = حدثني أبي قال : قلت للحسن : أكان فيمن قتل عثمان أحد من المهاجرين والأنصار ؟ قال : لا كانوا أعلاجًا من أهل مصر

مفہوم : امام حسن بصری سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت عثمان کو قتل کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے تھا؟ امام حسن بصری نے کہا : نہیں۔۔۔ (تاریخ خلیفہ/176)

اس نکات سے واضح ہوا کہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں کوئی صحابی مہاجرین اور انصار میں سے نہ تھا۔

الزامی جواب : جنگ جمل اور جنگ صفین میں شرکت

مخالفین کو صحابہ کرام پر طعن کرنے میں یہ نکتہ شاید ذہن سے خارج ہو جاتا ہے کہ جن صحابہ کرام کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ پر طعن و تشنیع اور انہیں شہید کرنے کا الزام تھا وہ تمام شخصیات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ یا ان کے ساتھ جنگ جمل یا جنگ صفین میں شامل تھے۔

حافظ ابن عبد البر اپنی کتاب الاستیعاب میں محمد بن ابی بکر الصدیق کے بارے میں لکھتے ہیں۔

يَوْمَ الْجَمَلِ، وَشَهِدَ مَعَهُ صِفِّينَ۔

یعنی حضرت محمد بن ابی بکر جمل کے دن اور صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ شریک تھے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب 3/1366)

بالفرض بالفرض اگر ان صحابہ کرام پر یہ الزام درست مان لیا جائے تو پھر یہ الزام تو صحیح ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے قصاص کا مطالبہ بھی کیا۔ پھر تو ان کا مطالبہ درست ثابت ہوتا ہے؟ اور جب ان بدری اور اولین صحابہ کرام پر یہ الزام بالفرض مان لیا جائے کہ انہوں نے خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو ایسے لوگوں کو خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے لشکر میں ہی کیوں شامل فرمایا؟ یہ الزام تو پھر نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ذات گرامی پر آتا ہے۔ اس لیے ان الزامات کی کوئی حقیقت نہیں جیسا کہ ان کی مرویات کی استنادی حیثیت سے واضح ہوتا ہے۔

:6 حضرت عمرو بن حمق رضؓ پر اعتراض

یہ بھی صحابی رسولؐ تھے جنہوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر محمد رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی۔ [حالانکہ تفضیلیہ اور مخالفین تو فتح حدیبیہ کے بعد کسی پر صحابہ کا شرعی اطلاق نہیں کرتے اور فتح مکہ اور بعد فتح مکہ اسلام لانے والوں کو طلیق یا طلقاء کہہ کر ان کی صحابیت کا انکار کرتے ہیں۔]

اعتراض اول :فتنہ کے سردار

ابن سعد نقل کرتے ہیں۔

> "أخبرنا محمد بن عمر حدثني إبراهيم بن جعفر عن أم الربيع بنت عبد الرحمن بن محمد بن مسلمة، عن أبيها قال وحدثني يحيى بن عبد العزيز عن جعفر بن محمود عن محمد بن مسلمة قال: وحدثني ابن جريج داود بن عبد الرحمن العطار، عن عمرو بن دينار عن جابر بن عبد الله. أن المصريين لما أقبلوا من مصر يريدون عثمان، ونزلوا بذي خشب دعا عثمان محمد بن مسلمة فقال :اذهب إليهم فارددهم عني، وأعطهم الرضى، وأخبرهم أني فاعل بالأمور التي طلبوا، ونازع عن كذا من الأمور التي تكلموا فيها. فركب محمد بن مسلمة إليهم إلى ذي خشب. قال جابر وأرسل معه عثمان خمسين راكباً من الأنصار أنا فيهم .وكان رؤساؤهم أربعة عبد الرحمن بن عديس البلوي، وسودان بن حمران المرادي، وابن البياع، وعمرو بن الحمق الخزاعي، لقد كان الاسم غلب حتى يقال :جيش عمرو بن الحمق.....

مفہوم:۔۔۔اور ان کے سربراہ چار تھے، جن میں عبدالرحمن بن عدیس البلوی، سودان بن حمران المرادی، ابن البیاع اور عمرو بن الحمق الخزاعی۔۔۔(الطبقات 3/64)

جواب:

ابن سعد نے اس روایت کو تین طرق سے نقل کیا ہے مگر ان تمام طرق میں محمد بن عمر الواقدی ہے۔ جس کے متروک اور ضعیف ہونے میں کس طرح کا شک وشبہ نہیں۔ اور اگر تاریخی حیثیت کو تسلیم کریں تو کسی صحابہ پر طعن

وتشنیع اور مثالب کے باب میں بھی واقدی کی روایت ہرگز حجت نہیں۔ اس لیے ایسی مردود مرویات سے لوگوں کو بے وقوف نہ بنایا جائے۔

اعتراض دوم: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر وار کرنے والے

علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں۔

وقال الواقدي: حدثني عبد الرحمن بن عبد العزيز...... قال عبد الرحمن بن عبد العزيز: فسمعت ابن أبي عون يقول: ضرب كنانة بن بشر جبينه بعمود حديد، وضربه سودان المرادي فقتله، ووثب عليه عمرو بن الحمق، وبه رمق، وطعنه تسع طعنات، وقال: ثلاث لله، وست لما في نفسي عليه.

حضرت عمرو بن حمق نے حضرت عثمانؓ پر خنجر کے پے در پے نو وار کرتے ہوئے کہا: تین خنجر خدا کے لئے مار رہا ہوں اور چھ اس چیز کے بارے میں جو تیرے بارے میں میرے دل میں ہے!۔ (سیر اعلام النبلا، 2/484)

اس متن کو ابن سعد نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، ...... قال عبد الرحمن بن عبد العزيز: فسمعت ابن أبي عون يقول: ضرب كنانة بن بشر جبينه بعمود حديد، وضربه سودان المرادي فقتله، ووثب عليه عمرو بن الحمق، وبه رمق، وطعنه تسع طعنات، وقال: ثلاث لله، وست لما في نفسي عليه. (الطبقات الكبرى 3/74)

مفہوم: حضرت عمرو بن حمق نے حضرت عثمانؓ پر خنجر کے پے در پے نو وار کرتے ہوئے کہا: تین خنجر خدا کے لئے مار رہا ہوں اور چھ اس چیز کے بارے میں جو تیرے بارے میں میرے دل میں ہے۔

اسی روایت کو واقدی کی سند سے مورخ ابن جریر طبری نے تاریخ طبری جلد 4 ص 394 پر بھی نقل کیا ہے۔

اسی متن کو ابن شبہ نے اپنی کتاب میں بھی سند سے نقل کیا ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، عَنْ عِيسَى بْنِ يَزِيدَ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ: دَخَلَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ

أَبِي بَكْرٍ بِشْرِ يَانَ كَانَ مَعَهُ ، فَضَرَبَهُ فِي حَشَائِهِ حَتَّى وَقَعَتْ فِي أَوْدَاجِهِ فَخَرَّ. وَضَرَبَ كِنَانَةُ بْنُ بِشْرٍ جَبْهَتَهُ بِعَمُودٍ، وَضَرَبَهُ أَسْوَدَانُ بْنُ حُمْرَانَ بِالسَّيْفِ. وَقَعَدَ عَمْرُو بْنُ الْحَمِقِ عَلَى صَدْرِهِ فَطَعَنَهُ تِسْعَ طَعَنَاتٍ. وَقَالَ : عَلِمْتُ أَنَّهُ مَاتَ فِي الثَّانِيَةِ فَطَعَنْتُهُ سِتًّا لِمَا كَانَ فِي قَلْبِي عَلَيْهِ.

مفہوم: حضرت عمرو بن حمق نے حضرت عثمانؓ پر خنجر کے پے در پے نو وار کرتے ہوئے کہا: تین خنجر خدا کے لئے مار رہا ہوں اور چھ اس چیز کے بارے میں جو تیرے بارے میں میرے دل میں ہے۔ (تاریخ المدینۃ لابن شبہ 4/ 1232)

جواب:

گذارش ہے کہ مذکورہ اعتراض کی کوئی سند صحیح اور قابل قبول نہیں۔

طبقات ابن سعد کی سند ضعیف و متروک

روایت کی مکمل سند ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات ابن سعد 3/ 74 پر واقدی کی سند سے نقل کیا ہے۔ اس لیے اس پر چند نکات پیش خدمت ہیں۔

اول: واقدی متروک راوی ہے اور مثالب صحابہ میں اس کی روایت ہر گز قابل قبول نہیں ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کے خلاف مثالب بیان کرنے میں جری ہے۔

دوم: اور اس کے دوسرے راوی عبد الرحمن بن عبد العزیز کو حافظ ابن حجر عسقلانی ضعیف قرار دیتے ہیں۔
(فتح الباری 3/ 210، ہدی الساری رقم 356)

تاریخ ابن شبہ کی روایت متروک وضعیف

سوم: دوسری سند تاریخ ابن شبہ کی روایت میں ابن شبہ کے شیخ علی کا تعین نہیں ہے، قطع نظر اس کے تعین کہ اس کی سند میں عیسی بن یزید المدنی راوی ماہر انساب ہونے کے باوجود بھی متروک و منکر الحدیث راوی ہے۔ ملاحظہ کیجئے لسان المیزان 4/ 408 رقم 1250

اس تحقیق سے ایسی روایات کا ضعف اور نا قابل حجت ثابت ہوتا ہے۔

الزامی جواب: جنگ صفین میں شرکت

مخالفین کو صحابہ کرام پر طعن کرنے میں یہ نکتہ شاید ذہن سے خارج ہو جاتا ہے کہ جن صحابہ کرام کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ پر طعن و تشنیع اور انہیں شہید کرنے کا الزام تھا وہ تمام شخصیات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ یا ان کے ساتھ جنگ جمل یا جگ صفین میں شامل تھے۔

حافظ ابن عبد البر اپنی کتاب الاستعیاب میں لکھتے ہیں۔

یَوْمَ الْجَمَلِ، وَشَهِدَ مَعَهُ صِفِّينَ۔
یعنی حضرت محمد بن ابی بکر جمل کے دن اور صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ شریک تھے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب 3/1366)

بالفرض بالفرض اگر ان صحابہ کرام پر یہ الزام درست مان لیا جائے تو پھر یہ الزام تو صحیح ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ط کو شہید کرنے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے قصاص کا مطالبہ بھی کیا۔ پھر تو ان کا مطالبہ درست ثابت ہوتا ہے؟ اور جب ان بدری اور اولین صحابہ کرام پر یہ الزام بالفرض مان لیا جائے کہ انہوں نے خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو ایسے لوگوں کو خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے لشکر میں ہی کیوں شامل فرمایا؟ یہ الزام تو پھر نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ذات گرامی پر آتا ہے۔ اس لیے ان الزامات کی کوئی حقیقت نہیں جیسا کہ ان کی مرویات کی استنادی حیثیت سے واضح ہوتا ہے۔

اہم نکتہ:

مزید یہ کہ مخالفین حضرت عمرو بن الحمق کو ایک مقام پر قاتلین عثمان میں شامل کرتے ہوئے نہیں تکتے وہ اس لیے کہ وصف صحابیت اور مقام صحابیت کی شان میں آیات و مرویات کے خلاف جو لکھنا ہوتا ہے۔ جب صحابی کی شان اور مقام پر کوئی آیت یا روایت ہو تو پھر ان کو غلط ثابت کرنے کے لیے حضرت عمرو بن الحمق جیسے صحابہ کرام کا نام پیش کیا جاتا ہے کہ دیکھیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والوں میں ایک صحابی شامل ہیں، اور اس حوالہ سے مقصد ان کا ایک صحابی کے کردار اور عمل کو داغدار ہونا معاذ اللہ ثابت کرنا ان مخالفین کا مقصد ہوتا ہے مگر جب حضرت عمرو بن الحمق کو کسی واقعہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے قتل کرنے کا حوالہ آجائے تو پھر مخالفین حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کے فضائل اور شان و مرتبت بیان کرتے

ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن وتشنیع کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اس مقام پر یہ خود بھول جاتے ہیں کہ مقام صحابیت کو داغدار ثابت کرنے کے لیے حضرت عمرو بن الحمق کا غیر ثابت شدہ عمل کو عوام کے سامنے پیش کر چکے ہیں اور خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ پر ظلم کرنے والے اور شہید کرنے کے الزام میں ان کی کردارکشی کر چکے ہیں۔ اب ان سے یہ کوئی پوچھے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ پر ظلم اور شہید کرنے والوں کے کردار میں تم صحابہ کرام کا نام لوگوں کو دکھاتے ہو اور ان ظلم اور بربریت کے غیر ثابت شدہ اقوال کو مقام و شان صحابیت کے منافی گردانتے ہوئے صحابہ کرام پر طعن کرتے ہو کہ ایسا صحابہ کیسے جنتی یا مغفور ہو سکتا ہے۔ جو خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں شامل ہو مگر دوسرے ہی مقام پر اپنی شاطرانہ چال سے حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کی شان و مرتبت بیان کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہو۔ ایسی حرکتوں سے اللہ محفوظ رکھے۔

❁ حافظ ابن عبد البر اپنی کتاب الاستیعاب میں حضرت عمرو بن الحمق کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ثُمَّ صار من شيعة علي رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وشهد معه مشاهده كلها: الجمل، والنهروان، وصفين، وأعان حجر بن عدي،...

مفہوم: پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں میں سے ہو گئے، اور اس کے ساتھ ان کے تمام حالات کا مشاہدہ کیا یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ تھے جیسے کہ جنگ الجمل، جنگ النہروان، جنگ صفین، اور پھر یہ حجر بن عدی کے ساتھیوں اور مددگاروں میں ہوئے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب 3/1173)

7۔ عبد الرحمن بن عدیس رضی اللہ عنہ پر الزامات

حضرت عبد الرحمن بن عدیس پر چند اعتراضات کیے گئے ہیں ان میں تحقیق پیش خدمت ہے۔

اعتراض، باغیوں کے سرغنہ

حضرت عبد الرحمن بن عدیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ اعتراض کیا گیا کہ وہ باغی لوگوں کے سردار تھے۔ اس بارے میں روایات نقل کی گئی ہیں کہ

كان الأمير على الجيش الذي قدم من مصر الذين حاصروه وقتلوه. ولم يقل أحد أنه كان هو قاتل عثمان.

یعنی: یہ مصر ان کے ان لوگوں کے سردار تھے جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔
(الاستیعاب 1445 والجرح والتعدیل 5/ 248 تاریخ الاسلام 3/ 319 الاعلام 3:316 تبصیر المنتبہ 3/ 10029 بقی بن مخلد 916 المعرفہ والتاریخ 3/ المصنف لابن أبی شیبۃ 7/ 492، الاکمال لابن ماکولا 6/ 150، الاصابۃ لابن حجر 4/358. 281، المعرفہ والتاریخ 2/ 488- کشف الأستار فی زوائد البزار 3/ 177-178)

جواب:

حضرت عبد الرحمن بن عدیس علیہ الرحمۃ کے بارے میں ایسی جتنی بھی مرویات ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان غنی علیہ الرضوان کے گھر کا محاصرہ کیا۔ ان مرویات میں چند علتیں واضح موجود ہیں، جس پر ان کے ضعف اور ناقابل استدلال ثابت ہوتی ہیں۔

پہلی روایت کی تحقیق:

محدث ابن سعد لکھتے ہیں۔

> "أخبرنا محمد بن عمر قال: أخبرنا عبد الرحمن بن أبي الزناد عن أبي جعفر القارء مولى ابن عباس المخزومي، قال: كان المصريون الذين حصروا عثمان ستمائة، رأسهم عبد الرحمن بن عديس البلوي، وكنانة بن بشر بن عتاب الكندي، وعمرو بن الحمق الخزاعي، والذين قدموا من الكوفة مائتين رأسهم مالك الأشتر النخعي، والذين قدموا من البصرة مائة رجل رأسهم حكيم بن جبلة العبدي، وكانوا يداً واحدة في الشر، وكان حثالة من الناس قد ضووا إليهم، قد مزجت عهودهم وأماناتهم، مفتونون، وكان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم الذين خذلوه كرهوا الفتنة، وظنوا أن الأمر لا يبلغ قتله، فندموا على ما صنعوا في أمره، ولعمري لو قاموا أو قام بعضهم، فحثا في وجوههم التراب، لانصرفوا خاسرين. (الطبقات ابن سعد 3/ 71)

جواب:

ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ٣ ص ٧١ ٧٢، والبلاذری، أنساب الأشراف، ج ٢ ص ٢٩٦، وابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، ج ٣٩ ص ٣ کی روایت میں محمد بن عمر الواقدی متروک وضعیف راوی ہے۔

ابوجعفر یزید بن القعقاع کا ارسال

اور بیان کرنے والا راوی ابوجعفر یزید بن القعقاع القاری نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

دوسری روایت کی تحقیق

محدث ابن سعد لکھتے ہیں۔

> "أخبرنا محمد بن عمر حدثني إبراهيم بن جعفر عن أم الربيع بنت عبد الرحمن بن محمد بن مسلمة، عن أبيها قال: وحدثني يحيى بن عبد العزيز عن جعفر بن محمود عن محمد بن مسلمة قال: وحدثني ابن جريج وداود بن عبد الرحمن العطار، عن عمرو بن دينار عن جابربن عبد الله، أن المصريين لما أقبلوا من مصر يريدون عثمان، ونزلوا بذي خشب دعا عثمان محمد بن مسلمة فقال: اذهب إليهم فارددهم عني، وأعطهم الرضى، وأخبرهم أني فاعل بالأمور التي طلبوا، ونازع عن كذا من الأمور التي تكلموا فيها. فركب محمد بن مسلمة إليهم إلى ذي خشب. قال جابر: وأرسل معه عثمان خمسين راكباً من الأنصار أنا فيهم. وكان رؤساؤهم أربعة: عبد الرحمن بن عديس البلوي، وسودان بن حمران المرادي، وابن البياع، وعمرو بن الحمق الخزاعي، لقد كان الاسم غلب حتى يقال: جيش عمرو بن الحمق. (الطبقات 64/3)

جواب:

ابن سعد، الطبقات الکبری، ج 3 ص 65.64، تاریخ مدینہ دمشق، ج 39 ص 322 پر جو روایت نقل کی ہے وہ ضعیف ہے۔

واقدی متروک راوی

اول: اس میں بھی محمد بن عمر الواقدی، متراوک راوی ہے۔

ام الربیع بنت عبدالرحمن کی توثیق واضح نہیں

دوم: ام الربیع بنت عبدالرحمن بن محمد بن مسلمہ کی توثیق ثابت کیجئے۔

یحیی بن عبدالعزیز بن سعید کی توثیق درکار ہونا

سوم: یحیی بن عبدالعزیز بن سعید کی توثیق ثابت کیجئے۔

تیسری روایت کی تحقیق

مورخ طبری روایت نقل کرتے ہیں۔

> قال محمد بن عمر: وحدثنی شرحبيل بن أبی عون، عن يزيد بن أبی حبيب عن أبی الخير قال: لما خرج المصريون إلى عثمان رضى الله عنه، بعث عبد الله بن سعد رسولاً أسرع السير، يعلم عثمان بمخرجهم، ويخبره أنهم يظهرون أنهم يريدوه العمرة. فقدم الرسول على عثمان بن عفان يخبرهم، فتكلم عثمان، وبعث إلى أهل مكة يحذر من هناك هؤلاء المصريين، ويخبرهم أنهم قد طعنوا على إمامهم. ثم إن عبد الله ابن سعد خرج إلى عثمان فی آثار المصريين - وقد كان كتب إليه يستأذنه فی القدوم عليه، فأذن له - فقدم ابن سعد، حتى إذا كان بأيلة بلغه أن المصريين قد رجعوا إلى عثمان، وأنهم قد حصروه، ومحمد بن أبی حذيفة بمصر، فلما بلغ محمداً حصر عثمان وخروج عبد الله..

(تاریخ الأمم والملوک، ج ٦ ص ٦٦٨)

جواب:

طبری نے تاریخ الأمم والملوک، ج ٦ ص ٦٦٨ میں جو سند نقل کی ہے اس میں محمد بن عمر بن الواقدی متروک راوی ہے۔ اور شرحبیل بن ابی عون کی توثیق بھی ثابت کیجئے۔

چوتھی روایت کی تحقیق

مورخ بلازری روایت نقل کرتے ہیں۔

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الْوَاقِدِيِّ عَنْ (عَبْدِ اللَّهِ) بْن أَبِي سَبْرَةَ عَنْ عَبْدِ المجيد
بْن سهيل قَالَ، قَالَ سَعْدُ بْن أَبِي وقاص حِينَ رأى الأشتر وحكيم بْن جبلة
وعَبْد الرَّحْمَنِ بْن عديس :إن أمرًا هَؤُلاءِ أمراؤه لأمر سوء.

(أنساب الأشراف، ج 2 ص296، نسخہ 5/590)

جواب:

البلاذری نے، أنساب الأشراف، ج 2 ص 296، دوسرا نسخہ 5/590 پر جو روایت نقل کی ہے، اس میں محمد بن عمر الواقدی اور ابن ابی سبرۃ متروک وضعیف راوی موجود ہے۔

پانچویں روایت کی تحقیق

مورخ طبری روایت بیان کرتے ہیں۔

قال محمد :وحدثني إبراهيم بن سالم عن أبيه عن بُسر ابن سعيد، قال :
وحدثني عبد الله بن عياش بن أبي ربيعة، قال :دخلت على عثمان رضى الله عنه
فتحدثت عنده ساعة.... (تاريخ الأمم والملوك، ج٦ ص٦٦٨)

جواب:

طبری نے تاریخ الامم والملوک، ج 6 ص 668 پر جو روایت نقل کی ہے اس میں محمد بن عمر الواقدی متروک وضعیف راوی موجود ہے۔

چھٹی روایت کی تحقیق

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي سَبْرَةَ، عَنْ عَبْدِ
الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ قَالَ خَرَجَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ حَتَّى

دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَهُوَ مَحْصُورٌ ثُمَّ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهِ فَرَأَى عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عُدَيْسٍ وَمَالِكًا الْأَشْتَرَ وَحَكِيمَ بْنَ جَبَلَةَ فَصَفَّقَ بِيَدَيْهِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى، ثُمَّ اسْتَرْجَعَ. ثُمَّ أَظْهَرَ الْكَلَامَ فَقَالَ: وَاللّٰهِ، إِنَّ أَمْرًا هٰؤُلَاءِ رُؤَسَاؤُهُ لَأَمْرُ سُوءٍ. (الطبقات الکبری، ج٣ص٧٢، تاریخ دمشق ج٣٩ص٣٩٩)

جواب:

ابن سعد، نے الطبقات الکبری، ج ٣ ص ٧٢، وابن عساکر، نے تاریخ دمشق ج ٣٩ ص ٣٩٩ پر جو روایت نقل کی ہے اس میں محمد بن عمر الواقدی متروک وضعیف راوی موجود ہے۔

ساتویں روایت کی تحقیق

حَدَّثنا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ قَالَ: حَدَّثَنِي ابنُ لَهِيعَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْمَعَافِرِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا ثَوْرٍ الْفَهْمِيَّ يَقُولُ: قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عُدَيْسٍ الْبَلَوِيُّ وَكَانَ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ ذَكَرَ عُثْمَانَ فَقَالَ أَبُو ثَوْرٍ: فَدَخَلْتُ عَلَى عُثْمَانَ وَهُوَ مَحْصُورٌ، فَقُلْتُ: إِنَّ فُلَانًا ذَكَرَ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ عُثْمَانُ: وَمِنْ أَيْنَ وَقَدِ اخْتَبَأْتُ عِنْدَ اللهِ عَشْرًا...

جواب:

ابن ابی شیبۃ نے المصنف. ج ٦ ص ٣٦٤. ج ٧ ص ١٤و ٣٣٨، ابن شبہ نے تاریخ المدینہ، ج ٤ ص ١١٥٦و ١٢١٨، وابن أبي عاصم نے، السنۃ، ج ٢ ص ٤٧٢، ج ٣ ص ٣١١، ج ٥ ص ٧٤، والبزار نے البحر الزخار، ج ١ ص ٢٩٥، وأبو نعیم نے معجم الصحابہ، ج ١٣ ص ١٩٢، وابن عساکر نے تاریخ مدینہ دمشق، ج ٣٥ ص ١١٣. ج ٣٩ ص ٤٢٣، والذہبی نے تلخیص الموضوعات، ص ٥٥، والسیوطی نے اللآلیء المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ. ج ١ ص ٤٠٦ نے جو روایت نقل کی ہیں۔ ان سب روایات میں میں ابن لھیعۃ راوی ہے جو کہ سخت ضعیف اور شیعہ راوی ہے، اس کی روایت قابل قبول نہیں۔

آٹھویں روایت کی تحقیق

مورخ طبری لکھتے ہیں۔

حدثني أحمد بن عثمان بن حكيم قال: حدثنا عبد الرحمن بن شريك، قال: حدثني أبي عن محمد بن إسحاق عن يعقوب بن عتبة بن الأخنس، عن ابن الحارث بن أبي بكر، عن أبيه أبي بكر بن الحارث بن هشام قال: كأني أنظر إلى عبد الرحمن بن عديس البلوي وهو مسند ظهره إلى مسجد النبي صلى الله عليه وسلم وعثمان بن عفان رضي الله عنه محصور، فخرج مروان بن الحكم، فقال: من يبارز؛ فقال عبد الرحمن بن عديس لفلان بن عروة:....

جواب:

طبری نے تاریخ الامم والملوک، ج ٦ ص ٦٧٠ پر جو سند نقل کی ہے وہ ضعیف ہے۔

اول: محمد بن اسحاق مدلس راوی ہے اور عنعنہ سے روایت کر رہا ہے اور محدثین نے اس کے عنعنہ اور تشیع کے وجہ سے اس کی روایات پر جرح کی ہوئی ہے جس کی تفصیل کتاب کے ابتدائیہ میں موجود ہے۔

دوم: اور الحارث بن ابی بکر بن عبد الرحمن کی توثیق بھی ثابت کرنی ہے۔

ناویں روایت کی تحقیق

وَبَلَغَنِي عَنْ أَبِي حَامِدِ بْنِ الشَّرْقِيِّ أَنَّهُ قَالَ: حَدَّثُونَا أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ الْبَلَوِيَّ هَذَا خَطَبَ حِينَ حُصِرَ عُثْمَانُ فَقَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: عُثْمَانُ أَضَلُّ عَيْبَةٍ بِفَلَاةٍ عَلَيْهَا قُفْلٌ ضَلَّ مِفْتَاحُهَا فَبَلَغَ ذَلِكَ عُثْمَانُ فَقَالَ: كَذَبَ الْبَلَوِيُّ مَا سَمِعَهَا مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَلَا سَمِعَهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

جواب:

البیہقی نے دلائل النبوۃ، ج ٧ ص ٢٢٨ میں جو عبارت نقل کی ہے اس میں انہوں نے ابن حامد الشرقی تک

سند نقل نہیں کی۔ اس لیے اس کی سند بھی قابل قبول نہیں۔

اول: وہ سب محمد بن عمر الواقدی کی سند سے ہیں۔

دوم: ان تمام حوالہ جات میں بنیادی راوی عبداللہ بن لھیعۃ راوی ہے جس کا حافظہ خراب بھی تھا، اور اس کی کتابیں جل گئی تھیں، اس لیے اس کی مرویات کو محدثین نے قبول نہیں کیا۔ اس پر تفصیل کے ساتھ کتب اسماء الرجال میں لکھا گیا ہے۔

سوم: اس کے علاوہ مسند بزار کی روایت میں بشر بن آدم کے بارے میں حافظ ابن حجر اپنی کتاب تقریب التہذیب رقم 675 پر صدوق فیہ لین لکھتے ہیں۔

دوسری روایت کی تحقیق:

تاریخ طبری 4/ 381 پر بھی اسی طرح کی مفہوم کی ایک روایت نقل کی گئی ہے۔

حدثني أحمد بن عثمان بن حكيم قال حدثنا عبد الرحمن بن شريك، قال: حدثني أبي عن محمد بن إسحاق عن يعقوب بن عتبة بن الأخنس، عن ابن الحارث بن أبي بكر، عن أبيه أبي بكر بن الحارث بن هشام. (التاريخ الطبري 4/ 381)

جواب:

مذکورہ روایت میں چند راویوں کے ضعف پر محدثین کی رائے پیش خدمت ہیں۔

اول۔ عبدالرحمن بن شریک بن عبداللہ النخعی الکوفی۔ صدوق یخطیء۔ (التقریب/3893).

دوم۔ شریک بن عبداللہ النخعی: صدوق يخطىء كثيرا تغير حفظه.

(تقریب التہذیب 1/ 266 رقم 2787)

سوم۔ محمد بن إسحاق بن یسار المطلبی المدنی

إمام المغازي، صدوق يدلس، ورمي بالتشيع والقدر۔ (التقريب/5725).

چہارم۔ الحارث بن أبي بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام المخزومی۔ مجہول۔

(الجرح والتعدیل 3/70)

تیسری روایت کی تحقیق:

معجم الکبیر طبرانی 1 / 83 میں اَن رجلاً من الاَنصار اور حضرت محمد بن ابی بکر کا ذکر ہے۔ مگر اس میں بھی مبارک بن فضالہ تیسرے طبقہ کے مدلس ہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

چوتھی روایت کی تحقیق:

مورخ خلیفہ بن خیاط نے تاریخ خلفیہ بن خیاط ص 158 پر ابوالحسن المدائنی کے قول کو نقل کیا ہے۔ مگر ان کا قول بھی بطور مورخ ہی ہے۔ اور انہوں نے یہ دور نہیں پایا تھا۔ اس لیے ان کی بغیر سند کے ایسی باتوں کو کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

دوسرا الزام: ﴿حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا صحابہ پر الزام﴾

حضرت عبدالرحمن بن عدیس کے بارے میں یہ بھی الزام ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔

جواب:

گذارش ہے کہ ایسی روایات جس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں حضرت عبدالرحمن بن عدیس شامل تھے، ان کے اسانید کا علمی حال پیش خدمت ہے۔

1-ابن شَبہ نے تاریخ المدینہ، 4/1302 ۔ 1303 پر جو سند نقل کی ہے وہ زہری کی مرسل ہے۔

2-البیہقی نے دلائل النبوۃ، 7 / 227 پر جو سند نقل کی ہے اس میں ولید بن مسلم مدلس راوی ہے، اس میں عبداللہ بن لھیعہ ضعیف اور سیَٔ الحفظ راوی، یزید بن ابی حبیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں انقطاع ہے۔

3-البیہقی نے دلائل النبوۃ، 7 / 227 پر دوسری سند نقل کی ہے، اس میں بھی ابن لھیعہ ضعیف اور سیَٔ الحفظ راوی ہے۔

4-البیہقی نے دلائل النبوۃ، 7 / 227 میں جو تیسری سند نقل کی ہے اس میں یزید بن ابی حبیب نے حضرت عبدالرحمن بن عدیس سے سماع نہیں کیا

5-ابن شَبہ نے تاریخ المدینہ، 4 / 1281 پر جو سند نقل کی ہے اس میں ابرحیم بن الیقظان الیمامی اور یحیی

بن ابی حفصۃ کی توثیق ثابت کیجئے۔

6-(الطبری کی تاریخ الامم والملوک، 2/ 688۔ 689 پر درج کردہ سند میں شعیب بن ابراھیم بن التیمی کے توثیق راجح ثابت کرنا ضروری ہے، اور اسی سند میں سیف بن عمر التیمی ضعیف ہے، اور اس کے شیوخ محمد طلحہ،، ابو حارثہ، ابو عثمان کا تعین موجود نہیں ہے اس لیے توثیق بھی نہیں ہو سکتی۔

7-الطبری نے تاریخ الامم والملوک، ج 2 ص 688 پر جو سند نقل کی ہے اس میں بھی محمد بن عمر الواقدی متروک راوی ہے، عبداللہ بن موسی المخزومی کا تعین نہیں ہے۔

8-الطبری نے تاریخ الامم والملوک، ج 2 ص 688 پر جو الگ سند سے روایت نقل کی ہے اس میں بھی محمد بن عمر الواقدی متروک اور ضعیف راوی ہے اور سعد بن راشد کی توثیق بھی موجود نہیں۔

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں کسی جلیل القدر صحابی پر الزام لگانا باطل و مردود ہے۔ جتنی مرویات پیش کی جاتی ہیں وہ سند و متن کے لحاظ سے انتہائی ضعیف و مخدوش ہیں۔ اور پھر اگر یہ الزام درست بالفرض محال تسلیم کر لیے جائیں تو پھر یہ تمام صحابہ کرام جن پر شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا الزام آتا ہے، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور لشکر میں جمل و صفین میں شامل رہے۔ اس لیے ایسی مخدوش رویات کو پیش کر کے دیگر صحابہ کرام کی عظمت و مقام پر اعتراض کرنا باطل و مردود عمل ہے۔

اس کتاب میں کوئی علمی غلطی ہو گئی ہو یا کسی کی دل آزاری ہو گئی ہو تو براہ کرم اہل علم سے درخواست ہے کہ مطلع فرمائیں ناچیز کو فوراً رجوع کرتا پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد اس کو قبول کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہمیں اہل بیت اطہار و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعظیم و تکریم اور ان کی پیروی کی توفیق عطاء فرمائے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

* * *

For More Books Click On Ghulam Safdar Muhammadi Saifi

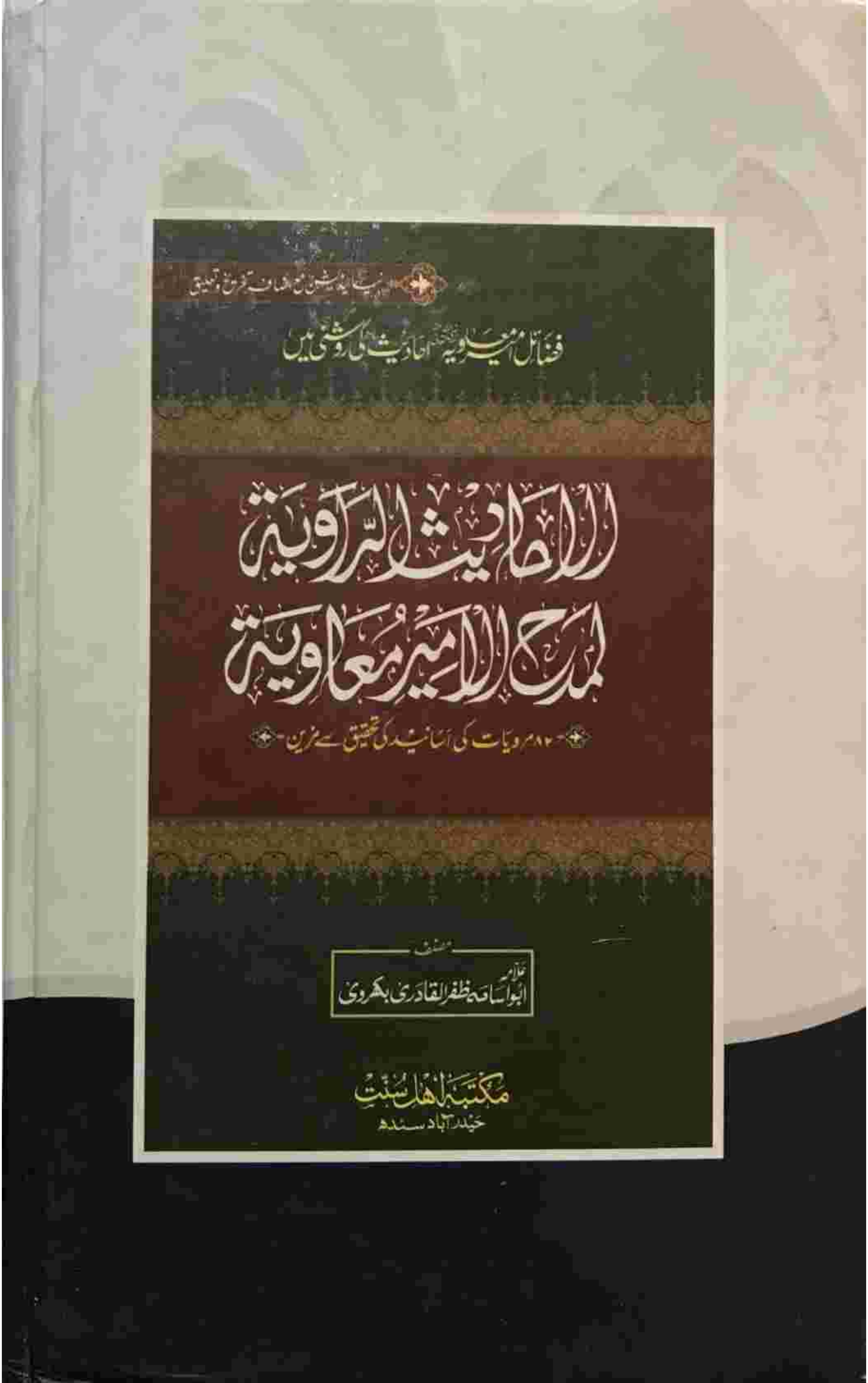

نیا ایڈیشن مع اضافہ تخریج و تحقیق

فضائل امیر معاویہؓ احادیث کی روشنی میں

الاحادیث الراویة لمدح الامیر معاویة

۸۲ مرویات کی اسانید کی تحقیق سے مزین

مصنف
علامہ
ابو اسامہ ظفر القادری بکھروی

مکتبہ اہل سنت
حیدر آباد سندھ